ماہ نامہ بینات کے لیے تحریر کردہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ
کے اداریوں اور مضامین کا مجموعہ

بصائر و عبر

رشحات قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

حصہ اول

جمع و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

2014 - ١٤٣٥

Maktaba Bayyenat
Jamia uloom e islamiyyah
Allama Banuri Town Karachi
Pakistan

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Tel: +92-21-34913570 34927233 34121152
Fax: +92-21-34916819 34925352
Mail: info@banuri.edu.pk
Web: www.banuri.edu.pk

ماہ نامہ بینات کے لیے تحریر کردہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اِداریوں اور مضامین کا مجموعہ

بصائر و عبر

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ اوّل

جمع و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبۂ بیّنات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

پیش لفظ

الحمد لله وحدهٗ، والصلاة والسلام علی من لانبی بعدهٗ وعلی من تبع هداه وهدیه، و بعد.

ہمارے شیخ، محدث العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس دار فانی سے رحلت فرمانے کے بعد راقم الحروف کا دل چاہا کہ اپنے محبوب شیخ کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی وہ پیاری ہستی، وہ نورانی چہرہ، وہ بابرکت شخصیت کسی نہ کسی بہانے سب کے سامنے موجود رہے۔ قارئین نے سنا ہوگا کہ ”من أحبّ شیئًا اکثر ذکره“ (جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے اس کا تذکرہ کرتا ہی رہتا ہے)۔ یہ بھی ایک باعث تھا، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ زندگی میں اپنے شیخ کی خدمت نہ کر سکے تو اب کچھ لیپا پوتی کر لیں۔ اس لئے مختلف جہات سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے ناقص انداز سے کام کرنے کا ارادہ کیا اور اب تک درج ذیل آثارِ شیخ ہدیۂ ناظرین ہو چکے ہیں:

① جامعة دیو بند الاسلامیة فی ضوء المقالات البنوریة (عربی)
② المقدمات البنوریة (عربی، فارسی، اردو)
③ القصائد البنوریة (عربی)
④ مجربات بنوریة (اردو)

یہ چاروں کتابیں چھپ چکی ہیں اور اب خدا کے فضل سے ”بصائر و عبر“ پیش خدمت ہیں۔ کئی سال قبل حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ ماہنامہ بینات کے اداریے الگ کئے تھے اور انہیں اپنی سمجھ کے مطابق تین ابواب میں تقسیم کر دیا تھا۔

① مقالات علمیہ۔ ② حالاتِ حاضرہ۔ ③ وفیات۔

مقالات علمیہ میں ان اداریوں کو لیا گیا ہے جس میں علمی مواد غالب تھا، اسی طرح حالاتِ حاضرہ میں ان مضامین کو رکھا گیا ہے جن میں حالات حاضرہ سے متعلق مواد کا حصّہ وافر تھا۔ اگر چہ وہ بھی حقیقت میں علمی

مقالات ہی ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں حالاتِ حاضرہ کا رنگ و پہلو غالب ہے اس لئے اس ذیل میں ذکر کردیا۔ ورنہ سب ہی اداریے علمی شاہکار، ادبی یادگار اور حساس دل کے ترجمان اور عظیم مصلح کی شخصیت پر روز روشن کی طرح دلالت کرنے والے ہیں۔

وفیات میں ان صفحات کو رکھا گیا ہے جن میں دنیا سے رحلت کرنے والی بعض ممتاز و اہم شخصیات پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کلمات تعزیت تحریر فرمائے تھے۔

اداریوں میں کچھ وہ مضامین بھی شامل ہیں جو بینات میں طبع ہو چکے ہیں۔ علمی مقام اور افادیت کے خاطر بصائر وعبر میں شامل کرلیا گیا، عنوانات بندہ کی ناقص رائے کے مطابق ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ کسی جگہ جو عنوان ہونا چاہئے وہ نہ لگ سکا ہو۔ ایسی صورت میں مطلع فرما کر اجر حاصل کریں۔ آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ تعالیٰ درست کرلیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ یہ کام آج سے غالباً تین سال قبل کا ہے۔ کتابت بھی ہو چکی تھی، لیکن طباعت نہ ہوسکی اب یہ مرحلہ بھی آ گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اس کی توفیق پر بھی اور اعانت پر بھی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے برادر محترم مولانا عطاء الرحمن صاحب کو جنہوں نے حسب معمول اس کام میں بھی ہاتھ بٹایا اور برادرم مولانا حسن الرحمن صاحب اور برادرم مولانا فیض الرحمن صاحب کو بھی جنہوں نے اس کی تصحیح میں حصہ لیا اور ان سب حضرات کو بھی جنہوں نے اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کی اعانت کی ہو۔ مکتبہ بنوریہ کی خوش نصیبی ہے کہ اسے اس کتاب کے طبع کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے تمام کاموں کو محض اپنی رضاء وقرب کا ذریعہ بنائے اور قبولیت سے نوازے اور موفق بنائے۔ إنه على كل شيئٍ قدير و بالإجابة جدير۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين

كتبه

محمد حبیب اللہ مختار

٢٨-٦-١٤٠٨ھ

١٧-٢-١٩٨٨ء

فہرست مضامین

پیش لفظ ۵
فہرست مضامین ۷
باب اول: علمی مقالات ۱۵
دین اسلام اور اس کی جامعیت ۱۵
دار الافتاء و دار القضاء ۱۶
تفقہ فی الدین اور منصب افتاء ۱۷
جدید مسائل اور انکے حل کیلئے مجلس کا قیام ۱۸
ادارہ تحقیقات اسلامی کی فتوئی بازی ۱۸
اسلام کیا ہے؟ ۱۹
لغت میں اسلام کے معنی ۲۱
انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ۲۲
علماء کا فرض منصبی ۲۴
دین اسلام کیا ہے؟ ۲۵
دین اسلام سے دوری کے نتائج ۲۵
اسلامی مشاورتی کونسل اور اسکے ارکان ۲۶
عائلی قوانین ۲۶
افرادی قوت اور عددی اکثریت کے فوائد ۲۷
صدر ایوب کے بارے میں ایک
افواہ اور اس کی وضاحت ۲۸
راسخ العقیدہ سنی مسلمان کون ہیں؟ ۲۹
دین اسلام کی امتیازی خصوصیات ۳۱
جدید تہذیب کی برکات ۳۲
اسلام دین رحمت ہے ۳۴
اسلام جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے ۳۴
اسلام کا قانون رحمت و عدل ۳۵
اسلامی غزوات پر اعتراض کرنے والوں
کے روح فرسا کارنامے ۳۵
اسلام کا دستور ۳۷
تفسیر جواہر القرآن پر تبصرہ ۳۸
اسلام اور اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کا راستہ ۴۱
اسلامی حکومت کا سربراہ و حکمران ۴۲
اسلامی ممالک کی امتیازی خصوصیت ۴۳
امت محمدیہ اور اسلام ۴۴
دین الٰہی کی تاریخ ۴۴
کوفہ کی علمی اور دینی حیثیت ۴۵
امام ابوحنیفہؒ اور ان کی خصوصیات ۴۸
امام ابوحنیفہؒ اور شرعی مسائل ۵۰
اسلام دین کامل ہے اور اس میں
کسی بھی ازم کی گنجائش نہیں ۵۱
علماء کی ذمہ داری اور ان کے فرائض ۵۳
عوام کے فرائض و ذمہ داریاں ۵۴
کمال دین کا مطلب اور اس کے معانی ۵۶
اسلامی سوشلزم کا نعرہ ۵۷
رحمت الٰہی کا ایک نفحہ (لہر) ۵۸

اسلامی حکومت اور اس کے اساسی قوانین ۵۸
اسلام کیا ہے؟ ۵۹
اسلامی حکومت کسے کہتے ہیں؟ ۵۹
اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ ۶۱
مسلمان حکمران کے شرائط ۶۲
دینی مدارس اور ان کے ثمرات واثرات ۶۳
ارباب اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے
کی ایک مثال ۶۴
اسلامی آئین اور آئین پاکستان ۶۵
اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟ ۶۶
اسمبلی کا فرض منصبی ۶۶
اسلامی سوشلزم ۶۷
مساوات محمدی ۶۷
مسودہ دستور پاکستان اور ارباب علم وفکر
کی تجاویزات وترامیم ۶۸
تجاویز وترمیمات ۶۹
تحدید ملکیت اور حکومت کا کسی دوسرے کی ملکیت پر
زبردستی قبضہ کرنا ۷۱
دین اسلام سے مسلمانوں کی روگردانی ۷۳
دین اسلام سے بغاوت اور اس کی سزا ۷۵
آزادی اور اس کا مقصد ۷۶
غیر اللہ کو عزت وطاقت کا سرچشمہ سمجھنے کی سزا ۷۷
امت محمدیہ اور فتنے ۸۲
مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ۸۴
امت مرحومہ اور فتنے ۸۶
فتنوں کی قسمیں ۸۶
عملی فتنے ۸۷
علمی فتنے ۸۷
فتنوں کا انسداد ۸۸
مجلس دعوت اصلاح کا قیام ۸۹
علماء کے اجتماع میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
کی افتتاحی تقریر ۸۹
مجلس دعوت واصلاح کے مقاصد ۹۲
مقاصد۔ تشریح ۹۲
نوعیت نظام ۹۳
طریق کار ۹۵
فتنے اور امت محمدیہ ۹۵
علماء ومصلحین اور ان کے فتنے ۹۹
مصلحت اندیشی کا فتنہ ۹۹
ہر دلعزیزی کا فتنہ ۹۹
اپنی رائے پر جمود واصرار ۹۹
سوئے ظن کا فتنہ ۹۹
سوئے فہم کا فتنہ ۹۹
بہتان طرازی کا فتنہ ۱۰۰
جذبۂ انتقام کا فتنہ ۱۰۰
حب شہرت کا فتنہ ۱۰۰
خطابت یا تقریر کا فتنہ ۱۰۰
دعایۃ (پروپیگنڈہ) کا فتنہ ۱۰۱
مجلس سازی کا فتنہ ۱۰۱
عصبیت جاہلیت کا فتنہ ۱۰۱
حب مال کا فتنہ ۱۰۲
فتنے اور اس سے بچاؤ کا راستہ ۱۰۲

اول……شورائیت ۱۰۵
دوم……اعتدال ۱۰۶
سوم……حکایات وشکایات سے احتراز ۱۰۶
چہارم……اکرام واحترام ۱۰۷
استخارہ کرنا ۱۰۷
فتنوں کا اصل علاج ۱۰۸
مادیت کا فتنہ اور اس کا علاج ۱۱۰
عجیب متضاد طرز عمل ۱۱۲
انسانی مشکلات کا حل صرف اسلام اور
اسلامی نظام ہے ۱۱۳
قابل تقلید مثال ۱۱۳
سب سے بڑا فتنہ حب دنیا ۱۱۴
خدا فراموشی کا نتیجہ ۱۱۵
قرآن کریم دین ودنیا کی کامرانیوں کا کفیل ہے ۱۱۷
امت محمدیہ اور قرآن کریم ۱۱۹
مکتوب بنام صدر اور اراکین انجمن اشاعت حفظ
قرآن عظیم مکہ مکرمہ ۱۲۰
اسلام میں سنت اور حدیث کا مقام ۱۲۴
منبع وحی ۱۲۵
تعلیمات انبیاء ۱۲۶
دین کا منبع اور مدار ۱۲۶
مستشرقین اور اعداء اسلام کی قرآن کریم میں
معنوی تحریف کی کوشش ۱۲۸
تاریخ فتنہ انکار حدیث ۱۲۸
قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ ۱۲۹
فرق باطلہ اور حدیث ۱۳۰
سنت وحدیث پر مطبوعہ کتابیں ۱۳۱
منصب نبوت کی اجمالی تشریح ۱۳۳
نبوت کی حقیقت ۱۳۳
نبی ورسول یا پیغمبر ۱۳۵
رسالت ۱۳۶
منصب نبوت ورسالت ۱۳۷
نبی ہر نقص وکوتاہی سے بالاتر ہوتا ہے ۱۳۸
نبی کریم ﷺ کے خصائص واوصاف ۱۳۸
نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی ۱۴۱
عصمت انبیاء وحرمت صحابہ ۱۴۷
حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ۱۶۳
محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات ۱۶۴
صحابہ کرام کا جذبہ ایمانی ۱۶۶
صحابہ کرام کا محاسبۂ نفس ۱۶۸
صحابہ کرام کمال ایمان وکمال تقویٰ پر فائز تھے ۱۶۹
اصحاب صفہ ۱۷۱
علم دین حاصل کرنے کا مقصد ۱۷۴
علماء کے مناصب ۱۷۴
اصل مشکل کا حل ۱۷۵
اہل اللہ اور کشف والہام ۱۷۶
مسلمانوں کا عروج وزوال ۱۷۷
مسلمانوں کے زوال کا سبب ۱۷۹
قہر الٰہی سے بچنے کا راستہ ۱۷۹
امت کی نجات اور عذاب سے چھٹکارے کی تدبیر ۱۸۰
اللہ کے دربار میں عجز وانکساری سے دعا
کی ضرورت ہے ۱۸۴

اخلاص اور تصحیح نیت ۱۸۵
کسی جماعت سے اتحاد کے لئے شرائط ۱۸۶
قول وعمل کا تضاد اور اسلام ۱۸۸
نفاق کی تین صورتیں ۱۸۹
پاکستان کیوں حاصل کیا گیا اور اب تک کیا ہوا؟ ۱۹۰
فسق وفجور اور گناہوں کے اثرات ۱۹۰
پاکستان اور مرزائی امت ۱۹۲
اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کا مقام ۱۹۴
شہید اور شہادت کے فضائل ۱۹۴
شہید کسے کہتے ہیں؟ ۲۰۳
مسلمانوں کی ذلت اور رسوائی کے اسباب ۲۰۵
علم کے اقسام اور ان کے حصول کا راستہ ۲۰۸
انسانی عقل وقوت اختراع اور دنیا ۲۰۹
انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی ۲۱۰
قانون الٰہی اور مذہب سماوی کی ضرورت ۲۱۱
مذہب اور جدید تعلیم ۲۱۳
علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع وتصادم نہیں ۲۱۴
سائنسی اور فنی علوم اور انکے برکات وثمرات ۲۱۵
دین اور علمائے دین کے خلاف پروپیگنڈہ ۲۱۶
علوم دینیہ اور علماء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں سے چند سوالات ۲۱۷
علماء دین کا پیغام اور دعوت دین ۲۱۸
دینی مدارس اور ان کا فائدہ ۲۲۰
پاکستان کے عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی وجہ ۲۲۱
دین کے محافظ علمائے حق ہیں ۲۲۳
دور حاضر میں علماء وطلباء کے خلاف خطرناک سازش ۲۲۴
علم اور اسکی اقسام اور اسکے فوائد ۲۲۷
جدید تعلیم اور اس کا مقصد ۲۲۹
جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب ۲۳۰
جدید تعلیم اور اسکے چند مہلک اثرات ۲۳۱
نئی نسل کے اضطراب کا بڑا اور اہم سبب ۲۳۲
ایک پرفریب نعرہ ''آزادی نسواں'' ۲۳۲
پردہ عورت کا فطری حق ہے ۲۳۳
اسلام کی نظر میں جائز پیشے ذلت کا موجب نہیں ۲۳۴
تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے مسائل کا حل ۲۳۴
سائنسی علوم اور تعلیم وتربیت ۲۳۵
علوم کی قسمیں اور ان کا حکم ۲۳۶
اصلی علم کیا ہے؟ ۲۳۷
سائنسی علوم کا ظاہری فائدہ ۲۳۷
علوم الٰہیہ اور قدیم وجدید علوم کی ترویج کس کا فرض ہے ۲۳۸
عربی زبان اور اسلام ۲۳۹
عربی زبان اور اس کی اہمیت ۲۴۳
علماء کی صحبت کے بغیر علم آزمائش وابتلاء ہے ۲۴۵
منصب افتاء اور اس کا تقاضا ۲۴۹
منصب افتاء کا اساسی اصول ۲۴۹
حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی غیر شرعی تدفین ۲۵۰
جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول ۲۵۲
علماء امت کے لئے لمحہ فکریہ ۲۵۶
عصر حاضر کا اہم تقاضہ قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل ۲۵۶

اہل علم واہل قلم حضرات کا فریضہ ۲۶۰
تصویر سازی اور اسلام ۲۶۱
تصویر اور فوٹو ایک وبائی فتنہ ۲۶۳
تصویر سازی کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے ۲۶۴
اسلامی سلطنت کو کیا کرنا چاہئے؟ ۲۶۵
تصویر اور اسلام ۲۶۶
تصویر کے معاملے میں شریعت محمدیہ کی سختی کی وجہ ۲۶۷
تصویر اور اس کے گندے اور فتنہ انگیز نتائج ۲۶۷
کسی معاشرے میں بے حیائی کا سر اٹھانا اس کے دلوں سے اسلامی روح نکلنے کی علامت ہے ۲۶۸
فوٹو اور تصویر کی حرمت ۲۷۲
مسلمانوں اور عالم اسلام کی غلامانہ ذہنیت ۲۷۴
اقوام متحدہ اور عالم اسلام ۲۷۶
عالم اسلام اور مسلم سربراہوں کو کس پر اعتماد کرنا چاہئے؟ ۲۷۷
اصلی وحقیقی ایمان ویقین ۲۷۸
عالم اسلام کی کمزوری کا سبب ۲۷۸
محبت رسول ﷺ کا تقاضا ۲۷۹
غیر مسلموں کی نقالی اور مسلمان ۲۸۰
تصویر سازی اور اسلام ۲۸۱
وزارت اسلامی امور پاکستان اور علماء ۲۸۴
حج بیت اللہ ۲۸۵
عشق ومحبت کا سفر ۲۸۶
سفر عشق میں امتحان ۲۸۸
حجاج کے لئے چند ضروری ہدایات ۲۸۹
اعضاء انسانی کی تبدیلی ۲۹۱
حضرت مولانا بنوریؒ اور جمعیۃ علمائے اسلام ۲۹۲
استخارہ اور اس کا مسنون طریقہ ۲۹۵
جدہ سے احرام باندھنے کا حکم ۲۹۶
عائلی قوانین ۲۹۷
نزول مسیح کا عقیدہ اسلامی اصول کی روشنی میں ۲۹۸
نزول مسیح اور قرآن کریم ۳۰۸
نزول عیسیٰ کے بارے میں تواتر حدیث ۳۱۰
نزول مسیح اور اجماع امت ۳۱۵
خلاصہ بحث ۳۱۸
عقیدہ ختم نبوت ۳۲۰
قادیانیت انگریز کا خودکاشت پودا ۳۲۱
قادیانیت کے خلاف علامہ کشمیریؒ کا جہاد ۳۲۱
هدية المهديين فی آية خاتم النبيين ۳۲۴
دین اسلام کا سب سے بڑا شعار ختم نبوت ۳۲۵
اسلام کے خلاف برطانوی سازش ۳۲۶
تخلیق کائنات کا مقصد ۳۲۷
پاکستان کا مقصد ۳۲۸
تاسیس پاکستان کا اصل مقصد ۳۲۹
قادیانیوں کے بارے میں عدالت کے فیصلے ۳۲۹
فیصلہ ”جیمس آباد“ کے اہم نکات ۳۳۰
نکتہ اول: مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ۳۳۰
نکتہ دوم: مسلمان اور غیر مسلم کے الگ الگ دائرۂ عمل ۳۳۲
نکتہ سوم: قادیانی کافر ومرتد ہیں اسکے وجوہ واسباب ۳۳۴

نکتہ چہارم: قادیانیوں کو ایک علیحدہ حکومت قرار دینے کا مطالبہ ۳۳۸
نکتہ پنجم: قادیانیوں کو غیر مسلم قرار پانے کے نتائج ۳۴۰
تسخیر کائنات اور اسلام ۳۴۱
دین اسلام کیا ہے؟ ۳۴۳
قرآن کریم کیا ہے؟ ۳۴۳
تسخیر کے معنی ۳۴۹
نظام کائنات میں انسان کی پرواز ۳۵۰
قدرت الٰہی اور انسانی قوت کے دائرے ۳۵۰
تسخیر کائنات کا مطلب ۳۵۱
عقل انسانی قدرت خداوندی کی حیرت انگیز تخلیق ۳۵۱
ہیئت افلاک اور سیارات کے بارے میں سابقہ تحقیق ۳۵۲
انسان کا چاند پر پہنچنا ۳۵۳
تسخیر قمر و تسخیر کائنات ۳۵۵
چاند سورج اور آسمان ۳۵۶
آسمان اور افلاک میں فرق ۳۵۶
سائنسی کارنامے انبیاء کے معجزات سمجھنے کا ذریعہ ہیں ۳۵۷
اصلی تسخیر کائنات ۳۵۹
حدیث افتراق امت ۳۶۰
علامہ ابن حزم اور حدیث افتراق ۳۶۲
مجد الدین فیروز آبادی اور حدیث افتراق امت ۳۶۳
حدیث اختلاف امت ۳۶۴
حدیث اختلاف امت کے رواۃ اور اسکے الفاظ ۳۶۵
حدیث بدأ الاسلام غریبا کی تشریح ۳۷۳
"غریب" کے معنی ۳۷۳
مسلمان مملکتوں میں اسلام کی غربت ۳۷۴
اسلام کے ساتھ شرانگیز اور مضحکہ خیز صورتحال ۳۷۴
عملی اسلام کی حفاظت کیلئے خوش نصیب افراد کا وجود ۳۷۶
حکومتوں کی اصلاح کے لیے صحیح راستہ ۳۷۶
حدیث "النکاح من سنتی" کی تحقیق ۳۷۷
عدل و انصاف کی اہمیت ۳۸۰
نظام عالم اور عدل و انصاف ۳۸۲
قوموں اور ملکوں کے تباہی کے اسباب ۳۸۲
حکومت کی بقا کیلئے عدل و انصاف ضروری ہے ۳۸۳
مسلمان قوم سے اسلام کی روح نکلنے کا نتیجہ ۳۸۴
دنیا و آخرت ۳۸۵
نبی کسے کہتے ہیں؟ ۳۸۶
زمین کی حقیقت ۳۸۸
قدرت خداوندی کے مظاہر ۳۸۹
چاند اور دیگر سیارے ۳۸۹
موجودہ سائنس تکوینی عجائبات پر مطلع ہونے کا ایک راستہ ہے ۳۹۰
دنیا کی بے حقیقی اور بے ثباتی ۳۹۱
قرآن کریم کا اعجاز اور اسکی فصاحت و بلاغت ۳۹۲
انسانی زندگی کے چار دور ۳۹۳
بچے کی ابتدائی پرورش اور اسکے قدرتی نظام ۳۹۴
انسانی زندگی کے تدریجی مراحل ۳۹۴
مال و اولاد میں تفاخر ۳۹۵
انسانی زندگی کی ایک مشاہد مثال ۳۹۶
نظام قدرت کے سامنے انسانی عقل کی حیرانی ۳۹۷
دنیا پیدا کرنے کا مقصد اور آخرت کی لامحدود

زندگی اور بے شمار نعمتیں ۳۹۸
جنت اور اخروی نعمتوں کا مستحق کون ہے؟ ۳۹۹
جنت کی وسعت اور بلندی ۴۰۰
اخروی ابدی زندگی کے حصول کا طریقہ ۴۰۱
بے دینی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سب کو مل کر
کوشش کرنا چاہئے ۴۰۲
ہمارا دینی فرض ۴۰۳
عالمگیر فتنوں کے مقابلے کے لئے تبلیغی
جماعت کا وجود ۴۰۳
تبلیغ دین اور دعوت اللہ ۴۰۵
تبلیغی جماعت اور اسکے شاندار اثرات ۴۰۶
لندن میں بین الاقوامی تبلیغی اجتماع ۴۰۷
تبلیغ دین اور دینی مدارس ۴۰۹
دنیا اور اس کی بے ثباتی ۴۱۱
علماء اور اُن کا فریضہ ۴۱۳
رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ۴۱۵
ولی کامل بنانے کا آسانی نسخہ ۴۱۷
تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ ۴۱۷
مجاہدہ نفس اور روزہ ۴۲۰
دینی تربیت اور ماہ رمضان ۴۲۱
قومیت اور اس کے روح فرسا نتائج ۴۲۲
اسلامی اخوت ۴۲۳
مسلمانوں کی جان کی اہمیت (قتل مسلم پر وعیدیں) ۴۲۶
تقویٰ اور اس کی اہمیت ۴۲۹
کمال ایمان ۴۳۴
الحاد و زندقہ ۴۳۵
اجتہاد ۴۳۶
اسلامی قوانین میں اجتہاد و عقل کا مقام اور جدید مسائل
میں اجتہاد کا طریقہ کار ۴۴۶
حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تحریری بیان جو آپ نے
مجمع البحوث الاسلامیہ ازہر کی تیسری کانفرنس
میں پیش کیا ۴۶۲
افادات حمادیہ ۴۶۶
فائدہ: اولئك الذين انعم الله عليهم ۴۶۶
فائدہ: حسنات الابرار سيئات المقربين ۴۶۹
فائدہ: من باب المعرفة بالله ۴۷۱
فائدہ: تتعلق بالذكر على طريقة ۴۷۴
افکار ڈاکٹر فضل الرحمن ۴۷۶
جشن قرآن ۴۷۷
عصر حاضر کے جدید مسائل کا حل اور
ایک غلط فہمی کا ازالہ ۴۷۸
مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی میں کی ہوئی علامہ بنوریؒ
کی تقریر کی تلخیص ۴۸۲
ادارہ تحقیقات اسلامی کے اغراض و مقاصد
کیا ہونے چاہئیں؟ ۴۸۴
علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے اجتماع سے
دینی مسائل کا حل ۴۸۴
ادارہ تحقیقات اسلامی کی غرض و غایت ۴۸۵
آیت کریمہ لفظ دین کی تشریح ۴۸۵
اسلام کی تشریح ۴۸۶
قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ ۴۸۷
دین اسلام کی علمی و عملی حفاظت ۴۸۷

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے بنیادی مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟ ۴۸۸
جدید علم کلام ۴۸۹
عہد نبوت کے چند واقعات اور سائنس ۴۸۹
ایک اور بنیادی عقیدہ کا حل ۴۹۰
عذاب قبر کے مسئلہ کا حل اور اس کی مثال ۴۹۱
فقہ اسلامی کی جدید تدوین ۴۹۳
چند حقائق اور توجہ طلب باتیں ۴۹۸
حدیث کے بعد قرآن ۵۰۰
عصر حاضر کے جدید مسائل اور علماء کے فرائض ۵۰۸
سوال نامہ متعلق انشورنس ۵۰۸
بیمہ کی حقیقت ۵۰۸
الف: زندگی کا بیمہ ۵۰۹
ب: املاک کا بیمہ ۵۱۰
ج: ذمہ داریوں کا بیمہ ۵۱۰
خلاصہ ۵۱۱
بیمہ کے مصالح اور مفاسد ۵۱۱
سوالات ۵۱۳
عہد حاضر کا خطرناک فتنہ ۵۱۵
ادارہ تحقیقات اسلامی کا جدید شاہکار ۵۱۶
مذہب حنفی اور شورائیت ۵۱۷
عہد حاضر کی جاہلیت کا شاہکار ۵۱۸
قومی اسمبلی میں وزیر قانون نے اسلامی کونسل کی سفارشات کا اعلان کر دیا ۵۱۹
اسلامی کونسل کی سفارشات ۵۱۹
انسانیت کی نجات اور فلاح و بہبود کا راستہ ۵۲۱
فرضیت زکوٰۃ اور اس کی قطعیت ۵۲۶
ڈاکٹر فضل الرحمن کے متضاد بیانات یا قلابازیاں ۵۲۹
ایک اور عجیب تضاد ۵۳۰
عہد حاضر میں اسلام کی بے چارگی اور اس کے خلاف دشمنوں کی سازش ۵۳۲
قرآن کریم اللہ کا کلام اور وحی ۵۳۳
ادارہ تحقیقات اسلامی کیلئے اہل حضرات کون ہیں؟ ۵۳۶
ادارہ تحقیقات اسلامی اور ڈاکٹر معصومی ۵۳۷
نزول قرآن کریم کا چہاردہ صد سالہ جشن ۵۳۷
تفاسیر قرآن اور مسلمان قوم ۵۴۴
ڈاکٹر اسرار احمد اور تفسیر قرآن ۵۴۵
کتاب الزہد لابن المبارک پر تبصرہ اور اسکا تعارف ۵۴۶
الابواب والتراجم پر تبصرہ ۵۴۸
تبصرہ بر رکن ایمان ترجمہ قرآن ۵۴۹
التقریظ والانتقاد اختلاف الفقهاء للطحاوی یا مختصر اختلاف الفقهاء للرازی ۵۵۰
ڈاکٹر معصومی کی رائے سے اختلاف ۵۵۳
ماہنامہ فاران انگلستان کا اجراء ۵۵۵
قصیدہ مناجاتیہ ۵۵۶

باب اول

علمی مقالات

دین اسلام اور اس کی جامعیت

دین اسلام ایک جامع ترین نظامِ حیات ہے جو اپنے اصول وفروع کے لحاظ سے اخلاق وعبادات، سیاسیات ومعاملات اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اس کی بنیاد وحی ربانی پر ہے جو ماورائے عقلِ انسانی ہے، حق جل مجدہٗ نے اپنے علم محیط اور کمالِ قدرت سے قیامت تک کے امراض کے لئے یہ نسخۂ شفا نازل فرمایا ہے، انسانی زندگی کا کوئی بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ ایسا نہیں جس کے لئے اسلام کا کوئی منصوص یا غیر منصوص حکم موجود نہ ہو، حق تعالیٰ نے قیامت تک اسے باقی رکھنے کی یہ تدبیر فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عملی زندگی سے اس کی تشریح فرمائی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے خوب سمجھ کر اپنی زندگی کا نصب العین اور دستور العمل بنایا اور خلافت راشدہ میں اس کی عملی تفصیلات اپنی پوری وسعت سے منضبط ہوئیں۔ پھر ان فقہائے صحابہ، خلفائے راشدین، عبداللہ بن مسعود، ابو الدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عائشہ صدیقہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمی وعملی طور پر تابعین اور ائمہ مجتہدین تک صحیح سالم بکمال وتمام پہنچا، اسی طرح تمام عالم میں عادل، خدا ترس، پاک نیت اور اہل امانت افراد کے علم وعمل کے ذریعہ قرناً بعد قرنٍ توارث وتواتر سے پہنچتا رہا ہے۔ چنانچہ آج کے اس خدا فراموش، پرفتن اور قربِ قیامت کے دور میں بھی الحمدللہ یہ دین اپنی علمی اور عملی شکل میں ٹھیک ٹھیک موجود ہے۔ امت کے صالحین اور علمائے ربانیین اس پر عمل پیرا بھی ہیں اور اس کی تعلیم وتعلم اور تبلیغ واشاعت میں بھی مشغول ہیں اور قیامت تک کے لئے کوئی نہ کوئی جماعت ایسی موجود رہے گی جو اپنی علمی وعملی زندگی سے اس کے صحیح صحیح خدو خال پیش کرتی رہے گی۔ الغرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرما کر ہر دور میں تمام عالم پر اتمام حجت کر دیا، نہ کل کسی کے لئے یہ کہنے کا موقعہ تھا کہ اسلام کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں، نہ آج کسی کے لئے یہ موقعہ ہے نہ آئندہ قیامت تک یہ گنجائش رہے گی۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ [الانفال:٤٢]

ترجمہ: اب اتمام حجت کے بعد جسے اسلام کو چھوڑ کر برباد ہونا ہے وہ برباد ہوتا رہے اور جسے اسلام کو اپنا کر زندہ رہنا ہے وہ زندہ رہے۔

دارالافتاء و دارالقضاء

اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہا اور اسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حد تک خدمتِ دین کی ذمہ داری کو محسوس کرتی رہیں، اس وقت تک ایک طرف محاکمِ عدلیہ قضا کا نظام جاری رہا اور دوسری طرف علمائے امت کے ذریعہ ہر وقت افتاء کا کام ہوتا رہا، اسلامی حکومتیں دارالقضاء کی طرح دارالافتاء کی سرپرستی بھی کرتی رہیں، آج بھی ان حکومتوں میں جنہیں پوری طرح اسلامی حکومتیں کہنا مشکل ہے، قضاء و افتاء کا نظام کسی نہ کسی حد تک قائم ہے۔

متحدہ ہندوستان کے فرنگی استعمار کا شکار ہو جانے اور اس کے ظلم و جبر کے شکنجے میں جکڑ جانے کے بعد بھی بہت سی اسلامی ریاستوں میں یہ نظام کسی حد تک قائم رہا اور بھوپال، ٹونک، بہاول پور وغیرہ میں سوائے حدود کے تمام فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوتے رہے۔ البتہ برٹش گورنمنٹ کے زیرنگیں علاقوں میں اسلامی قانون کو معطل کر دیا گیا، محاکم عدلیہ اٹھا دیئے گئے، ان کی جگہ تاجِ برطانیہ کی وفادار عدالتیں قائم ہوئیں، اسلامی حکومتوں کے قائم کردہ دارالافتاء برباد کر دیئے گئے، ان حالات میں امتِ محمدیہ کے دور اندیش اکابرِ دین نے امت میں دین کے علمی و عملی اور اخلاقی و اعتقادی نظام کو قائم اور باقی رکھنے کے لئے دینی ادارے قائم کئے جن سے تعلیم و تبلیغ اور درس و افتاء کے چشمے جاری ہوئے، یہ فقہاءِ اسلام اور حکمائے امت جنہوں نے ان کٹھن حالات میں یہ نظام قائم رکھا، صرف یہی نہیں کہ یہ حضرات علوم اسلامیہ (تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، جرح و تعدیل، قضایائے صحابہ و تابعین، نحو و بلاغت، صرف و لغت) کے دریائے ناپیدا کنار کے شناور ہوتے تھے، بلکہ اکابر اولیاء اللہ اور صالحین امت کے فیضِ صحبت سے تربیت یافتہ بھی ہوتے تھے، ان کے دل نورِ ایمان سے منور، ان کے دماغ فراست ایمانی سے روشن اور ان کے اخلاق و اعمال امت کے لئے قابلِ حجت نمونہ ہوتے تھے، روزِ اوّل ہی سے ان کی تعلیم و تربیت علوم انبیاء کے مزاج کے مطابق ''خضر صفت'' اساتذہ کے انفاسِ قدسیہ اور صحبتِ مقدسہ کے ذریعہ ہوتی تھی، جس کے نتیجہ میں وہ علمی تبحر، اخلاقی بلندی اور عملی کمال کے ساتھ شریعتِ محمدیہ کی ذمہ داری کی نزاکتوں کا بھی پورا پورا احساس رکھتے تھے، انہیں یہ بات پوری طرح ملحوظ رہتی تھی کہ کل انہیں بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونا ہے اس لئے خدا خوفی اور فکرِ آخرت کے جذبے سے کسی کی رُو رعایت یا خوفِ ملامت کئے بغیر وہ ٹھیک ٹھیک احکام خداوندی بیان کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ منصب صرف کتابوں کی ورق گردانی، غیر مسلم مستشرقین کی شاگردی، اعدائے اسلام کی معاشرت ان سے محبت و تعلق اور ان کی رہنمائی سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ ان کفار اور مستشرقین کی صحبت سے رہے

سے فطری نقوش بھی مٹ جاتے ہیں، قبول حق کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک کے سادہ لوح اسکالر جب مستشرقین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں تو انہیں دیکھتے ہی ان کی زبان سے بولنے اور ان ہی کے ذہن سے سوچنے لگ جاتے ہیں، ان کے صفحۂ دماغ اور لوحِ دل پر مستشرقین اساتذہ کے کافرانہ ومعاندانہ نقوش کچھ اس طرح مرتسم ہوجاتے ہیں کہ کھلے کھلے اسلام کش نظریات کو وہ غیر شعوری طور پر ہضم کرتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ وہ ان کفار کی کورانہ تقلید میں اس قدر راسخ ہوجاتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ''روایتی اسلام'' کہہ کر پائے استحقار سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ جب قلوب مسخ ہوجائیں، نیتیں بدل جائیں، عزائم میں فساد ابھر آئے، مزاج بگڑ جائیں، ذہن کفر کے زہر سے مسموم ہوجائیں تو صرف یہی نہیں کہ پھر ان لوگوں کے سدھرنے کی توقع باقی نہیں رہتی بلکہ ان کا وجود، ان کا علم اور ان کا کردار امت کے لئے سراپا فتنہ بن جاتا ہے، اس وقت ان کی حالت ٹھیک وہی ہوتی جو نوح علیہ السلام نے اپنی امت کی بیان فرمائی:

﴿إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح:۲۷]

ترجمہ: اے اللہ! اگر آپ انہیں مزید مہلت دیں گے تو یہ صرف آپ کے بندوں کو بہکائیں گے اور ان کی آئندہ نسل بھی فاجر و بدکار ہی ہوگی۔

تفقہ فی الدین اور منصب افتاء

بہر حال تفقہ فی الدین اور ''افتاء'' کے بلند منصب پر ہر زید وعمرو کو فائز نہیں کیا جاسکتا، نہ ابو الفضل اور فیضی مزاج کے لوگوں کو اس پر براجمان کیا جاسکتا ہے، ہمارے ملک میں ہزاروں علماء، ہزاروں مؤلف اور ہزاروں مبلغ موجود ہیں لیکن ایسے حضرات بس چند گنے چنے ہی ہوں گے جنہیں تفقہ کا منصب جلیل حاصل ہے اور امت ان کے علم وعمل پر اعتماد رکھتی ہے، فتویٰ نویسی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر شخص کو اس کا اہل سمجھا جائے، اگرچہ اسلامی حکومت کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے آج کل برساتی کیڑوں کی طرح نام نہاد فتویٰ نویسوں کا سیلاب امنڈنا شروع ہوگیا ہے جس کے ہاتھ میں قلم ہے اور اس نے الٹے سیدھے چند سیاہ حروف پڑھ لئے ہیں وہ مفتی بن بیٹھا ہے اور خلق خدا کو گمراہ کرکے اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں اضافہ کر رہا ہے۔ لیکن امت مسلمہ کے ایک عامی شخص تک میں بھی ابھی اتنا شعور موجود ہے کہ وہ واقعی مفتی اور ''مصنوعی مفتی'' کے درمیان اور صحیح عالم اور ''عالم نما جاہل'' کے درمیان تمیز کرسکے۔

ہمارا ملک جب سے نقشۂ عالم پر ظاہر ہوا ہے آج تک حکومت کی سرپرستی میں ''اسلامی محکمہ عدلیہ'' اور اسلامی دار الافتاء سے محروم رہا ہے، حکومت کی نظر میں اگر اس کام کی کوئی اہمیت تھی تو اسے ممنون ہونا چاہئے تھا کہ علماء امت نے بغیر کسی طمع ولالچ اور بغیر حکومتی اعانت کے دینی ادارے قائم کرکے امت مسلمہ کے دینی ضمیر کو بیدار

رکھا، آج تمام قابل قدر ممتاز اداروں میں فتوی نویسی کے لئے دار الافتاء قائم ہیں جن میں ملک کے گوشے گوشے سے سوالات آتے ہیں اور قابل اعتماد ماہرین کی نگرانی میں ان کے جواب دیئے جاتے ہیں جو کام اسلامی حکومت کے کرنے کا تھا، الحمد للہ کہ وہ غریب نادار اور بے نوا مسلمانوں کی توجہ سے پورا ہورہا ہے، حکومت کے خزانے سے اس پر ایک پائی خرچ نہیں ہوتی۔

جدید مسائل اور ان کے حل کے لئے مجلس کا قیام

عام فقہی مسائل کے مشکل ہونے کے علاوہ جو نئے مسائل جدید تمدن نے پیدا کردیئے ہیں ان کے صحیح اسلامی حل کا مسئلہ اور بھی انتہائی پیچیدہ اور دشوار ہے جن لوگوں نے حالات کے دھارے پر بہہ جانے اور لوگوں کے دین وایمان کی کشتی کو مغرب کی طرف بہنے والے الحادی سیلاب کے رخ پر ڈال دینے ہی کو اصول بنالیا ہے، انہیں مشکلات کا احساس نہیں ہوسکتا، ان کے پاس ہر مشکل کا آسان حل، زمانے کی آواز پر لبیک کہنا اور زمانہ سازی میں پورے اسلام کو لپیٹ لینا ہے، مشکلات کا صحیح احساس اس وقت ہوگا جب علوم اسلامیہ اور فقہی دقائق کا صحیح علم ہو، منصب افتاء کی نزاکت کا احساس ہو، حلال وحرام میں فکر آخرت دامنگیر ہو اور قیامت کی مسئولیت پیش نظر ہو، الغرض دل ودماغ میں خوف خدا اور ذہن وفکر میں علم صحیح کا نور موجود ہو تو احساس ہوگا کہ شرعی احکام ومسائل میں منہ کھولنا کتنا مشکل مرحلہ ہے۔

جہاں تک غور وفکر کیا گیا، یہی احساس ہوا کہ جدید مسائل کے لئے شخصی وانفرادی غور وخوض کافی نہیں اور یہی یقین اس حدیث نبوی سے بھی ہوتا ہے جو ہم بار بار پیش کرچکے ہیں ”ولا تمضوا فيه رأى خاصة“(۱) چنانچہ اس مقصد کے لئے اپنے محدود وسائل کے مطابق چار حضرات کی جماعت نے بتوفیق اللہ تعالی جدید مسائل پر اجتماعی غور وفکر شروع کردیا ہے، تصفیہ شدہ مسائل کا اعلان اجتماعی فتوے کی صورت میں ان شاء اللہ عنقریب کردیا جائے گا۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کی فتوے بازی

لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ”ادارۂ تحقیقات اسلامی“ نے ان تمام حقائق اور مشکلات سے آنکھیں بند کرکے جدید وقدیم مسائل میں فتوی بازی شروع کردی ہے، گذشتہ دنوں یہ فتوی صادر کیا گیا کہ ایک انسان کے اعضاء کاٹ کر دوسرے کے لگادینا جائز ہے اور اب یہ حکم صادر ہوا کہ بسم اللہ پڑھے بغیر جس جانور کو مشین سے قتل کردیا جائے وہ حلال ہے اور تمام کفار کا ذبیحہ بھی حلال اور طیب ہے۔ یہ فتوی قرآن کی نص صریح اور

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط: دار الحرمین القاهرة. مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۱۷، ط: دار الفكر بيروت

اجماع امت کے خلاف ہے اس فتویٰ کی تردید حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور دوسرے علماء فرما چکے ہیں، مگر سوال ان چند جزئیاتی مسائل کا نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تمام احکام شرعیہ کو مسخ کر ڈالنے کا منصوبہ ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اب تک جس طرح اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل کو تختۂ مشق بنا چکا ہے وہ اس ملک کے مسلمانوں کو معلوم ہے، اب ملت اسلامیہ میں مزید انتشار پیدا کرنے کے لئے اسلام کے متفق علیہ مسائل کو نشانہ بنالیا گیا ہے، کتنا اچھا ہوتا کہ یہ ادارہ جو حکومت کی نگرانی میں کام کر رہا ہے، صحیح العلم محقق علماء کو ساتھ لے کر ان مشکلات کو حل کرتا اور امت کے لئے صحیح علمی وفقہی روشنی مہیا کرتا لیکن اس صورت میں ان اداروں کی اصلی خواہشات شاید بروئے کار نہ آتیں، اب تو کتاب وسنت، فقہ اسلامی، خوف خدا اور مسئولیتِ آخرت سے بے نیاز ہوکر جو چاہیں فتویٰ صادر کریں، علمائے حق کے ساتھ مشورہ کرنے اور مسئولیت آخرت کو سامنے رکھنے کے بعد ظاہر ہے کہ یہ آزادی مشکل تھی۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس ملک میں اب تک کوئی رسمی دارالافتاء قائم نہ ہوا۔ قائم ہوا تو ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلام'' کاش یہ اسم بامسمّٰی ہوتا، لیکن اس کی اب تک کی تحقیقات کے پیش نظر تو اس کا صحیح نام ''ادارۂ تحریفاتِ اسلام'' ہی موزوں ہوگا جس نے سود شراب اور مردار کو حلال اور طیب ثابت کرنے پر ''ریسرچ'' کی۔

[شعبان ۱۳۸۷ھ]

اسلام کیا ہے؟

''اسلام'' یا ''دین اسلام'' حق تعالیٰ شانہٗ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدہ کا نام ہے۔ کلمہ طیبہ یعنی ''لاالہ الا الله محمدرسول الله'' اسی معاہدہ کا متن ہے، معاہدے کی تمام دفعات نہایت اجمال وخوبی کے ساتھ انہی دو حرفوں میں سمیٹ دی گئی ہیں۔ ''کلمہ طیبہ'' کا پہلا جزء اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت وخدائی کا دل وجان سے اقرار ہے، اس جزء میں حق تعالیٰ شانہٗ کی تمام صفات کمال وجلال وجمال کو سمیٹ دیا گیا، حق تعالیٰ خالق ہے، حق تعالیٰ رازق ہے، ہادی برحق ہے، وہ ہر دور میں تمام مخلوقات کے لئے ہدایت وارشاد کے نظام نامے نازل فرماتا اور اپنے نمائندے بھیجتا رہا ہے، کسی قوم کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا، ہر دور کے ہر پیغام پر ایمان لانا یقین کرنا ضروری ہوگا، الغرض یہ اور اس قسم کی تمام تفصیلات اسی جزء کی تشریحات ہوں گی۔

دوسرا جزء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا زبان سے اعتراف اور دل وجان سے اسے تسلیم کرنا ہے، وہ تمام صفات وکمالات جو حضرت حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں ان سب پر ایمان لانا ایک کلمہ گو کے لئے ضروری ہوگا، بعثت انبیاء کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا

وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بنائے گئے، حق تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت ''قرآن کریم'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے نازل فرمایا گیا اور اس کے تمام احکام ابدی ہیں ان میں کسی ترمیم وتبدیل کی گنجائش نہیں اور یہ نظام نامۂ ہدایت چونکہ تمام مخلوقات کے لئے تھا عرب کے لئے بھی تھا عجم کے لئے بھی، ایشیا کے لئے بھی تھا اور یورپ کے لئے بھی، افریقہ کے لئے بھی تھا اور امریکا کے لئے بھی تھا، اور ہر دور کے لئے تھا اور تمام نسل انسانی جو قیامت تک آنے والی تھی سب کے لئے تھا اس لئے کسی دور میں جو برائیاں اور خرابیاں پیدا ہونے والی تھیں، ان سب کی اصلاح کے لئے تھا اور ایسا کرنے سے حق تعالیٰ عاجز نہ تھا کیونکہ اس کا علم بھی کامل ومحیط تھا، ازلی تھا، ابدی تھا، کوئی چیز اس سے مخفی نہ تھی اور قدرت بھی کامل تھی، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہ تھی، اس لئے تمام نسل انسانی کے لئے اور ان کے امراض روحانی کے لئے ایک جامع نسخۂ شفا نازل کرنا اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ سے باہر نہ تھا اور اسی آخری پیغام ہدایت میں یہ واضح اعلان فرما دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور نبوت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا اور نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس کی تفصیلات کو قرآن وحدیث میں واضح کر دیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام تفصیل اسی دوسرے جزء کی تشریح ہے، ان دو حرفوں کے اعتراف کر لینے سے تمام دین کے تسلیم کر لینے کا معاہدہ ہو جاتا ہے اور دین کی ایک ایک بات کو ماننا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ زبان سے تو صرف اظہار واقرار کرنا ہوتا ہے، اصل تسلیم واعتراف تو دل کا ماننا اور اس پر یقین کرنا ہے، کوئی شخص بھی ایسے معاہدہ کو صحیح نہیں مان سکتا جو صرف زبان سے تو کہا جائے اور دل میں نہ ہو، اسی کا نام جھوٹ ہوگا، سچے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ بدل وجان تسلیم کیا جائے اور قلبی یقین واذعان کا زبان سے اظہار واقرار کیا جائے۔ دیکھئے ''عقد نکاح'' کیا ہے؟ بظاہر تو صرف دو لفظ ہیں ''ایجاب وقبول'' ایک کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے نکاح میں دے دیا دوسرا کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا، انہی دو لفظوں کے بولنے کے بعد گویا وہ تمام باتیں جو زوجیت کے لوازم ہیں سب اسی ایجاب وقبول میں آ گئیں، بیوی کا نفقہ، اس کی رہائش، اس کی تیمارداری، اس کی حفاظت، اس کی ہر وہ خدمت جس کی وہ محتاج ہوگی ان سب کے التزام کا معاہدہ ہو گیا، کوئی جاہل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں نے کب ان باتوں کا اقرار کیا تھا، تمام عقود ومعاملات کا دار ومدار ان ہی دو حرفوں پر ہوتا ہے جس کا نام شرعی زبان میں ''ایجاب قبول ہے''۔ تمام حکومتوں کے معاملات اسی طرح سے ہوتے ہیں، جب ایک حکومت نے دوسری حکومت کو تسلیم کر لیا اور اپنا سفیر بھیج دیا تو وہ تمام روابط جو آج کی بین الاقوامی سیاست میں دو دوست حکومتوں میں ہوا کرتے ہیں وہ سب قائم ہو جاتے ہیں، الغرض ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا یہ مختصر کلمہ تمام اسلامی معاہدے کا متن ہے اور دین اسلام کی تمام ہدایات واحکام کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے، اس لئے تمام علماء امت محمدیہ کا یہ اجتماعی عقیدہ ہے کہ ایمان یا اسلام نام ہے اس عقد کا کہ جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے وہ

سب سچ ہے، دل وجان سے اس کی تصدیق کی جائے اور اس پر ایسا یقین کامل ہو جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو اور ہر طرح کے شبہات وشکوک سے بالاتر ہو اس قسم کی تصدیق کا نام ایمان ہے:

”هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم في جميع ماجاء به من عند الله، مما علم كونه من الدين ضرورة“ (۱)

لغت میں اسلام کے معنی

جہاں تک لغت کا تعلق ہے ”اسلام“ کے معنی تسلیم وانقیاد اور طاعت وفرمانبرداری کے ہیں اور قرآن کریم کی اصطلاح میں ”اسلام“ کا اطلاق اس آسمانی دین پر ہوتا ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے آیا، یہ سلسلہ حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، اسی لئے ہر نبی کے دور نبوت میں اس کے ذریعہ آئے ہوئے دین کو ”دین اسلام“ کہا جاتا تھا اور ہر وہ شخص جو اس دین کا متبع ہو ”مسلمان“ کہلانے کا مستحق تھا لیکن آخر میں جب یہ سلسلہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ٹھہرا تو دین حق دین محمدی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) کا نام بن گیا اور جو دین حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل فرمایا محض اس کا لقب ”اسلام“ رکھا گیا اب ”دین اسلام“ صرف اسی مخصوص دین کا لقب اور نام ہے کسی دوسرے دین پر اس کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ کسی قدیم یا جدید دین کے ماننے والے کو ”مسلمان“ کہنا ہی صحیح ہوگا اسی لئے عرفات کے میدان میں عرفے کے دن جمعہ کی عصر کو (۹ ر ذی الحجہ ۱۰ھ) تمام امت اسلامیہ کے سامنے یہ اعلان کر دیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:۳]

ترجمہ: آج کے دین تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام ہی تمہارا دین تمہارے لئے پسند کیا۔

اس مقام پر ”بعض مشاہیر“ اہل قلم کو بڑی غلط فہمی ہوئی اور خطرناک باتیں قلم سے نکل گئیں، حقیقت یہی ہے جو عرض کی گئی، کامل ترین صورت میں حق تعالیٰ نے ”دین اسلام“ کو نازل فرمایا اور اس آخری ہدایت کو آخری شکل دے دی گئی جس میں کسی اضافے یا ترمیم کی گنجائش نہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور ارشادات سے اس کی مکمل تشریح کر دی گئی اور قرآنی ونبوی ارشادات میں ایسے رموز ونکات واشارات کر دیئے گئے کہ صحیح طور پر سمجھ لینے کے بعد آئندہ کے تمام مسائل کا حل نکل سکے اور ان کی روشنی میں وہ تمام مسائل خود بخود

---

(۱) شرح العقائد النسفية، مبحث الايمان ص: ۱۲۰، ط: الميزان لاهور.

واضح ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مدارک وعقول کے مراتب میں قدرتی تفاوت واختلاف موجود ہے تو اجتہادی مسائل میں بھی اختلاف ناگزیر ہے اس لئے اس کو برداشت کیا گیا اور عہدِ نبوت میں جو طریقہ کار رہا اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے البتہ غور وفکر کرنے والے حضرات کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد کی اہلیت اور اس کے شرائط ضروری ہیں اور جن کو اہلیت نہ ہو ان کی مداخلت برداشت کے قابل نہیں، یہ تو نہایت نازک مرحلہ ہے اور غامض ودقیق حکم واسرار ہیں، اللہ ورسول کا کلام ہے، ہر کس وناکس کے لئے دخل دینے کی گنجائش کا کیا امکان ہے، جب کہ دنیا کے ”علوم وفنون“ جو انسانی عقول وادراکات کے نتائج ہیں اور انسانی دماغ وعقل سے پیدا شدہ ہیں ان کے لئے بھی اہلیت کو ضروری سمجھا جاتا ہے پھر کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ ورسول کے کلام میں اتنی آزادی وحریت؟ کہ جس کا جی چاہے اور جو چاہے اس کے لئے وقفِ عام کر دیا جائے کتنی حیرت کی بات ہے اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ شرعی نصوص یعنی اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات کو میزانِ عقلِ قاصر سے ناپا تولا جائے اور جب اپنی فہمِ نارسا کے موافق نہ دیکھے انکار کیا جائے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا اصلی مرکزی نقطہ نہ صرف اصلاحِ معاشرہ ہے بلکہ مخلوق کا خالق سے ٹھیک ٹھاک رابطہ پیدا کرنا ہے تاکہ انسانی نظریات اور اخلاق واعمال میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی وہ مرضیات بتائی جائیں جن کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں، اسی طرح توحید، صفاتِ باری، جنت ودوزخ، برزخ کے احوال، ملائکہ کا وجود، مرنے کے بعد کی زندگی، حساب وکتاب وغیرہ وغیرہ وہ دینی حقائق جن کے فہم وادراک سے تمام عقلیں قاصر ہیں ان کا بتلانا اور ان تمام غیبی حقائق پر یقین پیدا کرنا ان سب کا منصب ہے، غرض جو خرابیاں اعتقاد وعمل، اخلاق وکردار میں پیدا ہوتی ہیں انبیاء کرام علیہم السلام ان کی اصلاح کرتے ہیں ان خرابیوں اور بے اعتدالیوں میں سے کسی کا نام شرک ہے اور کسی کا کفر کسی کا نام نفاق ہے اور کسی کا ظلم وغیرہ وغیرہ، ان تمام مراحل کو طے کرنا ہے اور اس اصلاح کے راستے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ اور بسا اوقات جب معاملہ حد سے گذر جائے اور اصلاح کے تمام راستے بند ہو جائیں تو تلوار اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاد وقتال کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر انبیاء کرام کفر کو برداشت کریں اور کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھائیں اور لوگوں کو اپنی اپنی حالت پر چھوڑ دیں اور عملی جدوجہد شرک وکفر کے مٹانے کے لئے نہ کریں تو بعثت کا مقصد ختم ہو جاتا ہے اور معاذ اللہ [illegible] کی بعثت [illegible] سے قدرت [illegible] کے تمام [illegible] ہدایات پر عمل کرنے کا [illegible] اور ایمان [illegible]

بیان کرنا، کفر وشرک کی باتوں کو واضح کرنا اور عملی جدوجہد کے تمام مراحل سے گزرنا انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ناگزیر ہے، اگر دعوت وتبلیغ کے کسی مرحلے پر: ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْتَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ (۱) کا اعلان ہوتا ہے، تو کسی مرحلے پر جا کر:

﴿مَاكَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ﴾ (۲)

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً﴾ (۳)

کا اعلان بھی ہوتا ہے۔

اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ (۴) اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ﴿قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ﴾ (۵) اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ﴾ (۶) بہرحال کفر وشرک کو مٹانا اور توحید کے جھنڈے گاڑنا ان کا سب سے پہلا کام ہوتا ہے، دینی نظام کے مختلف ادوار میں انبیاء آتے رہے، کبھی کبھی انبیاء کرام کے ساتھ ملوک وسلاطین کا نظام بھی قائم کیا گیا اور انبیاء کی رہنمائی میں کام کرنے کا حکم دیا گیا، خاتم الانبیاء حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو تمام انبیاء سابقین وملوک صالحین وعادلین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی گئی کہ تمام مناصب اصلاح خواہ دعوت وتبلیغ کے ہوں یا جہاد وقتال کے یا نظم مملکت کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں جمع کر دیے گئے تھے، بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکم اعلیٰ بھی اور قائد جیوش بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدینؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفا [illegible]

---

(۱) (کسی کو) دین (پر لانے کے معاملہ) میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت (اور) گمراہی (ایک دو [illegible]) ہے (اس کے بعد بھی جو گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت پر نہیں آتا، تو اسے جہنم میں جانا ہے)۔ [illegible]

(۲) کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس (کافر) قیدی ہوں (اور وہ ان کو [illegible]) ملک میں خونریزی نہ کر لے۔ [الانفال:۶۷]

(۳) اور لڑو ان کافروں سے جو تمہارے قریب (آباد) ہیں اور انہیں تم میں سختی محسوس کرنی چاہئے۔ [التوبة:۱۲۳]

(۴) اے نبی! ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور (ان سے ذرا نرمی نہ کیجئے بلکہ) ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔ [التوبة:۷۳]

(۵) آپ کہہ دیجئے بہانے نہ بناؤ اس میں شک نہیں کہ تم نے (دعویٰ) ایمان کے بعد (بھی) کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ [التوبة:۶۶]

(۶) (اے) مسلمانو! تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقوں کے بارے میں اختلاف کرنے لگے (کہ تم میں [illegible] کہتے ہیں) باوجود یہ کہ اللہ نے ان کو بدعملی کے سبب الٹے پاؤں پھیر دیا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اس کو ہدایت یافتہ قرار دو؟) [[illegible]:۸۸]

تھے، جس طرح انبیاء کا منصب تھا کہ توحید کی علمبرداری کریں، دنیا سے کفر و شرک کو مٹائیں اور دعوت الی اللہ کے لئے جدوجہد کریں، ٹھیک اسی طرح علوم نبوت کے وارثین کا فرض منصبی ہے کہ ایمان و کفر کی تمیز کرائیں اور ایک دوسرے کی حدود کو متعین کریں جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ عظیم ہے، ٹھیک اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا بھی بڑا عظیم جرم ہے۔ اگر علماء امت اس فریضہ میں کوتاہی کریں تو ادائے فرض کی کوتاہی میں عند اللہ مجرم ہوں گے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی علم صحیح کی روشنی میں نیک نیتی سے ہو، جذبات سے بالاتر ہو۔

علماء کا فرضِ منصبی

حدودِ اسلام کی حفاظت اور پاسبانی یہ علماء امت کا فرض منصبی ہے جس کے بہر حال مکلف ہیں، اگر اسلامی حکمرانوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ مملکت اسلامیہ کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کریں تو علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ حدود دین اسلام کی حفاظت کی تدابیر سرانجام دیں، اور اگر غور کیا جائے تو دین اسلام کی حدود کی حفاظت مملکت اسلامی کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہے، اب اگر مملکت اسلامی کے چپہ چپہ کی پاسبانی ضروری ہے تو اس سے زیادہ اسلامی قوانین اور احکام کی پاسبانی بلکہ ہر ہر حکم و قانون کی پاسبانی ضروری ہے اور اسلامی مملکت بھی صحیح معنی میں وہی ہوسکتی ہے جو دین اسلام کی محافظ ہو اور جس میں احکام اسلام کی تنفیذ و تحفظ کی ضمانت ہو، ظاہر ہے کہ مملکت خداداد پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے وجود میں آئی ہے، تمام تر کوشش اسی لئے تھی کہ مسلمانوں کے نفوس کو امن و امان نصیب ہو اور اسلامی احکام محفوظ ہوں اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی قوانین کی حفاظت نہ ہو تو اس اسلامی حکومت کو اسلامی کہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ ہر مملکت کی نوعیت اس کے دستور اور اس کے قوانین سے پہچانی جاتی ہے، جس طرح کمیونسٹ حکومت کا نظام اس کے دستور سے معلوم ہوگا اور جمہوری مملکت اس کے آئین سے معلوم ہوگی اس طرح ایک اسلامی مملکت کی شناخت کی علامت اسلامی دستور ہے، اگر کسی اسلامی مملکت میں ''غیر اسلامی اقلیت'' موجود ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کو غیر مسلم کہنا جرم ہوگا، کوئی غیر مسلم صرف اسلامی مملکت میں رہنے سے تو مسلمان نہیں بنے گا، کافر کافر رہے گا اور مسلمان مسلمان، اگر کافر موجود ہے تو اس کو کافر کہنا پڑے گا اگر کوئی شخص اسلامی قوانین میں سے کسی بھی قانون کا انکار کرے گا تو وہ یقینا کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا، اسلام کا تعلق نہ تو جغرافیائی حد بندی سے ہے نہ رنگ و نسل سے ہے نہ وطن سے ہے بلکہ دین محمدی کی ایک ایک بات کو ماننے اور بغیر ہیر پھیر کے اس پر ایمان لانے اور یقین کرنے سے ہے، اس یقین کے اقرار کرنے کے لئے عنوان ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' امید ہے کہ اہل انصاف کے لئے یہ چند اشارات کافی ہوں گے حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

والله سبحانه ولى التوفيق والهداية وهو حسبنا ونعم الوكيل

[رمضان ۱۳۸۸ھ]

دین اسلام کیا ہے؟

‘‘اسلام’’ نام ہے اس دین وشریعت کا جو حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے امتِ محمدیہ کو دیا گیا ہے، اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک قرآن کریم اور دوسری سنت نبویہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والسلام، یہ دین مجموعہ ہے عقائد وعبادات کا، قوانین واحکام کا، اخلاق وتزکیہ نفوس کا، اس میں عبادات کا جامع ترین نظام ہے جس میں عبادات بدنیہ بھی ہیں جیسے نماز روزہ، مالی بھی ہیں جیسے زکاۃ، صدقات، کفارات، بدنی ومالی دونوں کی جامع بھی ہیں جیسے حج وعمرہ، اسلام جس طرح عبادات کا جامع نظام رکھتا ہے، اسی طرح وہ احکام وقوانین کا بھی محیر العقول جامع ترین نظام ہے جس میں نظمِ مملکت سے لے کر امور خانہ داری تک زندگی کے انفرادی واجتماعی، دینی وسیاسی، معاشی واقتصادی، ہر پہلو اور ہر گوشے کے لئے تمام جزئیات موجود ہیں، اسی طرح اس میں نفس وروح کے تزکیہ کے لئے ظاہری وباطنی تمام ہدایات وارشادات موجود ہیں، غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لئے اسلام کے حیرت انگیز نظام نامۂ حیات میں ارشادات وہدایات کا کافی وشافی سرمایہ موجود نہ ہو، دینِ اسلام کا خزانۂ عامرہ ان تمام جواہرات اور قیمتی لعل وگہر سے مالا مال ہے جو انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے درکار ہیں اور جن سے دنیا بھر کے ‘‘ازموں’’ کا دامن خالی ہے۔ اسلام کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ لینن ومارکس اور ہیگل وانیجلز کے دروازے پر جا کر بھیک مانگے یا کسی سرمایہ دارانہ نظام کا دروازہ کھٹکھٹائے، اسلام، علیم وخبیر اور سمیع وبصیر رب العالمین جل ذکرہٗ کی طرف سے نازل کردہ دین ہے، چند عقلاء وحکماء کے ذہنی ادراک کا نتیجہ نہیں، نہ قانون ساز اداروں یا قوم کے چند نمائندوں کی دماغی کاوشوں کا ثمرہ ہے، یہ اس علیم وخبیر کی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ کاملہ کا ظہور ہے جو ہر دور، ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر ملک کے انسانوں کا خالق ہے جو پوری انسانیت کے حقیقی امراض سے باخبر اس کی واقعی ضروریات سے واقف اور اس کی دقیق نفسیات کا رازدان ہے۔

دین اسلام سے دوری کے نتائج

تاریخ کے جس دور میں مسلمان حکمران اس پاکیزہ دین پر عمل کرتے رہے، اس کی برکات وثمرات سے فیضیاب ہوتے اور جتنی بہتر صورت میں اس پر عمل ہوتا رہا اس کے مطابق نتائج بھی ظاہر ہوتے رہے، بالآخر رفتہ رفتہ ملوک وامراء کی عیش وعشرت اور افراد واقوام کی غفلت سے ان قوانین واحکام پر عمل کمزور ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ اسلامی نظام کی برکات سے مسلمان محروم ہوتے چلے گئے اور بعض ممالک میں تو یہ نعمت بالکلیہ چھین لی گئی، ان بدنصیب ملکوں میں ہمارا متحدہ ہندوستان بھی تھا جس پر تقریباً ایک ہزار برس کے بعد کفار یورپ کی ظالم وجابر حکومت کا تسلط ہوا، تقریباً ایک صدی بعد ایک حصہ متحدہ ہندوستان کا دوبارہ ‘‘پاکستان’’ کے نام سے مسلمانوں کے اقتدار میں دیا گیا، یہاں ابتدائی دور کے چند سالوں کے بعد ایسے حکمران آتے گئے جن کی طرف سے دین اسلام

[illegible] ہے، [illegible] نظام [illegible] ہو گئی تھی کا نظام ہے، آخر وہ ان ظالموں نے ذلیل کیا ﴿فمنہم قائم وحصید﴾ [illegible] نظم حکومت اور زمام اقتدار ایک ایسے شخص کے ہاتھ آئی جس سے شروع شروع میں توقع تھی کہ شاید اس کے ذریعہ سابقہ دور کی تلافی ہو جائے گی، اسلام کا بول بالا ہوگا [illegible] اسلام کی [illegible] رفتہ ایک دفعہ پھر واپس آ جائے گی لیکن افسوس کہ اس دور میں دشمن اسلام [illegible] "مشاورتی کونسل" قائم کی گئی جس کا مقصد یہ تھا [illegible] تصدیق نہ کرے، عنوان کتنا خوبصورت ہے لیکن اس کی حقیقت یہ ہے:

اسلامی مشاورتی کونسل اور اس کے ارکان

اولاً: [illegible] اس کے ارکان اکثر ایسے مقرر کیے گئے جو نہ صرف اسلام اور علوم اسلام سے ناواقف تھے بلکہ ان میں سے بعض تو دشمن اسلام کے کھلے دشمن ثابت ہوئے جن پر "برعکس نہند نام زنگی را کافور" والی مثل پوری طرح صادق آئی۔

ثانیاً: [illegible] اس مشاورتی کونسل کی حیثیت صرف برائے نام رکھی گئی، اس بات کی [illegible] ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ اس کے کسی صحیح فیصلہ کو واجب القبول قرار دیا جائے۔

ثالثاً: [illegible] اس کے فیصلوں کا آخری اختیار صدر مملکت کو دیا گیا [illegible]

رابعاً: [illegible] ۸ سال کے عرصہ میں مشاورتی کونسل نے [illegible] ایک اہم مسئلہ پر اس نے اعلان کیا کہ بینک کا سود جائز [illegible] نہیں اس کا استعمال جائز ہے، یوں اس لغو اور بے معنی مصرف پر [illegible] دور رہا ہے، یہ تو احکام و قوانین کا حشر ہوا، اس کے علاوہ ایک "تحقیقاتی اسلامی ادارہ" قائم [illegible] اشتیاق حسین صاحب قریشی اس کے صدر تھے لیکن بہت جلد ان کو ہٹا کر میک گل یونیورسٹی کے ایک فارغ التحصیل [illegible] اس کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا جس نے تمام اسلامی نظام کی جڑوں کو کریدنا شروع کر دیا، اسلام کے تمام بنیادی عقائد و احکام کو غلط کرنے کی خدمت انجام دی اور اسلام کا ایسا عجیب و غریب نقشہ تیار کر ڈالا جس میں ہر قسم کا [illegible] پایا جا سکے۔

"عائلی قوانین"

اسلام کے وہ شخصی مسائل جو برطانوی حکومت کے ظالمانہ دور تک میں بھی مسلمانوں میں قانوناً رائج تھے اور اسلامی قرآنی آئین کے ماتحت مسلمانوں کا ان پر عمل تھا (یعنی نکاح، طلاق، عدت اور وراثت کے احکام و مسائل) انتہائی افسوس اور درد سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت حاضرہ نے عائلی قانون بنا کر جو ملک پر مسلط کیا، اس کے

ذریعہ اسلام کے ان شخصی قوانین کا بھی جنازہ نکال دیا گیا، یہ عائلی قوانین وہ تھے جن کا خاکہ سابقہ دور حکومت کے چند پرویزی فکر لوگوں نے مغربی معاشرت سے درآمد کیا تھا لیکن تمام مسلمانوں کی نیز مسلم پریس کی شدید مخالفت کے باعث وہ منظور نہیں ہوسکا تھا لیکن مارشل لا کے دور میں اس کو مسلط کردیا گیا، بعد میں علماء نے قرآن وسنت کے دلائل سے اس کی تنسیخ وترمیم کا مطالبہ کیا اور تمام اراکینِ اسمبلی نے اس کی معقولیت کو تسلیم کرلیا، سترہ ترمیمیں منظور کی گئیں اور ان پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی، آخرکار صدر مملکت نے اپنے اختیارات سے اسمبلی کے فیصلے کو راتوں رات مسترد کردیا اور اس طرح وہ رسوائے عالم قانون مسلمانوں پر بدستور مسلط رہا جو قرآن وسنت، نصوصِ قطعیہ اور عقل ودیانت سب کے خلاف ہے۔

افرادی قوت اور عددی اکثریت کے فوائد

دنیا کی دانشمند قومیں ہمیشہ اپنی عددی اکثریت پر فخر کرتی ہیں، اگر کسی قوم کو عددی اکثریت کے ساتھ عسکری قوت اور فوجی طاقت بھی مہیا ہوجائے تو دنیا میں وہ زبردست طاقت بن جاتی ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو نسل بڑھانے کی ترغیب دی اور اسے قیامت کے روز اپنے فخر کا ذریعہ فرمایا اور قرآن کریم نے بھی نسل کشی کی مذمت کی ہے اور یہ فرمایا کہ یہ حرکت حق تعالیٰ کی رزاقیت کے عقیدے کے خلاف ہے، حق تعالیٰ رزاق ہے، رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے کوئی فرد یا جماعت یا حکومت رزاق نہیں، فرد وجماعت اور حکومت کے ذمہ تو صرف کسبِ معاش کی تدبیر ہے لیکن تقلیلِ نسل کی اس لعنت کو پاکستان پر مسلط کرنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی درآمد کی گئی اور کروڑوں روپیہ اس نسل کشی پر خرچ کرکے اعداءِ اسلام کو مطمئن کرنے کا موقع دیا گیا، علماءِ امت نے اس کی قباحتیں اور اس کے برے نتائج کے واضح کرنے میں تقریر اور تحریر اکوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی لیکن افسوس کہ کسی کی ایک نہیں سنی گئی، ستم یہ کہ اس قبیح تحریک کو غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں میں فروغ دے کر فواحش ومنکرات کا دروازہ کھول دیا، انا للہ۔

یہ ہیں وہ دینی کارنامے جو عہدِ حاضر کی حکومت کے زریں کارنامے ہیں، عقائد، احکام، اخلاق، معاشرت سب کو تباہ کرنے کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی، اقتصادی، سیاسی اور معاشی مسائل کی داستان بھی طویل ہے جو عوام سے مخفی نہیں، الغرض تمام دینی احکام اور دنیوی مصالح کی بنیادوں کو ہلا دیا گیا، آخر حق تعالیٰ کے وصف ”عزیز ذوانتقام“ کا ظہور ہوا اور آج اس حکومت کی ذلت کے وہ روح فرسا مظاہر سامنے آئے کہ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایسا ہوگا، سابقہ ادوار کا ایک حکمران مردہ گوروں میں جاملا اور گورا قبرستان میں دفن ہوا، دوسرا اسلام دشمن حکمران زندہ گوروں میں جا کر سکونت پذیر ہوا، دونوں کا حشر دنیا نے دیکھ لیا یہ ہیں تاریخ کے عبرت ناک مظاہر۔

ان روح فرسا عبرت ناک واقعات سے درسِ عبرت لینے کی ضرورت ہے، یہ ظاہر ہے کہ ملک اسلام

کے نام پر بنا اور اسلام کا نام بلند کرنے کے ارادوں سے وجود میں آیا، پھر کتنا دردناک منظر ہے کہ اسلام ہی کو ذبح کرنے کی کوششیں ہوئیں جس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا ہے، اب بعض حلقوں سے ''سوشلزم'' یا ''اسلامی سوشلزم'' کی آوازیں سننے میں آ رہی ہیں۔

سوشلزم کیا ہے؟ اس کے نتائج کتنے ہولناک ہیں؟ اس نے دنیا کو کیا دیا؟ اس کے بانی اور لیڈر غریب عوام کے کتنے خیر خواہ اور مساوات کے خوشنما اور بلند بانگ دعوؤں میں کتنے مخلص ہیں؟ اس کے لئے کسی دوسری فرصت کی ضرورت ہے یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے، پاکستان اسلام اور صرف اسلام کی خاطر معرضِ وجود میں آیا، اسلام ہی پر اس کا وجود موقوف ہے، اسلام اور پاکستان کا درمیانی رشتہ اتنا مضبوط اتنا گہرا اور اتنا شدید ہے کہ ان دونوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے جو لوگ پاکستان میں اسلام کے سوا کسی اور ''ازم'' کو لانے کا خواب دیکھتے ہیں وہ بنائے پاکستان کی نفی کر کے نہ صرف اسلام اور ملت سے دغا کرتے ہیں بلکہ خود اپنے آپ کو بھی فریب دیتے ہیں اور جو لوگ اسلام کے حسین قبا میں ''مارکسی ٹاٹ'' کا پیوند لگانا چاہتے ہیں وہ بیک وقت اسلام اور سوشلزم دونوں سے اپنی ناواقفیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

صدر ایوب کے بارے میں ایک افواہ اور اس کی وضاحت

روزنامہ جنگ نے ۱۷ر جنوری ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں ''صدر ایوب کے عقیدہ'' کی وضاحت کی سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع کی ہے:۔

> ''لاہور کے ایک ممتاز شہری نے حال ہی میں صدر کے ملٹری سیکرٹری کو ایک خط لکھا تھا، جس میں قرآن مجید کے متعلق صدر کے بعض مبینہ تبصروں کی وضاحت کے لئے استدعا کی گئی تھی، ان کو جوابی مکتوب میں مطلع کیا گیا ہے کہ آپ نے ملٹری سیکرٹری کو جو خط ارسال کیا تھا، صدر ایوب نے اس کا مطالعہ کیا اور سید فدا حسن کو ہدایت کی کہ وہ اس خط کا جواب روانہ کریں اور صحیح صورتِ حال کی وضاحت کر دیں، صدر کے مشیرِ اعلیٰ نے اپنے جواب میں واضح اور غیر مبہم طور پر لکھا ہے کہ صدر سے جو باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہیں اور صدر کا کہنا ہے کہ ''وہ کبھی یہ الفاظ نہیں کہہ سکتے''۔ سید فدا حسن نے مزید لکھا ہے: ''یہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے کہ سربراہ مملکت اس فرقہ (۱) میں شامل ہو گئے ہیں جو ''قادیانی'' عقیدہ رکھتا

---

(۱) قادیانی امت کو ''فرقہ'' کہنا ہی غلط فہمیوں کی اصل جڑ و بنیاد ہے قادیانی جماعت اسلام کا ایک فرقہ نہیں بلکہ اسلام کے بالکل محاذی ایک جدید دین اور جدید امت ہے ہمیں تعجب ہے کہ صدر کے مشیر اعلیٰ نے غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی اصل جڑ کو جوں کا توں کیسے رہنے دیا۔ (مدیر)

ہے انہوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''صدر ایوب ایک سنّی خاندان میں پیدا ہوئے اور وہ راسخ العقیدہ سنّی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے کبھی اپنے عقیدے میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی''، سید فدا حسن نے آخر میں امید ظاہر کی ہے کہ اس وضاحت سے تمام لوگوں کے شکوک و شبہات ختم ہو جائیں گے۔

راسخ العقیدہ سنی مسلمان کون ہے؟

صدرِ محترم کے بارے میں یہ افواہ گذشتہ کئی مہینے سے گرم تھی کہ انہوں نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے اور وہ واقعۃً قادیانی ہو گئے ہیں اگر چہ عقل اسے کسی طرح ماننے کے لئے تیار نہیں تھی لیکن بعض حلقے بڑے وثوق واعتماد سے اس پر چیلنج کر رہے تھے اور صدرِ محترم سے اس بارے میں وضاحتی بیان کا مطالبہ کیا جا رہا تھا، ادھر قصرِ صدارت کی طرف سے اس کا جواب مکمل خاموشی رہا، ایسے میں عوام کا شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جانا ایک طبعی امر تھا، مقامِ شکر ہے کہ صدر کے مشیرِ اعلیٰ نے اس افواہ کی ''غیر مبہم الفاظ'' میں تردید کر دی، کاش یہ کام چند مہینے پہلے ہو گیا ہوتا تو غلط فہمی کو جاگزیں ہونے کا موقع نہ ملتا اور فضا میں جو تلخی اور شدت پیدا ہو چکی ہے، یہ نہ ہوتی۔ مگر یہ فرض صدر کے قریبی حلقوں کا تھا کہ وہ صدرِ مملکت کو حالات کی صحیح نزاکت سے آگاہ رکھتے، خیال ہوتا ہے کہ شاید اب بھی اس قضیہ کے پورے گوشے صدر کے سامنے نہیں رکھے گئے نہ ان تمام غلط فہمیوں سے انہیں آگاہ کیا گیا جو ان کے بارے میں پائی جاتی ہیں، ورنہ صدر کے مشیرِ اعلیٰ کا وضاحتی بیان اور زیادہ واضح صورت میں ہوتا، ان کا کہنا ہے کہ: ''صدر راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہیں'' حالانکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک:

(الف)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی خاتم النبیین ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا نہ حقیقی نہ مجازی، نہ ظلی، نہ بروزی۔

(ب)...... مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی بلکہ خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا اور خود کو محمد رسول اللہ کا مصداق قرار دیا ہے، اس لئے مرزا صاحب کا وہی حکم ہوگا جو اسلام میں جھوٹے متنبی کا ہوتا ہے۔

(ج)...... مرزائی حضرات مرزا صاحب کو ان کے دعاوی میں سچا سمجھتے ہیں اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اب اگر صدر کے مشیرِ اعلیٰ کے بقول صدرِ محترم قادیانی نہیں بلکہ راسخ العقیدہ سنّی مسلمان ہیں تو صدر کے عقیدہ کا اعلان اس طرح ہونا چاہئے کہ:

(الف)...... صدرِ مملکت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا مدعی کذاب اور جھوٹا ہے۔

(ب)...... صدر، مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں سمجھتے بلکہ سنی عقیدہ کے مطابق اسے مرتد سمجھتے ہیں۔

(ج) وہ تمام قادیانیوں کو ان کے عقیدہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

پس صدر مملکت کا صرف یہ فرمانا کہ وہ سنی مسلمان ہیں کافی نہیں، بلکہ اس عقیدہ کی عملی تصدیق کے لئے ان کو یہ کرنا چاہئے تھا کہ:

(الف) وہ اعلان کرتے کہ قادیانی اور لاہوری دونوں گروپ پاکستان کی غیر مسلم اقلیت ہیں، ہم دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی طرح اسلامی ہدایت کے مطابق ان کی جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں لیکن انہیں مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کی اجازت نہیں دے سکتے، نہ انہیں کلیدی آسامیاں دے کر مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر سکتے ہیں۔

(ب) نیز صدر مملکت کو ایسے قادیانی لٹریچر کی اشاعت پر پابندی عائد کرنی چاہئے جس میں مرزا صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل قرار دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کیا گیا ہے، جس میں مرزا صاحب کو ”نبی خاتم الانبیاء“ اور ”محمد رسول اللہ“ کے القاب سے مشرف کیا گیا ہے، جس میں اسلام کی عظیم شخصیتوں کو گندے الفاظ سے نوازا گیا ہے اور جس میں مرزا صاحب کی فرضی نبوت پر ایمان نہ لانے والے تمام مسلمانوں کو جنگلوں کے سور اور کنجریوں کی اولاد سے یاد کیا گیا ہے۔

(ج) نیز قادیانیوں کو بیرون ملک اپنے نظریات پھیلانے کے لئے ”تبلیغ اسلام“ کی مد سے جو لاکھوں روپے کا زرمبادلہ دیا جاتا ہے، صدر کے راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہونے کا تقاضا تھا کہ پہلی فرصت میں اسے بند کر دیا جاتا۔

(د) نیز مرکزی حکومت کی طرف سے ”اسلامی فرقوں“ کے خلاف لکھنے پر جو پابندی اپریل ۱۹۶ء میں عائد کی گئی ہے، صدر کی طرف سے وضاحت ہونی چاہئے تھی کہ اس آرڈیننس کا اطلاق قادیانیوں کے خلاف لکھی گئی تحریروں پر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اسلامی فرقوں میں شامل نہیں ہیں۔

(ہ) اسی طرح صدر کی طرف سے قادیانی جماعت کو یہ ہدایت ہونی چاہئے تھی کہ وہ اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ پوزیشن اختیار نہ کریں کہ وہ اسلام کے نمائندے ہیں، نہ اپنی سرگرمیوں کو مسلمانوں کی طرف منسوب کریں، اقلیتوں کی آزادی کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے غیر اسلامی نظریات کو اسلام کے نام سے رائج کرتے پھریں۔

ہمارا خیال ہے کہ صدر محترم کو جب تک اس صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور وہ اپنی وضاحت کی تصدیق ان عملی اقدامات سے نہیں کرتے تب تک ان کی یہ وضاحت ناکافی رہے گی اور نوع بنوع غلط فہمیوں کا صحیح ازالہ نہیں ہو سکے گا۔ غلط فہمی کی بنیاد یہ نہیں کہ صدر کس اسلامی فرقے سے منسلک ہیں؟ بلکہ اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ صدر محترم قادیانی امت کو اپنے راسخ سنی عقیدہ کے مطابق، خارج از اسلام سمجھتے ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ جب تک اس امر کی دو ٹوک وضاحت نہیں کر دی جاتی اور اس کی تصدیق کے طور پر مذکورہ بالا عملی اقدامات نہیں کئے جاتے، صدر مملکت کے بارے میں افواہوں اور غلط فہمیوں کا جنگل صاف نہیں ہوگا، قول کی تصدیق جب تک عمل سے نہ ہو ”عوامی عدالت“ اسے کوئی وزن نہیں دیا کرتی۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کا حکیمانہ ارشاد ہے:

ماعرضت قولی علی عملی إلا خشیت أن أکون مکذباً (۱)

ترجمہ: میں نے جب بھی اپنے قول کا اپنے عمل سے موازنہ کیا مجھے یہی خدشہ رہا کہ لوگ مجھے ''جھوٹا'' سمجھیں گے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی صفوۃ البریۃ سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ وعلماء امتہ أجمعین. آمین برحمتك یا رب العالمین.

[ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ]

دین اسلام کی امتیازی خصوصیات

کون نہیں جانتا کہ اسلام میں غیبت گناہِ کبیرہ ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اور ایک عجیب وغریب مثال سے اس کی قباحت وشناعت واضح فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ غیبت میں کوئی خلافِ واقعہ بات نہیں ہوتی ہے بلکہ جو کمزوری کسی انسان میں ہو اس کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں کرنا غیبت کہلاتا ہے، وہ بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ خود حق تعالیٰ قرآن میں اس کا ذکر فرماتا ہے اور مسلمانوں کو اس سے منع فرماتا ہے، کون نہیں جانتا کہ جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے اور جھوٹی بات کہنا منافقت کی علامت بتلائی گئی ہے، منافق وہ شخص ہے جس کی زبان پر اسلام کا دعویٰ ہو اور دل میں کفر چھپا ہوا ہو، کون نہیں جانتا کہ ''افتراء'' یعنی کسی پر جھوٹی بات لگانا جھوٹا الزام لگا دینا گناہ کبیرہ ہے اور یہی افتراء اگر حد سے بڑھ جائے کہ لوگ اس کو ثبوت ہو جائیں تو یہ بہتان کہلاتا ہے اور وہ گناہ کبیرہ ہے۔ غرض غیبت، کذب، افتراء، بہتان، تمام کے تمام معاصیٔ کبیرہ ہیں اور ان کے مرتکب کے لئے جہنم کی وعید ہے، یہ سب کچھ اس لئے کہ اسلام نے مسلمانوں میں عالمگیر اخوت قائم کی ہے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰] کہ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اسلامی اخوت کے بارے میں احادیثِ نبویہ میں عجیب عجیب حقائق بیان فرمائے گئے ہیں، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کیا حقوق ہیں؟ فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے دشمن کے حوالے کرے، بوقتِ حاجت اس کی امداد کرے، اگر کوئی گناہ کرے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور جو مسلمان، مسلمان بھائی کی پردہ پوشی

---

(۱) وقد ضبط بفتحها (الذال) ومعناہ خشیت أن یکذبنی من رأی عملی مخالفاً لقولی. کرمانی.

صحیح البخاری، کتاب العلم، باب خوف المؤمن أن یحبط عملہ ج:۱ ص:۱۲، ط: قدیمی

کرے گا حق تعالیٰ شانہٗ دنیا و آخرت دونوں میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا(۱)، اور فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال ہمدردی و غم خواری میں ایک جسد کے اعضاء کی طرح ہے اگر ایک عضو درد میں مبتلا ہو تو تمام بدنِ انسانی بے چین رہتا ہے(۲)، اور فرمایا کہ مسلمان جب مسلمان ہوگا کہ جو چیز خود اپنے لئے پسند کرے وہی مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے(۳)، اور فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی ایذاء رسانی سے محفوظ رہیں(۴)، یہاں تک بیان کیا جائے، مسلمان جب مسلمان سے ملے تو "السلام علیکم" کہے(۵)، اور مسلمان کو چھینک آئے تو فوراً "یرحمك الله" کہے کہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو(۶)، مسلمان کو گالی دینا فسق ہے(۷)، غرض قرآن، احادیث نبویہ میں اتنی تفصیلات ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، یہ ہیں دینِ اسلام کی وہ امتیازی خصوصیات کہ کوئی دین ان کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، مسلمان کا اکرام و اعزاز کرنا اسلام کے بنیاد حقوق میں سے ہے، مسلمان کی خیر خواہی، اس کی نصرت، اس کی ہمدردی، اس پر نیک گمان کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ دینِ اسلام کی وہ باتیں ہیں کہ تہذیب کی مدعی قومیں اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

جدید تہذیب کی برکات

افسوس کہ آج کل بالخصوص پارلیمانی انتخابات کا اعلان ہوتے ہی اسلامی اخوت اور مسلمانی کی وہ دھجیاں بکھیری جارہی ہیں کہ سن کر عقل حیران ہے، جھوٹ، غیبت، بہتان طرازی، افتراء پردازی کون سا وہ گناہ ہے جو برسر بازار بڑے بڑے عظیم الشان اجتماعات میں نہیں کیا جاتا، ایک طوفان بدتمیزی ہر محفل میں برپا ہے، نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، نہ کسی کی جان محفوظ، مال و دولت کو بری طرح سے بہایا جارہا ہے، بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، غرض کون سی بدتہذیبی ہے جس کا مظاہرہ نہ ہو رہا ہو، یہ ہے یورپ کی تہذیب، یہ ہے مغرب کا تحفہ، یہ ہیں مغرب زدگی کے کارنامے، پھر ہر شخص ہر فریق کی زبان پر یہ دعویٰ کہ ہماری جماعت کی کامیابی سے اسلام کا یہ فائدہ ہوگا،

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم ج:۲ ص:۳۲۰، ط: قدیمی. سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی الستر علی المسلم ج:۱ ص:۲٦۳، ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب رحمة الناس والبهائم ج:۲ ص:۸۸۹، ط: قدیمی

(۳) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه ج:۱ ص:٦، ط: قدیمی

(۴) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب أی الاسلام افضل ج:۱ ص:٦، ط: قدیمی

(۵) الصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام ج:۲ ص:۲۱۳، ط: قدیمی

(٦) صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب تشمیت العاطس اذا حمد الله ج:۲ ص:۹۱۹، ط: قدیمی

(۷) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب خوف المؤمن ان یحبط عمله و هو لا یشعر ج:۱ ص:۱۲، ایضاً: کتاب الآداب، باب ماینهی عن السباب واللعن ج:۲ ص:۸۹۳، ط: قدیمی

مسلمانوں کو یہ نفع پہنچے گا، آئندہ ہم اگر کامیاب ہوئے تو یہ کریں گے اور وہ کریں گے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:۲،۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی بات تم کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے، حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی ہے یہ بات کہ جو کہتے ہو کرتے نہیں۔

یہ ہے تہذیب جدید کی پیداوار اور اس قسم کے انتخابات سے یورپ کی جمہوریت جنم لیتی ہے جس کا حشر ملک ۳۰ برس سے دیکھ رہا ہے کہ ان دعویداروں نے اسلام کی کیا خدمت انجام دی اور کسی خدمت کی ابتداء کی بھی تو انجام کی خدا کو خبر، کیا اس ملک میں ایسا قانون بنا جس سے انسان کی شرافت محفوظ ہو، آبرو محفوظ ہو، مال محفوظ ہو جان محفوظ ہو، کیا اللہ تعالیٰ کا قانون عدل نافذ کیا، کیا شراب کو بند کیا گیا، کیا زنا پر اسلامی سزا جاری کی گئی، کیا چور کے ہاتھ کاٹے گئے، کیا چکلے بند کردیئے گئے، کیا شراب خانے ختم کردیئے گئے، کیا قصاص جاری کیا گیا نہیں! بلکہ بے حیائی، شراب خوری، آبرو ریزی کو دورِ حاضر کے ہر ذریعے سے اتنا اچھالا گیا کہ عقل دنگ رہ گئی، کیا مسلمانوں کی املاک محفوظ ہیں؟ کیا کارخانے محفوظ ہیں؟ کیا انڈسٹری محفوظ ہے؟ کیا اس قریبی دور میں ۲۲ رسو فیکٹریاں قومیائی نہیں گئیں جن کی کم از کم تین ارب کی کمائی سے قوم محروم ہوگئی اور نااہلوں کے سپرد کر کے معیشت تباہ ہوگئی خسارے میں چل رہی ہیں، یا دکھلایا جارہا ہے کہ خسارہ ہے تا کہ حکومت کے خزانے میں ٹیکس نہ ادا کرنا پڑے، حکومت کا خزانہ بھی خالی ہوگیا قوم بھی فقر و فاقے میں مبتلا ہوگئی، یہ داستان نہ ہمارا موضوع ہے نہ ہمارا مزاج ورنہ بتلاتے کہ ان دعویداروں نے اس ملک اور ذرائع آمدنی کی کیا گت بنائی ہے، غرض نہ دین کی ترقی نہ دنیا کا سکون ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ [الحج:۱۱] دنیا تباہ، دین تباہ، اخلاق تباہ، انسانیت ختم، حیا کا جنازہ نکالا گیا، یہ ہیں جدید تہذیب کے برکات، یہ ہیں جمہوریت کے ثمرات، اور یہ ہے خدا فراموشی کی سزا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ اس ملک خداداد پر رحم فرمائے اور صالح ہاتھوں میں حکومت آئے تا کہ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور قوم بھی خوش ہو، دل کو بھی سکون ملے، جان بھی محفوظ ہو۔

اللّٰهم لاتسلط علينامن لا يرحمنا اللّٰهم ولّ أمورنا خيارنا و لا تولّ
أمورنا شرارنا واغفرلنا وارحمنا وأنت خير الراحمين. آمين يارب
العالمين

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ - مارچ ۱۹۷۷ء]

اسلام دینِ رحمت ہے

بلاشبہ اسلام دنیا میں دینِ رحمت ہے تمام ادیانِ الٰہیہ سماویہ میں رحمت بن کر آیا ہے، پوری انسانیت کی ہمدردی کا علمبردار ہے اس کے دامن میں رأفت و رحمت اور اخوت و شفقت کے وہ پھول ہیں جن سے مشامِ عالم معطر ہے، اسلام نے دنیا کو ہمدردی و محبت کا درس دیا ہے اسلام آنے کے بعد تمام ارباب ادیان اپنے اپنے مذہب میں اصلاح کرنے پر مجبور ہوئے کہ اسلام کے آفتاب عالمتاب کے بعد وہ اس قابل نہ تھے کہ دنیا کے سامنے منہ دکھا سکیں، حدیث نبوی:

”لا يبقى بيت وبرٍ ولا مدرٍ إلا أدخله الله الاسلام بعز عزيز وذل ذليل“(١)

ترجمہ: کوئی خیمہ اور مٹی کا مکان باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ وہاں اسلام کو داخل کردے گا، کسی معزز کی عزت اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔

کا اشارہ اس مضمون کی طرف بھی ہے کہ ہر ہر گھر میں اسلام پہنچا اور ہر ہر مذہب نے اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھایا۔

اسلام جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے یہ بتایا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر بھی جنت حاصل کی جا سکتی ہے اور ایک بلی کو ناحق ایذا دینے سے انسان جہنم میں پہنچ سکتا ہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو جانوروں پر بھی رحم سکھاتا ہے اور جانور ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کرنے کا حکم دیتا ہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دنیا میں مظلوم بننے کو ذریعہ نجات کہتا ہے اور ناقابل برداشت تکالیف و مصائب میں صبر و حوصلہ کی تلقین کرتا ہے، اور صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب کی بشارت سناتا ہے، ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:١٠] انتقام لینے کا حکم اس وقت دیتا ہے جب پانی سر سے گذر جائے اور ظلم حد سے بڑھ جائے مگر انتقام کی بھی غیر محدود اجازت نہیں دیتا بلکہ یہ شرط عائد کرتا ہے کہ انتقام ظلم کے مماثل ہو، اس سے متجاوز نہ ہو، ارشاد ہے: ﴿فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾[البقرة:١٩٤] یعنی جتنا ظلم تم پر کیا گیا بس اتنا ہی انتقام لے لو، اور ﴿جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾[الشورى:٤٠] برائی کی سزا اتنی ہی برائی ہے اور اس کے باوجود بھی اعلان فرمایا: ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾[الشورى:٤٠] کہ جو شخص درگذر کرے اور درستگی و اصلاح کی فکر کرے تو حق تعالیٰ ہی اجر عطا فرمائے گا۔

---

(١) مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، الفصل الثالث ج:١ ص:١٦ ط: قدیمی

اسلام کا قانونِ رحمت وعدل

اسلام صرف اس وقت تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے کہ جب اصلاح کے راستے بند ہوجاتے ہیں، تمام معاشرہ کے تباہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہوجاتا ہے اور کوئی توقع خیر کی باقی نہیں رہتی، ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی ہوتی ہے، اس وقت شر وفساد سے عالم انسانیت کو بچانے کے لئے تلوار کا حکم دیتا ہے اور پھر بھی یہ اعلان کرتا ہے کہ بچوں کو بچاؤ، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرو، عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے عبادت گذاروں سے درگذر کرو، کیا موجودہ تہذیب کے مدعی خواہ وہ فرانس ہو یا برطانیہ، امریکہ ہو یا جرمنی، روس ہو یا چین، اسلام کے قانونِ رحمت وعدل کی نظیر پیش کرسکتے ہیں؟ اسلام کی رواداری وانسانی ہمدردی کی کوئی مثال وہاں مل سکتی ہے؟

اسلامی غزوات پر اعتراض کرنے والوں کے روح فرسا کارنامے

دنیا کی جنگ عظیم دوم نے کیا کیا تباہی نہیں مچائی؟ دو ہزار میل لمبا اور چار سو میل چوڑا میدانِ کارزار گرم ہوا، تیس ہزار ٹینک اور پچاس ہزار ہوائی جہاز انسانی خون کی ہولی کھیلنے کے لئے اڈ آئے، ۶ برس تک انسانیت کی وہ مسلسل تباہی ہوتی رہی جس کی نظیر تاریخ ظلم واستبداد میں نہیں مل سکتی اور جس کے سامنے چنگیز وہلاکو شرمندہ ہیں، دس دس بارہ بارہ گھنٹے مسلسل ہوش ربا بمباری ہوتی رہی، سینکڑوں مربع میل میں نہ کوئی معصوم بچہ محفوظ رہا نہ کوئی ضعیف وناتواں بوڑھا، بچے، عورتیں اور بے گناہ حیوانات تمام کے تمام ہلاک ہوئے، پہلے ہٹلر وہملر وگوبلز ومسولینی نے یہ کردار ادا کیا، پھر برطانیہ کے چرچل اور امریکہ نے اس درندگی کا ثبوت دیا تقریبا تین کروڑ نسل انسانی تباہ ہوئی اور لاکھوں عورتیں بیوہ ہوگئیں، اسٹالن نے کتنے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کو صرف اپنے عقیدے کمیونزم کی مخالفت کی وجہ سے تہ تیغ کیا، روس نے سمرقند وبخارا میں کیا کیا؟ فرانس نے الجزائر میں کیا کیا؟ ان مہذب بھیڑیوں اور انسان نما درندوں نے دنیا میں کیا کیا؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ نسلِ انسانی کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے ذخائر جمع کرنے والوں نے پہلے کیا کچھ نہیں کیا، اور آئندہ کیا کچھ نہیں کریں گے، کیا ان درندوں کے دل میں رحمت وانسانیت کا ایک شمہ بھی موجود ہے؟ کیا ان کو شرم نہیں آتی کہ اسلام کے مسئلہ جہاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات پر اعتراض کرتے ہیں؟ جب کہ ان میں دس سال کے عرصہ میں فریقین کے چند سو افراد سے زیادہ قتل نہیں ہوئے، غرض یہ غیر منصفانہ دھاندلی کتنی عجیب ہے کہ خود تو مظلوم اور بے گناہ انسانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کیا کیا ظلم کر رہے ہیں اور حکومتوں کے تختے الٹنے اور طرح طرح کے انقلابات لانے کے لئے کیا کیا ستم ڈھا رہے ہیں اور کیا کیا روح فرسا واقعات کرتے رہتے ہیں لیکن اگر اسلام عدل قائم کرنے کے لئے کسی بدترین مجرم کو قصاص کے طور پر قتل یا زنا جیسے قبیح جرم کے مرتکب کی سنگساری کا حکم دے تو تمام کا فر چیخ اٹھتے ہیں کہ یہ عدل وانسانیت کے خلاف ہے، اگر عقول یہاں تک مسخ ہوجائیں تو پھر جنون کا کیا علاج؟ کیا آج کل

عدالتیں پھانسی کی سزائیں نہیں دیتیں؟ صد حیف کہ اسلام کے نام سے سزا ہو تو جرم ہے اور اگر غیر اسلامی عدالت سے سزا ہو تو عین انصاف ہے:

''بریں عقل و دانش بباید گریست''

اسلام میں تو کفار کی قسمیں ہیں: ① حربی کافر ② ذمی کافر
③ مستأمن کافر ④ مرتد کافر، سب کے الگ الگ احکام ہیں۔

پھر اسی طرح مملکتوں کے اقسام ہیں:

① دارالاسلام ② دارالحرب ③ دارالامان

سب کے علیحدہ علیحدہ شرعی احکام ہیں، بسا اوقات ان احکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے شبہات پیدا ہوتے ہیں، جو کافر میدان جنگ میں مسلمانوں سے معرکہ آراء ہوں ان کے ساتھ اسلام کا رویہ نسبتاً شدت آمیز ہے، اسی طرح وہ کافر جو اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرنے میں مصروف ہوں ان کے حق میں اسلام کا رویہ سخت ہے اور بلاشبہ اس موقعہ پر شدت و سختی ہی سراپا حکمت اور عینِ مصلحت ہے، جب ایک مسلمان زانی کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ﴾ [النور:٢]

اور دیکھو! زانی مرد و عورت پر اللہ کے دین کا حکم نافذ کرتے وقت تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہئے۔

تو مفسد کفار کے حق میں شفقت و رواداری کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ جب کبار صحابہ اور بدری صحابہ کے بارے میں مکمل مقاطعہ کا حکم شرعاً واجب ہو سکتا ہے تو کفار و مرتدین کے بارے میں اگر صحیح سزا کی قدرت نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ان کی ساتھ مقاطعہ کیوں اسلامی اصول کے خلاف ہے؟ درحقیقت اسلام کی تمام سزائیں نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کے فطری اصول پر مبنی ہیں بلکہ خود مجرم کے حق میں عینِ رحمت اور سراپا حکمت ہیں تاکہ اسے غور و فکر کا موقع ملے اور اسلام جیسی نعمت سے محروم ہو کر ابدالآباد تک عذابِ الٰہی میں گرفتار نہ ہو، دراصل اسلام ہی وہ دین سماوی ہے جس نے جرم و سزا کے درمیان فطری توازن قائم کر کے انسانیت پر عظیم الشان احسان کیا ہے، جو لوگ جرائم پیشہ مفسدین اور کفار و مرتدین کے ساتھ معمولی سختی پر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک گویا مسلمانوں کے ساتھ ظلم کرنا تو قابل برداشت ہے لیکن کافروں اور مرتدوں کے ساتھ سختی کرنا اسلامی عدل و انصاف کے خلاف ہے، مسلمانوں کو فرضی جرائم پر مادرزاد عریاں کرنا، انہیں سخت سے سخت سزائیں دینا اور ان سے انسانیت سوز سلوک کرنا تو ان کے نزدیک بالکل انصاف ہے لیکن موذی محارب کافر کو معمولی سزا دینا بھی اسلام کے خلاف ہے یعنی اسلام، مسلمانوں کو اتنی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ بد دین موذیوں سے قطع تعلق ہی کر لیں؟ نہ معلوم عقل و انصاف اور دین و دیانت کا جنازہ کیوں نکل گیا، موذی کافر کے ساتھ رحم دلی اور بے گناہ مسلمان کے ساتھ بے رحمی

یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ کچھ محسوس ہوتا ہے کہ ایمان کا نور دلوں سے نکل چکا ہے اور کفر کی عظمت ایسی چھا گئی ہے کہ حقائق کی تمیز مشکل ہوگئی ہے۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ۔ستمبر ۱۹۷۴ء]

اسلام کا دستور

”دین اسلام“ یا شریعت اسلامیہ نام ہے اس عالمگیر نظام انسانیت کا جس میں تکمیلِ انسانیت کے کسی گوشہ کو نظر انداز نہیں کیا گیا، خالق سے رشتہ ہو یا مخلوق سے اور وہ بھی شخصی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے، غرض عبادات ہوں یا معاملات، معیشت ومعاشرت ہو یا احوال واخلاق واعمال ان سب کے لئے ایک علمی دستور اور ایک مقصد ونصب العین ہے، دین اسلام کا علمی دستور قرآن حکیم اور مقصود رضائے الٰہی ہے۔

قرآن حکیم انسانیت کی تکمیل چاہتا ہے اور اس کے لئے اس نے اسلام کے بنیادی اصول واحکام اور اساسی اغراض ومقاصد انتہائی محیر العقول اور معجزانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ واضح کر دیئے ہیں، ان مقاصد واحکام کے سلسلہ بیان میں وہ مظاہرِ فطرت اور آثارِ قدرت کو بھی اگر بیان کرتا ہے تو اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ انسان کے فکری اور اعتقادی پہلوؤں کی تکمیل کی جائے، اگر وہ تاریخی حقائق بیان کرتا ہے تو اس کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ ان عبرت انگیز وقائع تکوینی اور آیاتِ الٰہیہ سے انسانی بصیرت واعتبار کی تربیت وتکمیل کی جائے، اگر احکامِ الٰہیہ کا ذکر ہوگا تو اس سے بھی یہی مراد ہوگی کہ اشرف المخلوقات انسان کو اکرم المخلوقات بنانے کی تدبیر ہوجائے، ذات وصفات کی توحید وکمال کا بیان ہو یا تذکیر وموعظت کی داستان، قانونِ عدل وانصاف کی تنظیم وتفصیل ہو یا اصول واحکام کی تمہید وانضباط، ان سب ہی سے انسان کو انسانیت کی معراجِ کمال تک پہنچانا مقصود ہے۔

قرآنِ کریم نہ تاریخی کتاب ہے کہ محض واقعات کی تفصیلات ہی بیان کرتا رہے اور نہ طبیعی نوامیس کی تفصیل وبیان پر مشتمل کتابِ طبیعیات ہے کہ محض علمی اور ذہنی عیاشی کے افسانوں میں وقت ضائع کرے، وہ تاریخ کی روح پیش کرتا ہے اور طبیعیات کے عقلی وفکری نتائج بیان کرتا ہے جن سے توحید الٰہی، خلق وربوبیت کے حقائق انسان کے دل ودماغ میں پیوست ہوں اور روح کو پاکیزگی حاصل ہوتا کہ وہ نظامِ عالم میں خلیفۃ اللہ کے منصب اعلیٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بن جائے، قرآن اگر کائنات میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اس کی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ انسانی ذہن وفکر کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا راستہ کھل جائے اور اس غور وفکر کے بصیرت آموز نتائج سے ایمان بالغیب کی تائید اور پرورش ہو، اس لئے کہ ان حقائقِ کونیہ اور حقائقِ الٰہیہ میں غور وخوض سے ایمان قوی ہوگا، وہ ان کی طرف محض علم وفن کی حیثیت سے کبھی دعوت نہیں دیتا کہ محض فن کو مقصد بنا لیا جائے۔

قرآن کے بعض جدید مفسرین کو اس سلسلہ میں بڑی غلط فہمی ہوئی ہے، انہوں نے ان موضوعات میں

قرآنی مباحث کی تفسیر اور ان مباحث کی غایت وغرض بیان کرنے میں بڑے غلو سے کام لیا ہے اور یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے کہ قرآن اگر ان طبیعیات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تو اس کا مقصد بھی معرفتِ الٰہی تک پہنچنا ہے اور اگر کسی جگہ ان طبیعی وسائل کو دائرۂ عمل میں لانے کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اس کی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ ان وسائل کو خدمتِ خلق کا ذریعہ بنایا جائے صرف مال ودولت اور ثروت کا ذریعہ نہ بنایا جائے، ظاہر ہے کہ ذات وصفاتِ الٰہی کے بحرِ بیکراں میں شناوری کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ انسان ان حقائق میں غور کرے تا کہ اس وادی میں اس کی فکر ونظر کی صلاحیتیں زیادہ وسیع ہوں اور اس کے سامنے معرفتِ الٰہیہ کے نئے نئے ابواب کھلیں اور جب اس طرح قلب وروح کی تربیت ہوجائے اور انسانیت کا صحیح شعور بیدار ہوجائے تو عملی دائرہ کا صحیح مقصد بھی خود بخود متعین ہوجاتا ہے۔

تفسیر ''جواہر القرآن'' پر تبصرہ

تقریباً انتیس ۲۹ سال پہلے ۱۳۵۷ھ، ۱۹۳۸ء کے اوائل میں مصر جانے کا اتفاق ہوا تھا اور قاہرہ کے ایک دینی ہفتہ وار مجلہ ''الاسلام'' کے دفتر میں اپنے رفیق مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کی معیت میں بسلسلہ اشاعت مضامین جانا ہوا تھا وہیں مجلہ ''الاسلام'' کے دفتر میں مصر کے ایک مشہور عالم اور مفسرِ قرآن (۱) شیخ جوہری طنطاوی مرحوم سے تعارف اور ملاقات کا موقع ملا، وہ بھی اس مجلہ میں کوئی مضمون شائع کرانے کی غرض سے تشریف لائے تھے، تعارف کے بعد علامہ موصوف نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ جی ہاں اس قدر مطالعہ کیا ہے، جس سے اس کے متعلق رائے قائم کرسکا ہوں کہ وہ کیسی تفسیر ہے، علامہ نے فرمایا کہ میں وہ رائے سننا چاہتا ہوں، میں نے عرض کیا کہ مشکلات القرآن (۲) کے مقدمہ میں آپ کی تفسیر کے متعلق مختصر طور پر اپنی رائے لکھ چکا ہوں، وہ مختصر سی رائے تھی، اگر آپ اجازت دیں تو اب ذرا تفصیل سے عرض کروں، فرمایا بہت خوشی سے، اس کے بعد میں نے عرض کیا:

''آپ نے علماءِ امت پر یہ تو بڑا احسان کیا کہ علوم جدیدہ خصوصاً طبیعیات وفلکیات وہیئت وغیرہ کو جو یورپ کی زبانوں میں تھے اور علماء ان سے استفادہ نہیں کرسکتے تھے فصیح وبلیغ عربی میں منتقل کردیا اور اس سے ہمارے لئے استفادہ کی راہیں کھل گئیں اس احسان کے ہم سب ممنون ہیں لیکن قرآنی دعوت کو آپ نے جس انداز

---

(۱) علامہ شیخ جوہری طنطاوی نے "الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم" [illegible] جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر لکھی ہے۔

(۲) "مشکلات القرآن" امام العصر حضرت مولانا سید محمد [illegible] کی ایک [illegible] تفسیر ہے جس میں قرآن کریم کے مشکل مسائل کا تفسیری حل پیش کیا گیا ہے اس پر امام العصر رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

سے بیان کیا ہے اس کا تو حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان قرآنی حقائق کو سمجھنے میں انتہائی تقصیر کی ہے اور یورپ کی قوموں نے ان کو خوب سمجھا ہے اور انہیں نے صحیح طور پر ان پر عمل کیا اور پورا فائدہ اٹھایا ہے، یورپین اقوام کی ترقی وتقدم اور مسلمانوں کی پستی وتأخر کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، اگر آپ کے اس بیان کو بلا تاویل صحیح مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ عملی تقصیر خود اس مقدس شخصیت سے ہوئی (معاذ اللہ) جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور سب سے زیادہ قرآنی حقائق کی عالم تھی اور اس کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ نے بھی یہی تقصیر کی (معاذ اللہ) اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ سے زیادہ قرآن کریم پر صحیح عمل کرنے والی قوم روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئی لیکن آپ کے بیان کے مطابق حضرات صحابہؓ کی یہی قوم سب سے زیادہ مقصر (کوتاہی کرنے والی) ہوگی''۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو قوم ان حقائق کو نیز زیادہ جانے گی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے میدان میں وہی قوم گوئے سبقت لے جائے گی، گویا یورپ کا ایک سائنسدان آپ کے فرمانے کے مطابق صحابہ کرامؓ اور عارفین امت سے زیادہ اعرف باللہ ہوگا اور ایک یورپین کافر وفاسق سائنس دان آپ کے نزدیک سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے زیادہ عارف باللہ ہوگا۔

پھر آپ قرآنی آیات سے بسا اوقات ایسے طرز پر استدلال کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی شان رفیع اس واہی اور کمزور استدلال سے بہت اعلیٰ وارفع ہوتی ہے، مثال کے طور پر میں نے سورۂ آل عمران کی تفسیر میں ایک موقعہ پر علامہ موصوف کے ایک استدلال کا حوالہ دیا جس میں موصوف نے فوٹو کے جواز پر استدلال کیا تھا میں نے اس کی کمزوری اور اس کے رکیک انداز کو اچھی طرح واضح کیا۔

علامہ طنطاوی مرحوم بڑے غور سے میری سنتے رہے اور اس کے بعد ان کا جواب دینا شروع کیا اور میں موصوف کی ان جوابی وضاحتوں کا رد واعتراض اور جواب در جواب دیتا رہا، عجیب بات یہ تھی کہ مرحوم کوئی مؤثر اور وزنی بات نہیں فرما سکے اور اس سے زیادہ عجیب اتفاق یہ تھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس طرح کھولا اور زبان وبیان میں ایسی طاقت وروانی عطا فرمائی جو میں نے اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی اور اس کا میں نے یہ اثر دیکھا کہ گرمیٔ بحث کے دوران علامہ طنطاوی مرحوم نے بے ساختہ فرمایا:

''مَاأنتَ عالمٌ هنديٌ انما أنت مَلَكٌ نَزَلَ مِنَ السَّماء لِا صْلاحِي!''

تم محض ایک ہندی عالم نہیں بلکہ درحقیقت فرشتہ ہو جو آسمان سے میری اصلاح کے لئے اترا ہے۔

اور بحث کے درمیان کبھی کبھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر بہت ہی تعجب کے لہجہ میں فرماتے:

''ألآن أفهم منك معنى هذا الحديث''

اس وقت میں تم سے اس حدیث کے معنی سمجھا ہوں۔

یہ اعتراف علامہ مرحوم کا حسنِ اخلاق تھا اور اس طرف یہ میرا کوئی کمال نہ تھا بلکہ اس جماعت کی برکت تھی جس کی طرف میرا انتساب تھا اور ان اکابر کی کرامت تھی جن کے جوتے میں نے اٹھائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسوا نہیں فرمایا اور میرے جہل و نادانی سے میرے اکابر بدنام نہیں ہوئے۔

اس تمام بحث و تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات اور کونیات حق تعالیٰ کے کمالاتِ قدرت اور صفاتِ جلال و جمال کا ایک صحیفہ ہے جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور و فکر کرنے سے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور اس حیثیت سے طبیعیات کے جدید علوم ان اصحاب کے لئے بلاشبہ بصیرت افزا اور بے حد بصیرت افروز ہیں جن کو وحی و الہام اور مکاشفہ کی راہ سے وصول الی اللہ حاصل نہ ہو، معرفت الٰہیہ ان علوم پر منحصر نہیں ہے بلکہ ظاہر بین اصحاب کے لئے حصولِ معرفت کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔

علمی معارف کے بعد عملی نتائج ہیں اور اس علم و عمل سے حقیقی فوائد حاصل کرنے کے لئے صحت مقصد کی ضرورت ہے اور تصحیحِ مقصد کے لئے ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرۃ کے سوائے کوئی دوسری راہ نہیں ہے، ایمان و یقین سے محرومی اور بے مقصد علم و عمل ہی کی وجہ ہے کہ روس، امریکہ اور یورپ کی قومیں ان سائنسی ترقیات اور محیر العقول ایجادات و اختراعات کے باوجود انسانیت کی صفوں سے نکل کر پوری درندگی کی حدوں تک پہنچ چکی ہیں، نبوت ختم ہو چکی ہے اس لئے معجزاتِ نبوت اور انبیاء کے خوارق کی جگہ اللہ تعالیٰ ان علمی راہوں سے ان پر اپنی حجت پوری کر رہا ہے اور خود انہیں کے ایجاد کردہ علوم سے ان حقائق کو اس نے واشگاف کر دیا ہے کہ بے شعور طبیعت اور اس کے ان حیرت انگیز مظاہر اور حیرت افزا خواص و منافع میں کرشمہ الٰہیہ کے اعتراف کے سوائے اور کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

ایک طرف سائنس کی موجودہ ترقیات اور حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کو دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل میں کیا کیا صلاحیتیں رکھی ہیں اور جب ان صلاحیتوں سے کام لیا گیا ہے تو عقل نے کہاں تک رسائی حاصل کر لی ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر سائنس دانوں کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے لیکن یہ صورت کمال کا صرف ایک ہی رخ ہے اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے کہ ان آیاتِ قدرت اور عجائبات و تکوین کو دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے، اور ایمان باللہ کی دولت سے محروم ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہی عقلاء فکر و نظر کے اس رخ پر اس قدر جاہل کیسے رہ گئے، لیکن حق تعالیٰ ان کے کفر و انکار کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھاتا ہے، ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

[الروم: ٧]

وہ حیات دنیا کے ظاہر ہی میں سے کچھ جانتے ہیں اور یہی لوگ آخرت سے تو بالکل غافل ہی ہیں۔

دنیا کا بھی ظاہر اور وہ بھی بہ ہمہ جہت محدود مقدار میں جانتے ہیں، ان کا ذہن اور ان کی فکر ونظر اس طرف بالکل نہیں جاتی کہ اس حیرت انگیز کائنات اور پر اسرار وحقائق مخلوقات کے خالق پر ایمان لائیں، ایک طرف یہ ذہانت اور حیرت انگیز ذہانت اور دوسری طرف اس قدر غباوت اور غیر معمولی غباوت بجائے خود کس قدر عجیب اور حیرت ناک ہے اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی صداقت کی کتنی سچی گواہی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور: ٤٠]

اللہ تعالیٰ جس کو روشنی نہ دے تو اس کے لئے کہیں روشنی نہیں ہے۔

اسلام اور اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کا راستہ

''اسلام'' حق تعالیٰ کی وہ آخری نعمت ہے جس سے دنیا کو سرفراز کیا گیا ہے اس نعمت اسلام سے صحیح اور کامل فائدہ اسی وقت نصیب ہوتا ہے جب صحیح اسلامی حکومت دنیا میں قائم ہو اور اسلام کے احکام وقوانین جاری کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی سرپرستی حاصل ہو، عہد نبوت میں بھی جب مدینہ طیبہ اسلامی مرکز بن گیا اور دارالاسلام وجود میں آگیا تب جا کر دینِ اسلام کی برکات کا ظہور ہونا شروع ہوا، غرض اسلام اور حکومتِ اسلام کا تعلق چولی دامن کا سا تعلق ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا، حکومتِ اسلامی ہی وہ عظیم الشان سرچشمۂ برکات ہے جس کی بدولت اسلام پر صحیح عمل کی توفیق میسر آتی ہے، حکومت اسلامی کے قیام کے بعد مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کی حفاظت ہوجاتی ہے اور قلب کو سکون حاصل ہوجاتا ہے، اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے اسلامی حدود وتعزیرات کے نافذ ہوجانے کے بعد پرسکون ماحول میسر آجاتا ہے، اسلامی حکومت کا حقیقی بیت المال قائم ہوجاتا ہے جس کی بدولت کوئی یتیم لاوارث، کوئی بیوہ، کوئی مسکین، کوئی فقیر، پریشان حال نہیں رہ سکتا، ان کی ہر قسم کی پریشانیوں اور تہی دستی وافلاس کا علاج ہوجاتا ہے، صحیح زکاۃ، صحیح عشر وخراج ادا کرنے کے بعد زمین کی پیداوار میں فوق العادۃ برکت ہونے لگتی ہے اور اس کے نتیجہ میں حقیقی اسلامی ہمدردی سے جمع شدہ اموال خرچ کرنے کی بنا پر مزید برکت نازل ہوتی ہے۔

اسلامی فتوحات کے بعد اسلامی مملکتوں کی تفصیلات تاریخوں میں پڑھ لیجئے، مصر وشام وعراق کی تاریخوں کی ورق گردانی سے یہ تمام حیرت افزا واقعات آپ کے سامنے آجائیں گے، کسی بھی شوہر وبیوی کا قضیہ نامرضیہ باقی نہیں رہ سکتا، اسلامی عدالت سے صحیح چارہ جوئی ہوتی ہے اگر زوجین کے یا ان کے حکمین (ثالثوں کے) ذریعہ تصفیہ نہیں ہوسکتا تو پھر اسلامی حکومت مسلمان قاضی کے ذریعہ عدل وانصاف پر مبنی تصفیہ کرادیتی ہے اور نزاع ختم ہوجاتا ہے، یہ تو ایک مثال ہے اسی طرح ہر مجرم کو قرار واقعی سزا مل جاتی ہے اس عدالتی نظام کے زیر سایہ خدا تعالیٰ کی مخلوق اطمینان کا سانس لیتی ہے کسی مظلوم کی دادرسی میں نہ دیر لگتی ہے نہ غیر اسلامی عدالتی گورکھ دھندوں

میں پریشان ہونا پڑتا ہے۔ معاشرے کی اصلاح ہو جاتی ہے نہ کوئی شراب پیتا ہے نہ شراب پینے کے برے نتائج پیش آتے ہیں۔ نہ زنا ہوتا ہے اور نہ اس کے نتیجہ میں قتل و غارت ہوتی ہے، نہ کوئی نائٹ کلب یعنی بدمعاشی کا اڈا یا چکلہ باقی رہتا ہے، چوری کی شرعی سزا ہاتھ کاٹنے سے دو چار ہاتھ کٹتے ہی امن و امان کی فضا پیدا کر دیتے ہیں نہ حفاظت کے لئے پہرہ داروں کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ جان و مال کی حفاظت کے لئے پولیس کی ضرورت باقی رہتی ہے، حکومت کے خزانے پر جو حفاظتی انتظامات، ملازمین کی بے تحاشا تنخواہوں اور غیر سرکاری مصارف کا ناقابل برداشت بوجھ پڑتا ہے سب ختم ہو جاتا ہے۔

سود کا کاروبار ختم ہونے کی وجہ سے [illegible] کی جڑ کٹ جاتی ہے، بیمہ، قمار، سٹہ [illegible] معاملات کے بند ہونے سے غیر معمولی اور غیر فطری تجارت ختم ہو جاتی ہے، اگر دس پندرہ سال میں کسی مخصوص فرد کے پاس دولت کی فراوانی پیدا ہو جاتی ہے تو وفات کے بعد شرعی وراثت کے قانون کے ذریعہ تقسیم دولت ہو کر خاندان کے افراد میں دولت منقسم ہو جاتی ہے اور معاشرے کے تمام افراد میں ایک گونہ مساوات قائم ہو جاتی ہے، [illegible] اور [illegible] کے راستے بند ہو جاتے ہیں اور جب اسلامی احکام کی پابندی کی برکت سے بندگان خدا کے قلوب کا تزکیہ اور اصلاح ہو جاتی ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں، دلوں میں رقت و ہمدردی اور ترحم و رأفت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ کوئی صاحب ثروت کسی کو غریب و محتاج دیکھ نہیں سکتا، الغرض اسی طرح غریبوں کے ساتھ ہمدردی و اعانت کے جذبات، امیر و غریب کے درمیان محبت و مودت کا ایک مستحکم رابطہ پیدا کر دیتے ہیں۔

اسلامی حکومت کا سربراہ و حکمران

یہ تو اس صالح نظام کی وہ برکات ہیں جن سے تمام باشندگان مملکت بہرہ یاب ہوتے ہیں لیکن اس صالح نظام کو بدل و جان تسلیم کرنے کے بعد جو شخصیت اس خداوندی نظام کو ملک میں نافذ کراتی ہے وہی اسلامی حکمران ہے اور وہی اپنی اسلامی مملکت کا سربراہ ہوتا ہے، اسلامی اصول پر انتخاب کے بعد تاحیات وہ سربراہ رہتا ہے، پانچ دس سال کا عرصہ نہیں بلکہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے اور صریح کفر کا صدور اس سے جب تک نہ ہو وہ معزول نہیں ہو سکتا، ایسا شخص صحیح معنی میں ”ظل اللہ“ (اللہ تعالیٰ کا سایۂ رحمت) ہوتا ہے اس کا منصب اسلام میں اتنا جلیل و عظیم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کے بعد اس کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے، اس کی مخالفت و نافرمانی اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہے، گویا جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نہ صرف تسلیم کرتا بلکہ اس کی تعمیل بھی کرتا ہے اور ملک میں اس کی تنفیذ بھی کرتا ہے اس کو اتنا عظیم المرتبت بنایا گیا ہے کہ تمام امت و رعیت پر اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے اس کو بڑے بڑے اختیارات دیئے جاتے ہیں، درحقیقت اسلامی قانون اور اسلامی آئین

کا تصور بلا اسلامی حکمران کے ناتمام رہتا ہے اس لئے کہ اگر کسی وقت معاشرے کے افراد میں صحیح جذبہ ہمدردی باقی نہیں رہتا اور معاشی نظام میں توازن قائم نہیں رہتا تو اسلامی حکمران ہی کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو حق حاصل ہے کہ مداخلت کر کے توازن قائم کرے اسلامی حکمران کے عادلانہ نظام کے یہ برکات ہوتے ہیں۔

اسلامی ممالک کی امتیازی خصوصیت

بہرحال اسلامی مملکت کی سب سے بڑی ممتاز خصوصیت ملک میں محاکمِ عدلیہ شرعیہ کا قیام اور اسلامی قانون کا اجراء ہے کوئی مملکت بھی مسلمانوں کی اسلامی مملکت نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کے دستور و قانون کا تانا بانا اسلامی احکام شرعیہ سے نہ بنا جائے، میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی مملکت کے قیام کا خیال ہی حقیقی اسلامی سربراہ کے بغیر بے معنی ہے، گویا شرعی نظام کا سنگ بنیاد ہی سچے مسلمان اور عادل حکمران کی ذات ہے کوئی بھی اصلاحی قدم بغیر اس کے نہیں اٹھایا جا سکتا نہ ہی کسی اور قسم کے حکمران کو رعایا کے جان و مال پر وہ اختیارات حاصل ہیں جو ایک صحیح معنی میں اسلامی حاکم کو حاصل ہیں۔

پاکستان کی سرزمین جب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور ایک ایسی خود مختار مملکت وجود میں آ گئی ہے جس کے باشندے اسی فیصد آج بھی صحیح نظام اسلام کے آرزومند ہیں اور اسے بے چون چرا تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں تو آخر کس بات کا انتظار ہے؟ کیوں اسلامی قانون جاری نہیں کیا جاتا؟ اور آخر اس اسلامی دستور کا کیا نتیجہ ہوگا جس کا اول دن عہد کیا گیا تھا، خصوصاً اس ملک میں جب غیر اسلامی نظام کے تمام تجربے ناکام ہو چکے اور تمام دنیوی نظام جاری کرنے کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا بلکہ دن بدن قوم قعرِ مذلت میں گرتی جا رہی ہے دین بھی تباہ دنیا بھی تباہ، اخلاق بھی برباد ملک کا امن و امان بھی برباد، تو آخر ایک مرتبہ اسلامی قوانین جاری کر کے اسلامی نظام کو کیوں نہیں آزمایا جاتا؟ یاد رکھیئے! اس ملک کا مزاج دینی ہے عوام سچے اور پکے مسلمان ہیں تمام باشندے حنفی ہیں مختصر سی ایک جماعت اہل حدیث حضرات کی ہوگی اور دو چار فیصد شیعہ حضرات ہوں گے، عبادات میں ہر شخص کو اپنے اپنے مسلک کی پیروی کرنے کی آزادی ہے، اسی طرح شخصی معاملات و شخصی قوانین بھی تمام مذاہب کے مرتب موجود ہیں، بنیادی عقائد اور عبادات و معاملات میں تمام امت اسلامیہ متفق ہے اسلامی قانون بنا بنایا موجود ہے صرف محاکم عدلیہ کے چلانے والے جج اور قاضی کو ان کا علم ہونا ضروری ہے اگر اسلامی قانون کو جدید قانون سازی کی طرح مرتب کرنا ہی ضروری ہے تو چند ماہ سے زیادہ عرصہ اس کے لئے درکار نہیں، ایک بڑی راحت یہ ہے کہ اگر یہ اسلامی نظام نافذ کیا جائے تو روز بروز مارشل لاء نافذ کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی، قوم کی آسودہ حالی اور خوش حالی نیز سکونِ قلب اور معاشرے کی پائیدار اصلاح بغیر اس کے ناممکن ہے ہزار تدبیریں کی جائیں اگر دلوں کی اصلاح نہیں ہوتی تو سب بےکار اور بے معنی ہے اور دلوں کی اصلاح کتاب و سنت کی ہدایات اور اسلامی عدلیہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ

توفیق عطا فرمائے کہ ان واشگاف حقائق کو سمجھیں اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

امت محمدیہ اور اسلام

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

اسلام جس کامل ترین شکل میں امتِ محمدیہ کے سامنے آج موجود ہے یہ بڑی کٹھن منزلیں طے کر کے یہاں پہنچا ہے اور دینِ اسلام کا یہ خوبصورت باغیچہ جس شان میں آج موجود ہے اور جس طرح یہ عالم اسلام پر سایہ فگن ہو رہا ہے اور اس کے شیریں پھلوں اور پھولوں سے امت لذت اندوز ہو رہی ہے اور اس کی روح پرور خوشبوؤں سے قلب و دماغ کو سکون نصیب ہو رہا ہے یہ شہداء احد اور شہداء بدر کے پاکیزہ اور مقدس خونوں سے سینچ سینچ کر سرسبز و شاداب کیا گیا ہے، اس کے پیچھے امت محمدیہ کے جان نثاروں کی عظیم الشان تاریخ ہے گھر بیٹھے بٹھائے یہ نعمت ہمیں اور آپ کو آسانی سے میسر آ گئی ہے ہمیں اس کی کیا قدر ہو سکتی ہے اس کی قدر و قیمت تو صدیق و فاروق، عثمان و علی، طلحہ و زبیر، سید الشہداء حمزہ و جعفر، ابن رواحہ و خالد بن ولید (رضی اللہ عنہم) سے پوچھئے، اس کی داستانیں ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور ابوموسیٰ اشعری سے سنیے، خباب و صہیب، بلال و عمار، سلمان و ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم کی المناک زبانوں سے معلوم کیجئے۔

آئیے! آپ بھی اسلام کی تاریخ کے سنہری اوراق کی کچھ ورق گردانی کیجئے اور فاتحین اسلام کے عظیم الشان واقعات اور کارنامے پڑھئے شاید کچھ اسلام کی قدر و قیمت کا احساس ہو جائے، کہنا یہ ہے کہ یہ نعمت بڑی مشکلوں سے ہم تک پہنچی ہے لیکن افسوس آج امت اس کی حفاظت کے فریضہ سے قطعاً قاصر بلکہ غافل نظر آ رہی ہے۔

دین الٰہی کی تاریخ

اور زیادہ گہرائی میں جائیے تو اس دینِ الٰہی کی تاریخ اس سے بھی زیادہ قدیم نظر آتی ہے، حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دینِ اسلام کی خشت اول رکھی ہے، ان کے بعد آنے والے حضرات انبیاء کرام و رسولانِ عظام پر کیا کیا گذری ہے اس کا کچھ اندازہ حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ہو سکتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں امت کے سامنے ہے:

"الأنبياء أشد الناس بلاء ثم الأمثل فالأمثل"(۱)

سب سے زیادہ تکلیفیں انبیاء کرام کو اٹھانی پڑتی ہیں پھر جو ان کے جتنا زیادہ قریب و مماثل ہو اس کو۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب أشد الناس بلاء الانبياء ج:۲ ص:۸٤۳، ط: قديمي.
مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض ج:۱ ص۱۳٦، ط: قديمي

یعنی یہ ’’دین اسلام‘‘ ان تمام ادیانِ الہیہ سماویہ کی آخری کڑی ہے جو جامع ترین کامل ترین شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے، پھر صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے کس کس طرح اس چمن کی آبیاری فرمائی ہے، پھر محدثین کرام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ اور احادیث نبویہ کی کس شان سے حفاظت فرمائی ہے اور کیا کیا محنتیں اس سلسلہ میں کی ہیں، ایک ایک حدیث کے سننے اور محفوظ کرنے کے لئے کیسے کیسے طویل وشاق سفر کئے ہیں اور پھر اعداء اسلام کی سازشوں اور تحریفات وتلبیسات سے کس طرح بچا بچا کر امت کے سامنے یہ امانت پہنچائی ہے حتی کہ اس کی حفاظت وصیانت کے لئے تقریباً ایک سو علوم ایجاد کئے۔ الغرض اس امانت الٰہی کو ان حضرات نے کس طرح سینوں سے لگایا اور کس طرح تصنیفی سفینوں (کتابوں) میں امت تک پہنچایا؟ یہ اسلامی تاریخ کا زریں دور ہے، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی وغیرہ وغیرہ تو اس گلستان کے چند پھول ہیں اور اسی بوستان کے چند باثمر پودے ہیں جن کے ثمرات سے آج امت فائدہ اٹھا رہی ہے۔

پھر اللہ جل مجدہٗ نے اس امانت الٰہی کے حکم ومصالح کو سمجھنے سمجھانے کے لئے اور اس کی روح کو محکم بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے حضرات فقہاء کرام کو پیدا فرمایا ہے کہیں علقمہ واسود وشعبی وابراہیم نخعی ہیں، کہیں قاسم بن محمد بن ابی بکر وسلیمان بن یسار وعروۃ بن الزبیر وسعید بن المسیب ہیں، کہیں عطاء بن ابی رباح ہیں کہیں ابن سیرین وحسن بصری ہیں، کہاں تک گنوائیں! مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، شام، مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے فقہاء تابعین کی فہرست بہت طویل ہے اس امتِ مرحومہ کی ان نفوس طیبہ کی جن کو صحابہ وتابعین ومحدثین نے یہ امانت الٰہیہ سپرد کی ہے پھر جو صحیح معنی میں ان اکابر امت کے علوم کے وارث بنے ہیں ان کی فہرست بھی بہت طویل ہے، شام میں امام عبدالرحمن اوزاعی، مصر میں یزید بن ابی حبیب ولیث بن سعد، کوفہ میں سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی، مدینہ میں امام مالک بن انس اور ان کے شیخ ربیعہ وغیرہ وفقہاء سبعہ ہیں۔

پھر کچھ عرصہ بعد یہ امانت محمد بن ادریس شافعی اور احمد بن حنبل کو سپرد ہوئی جن کے آراء وافکار واقوال امت کے سامنے مرتب ومحفوظ اور مدون ہوکر پہنچے اور آج تک ان کے بتلائے ہوئے طریقوں اور مسلکوں پر امت عمل پیرا ہے ان میں جن کو زیادہ قبول نصیب ہوا بلکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر کے مطابق ’’ثم وضع له القبول فی الأرض‘‘(١) کے مصداق بنے وہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔

کوفہ کی علمی ودینی حیثیت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اتفاق سے اس سرزمین میں پیدا ہوئے جہاں علوم نبوت کا سب سے زیادہ ذخیرہ

---

(١) صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب المِقة من الله ج:٢ ص:٨٩٢، ط: قدیمی.
مشکوۃ المصابیح، باب الحب فی الله ومن الله ج:٢ ص٤٢٥، ط: قدیمی.

پہنچا، چنانچہ خلافتِ فاروقی کے عہد میں جب اسلام مشرق ومغرب میں پھیل گیا اور عراق میں کوفہ ایک مستقل اسلامی بستی بسائی گئی اور اس کو مرکزیت حاصل ہوگئی تو سب سے زیادہ صحابہ کرام اس سرزمین میں منتقل اور آباد ہوئے بلکہ کوفہ صحابہ کرام کا فوجی ہیڈ کوارٹر بن گیا، حروبِ قادسیہ میں یعنی ایران کی لڑائیوں میں آٹھ ہزار صحابہ کرام بتصریح مؤرخ ابن جریر طبری شہید ہوئے ہیں، وہ سب کے سب اسی سرزمین میں سکونت اختیار کر چکے تھے، کوفہ میں ایک علاقہ قرشیئیا کا تھا جس میں بتصریح شیخ ابن ہمام چھ سو صحابہ کرام سکونت پذیر تھے، اسلام کے اس عالمی مرکز کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام فقہاء صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود کو منتخب کر کے بھیجا تھا جن کے بارے میں حسب روایت طبقاتِ ابن سعد، فاروق اعظم کے یہ کلمات طیبہ انتہائی اہمیت رکھتے ہیں: "آثرتكم به يا أهل القادسية"(١)

اے مجاہدین قادسیہ! تم کو وہ شخص دے رہا ہوں جس کا میں خود محتاج ہوں۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سرزمین میں کچھ ہی عرصہ میں ایک ایسی عظیم جماعت تیار کر دی جس کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "أصحاب عبدالله سُرج هذه القرية"(٢)

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اس شہر کے مشعل و چراغ ہیں۔

جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ تو وفات پا چکے تھے لیکن حضرت علیؓ کے استقبال کے لئے ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ چار ہزار کی تعداد میں پہنچے تھے جس کا ذکر امام سرخسی نے مبسوط کی سولہویں جلد میں کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

"رحم الله ابن أم عبد قد ملأ هذه القرية علمًا و فقهًا" (٣)

ابن ام عبد یعنی ابن مسعودؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جنہوں نے اس شہر کو علم (حدیث) اور فقہ سے بھر دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قابلِ قدر اور سزاوار افتخار شہادت پر غور کیجئے۔

بہر حال خلافتِ فاروق اعظمؓ کے بعد اسلامی ملکوں میں صحابہ کرام کی کثرتِ تعداد کے اعتبار سے دنیا کا کوئی ملک بھی کوفہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا، ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی حدیث اور علم دین کا ایک سرچشمہ ہے، اس لحاظ سے جہاں جتنے زیادہ صحابہ پہنچے وہاں اسی قدر زیادہ حدیث پہنچی اور جہاں جتنے زیادہ فقہاء

---

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر عبدالله بن مسعود ج:٢ ص:٣٤٤. ايضا ج:٣ ص:١٥٧، ط: دار صادر بيروت

(٢) الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات الكوفيين ج:٦ ص:١٠، ط: دار صادر بيروت

(٣) المبسوط للسرخسي، كتاب أدب القاضي ج:١٦ ص:٧٧، ط: دار الكتب العلمية بيروت

صحابہ اور جہاں صحابہ پہنچے وہاں اسی قدر زیادہ علوم نبوت کے چشمے جاری ہوئے، یہی وجہ تھی کہ عہد بنی امیہ اور پھر عہد بنی عباس میں جس کثرت سے محدثین کوفہ میں موجود تھے کوئی ملک بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا، محدث عجلی کا بیان ہے کہ کوفہ میں ایک ہزار پانچ سو صحابہ سکونت پذیر تھے جن میں ستر صحابہ بدریین تھے، یہ تو ان صحابہ کی تعداد ہے جو کوفہ کے مستقل باشندے تھے اور جو صحابہ دینی اور ملکی ضرورت کے تحت کوفہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ عارضی طور پر قیام فرمایا ہے ان کی تعداد کا تو اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ان سب کی علمی اور دینی وراثت اہل عراق کو ہی منتقل ہوئی ہے خصوصا جب کوفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وکرم اللہ وجہہ کے عہد میں مرکز اسلام و مرکز خلافت بھی بن گیا تھا، اسی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم کے حاملین اور تلامذہ کوفہ ہی میں زیادہ رہے ہیں۔

پھر باقاعدہ طور پر حضرات صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ودرایت اور ان کے فقہ کو پورے طور پر محفوظ کرنے والے عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہی تھے اور پھر تلامذہ کے تلامذہ تھے، چنانچہ محمد بن جریر طبری مفسر ومورخ فرماتے ہیں:

> لم يكن أحد له أصحاب معروفون حرروا فتياه ومذاهبه فى الفقه غير ابن مسعود، وكان يترك مذهبه وقوله لقول عمر، وكان لا يخالفه فى شىء من مذاهبه و يرجع من قوله الى قوله اه.(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ کوئی صحابی ایسا نہیں جس کے تلامذہ نے باقاعدہ طور پر اس کے اقوال وفتاوی ومذہب کو مدون ومرتب کیا ہو اور ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے قول کی بنا پر اپنے قول کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور حضرت عمر کے مسلک کی کسی چیز میں بھی مخالفت نہیں کرتے تھے اور اپنے قول سے عمر کے قول کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے۔

مسروق بن الاجدع جو کبار تابعین کوفہ میں شمار ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے صحابہ کرام کو قریب سے قریب تر ہوکر دیکھا ہے اور ان کی صحبت حاصل کی ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمام صحابہ کرام کے مختلف علوم چھ صحابہ میں سمٹ آئے ہیں:

① عمر فاروقؓ ② علی مرتضیٰؓ ③ عبداللہ بن مسعودؓ
④ ابو الدرداءؓ ⑤ زید بن ثابتؓ ⑥ ابی بن کعبؓ

پھر ان چھ حضرات کے علوم کو میں نے دو صحابہ میں مجتمع پایا ہے، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ، اور

---

(۱) بحواله، اعلام الموقعين، فصل عمر بن الخطاب ج:۱ ص:۱٦، ط: دار الكتب العلمية بيروت

اس میں شک نہیں کہ ان دونوں حضرات کے علوم کے وارث کوفہ والے ہی ہیں۔(١)

امام ابوحنیفہؒ اور ان کی خصوصیات

بہر حال صحابہ کرام کے علوم کے وارث تابعین بنے اور تابعین کے علوم حدیث وفقہ کے وارث وہ ائمہ اجتہاد ہوئے جن کے تفقہ اور مذاہب پر امت کی دینداری کا دار و مدار رہا ہے ان ائمہ مجتہدین کے دور میں جو امام سب سے زیادہ ممتاز تھے وہ سفیان ثوری، محمد بن عبدالرحمن بن أبی یلیٰ اور ابوحنیفہ ہیں، پھر ان سب میں تفقہ اور اجتہاد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ سب سے زیادہ ممتاز اور مقبول ہوئے اور حق تعالیٰ نے ان سے وہ خدمت لی کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے کمالات وخصوصیات ہمارا موضوع بحث نہیں یہ ان کے کمالات کی تفصیل کی یہاں گنجائش ہے:

فی طلعة الشمس مایغنیك عن زحل

آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد زحل ستارے کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ حضرات محدثین اور فقہاء مجتہدین میں سے جو مشائخ ابوحنیفہ کو میسر آئے کسی اور امام کو میسر نہیں آئے، پھر فطرۃ جو دقت نظر، تو قد فکر اور ذکاء کا حصہ وافر ابوحنیفہ کو ملا ہے اس میں کوئی ان کا ہمسر نہیں، پھر صبر و استقامت اور خیر خواہی کا جذبہ، فیض رسانی کی حرص اس قدر کہ عقل حیران ہے، غرض حق تعالیٰ نے ابوحنیفہ کو وہ فطری ملکات عطا فرمائے جن کی نظیر ان کے معاصرین میں کہیں نہیں ملتی، ان کے مذاہب کی سب سے بڑی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد تاریخ اسلام میں ابوحنیفہ پہلے امام دین ہیں جس نے ''فقہی شورائی'' نظام قائم کیا تھا اور چالیس فقہاء ومحدثین وائمہ کرام اس شوریٰ کے ارکان تھے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

امام ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، عافیۃ ازدی، حمزۃ زیات، حبان بن مندل، فضیل بن عیاض وغیرہ وغیرہ۔

یہ چالیس ارکان کی جماعت مسائل فقہیہ میں کما حقہ غور وخوض کے بعد مسائل متفقہ طور پر طے کرتی تھی کبھی کبھی ہفتوں بحث وتمحیص میں لگ جاتے تھے، ابن ابی العوام سعدی اپنی کتاب ''اخبار أبی حنیفة واصحابه'' میں لکھتے ہیں:

''كان أصحاب أبي حنيفة الذين دونوا معه الكتب أربعين رجلاً كبراء الكبراء''(٢)

---

(١) نصب الراية ج: ١ ص: ٢٥، منزلة الكوفه من علوم الاجتهاد، ط: دارالحديث قاهره

(٢) بحواله، نصب الراية، طريقة ابي حنيفة فى التفقيه ج: ١ ص: ٣٢، ط: دارالحديث قاهره

امام ابوحنیفہ کی فقہ کو مرتب کرنے والے چالیس حضرات ایسے تھے کہ جو اکابر کے اکابر تھے۔

موفق مکی، مناقب ابوحنیفۃ میں لکھتے ہیں:

> ”وضع أبوحنیفة مذهبه شوری بینهم لم یستبدّفیه بنفسه دونهم اجتهادًا منه فی الدین ومبالغةً فی النصیحة لله ورسوله والمؤمنین فکان یلقی المسائل مسألةً مسألةً و یسمع ماعند هم و یقول ماعنده و یناظرهم شهرًا أواکثر حتی یستقر أحدالأ قوال فیها ثم یثبتها أبو یوسف فی الأصول حتی أثبت الأصول کلها، وهذا یکون أولیٰ وأصوب والی الحق أقرب والقلوب الیه أسکن وبه أطیب من مذهب من انفرد فوضع مذهبه بنفسه و یرجع فیه الی رأیه.اھ“(١)

ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کی بنیاد ان چالیس ارکان کے مشورہ اور اتفاق رائے پر رکھی تھی، ان کی آراء کو نظر انداز کر کے اپنی شخصی رائے کو کبھی بھی مدار نہیں بنایا، اس کا مقصد اپنی جانب سے دین کے معاملہ میں انتہائی جدو جہد کا اور اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کی خیر خواہی کا حق ادا کرنا تھا، ابوحنیفہ فقہی مسئلے ایک ایک کر کے ان اراکین شوریٰ کے سامنے پیش کرتے ان کے دلائل سنتے، اپنے دلائل بیان کرتے مہینہ مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے یہاں تک کہ متفقہ فیصلہ ہوجاتا تو اس کے بعد کتب اصول میں درج کراتے یہی سب سے بہتر، سب سے زیادہ درست اور حق سے سب سے زیادہ قریب طریق کار تھا اسی سے دل مطمئن اور خوش ہوسکتے ہیں، بمقابلہ ایک شخصی مذہب کے جس کو ایک فرد اپنی شخصی رائے سے تجویز کرے اور اپنی رائے پر ہی اعتماد کرے اور اسی کو مدار بنائے۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن ادریس شافعی جیسے امام کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ:

”الناس کلهم فی الفقه عیال علی أبی حنیفة“(٢)

تمام امت فقہ میں ابوحنیفہ کی محتاج ہے۔

اور اسی وجہ سے ابن خلدون جیسے محقق مؤرخ کو بھی جو خود مالکی المذہب تھے اور اندلس کے مسلّم عالم تھے کہنا پڑا کہ: ”جو پختگی مذہب ابوحنیفہ کو حاصل ہوئی مالکی مذہب کو حاصل نہ ہوسکی“۔ (تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون دیکھا جائے)۔

---

(١)مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة ج:٢ص:١٣٤، ١٣٣، ط:مکتبه اسلامیه کوئته

(٢)تاریخ بغدادللحافظ ابی بکر احمدبن علی الخطیب ج:١٣ص:٣٤٦، ط:دارالکتاب العربی بیروت

امام ابوحنیفہؒ اور شرعی مسائل

امام ابوحنیفہ نے جو شرعی مسائل واحکام امت کے لئے املاء کر کے لکھوائے تھے ان کی تعداد کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ یہ مسائل واحکام بارہ لاکھ ستر ہزار سے بھی زائد تھے، یہی وجہ ہے کہ ابوحنیفہ کے مذہب کو عالم اسلامی میں جو عروج وقبول نصیب ہوا ہے تصور سے بالاتر ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ تمام امت میں ابوحنیفہ ؒ متابعت واقتداء کرنے والے دنیائے اسلام کے نصف سے زائد مسلمان ہیں، نصف اقل میں بقیہ تمام ائمہ کے متبعین شامل ہیں۔

انہی حقائق کے پیش نظر امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام یحییٰ بن معین اور وکیع بن الجراح وغیرہ وغیرہ کبار محدثین کے متعلق محققین علماء اسماء رجال کا بیان ہے کہ یہ ابوحنیفہ کا اتباع کرتے تھے، گویا ''اجتہاد مطلق'' کا منصب اتنا اونچا اور اتنا دقیق وعمیق ہے کہ اتنے بڑے بڑے حضرات علماء محدثین بھی ابوحنیفہ کی اتباع سے بے نیاز نہ ہو سکے، بلاشبہ ان کا اتباع یا ان کی تقلید عام امت جیسی نہیں ہے کہ ہر ہر مسئلے میں امام کی تقلید کریں بلکہ جو دقیق فقہی مسائل ایسے درپیش آتے تھے کہ یہ حضرات خود از روئے حدیث فیصلہ نہ کر سکتے تھے تو ان میں ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرتے تھے اور اسی پر فتویٰ دے دیا کرتے تھے اسی بنیاد پر امام ترمذی جیسے حضرات محدثین کو شافعی مذہب کا پابند بتلایا گیا ہے اور امام ابوداؤد جیسے محدث کو امام احمد بن حنبل کا متبع بتلایا گیا ہے۔ بہر حال حدیث ہو یا فقہ دین کے الگ الگ شعبے ہیں۔

''ہر کسے را بہر کارے ساختند''

"لکل فن رجال" معروف قولہ ہے، اعمش جو ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے شیخ تھے، ایک موقعہ پر ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا جواب سے عاجز آ گئے، ابوحنیفہ موجود تھے، عرض کیا: ''اجازت ہو تو جواب دوں'' فرمایا: ''جی ہاں'' جب ابوحنیفہ نے اسی حدیث سے جواب دیا جو اعمش کو بھی یاد تھی تو اعمش کو اس پر حیرت ہوئی اور بے اختیار فرمانے لگے: "یامعشر الفقهاء نحن الصيادلة وأنتم الأطباء"(۱)

اے فقہاء کی جماعت! ہم تو دواساز ہیں طبیب تو تم ہو۔

امام ابو یوسف کی موجودگی میں ایک دفعہ کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، پھر امام اعمش جواب سے خاموش رہے تو ابو یوسف نے باجازت شیخ جواب دیا، فرمایا کہ: ''اے یعقوب (امام ابو یوسف کا نام ہے) تمہارے والدین نے نکاح بھی نہیں کیا تھا اس وقت سے یہ حدیث مجھے معلوم تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ

---

(۱) اخبار ابی حنیفة واصحابه ج:۱ ص:۲۷، ط: عالم الكتب بيروت. فضائل ابی حنيفة واخباره و مناقبه ص:۱۰۲. ط: المكتبة الامدادية مكة المكرمة

بھی نکلتا ہے''۔

ان واقعات کو حافظِ حدیث حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ''جامع بیان العلم'' میں اپنی سند سے لکھا ہے اور اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں، عرصہ ہوا کہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر میں راقم الحروف کا ایک طویل مقالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے، اس وقت قلم برداشتہ چند حروف لکھ دیئے تھے شاید اہلِ انصاف نے قدر فرمائی ہو، باقی جن حضرات نے نہ ماننے کا عزم ہی کرلیا ہو روئے سخن ان کی طرف نہیں ہے آج کل جہاں اور فتنے اس ملک کے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی ایک فتنہ بن گیا ہے کہ ایک طرف ایک جماعت پوری جہالت کے ساتھ اتباعِ سنت کے خلاف کرتی ہے اور مذہب حنفی کی آڑ لیتی ہے اور اس طرح یہ مذہب حنفی کو بدنام کرتے ہیں، دوسری طرف ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو مقلدینِ ائمہ اور متبعینِ مجتہدین کو مشرکین سے کم نہیں سمجھتے اور ان کے خلاف لکھتے لکھتے ابو حنیفہ کے خلاف بھی اپنا زورِ قلم خرچ کررہے ہیں، بڑی شدید خلیج درمیان میں حائل ہے۔ انصاف اور اخلاص کے فقدان سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے آج امت کفر و الحاد کے بحران میں مبتلا ہے، نئی نسل بے دینی و بداخلاقی کے گہرے گڑھے میں گر رہی ہے اور ہمیں ایک دوسرے پر لعن وطعن سے ہی فرصت نہیں ملتی، آج کفر و اسلام کا مقابلہ ہے اسلام اور کمیونزم کا مقابلہ ہے اسلام اور سرمایہ داری کا مقابلہ ہے، تمام دین کی اقدار مسخ کی جارہی ہیں ماسکو اور واشنگٹن کے ساتھ مہبطِ وحی البلد الامین مکہ مکرمہ اور مہبطِ جبرئیل امین مدینہ طیبہ کا موازنہ کیا جارہا ہے، ایک طرف سے دہریت و الحاد کے ساتھ ساتھ جدید تہذیب وتمدن کا سیلاب آرہا ہے، اور اسلامی اقدار کے مضبوط قلعوں کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے اور ہم تقلید اور عدمِ تقلید کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است
اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

[رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ - نومبر ۱۹۷۱ء]

اسلام ''دین کامل'' ہے، اس میں کسی بھی ''ازم'' کی گنجائش نہیں (۱)

خطبہ مسنونہ کے بعد آیت مندرجہ ذیل تلاوت فرمائی:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ۳]

---

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (رحمہ اللہ تعالی) کی ایک اہم تقریر جو آپ نے حرمین شریفین کی زیارت اور حج سے واپسی کے دوسرے دن بروز جمعہ ۲۱ / مارچ ۶۹ ء کو ایک مجمعِ کثیر کے سامنے جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن میں فرمائی اور ماہنامہ ''بینات'' میں اس کا اختصار ''بصائر وعبر'' میں پیش کیا گیا۔

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل بنادیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کیا۔

عزیزان گرامی قدر اور محترم بزرگو! میں آپ سے تقریباً ۲۸؍ روز غیر حاضر رہا، ان دنوں میں آپ پر کیا گذری اس سے آپ سب حضرات خوب واقف ہیں، اس ملک میں اسلام پر جو کچھ بیت رہی ہے اور جو کچھ اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر میں نے ایک عرصہ سے اخبار بینی تقریباً ترک کر دی تھی کیونکہ ہر روز کوئی نہ کوئی دردناک خبر ملتی تھی اور کسی نہ کسی روح فرسا واقعہ سے سابقہ پڑتا تھا، پھر عریانی وفواحش اور ان کی تصاویر سے اخبارات بھرے ہوتے تھے، اس لئے جب یہاں تھا تو ان سے اجتناب کرتا تھا لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی خبر کان میں پڑ ہی جاتی تھی، یہاں سے جانے کے بعد رخ ہی دوسری طرف تھا اس لئے خود کو خالی الذہن کر لیا تھا لیکن ان ۲۸؍ دنوں میں جو کچھ اس ملک پر گذرا اور برسوں کی مسافت جو چند دنوں میں طے ہوئی وہ ایسا واقعہ نہیں ہے کہ اس سے صرف نظر کیا جائے اور ذرا بھی غفلت برتی جائے ہم آپ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جب کشتی ڈوب رہی ہو تو ہر مسافر کو اس کے بچانے کی فکر میں لگ جانا چاہئے، کچھ تو میں نے حرمین شریفین میں اس بدقسمت ملک کے بارے میں سنا اور کچھ یہاں آ کر بعض کرم فرماؤں نے بتلایا، ان خبروں اور حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان آج اپنی تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گذر رہا ہے، دنیا میں انقلابات آتے ہیں سازشیں ہوتی ہیں، طوائف الملوکی پھیل جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آج کسی کے لئے تخت سلطنت ہے تو کل اس کے لئے تختہ دار ہے، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن ہمارا ملک اس سے بھی شدید ترین خطرات سے دوچار ہے، داخلی اور خارجی فتنوں نے اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اس کو گھیر رکھا ہے، امریکہ، برطانیہ، روس اور چین ایک عرصہ سے اس ملک کو اپنی چراگاہ بنائے ہوئے تھے اور اپنے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ عمل جراحی میں مصروف تھے ان سب کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک کو اپنی حالت میں رہنے نہ دیں اور یہ ملک جس مقصد کے لئے بنایا گیا تھا اس سے اس کو کوسوں دور ڈال دیں۔

برطانیہ ایک زہریلے بچھو کی طرح نیش زنی میں مصروف رہتا ہی ہے، برطانیہ کی تاریخ جس قدر قدیم ہے اسلام اور مسلمانوں سے اس کی عداوت بھی اتنی ہی قدیم ہے، اس کی خواہش ہمیشہ سے یہ ہے کہ یہ ملک مسلمان ملک کی حیثیت سے زندہ نہ رہے، امریکہ دوسرا شیطان ہے جو اسی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ پاکستان ختم ہو جائے اور ہندوستان اس پر حاوی اور قوی ہو جائے اس پر وہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے، روس بڑا بدمعاش ہے وہ چاہتا ہے کہ لگے ہاتھوں وہ بھی اپنے بلاک کو وسیع کر لے امریکہ کو شکست دے دے اور دنیا کو اپنے غیر فطری امور، خدا دشمن نظام کمیونزم کی لپیٹ میں لے لے، درمیان میں ایک نیا شیطان اور آنکلا ہے جس کا نام چین ہے وہ بھی اپنی للچائی ہوئی نگاہیں پاکستان پر اور افریقہ و ایشیا کے دوسرے ملکوں پر ڈال رہا ہے، یہ تمام دشمن ملک کے موجودہ حالات

سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی توقعات اب وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہیں اور اپنے جالوں کے پھندے بڑے تیزی سے کس رہے ہیں، ادھر ملک میں کچھ حضرات جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے وہ ان بیرونی ممالک کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں، صدر صاحب اپنے اعمال کا نتیجہ بھگت رہے ہیں اپنے دہ سالہ کرتوتوں کی سزا پا رہے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاء وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاء وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاء وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاء بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

[آل عمران: ٢٦]

آپ کہا کریں: اے اللہ تو ہی ہے بادشاہت کا مالک جس کو چاہتا ہے سلطنت سے نوازتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت وحکومت کو چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت سے سرفراز فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت ورسوائی سے ہمکنار کرتا ہے خیر تیرے ہی دست قدرت میں ہے بلاشبہ تو ہر چیز پر قدرتِ بیکراں رکھتا ہے۔

صدر صاحب آج معکوس حالت سے دوچار ہیں وہ کل تک عزیز تھے انہیں ملک کا نجات دہندہ سمجھا جارہا تھا اس زمانہ میں کہا جارہا تھا کہ سمندر نے بھی سونا اگلنا شروع کر دیا، سمندر نے سونا بے شک اگلا اور خوب اگلا یہ اور بات ہے کہ وہ سونا بعد میں پیتل بن گیا، پھر آپ کو وہ زمانہ بھی یاد ہوگا جب ہندوستان نے پاکستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا تھا، صدر صاحب کی زبان سے کلمہ طیبہ نکلا اور تقریر سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت پڑی، ریڈیو بھی مسلمان ہوگیا، حکومت مسلمان ہوگئی، فوج بھی مسلمان ہوگئی، فوجیوں نے جامِ شہادت نوش کئے، اخلاص اور کامل اخلاص سے لڑے، مساجد نمازیوں سے بھر گئیں، آخرکار مسلمانوں کی جان میں جان آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ملک کو بچالیا، پھر یکایک ملک کے حالات بدلے یا زبردستی ان کو بدلا گیا دینی فضا جو قائم ہوئی تھی اس کو فواحش ومنکرات اور ٹیڈی ازم کے نرغے سے ختم کیا گیا۔

بہرحال اس وقت ملک جن خطرات سے دوچار ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں اس وقت دو طبقے ہیں جن کے ذمہ میں فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ میدان میں اتر کر اس ملک کو خطراتِ کفر والحاد اور بے چینی کے تسلط سے بچائیں اور اسلام اور امن وسلامتی کے راستہ پر ملک کو چلا کر عزت وسرفرازی سے ہمکنار کریں۔

علماء کی ذمہ داری اور ان کے فرائض

ایک طبقہ علماء کا ہے، علماء پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کامل اخلاص اور پوری تندہی سے اس وقت کام کریں وہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عزت دی ہے وہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کا صدقہ ہے، مسلمانوں میں ہماری جو کچھ عظمت واحترام اور ادب ہے وہ سب اللہ کے دین سے وابستہ

ہونے کی وجہ سے ہے، آج اس ملک میں اسلام پر جو کچھ گذر رہا ہے یا گذرنے والا ہے اس میں علماء کیا کردار ادا کریں گے؟ دنیا کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں، علماء جو کچھ کریں گے تاریخ اپنے سفینوں میں اور قوم اپنے سینوں میں اس کو ہمیشہ محفوظ رکھے گی، آج علماء کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم حق کہیں اور حق کے لئے کہیں اور حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی رضا وخوشنودی کے لئے کہیں اور جو کام کریں نفس کا شائبہ تک اس میں نہ ہو، وہ حدیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تو علماء کے سامنے ہوگی اور پڑھی اور پڑھائی ہوگی:

’’قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے پہلے علماء، مجاہدین، سخاوت کرنے والوں کی پیشی ہوگی سب سے پہلے علماء کی باری آئے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے علم کس لئے حاصل کیا تھا؟ عرض کریں گے کہ تیری رضا کے لئے، ارشاد ہوگا: غلط کہتے ہو تم نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ تم کو عالم کہا جائے اور لوگ تمہاری عزت کریں، چنانچہ ایسا ہو گیا (لوگ تمہیں عالم کہنے لگے) پھر حکم ہوگا ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دو اور وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، پھر اسی طرح مجاہدین کا نمبر آئے گا اور ان سے بھی یہی سوال وجواب ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، آخر میں سخاوت کرنے والے آئیں گے اور ان پر بھی یہی ماجرا گذرے گا‘‘۔ (١)

لہذا علماء ربانیین کا اہم فریضہ ہے کہ وہ سروں سے کفن باندھ کر میدان میں آجائیں، بہت بے حسی اور بے غیرتی کی بات ہوگی کہ دین پر نازک ترین وقت آجائے اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں اور تاویلیں کرتے رہیں کہ ابھی عزیمت کا وقت نہیں، رخصت پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، علماء خاموشی سے نہیں بیٹھیں گے، ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ۔ ہماری تو آرزو ہے کہ دین کے تقاضے ہم سے پورے ہوجائیں، الحمد للہ بیس ٢٠ سال سے شہادت کی آرزو سے اپنے سینہ کو گرم کر رکھا ہے اس سے بڑی کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اس کی راہ میں شہادت نصیب ہو، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ علماء کی طرف سے کام ہو مگر صحیح، درست، عقل اور تدبیر سے ہو اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو، وما ذٰلك علی الله بعزیز۔

عوام کے فرائض وذمہ داریاں

دوسری ذمہ داری عام مسلمانوں کی ہے جن سے اس وقت میں مخاطب ہوں، اگرچہ اس ملک میں ملاحدہ زنادقہ، بے دین اور اسلام سے منحرف لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے تاہم ملک کی بھاری اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہے جو اس ملک میں اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے اور اسلام سے روگردانی اور انحراف کو سب سے

---

(١) الصحیح لسملم، کتاب الامارة، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، ج: ٢ ص: ١٤٠، ط: قدیمی

بڑا گناہ تصور کرتی ہے ان ہی حضرات کے سامنے میں اپنی معروضات پیش کر رہا ہوں کہ:

آپ اس وقت سخت امتحان میں ڈال دیئے گئے ہیں، آپ علماءِ حق کی دعوت پر لبیک کہیں اور ان فتنوں سے نبرد آزما ہونے میں علماء کا ہاتھ بٹائیں، عوام مسلمین کی قربانیاں اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہوں گی جب یہ صحیح قیادت کے تحت کام کریں اور صحیح قیادت علماء ربانیین ہی کی ہوسکتی ہے:

لا یصلح الناس فوضی لا سراۃ لھم
و لا سراۃ اذا جُھالھم سادوا

صحیح قیادت کے بغیر انتشار اور پراگندگی کی حالت میں لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہوسکتی اور جاہلوں کی سیادت کو صحیح قیادت نہیں کہا جاسکتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس مسلمان ملک میں سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے لگ رہے ہیں اور بڑے زور وشور کے ساتھ لگائے جارہے ہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ائمۂ ضلال وفسق لوگوں کی قیادت کررہے ہیں، اور خود بھی شرارت اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کررہے ہیں اب ہماری خاموشی بدترین جرم ہوگی، اگر دیندار مسلمان اسلام کی حفاظت وصیانت اور دفاع سے خاموش ہوگئے تو یہاں اسلام ختم ہوجائے گا اور دنیا کے نقشہ سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا، اس موقعہ پر قرآن کریم آپ کو پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے: ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ [الحج:۷۸]

جہاد کرو اللہ کے راستہ میں جیسا کہ حق ہے اس کے راستہ میں جہاد کرنے کا۔

یہاں پر یہ دردناک حقیقت بھی سنتے جایئے کہ پچھلے دنوں ڈھاکہ میں حزب اختلاف کی آٹھ جماعتیں جمع ہوئیں اور ان کا اسلام پر اتفاق نہ ہوسکا چند سلبی چیزیں ان کے اتفاق وائتلاف کے نقطے بن سکیں لیکن نظامِ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اتفاقی نقطہ نہ بن سکا۔

شروع میں میں نے آپ کے سامنے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس کے متعلق آپ جانتے ہوں گے کہ یہ آیت کس موقعہ پر نازل ہوئی؟ ذی الحجہ کا مہینہ تھا اور اس کی نویں تاریخ تھی، عرفہ کا دن تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا ۶۳ رواں برس تھا، نبوت کا تئیسواں سال تھا، جمعہ کا دن تھا، عصر کا وقت تھا، آپؐ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے مخاطبین میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، حسن، حسین رضی اللہ عنہم اور ایک لاکھ صحابہ موجود تھے، یہ ایک مجمع تھا کہ چشم فلک نے اس سے زیادہ مقدس، اس سے زیادہ پاکیزہ، اس سے زیادہ جاں نثار مجمع نہیں دیکھا اور نہ کبھی دیکھے گا، اسلامی تاریخ نے یہ سب کچھ محفوظ کر رکھا ہے اور اس طرح کہ اس سے زیادہ حفاظت کا تصور نہیں کیا جاسکتا، پھر مسلمانوں نے اپنے ہادیٔ برحق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے انفاس قدسیہ کو تو اس طرح محفوظ کر رکھا ہے کہ کوئی قوم نہیں کرسکتی، آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ حدیث وسیرت میں محفوظ ہے۔

الغرض آیت کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا وہ دین جس کا سلسلہ نہ صرف ۲۳؍سال بلکہ ہزاروں سال پہلے حضرت آدمؑ سے جاری تھا، مکمل وکامل کر دیا اور نعمت یعنی نعمت نبوت یا نعمت اسلام یا اللہ سے تعلق کو پورا کر دیا، اب دنیا میں تمہاری فلاح اور دنیا وآخرت دونوں میں تمہاری فلاح ونجات صرف دین اسلام سے وابستہ ہے تمہاری صلاح وفلاح کسی بھی ازم یا نظام حیات سے وابستہ نہیں ہے۔

غور فرمائیے! جب یہ آیت کریمہ اتری ہے، اس وقت دنیا میں مختلف اور متعدد مذاہب اور نظامہائے حیات موجود تھے، مختلف ''ازم'' موجود تھے جن سے دنیا آشنا تھی، آج جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کی ابتدائی شکلیں اس وقت موجود تھیں لیکن ربِ کریم نے ان سب پر خطِ تنسیخ پھیر کر اسلام اور صرف اسلام کو ہماری خیر وفلاح کا ضامن ٹھہرایا ہے کیونکہ اس قانون کا بنانے والا رب العالمین، احکم الحاکمین، ارحم الراحمین ہے جس کی مدح وثناء ہم عاجز بندے کر ہی نہیں سکتے پھر نہ صرف یہ کہ اس نے اس دین کو پسند کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان فرمایا:

﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِیْنَ﴾ [آل عمران: ٨٥]

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی نظام کو اپنا دین بنائے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں کی فہرست میں شمار ہوگا۔

کمالِ دین کا مطلب اور اس کے معنی

یہ بھی سمجھئے کہ کمالِ دین کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دین میں عقائد، عبادات، احکام، معاملات، معاشرت، قانون صلح وجنگ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات سب کچھ موجود ہو ورنہ اگر انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایک شعبہ بھی نہ ہو تو وہ کامل نہیں ہو سکتا وہ ناقص اور محتاجِ تکمیل کہلائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ اس دین کو کامل فرما رہے ہیں اور واقعتاً اس میں سب کچھ موجود ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم امریکہ، روس یا چین سے کسی ازم کی بھیک مانگیں، درحقیقت کسی بھی دوسرے ازم سے بھیک مانگنا اور اسلام میں اس کا پیوند لگانا شرک فی الربوبیۃ ہے جو شرک کی بدترین قسم ہے اور جو شخص اس کو جائز سمجھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے، نہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر، موجودہ حالات کے تحت اسلام کے معاشی نظام کی ترتیب وتنظیم زیر غور ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے تاکہ مثبت پہلو میں دین کا یہ نقشہ آپ کے سامنے آجائے۔

ساری دنیا کا محور آج کل پیٹ کا مسئلہ ہے اسلام نے پیٹ کے مسئلہ کو حل کیا ہے لیکن اس کے پس منظر میں انسان کو حیوان سے اور جانوروں سے ممتاز کرنے کی غرض سے ایک مستقل نظام روحانیت یعنی عقائد وعبادات،

اعمالِ صالحہ واخلاقِ فاضلہ کو محفوظ رکھا ہے، اس کے برعکس امریکہ نے زراندوزی اور عیش کوشی کو ہی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے، روس اور چین نے پیٹ کے مسئلہ کو جیسا تیسا حل کیا لیکن انسان کو جانور بنا کر ساری انسانی تکرمت اور توقیر چھین لی اور تمام اخلاقی اور روحانی اقدار کو پامال کر کے نرا حیوان بنا ڈالا، اسلام ہی وہ دین کامل ہے جس نے انسان کا صحیح مقام اس دنیا میں متعین کیا اور اس کو وہ نظامِ حیات دیا ہے جو اس کے شایانِ شان ہے، اسلام میں صرف روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ جانوروں کا نعرہ تو ہو سکتا ہے انسان کا نعرہ ہرگز نہیں ہو سکتا لہذا:۔

اسلام میں کسی بھی ازم کی گنجائش نہیں ہے نہ کیپٹل ازم کی نہ سوشلزم کی نہ نیشنلزم کی، آج ہمارے ملک میں جو مشکلات ہیں وہ معاذ اللہ اسلام کی پیدا کردہ ہرگز نہیں ہیں بلکہ لوگوں نے اسلامی نظام جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا اس کو پس پشت ڈال کر اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا کر یہ مشکلات خود پیدا کی ہیں، اس ملک میں اسلام کو ایک دن بھی اپنا معاشی نظام جاری کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا، اگر اسلام کے معاشی نظام کو یہاں جاری کیا جاتا تو اس کا امکان ہی نہیں تھا کہ ملک کی معاشی حالت اس درجہ پر پہنچتی اور یہ سوشلزم کے کافرانہ نعرے بلند ہوتے۔

اسلامی سوشلزم کا نعرہ

پھر ان سارے نعروں میں سب سے زیادہ دلچسپ یا تکلیف دہ نعرہ اسلامی سوشلزم کا ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کہا جائے، ’’اسلامی دہریت‘‘ ’’اسلامی لادینی‘‘ ’’اسلامی شراب‘‘ ’’اسلامی قحبہ خانہ‘‘ بلکہ میرے نزدیک اسلامی سوشلزم اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس سے تو اسلام کے عقیدہ پر زد پڑتی ہے کہ دین مکمل نہیں ہے۔

اگر کوئی دین وایمان سے کورا انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ موجودہ دور بدل گیا ہے اس لئے ہمیں نئے نظام کی ضرورت ہے تو ایسا شخص کافرانہ غلطی میں مبتلا ہے اور اس کا ایمان اللہ اور اس کے رسول برحق پر صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قانون تو اللہ علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں، ان کے امراض وعوارض ان کی حاجات وضروریات مرغوبات ومیلانات کو جاننے والا تھا اور ہے، اس کا علم گذشتہ اور آئندہ سب پر محیط ہے اس کی قدرت کامل ہے، اس نے اپنے اس ابدی قانون میں اپنے علم اور قدرت دونوں کو سمو دیا ہے اب نہ کوئی قانون آنے والا ہے نہ کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے، اب ہماری ہدایت کے لئے یہی نسخہ کیمیا کافی وشافی ہے۔

اب اس وقت آپ کے سامنے کام کی ترتیب یہ ہے:

(الف)...... جہاد باللسان، یعنی زبان سے جہاد، علماء اس میں پہل کریں، آپ ان کی معاونت کریں اور اپنے ماحول وگرد وپیش میں اسلام کے لئے مسلسل کام کرتے رہیں۔

(ب)...... جہاد بالقلم، جو شخص لکھنے کی قدرت وصلاحیت رکھتا ہے وہ ان فتنوں کے خلاف لکھے، اخبار

نویس اخبارات میں، مصنفین ومؤلفین رسائل وکتابوں میں۔

(ج)...... جہاد بالقوۃ، یعنی ضرورت کے وقت اپنے دست بازو کی قوت کو کام میں لائیں اور ان فتنوں کی بیخ کنی کر کے ہی دم لیں۔

انشاء اللہ آپ مجھے اس کام میں پیچھے نہ پائیں گے آپ سپاہی ہوں گے اور میں آپ کا قائد، اسلام کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، جلد ہی انشاء اللہ کچھ اور چیزیں اور پروگرام کی تفصیل آپ کے سامنے آئے گی۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

رحمت الٰہی کا ایک نفحہ (لہر)

۲۱/مارچ ۶۹ء جمعہ کو حسب معمول ایک مختصر سی تقریر کی تھی جو بعض حضرات نے ریکارڈ کر لی تھی اسی کا خلاصہ بصائر وعبر کے لئے تجویز ہوا، اس درمیان میں ملکی حالات اور عوام میں انتشار واضطراب کی کیفیت ناگفتہ بہ ہوگئی خصوصاً مشرقی پاکستان میں تو خودغرض لیڈروں کی غلط قیادت سے ملک میں وہ روح فرسا اور دردناک صورت حال پیدا ہوگئی تھی جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، سنگ دلی اور بربریت ودرندگی کے وہ وحشت ناک مناظر پیش آئے جس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ۲۵/مارچ کو سابق صدر مملکت کو توفیق عطا کی اور انہوں نے حیرت انگیز تدبیر کا ثبوت دیا اور ۲۵/مارچ ۶۶ء کو پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا، درحقیقت یہ حق تعالیٰ کی تکوینی مصلحت کا ظہور ہوا ہے جو تمام پاکستان کے لئے پیغام بن گیا ہے، اہل حق کی کوششوں کے لئے بھی سکون سے کام کرنے کا موقع مل گیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام امور کے نتائج وعواقب بالخیر کرے۔

[محرم الحرام ۱۳۸۹ھ]

اسلامی حکومت اور اس کے اساسی قوانین

کون نہیں جانتا کہ اسلامی حکومت کے اساسی قوانین کیا ہیں؟ اور اس کے خدوخال کیسے ہوتے ہیں؟ کون سا ایسا مسلمان ہے جو اسلام کے بنیادی عقیدوں کو نہ جانتا ہو؟ مگر مسلمان کے لئے جہاں جاننا ضروری ہے وہاں ماننا بھی ضروری ہے، صرف جان لینے سے اسلام کی شہادت وسند نہیں مل سکتی۔ ابوطالب بھی اسلام کی حقانیت کا اقرار کر چکے تھے، عہدِ نبوت کے یہودی بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ خاتم النبیین ہونے کو دل سے جانتے تھے جس پر وحی آسمانی وتعلیمات قرآنی کی تصریحات موجود ہیں لیکن باوجود جاننے کے مانتے نہیں تھے، اس لئے ”مغضوب علیهم“ کفار کی صفِ اول میں شمار ہوتے ہیں، الغرض جاننا اور پھر ماننا اسلام کی اولین شرط ہے، ماننے کے بعد عمل کرنا یہ اعلیٰ درجہ ہے۔

اسلام کیا ہے؟

''اسلام'' کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر (ذات میں ہو یا صفات میں یا افعال میں) ایمان لانا، حضرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان لانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے جو باتیں امت کو قطعی طور پر پہنچی ہیں جن کو علمی زبان میں ''ضروریاتِ دین'' کہا جاتا ہے ان سب کو بدل و جان تسلیم کر لینا، یہی خلاصہ ہے کلمہ طیبہ کا جو اسلام کا پہلا کلمہ ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یا دوسرا کلمہ شہادت ہے، اس کی یہ بھی تعبیر ہو سکتی ہے کہ ''قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس کو حق تعالیٰ کا آخری پیغام تسلیم کرنا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی عملی تشریح کی ہے اسی طرز پر اس کو سمجھنا اور مان لینا۔'' اسی طرح اس کی اور کئی طرح تعبیریں ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہا جائے کہ ''مسلمان وہ ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے'' یا یہ کہا جائے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین کی باتیں بتلائی ہیں اور یقینی طور پر امت کو پہنچی ہیں یا یہ کہ دین اسلام کی جتنی بنیادی باتیں ہیں ان پر ایمان لائے۔'' یا یہ کہا جائے کہ ''حق تعالیٰ کی الوہیت و توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ پر ایمان لائے'' یا یہ کہا جائے کہ ''اللہ و رسول کی تمام ہدایات و تعلیمات پر ایمان لائے۔'' یہ سب تعریفیں صحیح اور درست ہیں، صرف الفاظ و تعبیر کا اختلاف ہے۔

تعبیرات اور الفاظ کے اختلاف سے حقائق کا اختلاف سمجھنا یہ عناد ہے، یا جہل ہے یا پھر دونوں باتیں ہیں اب یہ کہنا کہ آج تک اسلام کی اتفاقی تعریف نہیں ہو سکی جو شخص یہ خیال کرتا ہے اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اس کو اب تک اپنے ایمان و اسلام پر یقین تو کجا اس کا علم بھی نہیں ہے، پاکستان کے ایک سابق جج کی رسوائے عالم رپورٹ میں جو کوشش کی گئی تھی اس کا تو مقصد یہی تھا کہ تعبیر کے اختلاف کا فائدہ اٹھا کر کافروں کو مسلمان ثابت کیا جا سکے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اسلامی حکومت کسے کہتے ہیں؟

اب اسلامی حکومت وہی ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے احکامات کو نافذ کرے اور حکومت کی طاقت سے جاری کرے اور اس قسم کی کافرانہ رپورٹوں اور فیصلوں کے لئے اس میں کوئی جگہ نہ ہو اور اس میں اسلامی حکومت کا عنوانِ دستور یہی ہوگا کہ ''حکومت کا مذہب دینِ اسلام ہوگا۔'' آج تک جتنی اسلامی حکومتیں ہیں ان کے دستور کی پہلی دفعہ یہی ہے، نہ ہمارا مزاج سیاسی ہے اور نہ ہمارے ماہنامے ''بینات'' کا موضوع سیاست ہے، بحیثیت ایک مسلمان اور بحیثیت ایک خادم دین ہم اس بات کے سمجھنے سے

قاصر ہیں کہ ہمارا یہ ملک پاکستان اب تک کیوں اسلامی مملکت نہیں بن سکا بلکہ فقہی حیثیت سے اس کو "دارالاسلام" کہنا بھی مشکل ہے، اس لئے اگرچہ قدرت قانونِ اسلام جاری کرنے کی بظاہر موجود ہے (بظاہر اس لئے کہتا ہوں کہ شاید یہ خیال بھی صحیح نہ ہو بلکہ اندر اس جسد منصہ کو حرکت دینے والی کوئی خارجی روح مخفی ہو جو ہمیں نظر نہ آتی ہو، خیر ہم تو ظاہر کو جانتے ہیں باطن اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے، بہرحال یہ قدرت اگرچہ ہے) لیکن اس قدرت سے نہ صرف یہ کہ احکاماتِ اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو جاری نہیں کیا گیا بلکہ طرح طرح کی مشکلات و عقبات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، متحدہ ہندوستان بلاشبہ علمی و فقہی اصطلاح سے "دارالکفر" تھا، تقسیمِ ملک کے بعد وہ حصہ بالاتفاق دارالکفر رہا، خصوصاً جب وہاں یہ اعلان بھی کردیا گیا کہ "سیکولر" (لادینی) حکومت ہوگی، یہاں صرف اعلان تو نہیں کیا گیا لیکن عملاً کوئی فرق نہیں رہا بلکہ یہاں کفر و ارتداد کے ساتھ وہاں سے زیادہ رواداری برتی گئی، وہاں عیسائی مشنریوں کو کسی ہندوستان کے باشندے کو مسلمان ہو یا ہندو، عیسائی بنانے کی اجازت نہیں لیکن ہمارے ملک میں عیسائیوں کو عیسائی بنانے کی کھلی اجازت دی گئی اور سب سے زیادہ کسی مسلمان ملک میں اگر عیسائیت کی حوصلہ افزائی ہوئی تو ہمارا ملک ہے، اگر حکومت کا مذہب اسلام ہوتا تو کسی کو عیسائی بنانے کی کیا مجال تھی؟ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس ملک میں نہ صرف یہ کہ زنا کرنا جرم نہیں بلکہ اس کے لائسنس دیئے جاتے ہیں، شراب پینا عام ہے، سودی کاروبار پر تمام زندگی کا ڈھانچہ قائم ہے، چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے، کوئی شرعی قانون نافذ نہیں بلکہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوجانا بھی جرم نہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ سمجھنا بھی جرم نہیں بلکہ ملک کے اندر اور باہر حکومت کی اعانت و امداد سے قادیانیت کی دعوت و تبلیغ جاری ہے، اس ملک میں قرآن کریم کو برملا محرف کہا جاتا ہے، اکابر صحابہ پر تبرا بھیجا جاتا ہے۔

جس ملک میں زنا، شراب، سود، جوئے اور سٹے کا عام رواج ہو، جس ملک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی و رسول نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کو ماننے والے بڑے کلیدی آسامیوں پر فائز ہوں، جس ملک میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ پر معاذ اللہ سب و شتم ہوتا ہو، جہاں عملی و نظریاتی طور پر تمام بنیادی مسائل کو مجروح کیا جاتا ہو، جہاں ہر کفر و الحاد کی نہ صرف اجازت ہو بلکہ اس کی پرورش ہوتی ہے، جس ملک میں ہر بے حیائی کو فروغ دیا جاتا ہو اور جہاں اسلام کے عادلانہ قانون کے مطابق نہ کسی کی جان محفوظ ہو نہ آبرو محفوظ ہو نہ مال محفوظ ہو، کیا وہ "دارالاسلام" ہے؟ کیا یہی اسلامی مملکت ہے؟ کیا پاکستان میں اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ کیا انہی چیزوں کی خاطر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے؟

آج آسمان سر پر اٹھایا جاتا ہے، شادیانے بجتے ہیں اور شور برپا ہے کہ قومی اسمبلی قائم ہوگئی اور عبوری آئین نافذ ہوگیا، عبوری آئین جیسا کچھ ہے سب کے سامنے آچکا ہے، نہ معلوم مستقل آئین بھی (اگر بنا تو) اسی نوعیت کا ہوگا یا اس سے کچھ مختلف؟ تاہم عبوری آئینہ میں مستقل آئین کے خدوخال نظر آرہے ہیں۔

''قیاس کن زگلستان من بہار مرا''

ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ لاکھ جمہوریت بحال کردی جائے مگر جب تک صاف اعلان نہیں کردیا جاتا کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا، اس ملک میں کسی کو مرتد بننے اور بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، صدرِ مملکت (اور کلیدی اہمیت کے دیگر مناصب) کے لئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہوگی، اسلامی احکام کا اجراء ہوگا، تمام شرعی تعزیریں نافذ کی جائیں گی، شراب ممنوع، زنا حرام اور سودی کاروبار بند ہوگا، قمار اور جوئے کی اجازت نہیں ہوگی، شراب نوشی اور عصمت دری پر شرعی سزائیں جاری کی جائیں گی، چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، سرکاری مدارس میں اسلامی تعلیم لازمی ہوگی، عیسائی اسکولوں میں مسلمانوں کے بچوں کو انجیل کی تعلیم ممنوع ہوگی، جو لوگ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختم نبوت'' کا انکار کرتے یا اس میں تاویل کرتے ہیں ان کے فرقہ کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض اسلامی شعائر کی بہت سی باتیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے اور جن سے کسی اسلامی مملکت کے خدوخال ہر شخص کو نظر آسکتے ہیں جب تک صاف دل و دماغ سے ان باتوں کو نہیں اپنایا جاتا سلامی حکومت نہیں ہوگی، کسی اسلامی حکومت کی واضح علامت یہ ہے کہ وہ اسلامی شعائر کو بلند کرے اور کفر کے شعائر کو مٹائے، اس کے بغیر چاہے چاردانگ عالم میں اس امر کا اعلان کیا جائے کہ یہ اسلامی مملکت ہے، یہ دعویٰ ان حقائق کی روشنی میں نفاق ہے، دھوکا ہے، آنکھوں میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے اور خدا تعالیٰ اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا ہے۔ صرف جمعیت علمائے اسلام کے ایک آدھ وزیر ہونے سے یا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے حضرات کے رکنِ اسمبلی بن جانے سے یہ ملک اسلامی نہیں بن سکتا، جہاں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جمہوری ووٹنگ سے طے کیا جائے اور جہاں قرآن و سنت کے صریح احکام بھی اکثریت و اقلیت کے فیصلے کے رہینِ منت ہوں اس نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ جمہوری فیصلوں کا دائرہ صرف انتظامی معاملات تک محدود ہے اور یہیں تک محدود رہنا چاہئے، قرآنی تعلیمات اور اسلامی ہدایات اور قوانین و احکام کے سامنے ان کی کیا وقعت ہے؟

اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ

حکومت و سلطنت اگر مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آئے تو ان کا طرزِ عمل کیا ہوگا؟ اور وہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلہ میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے:

① اقامت الصلاۃ (نمازوں کی پابندی) ② ایتاء زکاۃ (نظام زکاۃ کا قائم کرنا)

③ امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا) ④ نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا)

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ للہ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج: ٤١]

وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکاۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ (بیان القرآن)

یہی وہ ”بنیادی نکات“ ہیں جن پر اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ مرتب ہوگا، یہی وہ محور ہے جس کے گرد مسلمانوں کا نظم مملکت گردش کرے گا، یہی وہ روح ہے جو اسلامی حکومت کے ایک ایک شعبہ میں جاری و ساری ہوگی اور یہی وہ اساسی مقاصد ہیں جنہیں اسلامی حکومت اپنے لئے نصب العین قرار دے گی، بلاشبہ اسلامی حکومت کو سینکڑوں قسم کے سیاسی مصالح، معاشرتی مسائل اور وقتی تقاضوں کا سامنا کرنا ہوگا لیکن وہ اس امر کی شدت سے پابند رہے گی کہ اس کا کوئی اقدام ان بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

مسلمان حکمران کے شرائط

مختصر یہ کہ ایک مسلمان حکمران کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خود صالح، متقی اور خداترس ہو، اور کتاب وسنت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق تمام معاشرے کی اصلاح کر کے انہیں صالح اور خداترس بنائے، خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول، اس کی علمی تفصیلات کتاب وسنت میں محفوظ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور خلافت راشدہ کے بابرکت اور زرین عہد میں اس کا مثالی نمونہ عملی طور پر ظہور پذیر ہوا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا:

﴿أَطِیْعُوا اللہ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ﴾ [النساء: ٥٩]

(اے ایمان والو) حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہو۔ (از شیخ الہند)

لفظ ”منکم“ میں بتلادیا گیا کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کا مسلمان اور مومن ہونا شرط ہے، یعنی اس کی اطاعت اس وقت لازم ہوگی جب کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کا مطیع اور فرمانبردار ہو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہوجائے اس کے احکام سے سرتابی کرے اور اسلام کا زرین تاج اپنے سر سے اتار پھینکے تو اس کی اطاعت کا سوال باقی نہیں رہتا۔ ”لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“(١)۔

---

(١) مشکوة المصابیح، کتاب الامارة والقضاء ج: ٢ ص: ٣٢١، ط: قدیمی

"اولی الامر" کا اصل مصداق تو خلفاءِ راشدین ہیں جن میں صفاتِ جہانبانی کے ساتھ تفقہ فی الدین کا وصف بھی موجود تھا، وہ خلفاء بھی تھے اور فقہاء بھی، حاکم بھی تھے اور عالم بھی، اس لئے اولی الامر کی تنقیح میں علماءِ تفسیر کا اختلاف ہوا کہ اس سے مراد امراء وخلفاء ہیں یا علماء وفقہاء؟ ظاہر ہے علمی ودینی اعتبار سے فقہاء وعلماء اس کا مصداق ہیں اور احکام خداوندی کو جاری اور نافذ کرنے کی طاقت وقوت اربابِ اقتدار کے پاس ہوتی ہے، اب اگر کسی شخصیت میں تفقہ فی الدین اور اقتدار کی دونوں صفات جمع ہوجائیں جیسا کہ خلفاء راشدین میں جمع تھیں تو اس کا وجود سراپا رحمت ہے لیکن جب یہ دونوں صفات کسی ایک ہستی میں جمع نہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ حکومت دونوں قسم کے رجال کو جمع کرے جن میں مقتدر حکام بھی ہوں اور دین کی صحیح بصیرت رکھنے والے اصحاب تفقہ بھی۔

خلافتِ راشدہ کا بابرکت دور علم وعمل، صلاح وتقوی، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار وبرکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔

دینی مدارس اور ان کے ثمرات واثرات

بعد کے دور میں مسلمان حکمرانوں کی عملی زندگی اگر چہ مجروح ہوتی چلی گئی تاہم اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا اور امت کی اصلاح اور دینی تقاضوں کی بجاآوری کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی اپنے صحیح طریقِ کار اور تسلسل کے ساتھ جاری رہا، آج بھی، جبکہ اسلامی حکومت کے دھندلے نقوش بھی تدریجاً مٹتے چلے جارہے ہیں، "هيئة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" کے ادارے تھوڑا بہت کام کررہے ہیں، مسلم حکمرانوں کی عملی زندگی سے قطع نظر یہ بات بالکل صاف ہے کہ اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اسلامی قوانین سے عداوت اور بغض وعناد کا کہیں پتہ نہیں چلتا، البتہ آخری دور میں اس کا ظہور ترکی میں ہوا، خلافتِ اسلامیہ کے الغاء کے بعد جو قیادت ابھری اس نے اسلامی احکام سے علانیہ عداوت کا مظاہرہ کیا، یہاں اس ناخوشگوار بحث کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس کا اثر پھیلتا گیا، تاہم بہت سے شعائر اسلام کا احترام اب تک بیشتر ممالک میں باقی ہے، ان ممالک کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ امر بالمعروف کے اداروں کی سرپرستی، مدارس ومعاہد کی تاسیس اور مساجد کی تعمیر حکمرانوں کے فرائض میں شامل سمجھی جاتی تھی اور عامۃ المسلمین اس فریضہ سے سبکدوش ہوچکے تھے، جب ان حکمرانوں نے دین اور دینی مسائل سے غفلت یا عداوت کا رویہ اختیار کیا تو ان ممالک میں دین بے سہارا ہوکر رہ گیا، اس کی بنیادیں گرنے لگیں اور کوئی مؤثر قوت ایسی نہ رہی جو آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیتی۔

البتہ متحدہ ہندوستان اس خصوصیت میں منفرد ہے جو محض حق تعالیٰ کی عنایت کا ثمرہ ہے کہ یہاں جب مسلمان حکمران ختم ہوئے اور نظامِ اقتدار کفر کے ہاتھ آیا تو اس موقعہ پر اکابرِ امت کی فراست نے محسوس کیا کہ

شعائر دین کی بقاء، دینی اداروں کی تاسیس، مساجد و مدارس کی تعمیر کے لئے اگر عام مسلمانوں کو تربیت نہ دی گئی اور تعلیم و تربیت، فتویٰ و قضاء اور امامت و خطابت کے مناصب کا بطورِ خاص انتظام نہ کیا گیا تو اس خطہ میں اسلام باقی نہیں رہے گا، حق تعالیٰ نے ان کی مبارک توجہات کو بارآور فرمایا، عام مسلمانوں میں حفاظت دین کا جذبہ بیدار رہا اور اعداء دین کی دسیسہ کاریوں کے علی الرغم دین جوں کا توں محفوظ رہا۔

اربابِ اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے کی ایک مثال

تقسیم ہند کے بعد بھی یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ آگے بڑھا، ہند و پاک کے دین پسند عوام کی توجہ سے دینی فضا قائم رہی، قیام پاکستان کے بعد اگر یہاں کے حکمران اخلاص سے دینی نظام کو نافذ کرنے کا تجربہ کرنا چاہتے تو اس کے لئے ماحول کافی حد تک سازگار تھا اور یہ تجربہ پورے عالم میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ثابت ہوتا اور آج کی دکھی انسانیت کے لئے رحمت کا پیغام بنتا لیکن بدقسمتی سے یہاں کے حکمرانوں کو صحیح رخ اختیار کرنے کی توفیق نہ ہوئی، ان کا طرز عمل بتدریج بگڑتا چلا گیا، دین سے انحراف کا راستہ اختیار کرلیا، موجودہ حکومت کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس نے لادینی نظام کو جہل یا عناد کی بنا پر تمام قوم پر مسلط کردینے کی کوشش کی، ''ملا'' لوگ تو خیر ان حقائق کو واشگاف کرنے میں ہمیشہ مصروف رہے مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ اب سرکاری مسلم لیگ کی ہائی کمان نے بھی امت کی ہمنوائی کی ہے، روزنامہ جنگ ۷ رفروری کی اطلاع کے مطابق مسلم لیگ ہائی کمان کی پارلیمانی پارٹی کی مقرر کردہ ۲۵ رکنی جائزہ کمیٹی نے اعتراف کیا ہے کہ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے ایکٹ نے عوام کے مختلف طبقات میں حکومت سے منافرت پیدا کی، عوام حکومت سے دور ہوگئے اور علماء کے احساسات و جذبات ان قوانین سے مجروح ہوئے، علمائے امت پہلے دن سے یہ واضح کرتے رہے کہ یہ قوانین کتاب و سنت کے منافی ہیں ان سے معاشرتی الجھنیں ختم نہیں ہوں گی بلکہ ان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا لیکن اربابِ اقتدار اسے ''چند ملاؤں کا شور و غوغا'' کہہ کر ٹالتے رہے، مقامِ شکر ہے کہ اب پاکستان مسلم لیگ نے بھی (بزعم خود پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت) تسلیم کرلیا کہ ملاؤں کا اندیشہ غلط نہیں تھا:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

دینی اعتبار سے ہمارے اربابِ اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے کی یہ صرف ایک مثال ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''یا أباعبیدة ! اذا طلبت العزة بالله أعزك الله، و اذا طلبت العزة بغیر الله

أذلّك الله". (١)

ابوعبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ کے ذریعہ عزت چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں باعزت کرے گا اور جب تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کے ذریعہ عزت طلب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے گا۔

موجودہ حکومت نے اپنے خیال میں عوام کی رضامندی کے لئے اللہ کے قانون سے انحراف کیا تھا اس کے تکوینی نتائج ظاہر ہو کر رہے۔

﴿قل اللهم مالك الملك تؤتى الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيئ قدير﴾

[ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ]

اسلامی آئین اور آئین پاکستان

بے تابی سے نگاہیں منتظر تھیں کہ پاکستان کا جمہوری آئین تیار ہو کر سامنے آئے آخر شدید و مدید انتظار کے بعد وہ منصۂ شہود پر آ ہی گیا بلا شبہ دور حاضر میں کسی مملکت کے صحیح خدوخال اور حقیقی حسن و جمال اس ملک کے آئین ہی سے عیاں ہوتے ہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا یہی تصور بلکہ عقیدہ رہا ہے کہ پاکستان کا آئین صحیح اسلامی آئین ہوگا، صحیح اسلامی دستور ہوگا، صحیح اسلامی قانون ہوگا، صحیح اسلامی نظام کا مظہر ہوگا اور اس کے بابرکت سایۂ عاطفت میں امیر و فقیر یکساں طور پر زندگی بسر کریں گے اور آج بھی باوجود خرابی بسیار، عام امت کی یہی خواہش ہے، یہی تمنا ہے اور یہی تڑپ ہے، موجودہ حکمران بھی مسلسل یہی اطمینان دلاتے رہے ہیں اور اسی بنا پر خیال تھا کہ پارٹی بندی کے سطحی اصول اور فرقہ وارانہ سیاست کی کشمکش سے بالاتر ہو کر یہ دیرینہ آرزؤں کا گلدستہ قوم کے سامنے لایا جائے گا جس کی خوشبو دماغوں کو معطر کرے گی اور موجودہ حکمرانوں کا یہ کارنامہ تمام عالمِ اسلام سے خراج تحسین حاصل کرے گا لیکن وائے ناکامی کہ قومی اسمبلی کی آئین سازی کی جو صورت اس وقت تک سامنے آئی ہے وہ نہ صرف یہ کہ کچھ زیادہ امید افزا نہیں بلکہ انتہائی مایوس کن ہے۔ یہ مانا کہ کچھ جاذبِ نظر اور جاذبِ توجہ اچھے اچھے عنوانات، عمدہ عمدہ تعبیرات، جگہ جگہ اسلام کا نام، جگہ جگہ قرآن و سنت کا نام لیا جا رہا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہر بین نگاہیں اسی پر انتہائی خوش ہوں گی کہ ماشاء اللہ چشم بد دور کیا عمدہ اسلامی آئین قوم کو دیا گیا ہے قدم قدم پر شاندار سفارشات، اسلامی رنگ میں ڈوبے ہوئے کلمات، بلکہ کہیں کہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ اچھا خاصہ وعظ

---

(١) حلية الاولياء، عمر بن الخطاب، ج: ١ ص: ٤٤، ط: دارالكتاب العربي. البداية والنهاية، فتح بيت المقدس على يدى عمر بن الخطاب، ج: ٧ ص: ٦٠، ط: مكتبة المعارف بيروت.

کیا گیا ہے گویا حکومت بھی ماشاء اللہ بجائے حکمران بننے کے نصیحت و وعظ پر اتر آئی ہے لیکن غور کرنے کے بعد چند انتظامی امور اور چند پاکیزہ عنوانات اور اسلامی تعبیرات کے علاوہ سابقہ آئینوں میں اور اس آئین میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا۔ ان صفحات کا دامن ان تفصیلات کو برداشت نہیں کرسکتا، لکھنے والے بہت کچھ لکھ بھی چکے ہیں افسوس اور صد افسوس:

ما خانہ رمیدگانِ ظلمیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟

ہم تو اسلامی آئین اسی کو سمجھتے ہیں جس میں تمام اسلامی شعائر کی حفاظت ہو اور تمام اسلامی قوانین کا اجراء اس کا طرۂ امتیاز ہو۔ اس آئین کی روشنی میں خود بخود ایسے اسلامی قوانین نافذ ہوں کہ ان کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی فیصلہ کرسکے کہ یہ ہے اسلامی آئین اور یہ ہے اسلامی مملکت! جس آئین کے زیر سایہ بدستور شراب خانے قائم رہیں، چکلے موجود رہیں، نہ کسی چور کا ہاتھ کاٹا جائے، نہ زنا کی شرعی سزائیں رجم کرنا اور کوڑے لگانا جاری ہوں، سود و قمار کا بازار بدستور گرم ہو، بیمہ و انشورنس کی ترغیبات و اشتہارات بدستور شائع ہوں، حضرت رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کرنا ضروری نہ ہو، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو گالیاں دی جاسکیں، جو چاہے مرتد ہوجائے جو چاہے عیسائی ہوجائے، جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے روزہ نہ رکھے، ہر لڑکی چاہے سر بازار ننگی ہوجائے اور مرد چاہے سر راہ شراب پی کر ناچے، نہ کوئی محاسبہ ہو نہ کوئی احتساب نہ باز پرس، جس کے تحت بے حیائی و عریانی کا سیلاب ہر طرف موجزن نظر آئے تو اسلام سے کیا تعلق اس آئین کا اور کیا رابطہ اس دستور کا؟ اگر کوئی کراچی اور لاہور کے بازاروں میں جاکر ہوشربا مناظر دیکھے یا کلفٹن وہاکس بے جاکر حیاسوز مناظر دیکھے تو پیرس و لندن اور کراچی میں اس کو کیا فرق نظر آسکتا ہے، سوائے انیس بیس کے فرق کے۔

اسمبلی میں جو چند اسلامی ترمیمات پیش کی جاسکیں ان کو بھی صرف اس لئے ٹھکرا دیا گیا کہ یہ ترمیمیں حزب اختلاف کی طرف سے آئی ہیں، حزب اقتدار کے لئے ان کو قبول کرنا توہین کے مترادف ہے یا یا اکثریت کی رائے کے خلاف ہیں یا پارٹی کے اصولوں کے مخالف ہیں۔ جہاں اسلامی تجاویز کے رد و قبول کا مدار اکثریت و اقلیت کے اصول پر ہو کہ اس کو اسلامی ملک کہنا خود اپنے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف ہے۔

اسمبلی کا فرض منصبی

درحقیقت اسمبلی کو شرعی مسائل میں تو رائے زنی کا حق نہیں ہے اس کا فرض منصبی تو صرف اتنا ہے کہ ان احکام کو ملک میں نافذ کرائے، دراصل اس قومی اسمبلی کا قانون ساز اسمبلی نام رکھنا ہی اسلامی اصول کے منافی ہے یہ

نام تو اس سرزمین سے آیا ہے جہاں حاکمیت غیر اللہ کی بنیاد رکھی گئی ہے، اسلام میں حاکمیت و اقتدار صرف حق تعالیٰ کا حق ہے یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تعالیٰ کی طرف سے دین اسلام کی ترجمانی پر مامور ہیں اسمبلی کا دائرہ اختیار اسلامی اصول کے پیش نظر صرف تنفیذ احکام شرعیہ کے انتظامی معاملات تک محدود ہے اللہ و رسول کے حکم اور فیصلہ کے بعد اس کے لئے سوائے تسلیم و انقیاد کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔

اسلامی سوشلزم

عجیب تماشا ہے ایک طرف تو اسلام کا نام لیا جا رہا ہے اور ایک ہی سانس میں اس کے ساتھ سوشلزم کا نام بھی لیا جاتا ہے اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے سوشلزم کے ساتھ ''اسلامی'' کا پیوند لگایا جاتا ہے اور ''اسلامی سوشلزم'' کی پُرفریب تعبیر اختیار کی جاتی ہے ''اسلام'' کے ساتھ تو کسی بھی پیوند لگانے کی ضرورت ہی نہیں، اسلام ایک کامل و مکمل نظامِ حیات ہے جس میں عبادات، معاملات، اقتصادیات، معاشیات اور معاشرت و معیشت کی تمام چیزیں خود بخود آ جاتی ہیں، دراصل اس کفر کو چھپانے کے لئے یہ دھوکا دیا جاتا ہے اور پیوند کاری کی جاتی ہے تاکہ کمیونزم کے لئے زمین ہموار کی جائے اور کل کمیونزم کا نام ''اسلامی کمیونزم'' رکھا جا سکے، میں اسلامی سوشلزم پر کوئی فتویٰ تو نہیں لگانا چاہتا لیکن یہ واضح کر دینا ضرور چاہتا ہوں کہ اسلامی تعبیرات کو چھوڑ کر اس قسم کی فریب کارانہ تعبیرات کو اختیار کرنا یقیناً کسی خطرناک فتنہ کی غمازی ضرور کرتا ہے:

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

مساواتِ محمدی

اسی طرح ''محمدی مساوات'' کی تعبیر بھی سراسر فریب ہے آخر عوام کو کون سی مساوات سمجھانا ہے؟ اسلام میں تو حقیقی مساوات یہ ہے کہ قانون کی گرفت کے لئے امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں ہے، یہ مقصد تو ہرگز نہیں کہ تمام افراد کو معیشت میں یکسانیت نصیب ہو، صدرِ مملکت اور کارخانے کا مزدور ایک حالت میں ہوں۔ یہ مساوات تو روس اور اس کے ہمنوا کمیونسٹ ممالک میں بھی موجود نہیں ہے، پھر اس پُرفریب لفظ کو زبان و قلم پر لانے کا اور بار بار اعلان کرنے کا کیا مقصد ہے! درحقیقت ہمارے عوام کو فریب دے کر اپنا اُلو سیدھا کیا جا رہا ہے، الغرض جس آئین کے آئینہ میں یہ پُرفریب چہرے دکھائی دیتے ہوں اسے اسلام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ صحیح نیت عطا فرمائے اور دلوں کی اصلاح فرما کر اس نفاق کو ختم کرائے، اس سے بڑھ کر اسلام کی بے کسی اور بے بسی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ملک سے غداری تو شدید ترین جرم ہو اور اس کا مرتکب شدید ترین سزا کا مستحق ہو اور اسلام سے غداری کی کھلی چھٹی ہو کہ جو چاہے اور جب چاہے اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی دوسرا مذہب اختیار کر سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی قانون ''بنیادی حقوق'' کے خلاف نافذ ہو جائے تو سپریم کورٹ میں اس کو چیلنج کرنے کا اختیار تو ہر شہری کو حاصل ہو لیکن اگر

کوئی قانون قرآن وحدیث کے خلاف نافذ ہوجائے تو اس کے خلاف مرافعہ دائر کرنے کا حق بڑی سے بڑی عدالت میں بھی کسی بھی مسلمان کو حاصل نہ ہو اس کے باوجود حزبِ اقتدار اور اکثریتی پارٹی کا یہ کہنا کہ "ہم کیا مسلمان نہیں ہیں" کس قدر شرمناک ہے تف ہے ایسی مسلمانی پر۔

مسودہ دستورِ پاکستان اور

اربابِ علم وفکر کی تجاویزات وترامیم

مسودۂ دستور سامنے آنے کی بعد اربابِ علم اور اہل فکر کی ایک مجلس میں اس پر غور کیا گیا اور چند ترمیمات تجویز کی گئیں لیکن جہاں خود ارکانِ اسمبلی کی تجاویز صرف اس وجہ سے کہ وہ اقلیت میں ہیں یا حزبِ مخالف کی رائے ہے قبول نہیں کی جاسکتیں وہاں چند اربابِ علم وفکر کی تجویزیں کیا درخورِ اعتناء سمجھی جاسکتی ہیں لیکن صرف اتمامِ حجت کے لئے چند حضرات نے اپنے اپنے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ ان مطبوعہ تجاویز کو ہر ایک رکن کے نام بذریعہ ڈاک ارسال کردیا ہے نامناسب نہ ہوگا کہ "بینات" کے صفحات پر بھی ان ترمیمات کو شائع کردیا جائے جو مکتوب ان تجاویز کے ساتھ بھیجا گیا ہے، وہ بھی شائع کیا جاتا ہے ان ترمیمات پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا پیر محمد ہاشم مجددی، جناب الٰہی بخش سابق وزیرِ اعلیٰ سندھ اور راقم الحروف (١) کے دستخط بھی ہیں وہ مکتوب اور تجاویز یہ ہیں:

محترمی مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل اسمبلی میں مسودۂ دستور پر بحث جاری ہے ہم نے پوری غیر جانب داری کے ساتھ اس مسودے کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ جہاں اس میں بعض امور اسلامی نقطۂ نظر سے قابلِ اطمینان ہیں وہاں بعض بنیادی امور کی اصلاح بھی بے حد ضروری ہے، ذیل میں ہم چند بنیادی امور کی مختصر نشاندہی کررہے ہیں، ایک اسلامی مملکت کے رکنِ اسمبلی ہونے کی حیثیت سے یہ آپ کا دینی فریضہ ہے کہ ان نکات کے مطابق دستور میں ترمیم کرانے کی کوشش کریں، آپ کا تعلق حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے لیکن حزبِ اسلام سے ضرور ہوگا، امید ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کو محسوس فرمائیں گے اور ان چند خالص دینی اور قطعی غیر سیاسی امور میں صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے حق کی حمایت کریں گے، انشاء اللہ آپ کی یہ کوشش آپ کے فلاحِ دارین کا سبب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حق کے راستے میں آپ کی مدد فرمائے۔

---

(١) افسوس علماء مجاہدین، اربابِ علم وفکر، تقویٰ وورع کا یہ قافلہ عالم آخرت کی طرف سفر کرگیا، صالحین ایک ایک کرکے یکے بعد دیگرے اٹھتے جارہے ہیں لیکن الحمدللہ ان حضرات کے مجاہدے اور محنت کے ثمرات باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گے اللہ تعالیٰ امت کو توفیق عطا فرمائے۔

تجاویز وترمیمات

① دفعہ نمبر ۲۲۷ میں ذیلی فقرہ ۲ حذف کرکے اس کی جگہ یہ عبارت بڑھائی جائے:

> ''اگر کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نافذ ہوجائے تو ہر شہری کو حق ہوگا کہ وہ اسے خلاف اسلام ہونے کی بنیاد پر سپریم کورٹ میں چیلنج کرے اور ایسے اعتراضات کی سماعت کا اختیار سپریم کورٹ میں صرف ایک خصوصی بنچ کو ہوگا جسے صدر اس مقصد کے تحت نامزد کرے گا اور جس کے ارکان کی اہلیت کے لئے وہی شرائط معتبر ہوں گی جو دفعہ نمبر ۲۲۸؍ ذیلی فقرہ نمبر ۳؍ میں اسلامی کونسل کے ارکان کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔''

② دفعہ نمبر ۲۲۸؍ ذیلی فقرہ نمبر ۳؍ شق (ب) میں اسلامی کونسل کے صرف چار ارکان کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ کم از کم پندرہ سال تک اسلامی تعلیم اور تحقیق کے کام میں مشغول رہا ہو۔ یہ ''چار ارکان'' کی تحدید نا کافی ہے، اس کے بجائے ''ارکان کی اکثریت'' لکھا جائے۔

③ دفعہ نمبر ۲۲۹؍ میں اسلامی کونسل کے پاس سوال بھیجنے کے لئے اسمبلی کی قرارداد کو ضروری قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ارکان اسمبلی کی اکثریت وہ سوال بھیجنے پر متفق ہو، اس کے بجائے یہ تصریح ہونی چاہئے کہ دس ارکان کی تحریک پر بھی سوال بھیجا جاسکے گا۔

④ دفعہ نمبر ۲۳۰؍ کا ذیلی فقرہ نمبر ۳؍ جس میں اسلامی کونسل کا مشورہ موصول ہونے سے قبل قانون سازی کی اجازت دی گئی ہے اسے حذف کرکے اس کی جگہ اسلامی کونسل کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ اپنا جواب ایک محدود مدت میں بھیج دے۔

⑤ دفعہ نمبر ۲۳۰؍ ذیلی فقرہ نمبر ۴؍ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی کونسل کی رپورٹ خواہ عبوری ہو یا قطعی، اسمبلی میں غور کے لئے پیش کی جائے گی اور اسمبلی ''اس کے بارے میں''(INRESPECT THERE OF) قوانین وضع کرے گی، اس میں یہ امکان موجود ہے کہ اسلامی کونسل کے مرتب کردہ قوانین میں اسمبلی ایسی ترمیم کردے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، اس لئے یہاں ''اس کے بارے میں'' کے بجائے ''اس کی متابعت میں'' (IN PURSUANCE THERE OF) کے الفاظ لکھے جائیں۔

⑥ دفعہ نمبر ۱۹؍ شق (الف) کے الفاظ یہ ہیں:

> ''ہر شہری کو اپنے مذہب کو ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہوگا الخ۔''

اس میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ:

> ''یہ دفعہ انسداد ارتداد سے متعلق کسی قانون پر اثر انداز نہیں ہوگی اور ایسی تبلیغ پر

> پابندی عائد کی جاسکے گی جس سے لوگوں کے مرتد ہونے کا اندیشہ ہو یا جو مملکت کے اساسی اصولوں کے انہدام کا باعث ہو۔"

⑦ دفعہ نمبر ۲۴/ میں حکومت کو جو گنجائش دی گئی ہے کہ وہ جائیدادوں کو بلا معاوضہ اپنی تحویل لے سکتی ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے، اسلام میں اگر کوئی جائیداد حرام طریقے سے حاصل ہوئی ہے تو وہ بلاشبہ ناجائز قابض سے لے کر اصل مستحق کو پہنچانا ضروری ہے لیکن اگر کوئی جائداد کسی نے حلال طریقے سے حاصل کی ہے تو اسے چھین لینا کسی طرح جائز نہیں خواہ کتنی ہی ہو، مسجد نبویؐ کی توسیع کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے امیر المومنین بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جائیداد کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کر سکے، اس لئے حلال جائیدادوں کو بالجبر وصول کرنے کی گنجائش ختم کر کے یہاں صرف یہ تصریح کی جائے کہ:

> "البتہ حرام طریقوں سے حاصل کی ہوئی جائیداد یا دولت کو قرآن وسنت کے احکام کے مطابق اصل مستحقین تک پہنچانے کے لئے قوانین وضع کئے جاسکیں گے اور حرام وحلال دولت کی تعیین کا اختیار عدالت عالیہ کو ہوگا۔"

⑧ دفعہ نمبر ۵۲/ ذیل نمبر ۱ اور دفعہ نمبر ۵۲/ ذیل نمبر ۲/ میں قائم مقام صدر کے لئے، دفعہ نمبر ۵۶/ میں اسپیکر کے لئے، دفعہ نمبر ۶۳/ ذیل نمبر ۱/ میں چیئرمین کے لئے، دفعہ نمبر ۱۰۴/ ذیل نمبر ۱/ میں گورنر کے لئے، دفعہ نمبر ۱۳۱/ ذیل نمبر ۲/ میں وزیر اعلیٰ کے لئے، دفعہ ۱۷۶/ ذیل نمبر ۱/ میں چیف جسٹس کے لئے، دفعہ نمبر ۲۴۳/ ذیل نمبر ۲/ شق (ب) میں افواج کے چیف آف اسٹاف کے لئے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا جائے۔

⑨ دفعہ نمبر ۲۵۳/ جو ملکیت کی تحدید سے متعلق ہے، حذف کر دی جائے۔

⑩ دفعہ نمبر ۲۵۱/ میں قومی زبان کو سرکاری مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی مدت پندرہ سال بیان کی گئی ہے، اس کے بجائے تین سال کر دیا جائے۔

⑪ دفعہ نمبر ۷/ ذیل نمبر ۱/ میں اس شق کا اضافہ کیا جائے:۔

> "اس باب کا کوئی حکم قرآن وسنت کی بنیاد پر قانون سازی کے لئے مانع نہیں ہوگا"۔

⑫ دفعہ نمبر ۳۱/ ذیل ۲/ شق (پ) کے الفاظ اس طرح کر دیئے جائیں:

> "زکوٰۃ اور اوقاف کا نظام شرعی قواعد کے مطابق قائم کیا جائے گا اور مساجد کی حریت کا تحفظ کیا جائے گا۔"

⑬ دفعہ نمبر ۳۹/ ذیلی شقوں میں مندرجہ ذیل اضافہ کیا جائے:

۱۔ ملک میں مروجہ نظام ونصاب تعلیم کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنایا جائے۔

۲۔ اسلامی روایات کے مطابق محکمہ احتساب قائم کرے جو معروفات کو فروغ دے اور منکرات کو مٹائے۔

⑬ دفعہ نمبر ۴۰رشق (ث) میں ''ربا'' کو ختم کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی، اس لئے یہاں یہ عبارت ضروری ہے:

> ''ربا کو زیادہ سے زیادہ تین سال میں ختم کرے اور اس کے لئے ماہرین شریعت ومعاشیات کی ایک ایسی کمیٹی بنائے جو موجودہ بنکاری کے نظام کو غیر سودی بنیادوں پر تبدیل کردے۔''

دستور میں مزید ترمیمات بھی پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن اس وقت صرف وہ ترمیمات عرض کی گئی ہیں جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

تحدید ملکیت اور حکومت کا کسی دوسرے کی ملکیت پر زبردستی قبضہ کرنا

ترمیمات کی دفعہ ۲۳ر میں یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ جائز ذرائع سے جو ملکیت حاصل کی گئی ہو زبردستی حکومت کے اس پر قبضہ کرنے یا اس کی تحدید کرکے عوام میں تقسیم کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ نہ معلوم کیوں ہمارے ایک کرم فرمانے جن کی ہمارے دلوں میں عزت واحترام ہے اس پر تنقید کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی قاضی کے حکم سے یہ سب کچھ کرنا جائز ہے اور افسوس ہے کہ اس دعوے کے ثبوت میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی کتاب ''ایضاح الادلة'' کی ایک عبارت بطور دلیل پیش کرکے اس سے ایک مجتہدانہ استنباط فرمایا ہے، انا للہ!۔

یہی تو آج کل کا سب سے بڑا فتنہ اور سب سے بڑی مصیبت ہے۔ یقینا ایک غیر عالم جب علمی دقیق فقہی مسائل میں دخل دے گا تو ایسی ہی خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوگا اگر آج کوئی اردو دان صرف اردو قانون کا مطالعہ کرکے قانون کی باریکیاں بیان کرے یا صرف انگریزی دان جو ایل ایل بی نہ ہو صرف انگریزی زبان جاننے کی وجہ سے قانونی موشگافیوں میں دخل دے تو ہر عاقل اس کی تحمیق وتجہیل کرے گا۔ جب کسی انسانی قانون کے بارے میں یہ نزاکت کارفرما ہے تو خدائی قانون اور دقیق فقہی قانون میں کسی غیر مستند عالم کو اس قسم کا دخل دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ پھر کمال یہ ہے کہ ''ایضاح الادلة'' میں وہ مضمون تقریبا پورے اسی صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر مفصل بحث فرمائی ہے اگر پوری بحث کو پڑھا اور سمجھا جاتا تو شاید اس خطرناک غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا یہاں تو وہ مثل بالکل صادق آجاتی ہے کہ جیسے کوئی جاہل قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ [نساء: ۴۳] میں سے صرف پہلا جملہ لے لے اور دعویٰ کرے کہ قرآن کریم کا تو ارشاد یہ ہے کہ نماز کے قریب بھی مت جاؤ:

بریں عقل ودانش بباید گریست

آج کل ٹھیک اسی قسم کے اجتہادات کا دروازہ کھل گیا ہے وہ مسئلہ فقہی جس پر حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ نے بحث فرمائی ہے اس کا فقہی عنوان یہ ہے:

"قضاء القاضی بشهادة الزور ینفذ ظاهرا و باطنا فی العقود الفسوخ دون الاملاك المرسلة"

جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کسی ایسی عورت پر جو نہ کسی دوسرے شوہر کی منکوحہ ہو اور نہ کسی دوسرے شوہر کی عدتِ طلاق وغیرہ میں ہو یہ دعویٰ کرے کہ یہ میری منکوحہ بیوی ہے اور دو گواہ پیش کرے جو بالکل جھوٹے ہوں اور قاضی حقیقتِ حال سے بے خبر ہونے کی بنا پر یہ سمجھے کہ گواہ بالکل سچے ہیں اور اسی شہادت کی بناء پر قاضی یہ فیصلہ کر دے کہ جاؤ یہ تمہاری بیوی ہے تو یہ فیصلہ ظاہر و باطن میں اس لئے صحیح اور نافذ ہوگا کہ محل کے صالح ہونے کی وجہ سے قاضی کا یہ حکم خود بمنزلہ "عقد نکاح" کے ہو گیا گویا قاضی جانبین سے بمنزلہ وکیل کے ہو گیا اور یہ فیصلہ "عقد ازدواج" کے قائم مقام ہو گیا اب وہ عورت شرعاً اس کے لئے حلال ہے اور وہ عورت اس فیصلے کے بعد اس کی بیوی اسی طرح بن جائے گی جیسے عقد نکاح کے بعد بنتی، ہاں قیامت کے روز یہ مدعی جھوٹے دعوے اور کذب بیانی کی وجہ سے اور دونوں گواہ جھوٹی شہادت کی بنا پر شدید عذاب کے مستحق ہوں گے۔

یہ حکم صرف امام ابوحنیفہؒ کی اجتہادی رائے ہے امام ابو یوسف اور محمد اور مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ سب اس کے خلاف ہیں بہرحال اس وقت تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، زیر بحث مسئلہ تو یہ ہے کہ حکومت موجودہ جائز مالکان سے ان کی حلال طریق پر حاصل کردہ زمینوں، جائیدادوں کو ان سے بلا معاوضہ جبراً چھین لینا اور دوسرے مستحقین کو دینا چاہتی ہے اس مسئلہ سے مذکورہ بالا مسئلہ کا کیا تعلق؟ یہاں نہ کوئی مدعی ہے، نہ مدعی علیہ، نہ شہادت ہے نہ عدالت، نہ قضاء قاضی ہے نہ شہادت زور ہے، نہ قاضی کو شہادت کے جھوٹے ہونے کا علم، وہ مذکورہ بالا قاضی کا حکم ایک خاص مسئلے سے متعلق ہے جس میں متعدد قیود اور شرائط اور مخصوص صورت حال مؤثر ہے چنانچہ اگر وہ عورت کسی دوسرے شخص کی منکوحہ بیوی ہو تو قاضی کا مذکورہ بالا حکم باطناً نافذ نہ ہوگا وہ عورت اس مرد پر حرام ہو گی اور وہ مرد اس عورت پر حرام ہوگا۔ (۱)

اس خاص مسئلے کے دائرے کو وسیع کر کے اس سے زمین کی ملکیت کا مسئلہ نکالنا کتنا عجیب استنباط ہے؟

---

(۱) علاوہ ازیں حلال طریق پر حاصل کردہ مملوک زمین کی ملکیت سے محروم کرنے کا جواز بھی اس مسئلہ سے نہیں نکل سکتا ہاں وہ زمین جو کسی کی مملوک نہ ہو اس کو کسی بھی مستحق کو دینے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے قضاء قاضی کے ظاہر او باطن نافذ ہونے کے لئے محل کا صالح ہونا شرط قرار دیا ہے لہذا جس طرح منکوحۂ غیر کے حق میں قاضی کا یہ فیصلہ باطناً نافذ نہ ہوگا اور وہ منکوحۂ غیر مدعی کے لئے حرام رہے گی اسی طرح ایسی مملوک زمین جو حلال طریق پر حاصل کی گئی ہے حکومت کے کسی دوسرے شخص کو دے دینے سے اس کے لئے حلال نہ ہوگی بلکہ حرام رہے گی۔

اور اگر اس بنیاد پر کہ ہر ہر چیز کا حقیقی مالک حق تعالیٰ ہے ہماری جان بھی اسی کی ہے ہمارا مال بھی اسی کا ہے ایک قاضی کو اس کا اختیار دیا جاتا ہے کہ جس کا مال جس کو چاہے دے دے اور اسی کا نام شریعت فہمی ہے تو اس طرح تو نہ کسی نہ زکوٰۃ لازم ہوگی نہ عشر، نہ حج فرض ہوگا اور نہ قصاص لازم ہوگا، وائے افسوس کہ اتنی فہم بھی اس نام نہاد مجتہد کو نصیب نہیں کہ یہ سمجھ سکے کہ حکم شرعی کی علت کیا ہوتی ہے اور حکمت کیا ہوتی ہے، درحقیقت غیر عالم اس فرق کو سمجھ ہی نہیں سکتا بحث کے تمام پہلو خود ''ایضاح الادلۃ'' میں موجود ہیں اگر اس کو صحیح طور پر پڑھا اور سمجھا جاتا تو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوسکتی تھی ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ کسی بھی اسلامی مذہب میں چار اماموں کے مذاہب ہوں یا زیدیہ، جعفریہ، امامیہ، اباضیۃ، خارجیہ کے مذاہب ہوں اس کی اجازت قطعاً نہیں کہ کسی کی مملوک زمین اور جائز ملکیت اس سے بغیر اس کی رضا کے اور بغیر معاوضہ کے چھین کر کسی دوسرے کے حوالے کردی جائے چاہے کوئی بھی اسلام کی دعویدار جماعت ہو یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والی حکومت ہو تحدیدِ ملکیت کے غیر اسلامی نظام کا شرعی ثبوت پیش نہیں کرسکتا ہاں ظلم و جور اور طاقت و قوت کے بل بوتے پر جو چاہے کرے۔

وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون

[ربیع الاول ۱۳۹۳ھ۔ مئی ۱۹۷۳ء]

دین اسلام سے مسلمانوں کی روگردانی

حق تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں میں جو اس دنیا کو عطا کی گئی ہیں صرف ''دین اسلام'' نعمتِ عظمیٰ ہے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات والتسلیمات کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا گیا ہے جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ختم نبوت'' اور ''سیادتِ انبیاء اور رسل'' کی نعمت کبریٰ سے مشرف کیا گیا اور تمام انبیاء کرام کی جماعت میں اعلیٰ ترین منصب پر فائز کیا گیا اسی طرح کتب الٰہیہ میں ''قرآن حکیم'' اعلیٰ ترین کتاب ان پر نازل فرمائی گئی اور ظاہر ہے جس امت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رسول ہوں اور قرآن حکیم جیسی کتاب موجود ہو اور ان دونوں سرچشموں سے جس دین کا خمیر تیار ہوا ہو وہ دین بھی اعلیٰ ترین دین ہوگا تو ہر حیثیت سے ''دین اسلام'' اعلیٰ ترین ہوا اور اس امت کے ذریعہ تمام کائنات کو یہ اعلیٰ ترین نعمت دی گئی ہے اور اسی لئے وحی آسمانی الٰہی ابدی میں یہ اعلان کیا گیا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ:۳]

میں نے آج کے دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے اور اپنا احسان بھی پورا کردیا ہے اور صرف اسلام کو تمہارے لئے دین پسند کیا ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [ال عمران:۸۵]

اور جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر اور کوئی دین اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ و برباد ہوگا۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

"لو كان موسى حيا لما وسعه الا اتباعى"(۱)

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام (جیسے اولوالعزم پیغمبر) بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے اور اس کے سوا چارۂ کار نہ ہوتا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ آفتاب عالمتاب کے طلوع کے بعد تاروں کی روشنی تلاش کرنا یا چراغوں سے نور حاصل کرنا انتہائی غیر معقول حرکت ہے لیکن ہائے محرومی اتنی بڑی نعمت کے ہوتے بھی آج مسلمان اس کو چھوڑ کر یورپ اور امریکہ وغیرہ سے روشنی تلاش کر رہے ہیں یہ حق تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ، اس نعمت کبریٰ کی کتنی بڑی توہین ہے اگر دین موسوی و دین عیسوی مسیحی اپنی اصل شکل میں محفوظ بھی ہوتے اور اس پر دنیا عمل بھی کرتی ہوتی تب بھی اسلام آنے کے بعد اس کی طرف توجہ کرنا اسلام کی بڑی تحقیر ہوتی اور جبکہ یہ ادیان تمام تر "تحریف" کی نذر ہو چکے ہیں کوئی آسمانی چیز ان میں محفوظ نہیں رہی پھر بھی اس کی پیروی بجز ضلالت و حماقت کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا مسلمان نہ صرف دینی شعائر، بلکہ وہ غیر دینی معاشرت کی چیزیں بھی اس قوم سے لے رہے ہیں جس پر حق تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانی ان پر لعنت نازل ہو چکی ہے، پھر کاش کہ معاملہ یہیں تک محدود ہوتا، مسلمان قوم نے تو اپنی تمام اسلامی خصوصیت کو یکسر قلم چھوڑ دیا اور زندگی کے تمام ہی شعبوں میں ان کافروں کی نقالی شروع کر رکھی ہے لباس، پوشاک، خوراک، سونا، جاگنا، چلنا پھرنا، دفتری نظام، گھریلو نظام، تعلیم کا نظام حتیٰ کہ تمام کے تمام طرز معیشت و معاشرت میں ان کی حیرت انگیز نقالی کو اپنے لئے سرمایہ سعادت و فخر سمجھ لیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی نعمتوں کی یہ تحقیر و تذلیل ہوئی کہ فسق و فجور اور بے غیرتی و بے حیائی میں بھی ایسی تقلید کہ نقل جو ان ہے، فحاشی و عریانی، فواحش و منکرات میں انہماک اس درجہ ترقی پر ہے کہ نقل اصل سے بڑھ گئی، یہ تو مسلمانوں کی زندگی اور یہ ان کی تہذیب و معاشرت اس پر انتہائی بے حیائی سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ہم کیوں ذلیل ہیں؟ کیوں خوار ہیں؟ کیوں روز بروز قعر مذلت میں گرتے چلے جا رہے ہیں؟

باقی یہ کہ یورپ پر عذاب الٰہی کیوں نہیں آتا؟ اول تو یہ نظر کا فرق ہے، ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ

---

(۱) مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ج:۱ص:۳۰، ط: قديمى

بِالْكَافِرِيْنَ﴾ [التوبۃ: ٤٩] وہ یقیناً جہنم کے شعلوں میں جل رہے ہیں ان کے ملک قہر الٰہی کی آگ میں پھنک رہے ہیں، جس عذاب میں یورپ مبتلا ہے الامان والحفیظ، قلب کا سکون جو زندگی کی اصلی روح ہے وہ یورپین ممالک میں سراسر ختم ہو چکا ہے تقویٰ وطہارت کی زندگی سے جو قلوب میں نورانیت وطمانیت پیدا ہوتی ہے وہ یکسر ختم ہے، وہ انتہائی حیران وپریشان ہیں، قلب کو منشیات ومسکرات کے استعمال سے عارضی آرام پہنچانے کی کوشش وکاوش میں اپنی زندگیاں ختم کررہے ہیں، گویا قانون کی گرفت سے بچ کر خودکشی کررہے ہیں، ان ممالک کی تفصیلات اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہوجائیں تو معلوم ہو کہ وہاں پوری زندگی جہنم بن چکی ہے اور اس سے پناہ مانگی جائے۔ اور اگر کسی کو اس نمائشی چہل پہل اور تروتازگی پر کچھ شبہ ہو اور وہ قصداً حقائق سے چشم پوشی کرے تو اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ قومیں حق تعالیٰ کے محبوب دین ''اسلام'' سے منکر ومنحرف اور کافر ہیں حق تعالیٰ کے قانون عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب آخرت کی نعمتوں سے ایک قوم سراسر محروم ہو تو دنیا کی نعمتیں تو اسے ملنی چاہئیں، یہی قرآن کہتا ہے یہی حدیث کہتی ہے۔

دینِ اسلام سے بغاوت اور اس کی سزا

سزا تو باغی قوم کو ملتی ہے مسلمانوں نے تو اسلام قبول کیا ہے اور پھر اسلام کو چھوڑا ہے جس کے دو ہی محمل ہوسکتے ہیں یا تو وہ باغی ہیں یا منافق ہیں، بغاوت کا جرم بھی انتہائی سخت ہے اور نفاق کا جرم بھی انتہائی شدید ہے اسی لئے قرآن کریم میں منافقین کے لئے جہنم کا آخری اور سب سے نچلا طبقہ تجویز کیا گیا ہے، گویا کفار سے بہت زیادہ سخت عذاب ان کو ہوگا، آج مسلمان قوم بھی یا تو عملی بغاوت میں مبتلا ہے یا پھر شدید نفاق کا شکار ہے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ مسلمان قوم نے حق تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ کی شدید تحقیر کی ہے جو یقیناً ناقابل برداشت جرم ہے، یہ حق تعالیٰ کے دین کا استخفاف، یہ توہین، اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حلیم نہ ہوتے اور ان کا حلم کارفرما نہ ہوتا تو ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو روئے زمین پر رہنے نہ دیا جاتا اور اس صفحۂ ہستی سے اس قوم کا نام ونشان تک مٹ جاتا۔

بالمقابل یہ کو دیکھئے حق تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بھی عظیم نعمت نصیب فرمائی، دنیا کے کلیدی مقامات ان کے ہاتھوں میں ہیں زمینی خزانے ان کے دروازوں پر بہادیئے ہیں، یورپ وامریکہ ان کے محتاج ہیں لیکن خالق کائنات کی نعمت ''اسلام'' سے انحراف اور دنیا کے سامان تعیش میں انہماک کی وجہ سے کس بری طرح یورپ کی گندی زندگی کی نقالی میں مبتلا ہیں اور چھانٹ چھانٹ کر تمام یورپین معاشرے اور تہذیب کی جو غلاظتیں ہیں ان کو اختیار کررکھا ہے اور حیرت ہے کہ ان کی محنتیں، مشقتیں، جفاکشی وفرض شناسی وغیرہ جو بعض خوبیاں ہیں ان کو یکسر نظر انداز کردیا گیا ہے آخر سب عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگئے ہیں، باوجود عددی کثرت کے قلت میں ہیں، باوجود اسباب عزت کی فراوانی کے ذلت میں ہیں، باوجود ثروت وغنا کے فقر وتنگ دستی میں مبتلا ہیں، صرف اس لئے کہ تمام دولت

وثروت عیش پرستی وراحت کوشی کی نذر ہورہی ہے، تازہ تازہ نیو ماڈل کاروں، یورپین طرز کی عمارتوں اور فرنیچر وسامان آرائش میں سارا سرمایہ جھونکا جارہا ہے، پیرس کو مات کرنے والے ہوٹل اور کلب روز افزوں ہیں، افرنجیت کا ایک بھوت ہے جو دماغوں پر سوار ہوگیا ہے انہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں انہی کے کانوں سے سنتے ہیں، آخر اس کا نتیجہ یہی ہوا نا کہ کروڑوں افراد پر مشتمل عرب آبادی چند مٹھی بھر یہودیوں سے لرزہ براندام ہے۔ مانا کہ یہودی طاقت کے پیچھے امریکہ اور روس کی طاقت ہے لیکن اگر یہی مسلمان آج حق تعالیٰ کی نصرت پر یقین رکھتے اور آسمانی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے تو آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، کون سی تنبیہ ہے جو قرآن حکیم نے نہیں کی اور کون سی نصیحت ہے جو خدا اور رسول نے نہیں کی لیکن اس سے استفادہ کے لئے گوش عبرت نیوش اور نگاہِ بصیرت افروز چاہئے، اگر مسلمان قوم کو اب بھی عبرت نہیں ہوتی اور یہی خدا فراموش زندگی ہے، یہی بے حیائی ہے، یہی عریانی ہے، یہی اسراف وتبذیر کی شیطانی زندگی ہے تو خاکم بدہن انہیں اپنی آخری تباہی وبربادی کا انتظام کرنا چاہئے۔

حق تعالیٰ رحمۃ للعالمین کے طفیل اپنی رحمت کاملہ سے اپنے عذاب سے بچالے اور ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آزادی اور اس کا مقصد

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

کسی مملکت کی آزادی یا کسی مسلمان قوم کی آزادی درحقیقت حق تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن یہ آزادی بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں بلکہ یہ صحیح ترین اور اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے بہترین وسیلہ ہے اور صحیح مقاصد تک پہنچنے کے لئے ایک راستہ ہے، چنانچہ مسلمان قوم کی آزادی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کافرانہ اور ظالمانہ حکومت کے تسلط سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعدل کے زیر سایہ آجائے تاکہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین عدل ورحمت پر عمل کرکے دنیا وآخرت کی نعمتوں کی مستحق بن جائے اور دنیاوی زندگی کے اس عبوری دور میں قانونِ الٰہی پر عمل کرکے اس امتحان میں اعلیٰ کامیابی کے نمبر حاصل کرے تاکہ آخرت کی غیر فانی نعمتوں وبرکتوں سے مالامال ہوسکے۔

اسی لئے جب کوئی مسلمان قوم آزادی کے صحیح مقصد کو فراموش کردیتی ہے اور اس نعمت کو غلط طریقے پر ناجائز مقاصد واغراض کے لئے استعمال کرتی ہے تو حق تعالیٰ کا قانونِ قدرت اس سے انتقام لے کر اس آزادی کی نعمت کو اس سے چھین لیتا ہے یہی تمام اسلامی تاریخ کا لب لباب ہے اور یہی مسلمانوں کے عروج وزوال کا خلاصہ ہے۔

متحدہ ہندوستان کے مسلمان اپنے سیاہ کارناموں کی پاداش میں اس نعمتِ آزادی سے عرصہ دراز تک محروم رہے لیکن پھر بعد خرابی بسیار ہوش آنے پر عرصہ دراز تک آہ وبکا میں مبتلا رہے اور ساتھ ہی اس نعمت کے حصول کے

لئے مسلسل کوشش اور جدو جہد میں لگے رہے آخر حق تعالیٰ کی رحمت نے مسلمانوں کو پھر اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر ایک قطعۂ ملک دوبارہ ان کے حوالے کر دیا تا کہ دوبارہ امتحان لیا جائے، لینظر کیف تعملون۔

لیکن انتہائی صدمہ کی بات ہے کہ نہ صرف حکمران اور عوام بلکہ ہر خاص و عام سب کے سب اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں مقتصر رہے، نہ صرف مقتصر بلکہ اس اصل مقصد کے برعکس ہر شخص اس نعمت کے ذریعہ اپنی اپنی اغراض وخواہشات کے حصول میں مشغول ہو گیا جس کا نتیجہ خام بد ہن نہایت خطرناک ہے حکمرانوں کا فرض تھا کہ وہ جلد سے جلد اسلامی قانون نافذ کرتے اور حکومت کی طاقت سے لوگوں کو صحیح مسلمان بناتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے، محاکمِ احتساب تمام ملک میں قائم کرتے اور قرآنِ حکیم میں جو فرائض حکمرانوں کے ہیں پورے کرتے، اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنَّاهُمْ فِی الْاَرْضِ......[حج:٤١]

علماء کا فریضہ تھا کہ دعوت و اصلاح کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تا کہ دینی رہنمائی کا صحیح تقاضا پورا ہوتا، عوام امت کا فرض تھا کہ عقائد و عبادات، اسلامی تہذیب و اخلاق اور اسلامی معاشرت کے اختیار کرنے میں کوشش کرتے لیکن اس کے برعکس جو کچھ ہو رہا ہے ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں: ''عیاں راچہ بیان''۔

آج کل جو بحران ملک پر مسلط ہے اور اس کے نتیجہ میں جو انقلابات رونما ہو رہے ہیں یا ہونے والے ہیں یہ سب کچھ صرف اسی تقصیر و کوتاہی کے نتائج ہیں جو سامنے آ رہے ہیں اگر حکمران اور کارکنانِ حکومت صحیح معنوں میں عادل و قوم پرور ہوتے اور خود اپنی زندگی میں ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے اسلام کے تقاضے پورے کرتے تو آئے دن جو یہ بحران اور انقلابات رونما ہو رہے ہیں امت ان سے محفوظ رہتی، دیکھتے دیکھتے ان چند سالوں میں نہ صرف پاکستان بلکہ تمام ممالک اسلامیہ خصوصاً ممالک عربیہ کا کیا سے کیا نقشہ ہو گیا یہ سب کچھ اسی خدا فراموشی کے نتائج ہیں جو سامنے آ رہے ہیں۔ صبح شام روزانہ اخبارات کے صفحات میں کسی نہ کسی ملک میں تباہ کن انقلاب کی خبر نظر آتی ہے لیکن ان حقائق و واقعات کے مشاہدہ کے باوجود کسی کو بھی عبرت نہیں ہوتی۔

غیر اللہ کو عزت و طاقت کا سر چشمہ سمجھنے کی سزا

مملکتِ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ہندوستان اور اعداء اسلام کی متحدہ طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا نشانہ بننے سے محض اپنے فضل و کرم سے محفوظ فرمایا اس نعمت کا شکر ادا کیا جانا چاہئے اور وہ شکر یہی ہے کہ پاکستان کا خالص اسلامی دستور ہو، حکومت صحیح اور خالص اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرے تا کہ تمام امتِ پاکستان اسلامی قانون کی برکات سے مالا مال ہو اور ہر طرح کے بحرانوں سے محفوظ رہے۔ بارہا ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ اس ملک اور قوم کو کمیونزم اور سوشلزم کی لعنت سے یا سرمایہ دارانہ نظام کے شکنجے اور استحصال سے صرف اسلامی قانون ہی بچا سکتا ہے اور صرف اسلامی قانون پاس کر دینے سے نہیں بلکہ اسلامی قانون کی دیانت داری سے تنفیذ اور اجراء اور پھر قوم کے ہر

طبقہ کے اس پر عمل پیرا ہونے سے یہ لعنتیں دور ہو سکتی ہیں۔ صحیح اسلام ہی وہ نعمت ہے اور وہ دولت ہے جس کے حصول کے بعد خود ملک اپنی ضروریات کے لئے مکتفی ہو سکتا ہے اور اغیار سے بھیک مانگنے سے نجات پا سکتا ہے، آج ہمارا ملک بے رحم دشمنوں سے لئے ہوئے قرضوں اور ان کے سود سے اتنا دبا ہوا ہے اور کراہ رہا ہے کہ نہ معلوم اس کا انجام کیا ہوگا، جب تک اسلامی قانون کے محکمہ ہائے احتساب قائم نہ ہوں گے اور اس ملک سے رشوت کا خاتمہ نہ ہوگا نہ حکومت کا خزانہ حسب ضرورت بھر سکتا ہے نہ ٹیکسوں اور مال گذاریوں کی صحیح مقدار حکومت کو حاصل ہو سکتی ہے، چاہے کتنے ہی بھاری ٹیکس حکومت لگائے عوام ضرور تباہ ہوں گے مگر حکومت کی ضرورتیں ہرگز پوری نہ ہوں گی اور عوام کی قربانیوں اور فداکاریوں کے باوجود دشمنوں سے قرض کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوگی۔

آج اگر سرکاری محکموں میں رشوت لینی اور دینی ختم ہو جائے اور بیرونی ممالک کے بینکوں میں خفیہ اور علانیہ جمع کرایا ہوا سرمایہ ملک میں واپس آ جائے اور زندگی کی غیر ضروری اشیاء بلکہ تعیشات ہر طبقہ کی زندگی سے خارج کر دی جائیں تو حکومت ان دشمنان اسلام کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور قرض کی بھیک مانگنے کی لعنت سے بآسانی بچ سکتی ہے۔ آج انہی دشمنان اسلام اور درپئے آزار طاقتوں کے ہم رہین منت ہیں اور ہمیشہ ان سے بھیک مانگتے رہتے ہیں اور اس بھیک کی وہ اتنی بڑی قیمت پاکستان سے وصول کر رہے ہیں کہ عقل حیران ہے اور صرف اسی وجہ سے وہ ہمارے اندرونی معاملات میں نہایت دلیری کے ساتھ دخل اندازی کرتے ہیں اپنی پارلیمنٹوں میں ہماری داخلی معاملات میں بحثیں کرتے رہتے ہیں او نہ صرف مشورے دیتے ہیں بلکہ مغرورانہ انداز سے اوامر و احکامات صادر کرتے ہیں اور ان احکامات کی تعمیل میں ذرا بھی کوتاہی دیکھتے ہیں تو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں اور ہمارے خلاف پروپیگنڈے کر کے آسمان سر پر اٹھاتے ہیں، دراصل ان کی امدادوں اور قرضوں نے جہاں ان کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں وہاں ہمارے حوصلے پست کر دیئے ہیں اسی وجہ سے ان کو یہ جرأت ہوتی ہے کہ تحقیقات کے لئے اپنے وفود بھیجتے ہیں خود ساختہ صحافی بھیجتے ہیں اور وہ ان کے حسب منشا ان کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرتے اور آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اس کے علاوہ یہ صحافی ہمارے دشمنوں کے لئے مخبری بھی کرتے ہیں اور ہمارے کمزور پہلوؤں سے ان کو آگاہ کرتے ہیں تاکہ بصورت جنگ ہمیں خاطر خواہ نقصان پہنچا سکیں۔

کیا اسی کا نام آزادی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا غلامی ہو سکتی ہے یہ سب کچھ اسی کے نتائج ہیں کہ ہم ان کے محتاج ہیں قرضوں کے علاوہ اپنی ضروریات زندگی کی ہر چیز ان سے درآمد کرتے ہیں، انا للہ!

جہاں ہماری بڑی بڑی اسلامی حکومتیں اس لعنت میں گرفتار ہیں وہاں بعض چھوٹی چھوٹی حکومتیں اس لعنت سے محفوظ ہیں۔ روزنامہ جنگ مورخہ ۲۹/جون ۱۹۷۱ء پیر علی محمد راشدی صاحب کے مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو، ممکن ہے اس سے ہماری حکومت کی آنکھیں کھل جائیں:

''شروع میں جیسے ہی مشرقی پاکستان کے حالات نے ناگوار صورت اختیار کی میں نے جنگ کی دو اشاعتوں مورخہ ۱۷/اپریل اور ۲۰/اپریل میں اپنی ناچیز رائے پیش کرتے ہوئے یہ بتادیا تھا کہ اس صورت حال سے نمٹنے کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے، اس کے بعد میں ملکی حالات پر لکھنے سے احتراز کرتا رہا ہوں وجہ یہ ہے کہ جب ملکی معاملات ذمہ دار قابل اعتماد اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ہر مشکل کا حل نکالنے کے اہل ہیں تو ہم ایسے موقعہ پر ہم باہر سے دیکھنے والے لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ اپنی غیر مکمل اور سیکنڈ ہینڈ (SECOND HAND) معلومات کی بنا پر موقعہ بے موقعہ رائے زنی کرتے پھریں اور بے وجہ ذہنی الجھنوں میں اضافہ کرتے رہیں وقت یقیناً نازک ہے مگر ہماری طرف سے جو لوگ کام چلا رہے ہیں اور حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں وہ بے شک وشبہ ہر لحاظ سے وقت کی ضروریات کو پہچاننے اور پورا کرنے کے اہل ہیں لہذا ہم کو مطمئن ہو کر ان کی ہمت افزائی کرنی چاہئے اور جو تدبیر وہ کریں اس کی تائید کرنی چاہیے بحران کی کیفیت میں ہر ایک کو فلاسفر نہیں بننا چاہیے اس طرح سے ذہنی انتشار بڑھتا ہے اور اصل مسئلہ کے حل میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

مگر حال ہی میں مسئلہ کا ایک پہلو ایسا نکل آیا ہے جس پر میں لکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں وہ پہلو یہ ہے کہ آئے دن باہر کے ملکوں کے نمائندے ہمارے یہاں ہمارے حالات کا جائزہ لینے آنے لگے اور ہمارے اندرونی انتظامی معاملات کے بارے میں دوسرے ملکوں کی پارلیمنٹوں میں بحثیں ہونے لگی ہیں نہ صرف یہ بلکہ صورت حال ایسی بنی ہے کہ آج کل باہر کے ملک ہم کو براہِ راست ''ڈکٹیٹ'' کرنے لگے ہیں کہ ہم کو ہمارے داخلی معاملات کے سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے بھارت والے تو یہاں تک چلے گئے ہیں کہ وہ ہم پر احکامات صادر فرمانے لگے ہیں کہ ہم کو فلاں پارٹی سے سمجھوتہ کرنا چاہئے ورنہ وہ دخل اندازی سے باز نہیں آئیں گے۔ دو دن ہوئے کنسورشیم والوں نے اسی اسپرٹ کا مظاہرہ کیا ہے ان کا ارشاد ہے کہ وہ ہماری کوئی امداد کریں اس سے پہلے وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے صدر ملک کے سیاسی اور آئینی معاملات کے بارے میں کس قسم کا اعلان کرتے ہیں۔

اصولی طور پر میں اس ساری صورت حال کو جائز اور معقول نہیں سمجھتا بنیادی سوال یہ ہے کہ ہماری ریاست ایک آزاد ریاست ہے یا بین الاقوامی دنیا کی نظروں میں ہماری وہی حیثیت ہے جو کسی زمانہ میں انگریز کے تحت برصغیر کی ''دیسی ریاستوں'' راجوں مہاراجوں کی ہوتی تھی؟ یعنی نیچے راجہ صاحبان کا راج اور اوپر وائسرائے ہند کا ڈنڈا؟

بین المملکتی تعلقات کی تاریخ میں مجھے ایسی کوئی مثال نہیں مل رہی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی آزاد ریاست کے اندرونی معاملات کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے باہر سے لوگ آتے ہوں یا ان پر باہر کی پارلیمنٹوں میں بحثیں ہوتی رہی ہوں یا باہر کی ریاستیں ڈکٹیٹ کرتی رہی ہوں کہ فلاں سیاسی پارٹی سے سمجھوتہ ہونا چاہئے یا نہیں ہونا چاہئے اقتدار منتقل ہونا چاہیے یا نہیں؟

یمن میں کئی سال تک خانہ جنگی جاری رہی کیا باہر کی کسی پارلیمنٹ میں اس پر بحث ہوئی کسی باہر کے ملک نے کوئی تحقیقاتی کمیشن وہاں بھیجا؟

یونان میں چند سال سے فوجی حکومت قائم ہے اس حکومت کی کارگذاریوں کے بارے میں باہر کے اخبارات میں عجیب وغریب مواد شائع ہوتا رہا ہے مگر امریکہ نے جس کی امداد پر یونان کا یہ سارا کاروبار چل رہا ہے کبھی نہیں کہا کہ ''اقتدار قومی نمائندوں کو منتقل کردو ورنہ امداد بند کردی جائے گی''، یونان کے یہ حکمران کھل کر امریکہ سے کہتے رہتے ہیں کہ ''ہم وہی کریں گے جو ہمارے ملک کے لئے موزوں ہوگا آپ کو اگر امداد دینا ہے تو مہربانی ورنہ بند کردو''، امریکہ خاموش ہے۔

برطانیہ کے اپنے علاقے شمالی آئرلینڈ میں مدتوں سے اندرونی گڑبڑ بدامنی اور خونریزی چل رہی ہے گڑبڑ کا سبب قریب قریب وہی ہے جس سے مشرقی پاکستان میں ہمارا سابقہ پڑا ہے، برطانیہ کی مرکزی حکومت کو مجبور ہو کر وہاں فوجی کارروائی کرنی پڑی ہے مگر کیا ہم نے یا کسی رومن کیتھولک ملک نے کبھی اپنے آدمی وہاں بھیج کر تحقیقات کروائی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیا دنیا کے کسی ملک نے برطانیہ سے یہ مطالبہ کیا کہ تم شمالی آئرلینڈ سے فوج ہٹادو ورنہ تمہارے ساتھ راہ ورسم منقطع؟ کیا جنوبی آئرلینڈ کی آزاد حکومت نے اس معاملے میں مداخلت کی؟

سوڈان کے جنوبی حصہ میں ''تحریک آزادی'' کے نام سے بغاوت کی سی کیفیت رہی ہے، وقتاً فوقتاً سوڈان کی حکومت جو ایک فوجی حکومت ہے فوجیں بھیج کر بغاوت کو کچلنے کی کوشش کرتی رہی ہے مگر کیا اس بنا پر بین الاقوامی برادری نے سوڈان سے کبھی کوئی باز پرس کی؟

اریٹیریا کے لوگ ایبے سینیا سے الگ ہونا چاہتے ہیں ایبے سینیا کی حکومت ان کو مار مار کر اپنی بات منوانے کے لئے فوج استعمال کرتی رہی ہے، کیا ''سیلف ڈٹرمینیشن'' یا ''جمہوری حقوق'' والے اصول کی خاطر کسی باہر کے ملک نے کبھی کوئی تحقیقاتی کمیشن یا پارلیمانی وفد اریٹیریا بھیج کر وہاں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی؟ اریٹیریا کا علاقہ، انگریزوں نے ہی ایتھوپیا کے حوالے کیا ہوا ہے، اس بنا پر وہاں جو کچھ ہوتا رہا ہے اس کے بارے میں اخلاقی ذمہ داری کسی حد تک برطانیہ پر بھی عائد ہوتی تھی مگر کیا اس مسئلہ کے بارے میں برطانیہ کی پارلیمنٹ میں کبھی کوئی بحث ہوئی؟ کیا برطانیہ نے کبھی ایبے سینیا سے یہ مطالبہ کیا کہ تم اریٹیریا کے لوگوں سے سیاسی سمجھوتہ کرلو ورنہ ہم تمہاری مدد نہیں کریں گے اور ہمارے اخبار تمہارے خلاف رات دن اودھم مچاتے رہیں گے؟''

عراق میں کردوں نے بغاوت کی جو کئی سال جاری رہی، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے عراق آزادی سے اپنی فوجی قوت سے کام لیتا رہا مگر کیا اس کی وجہ سے باہر کے ملکوں نے کبھی عراق پر کردوں کی خاطر دباؤ ڈالنے کی ہمت کی؟

نائیجریا اور کانگو کے واقعات ہر ایک کے علم میں ہیں وہاں بھی صوبوں نے بغاوت کی اور مرکزی حکومتوں

نے اس بغاوت کو فوجی قوت سے ختم کردیا مگر کیا ان معاملات میں باہر کی حکومتوں نے کبھی کوئی مداخلت کی؟۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ جو دردناک صورت حال اس وقت پیش آرہی اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ عزت وطاقت کا سرچشمہ اعداء اسلام کو سمجھا گیا ہے آج اگر مسلمان حکومتیں حق تعالیٰ کی ذات کو عزت وطاقت کا سرچشمہ سمجھیں اور اس حقیقت کو سمجھ لیں جو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [المنافقون:۸]

عزت تو اللہ کے اس کے رسول کے اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے لیکن منافق سمجھتے نہیں۔

ان حکومتوں کی ظاہری مادی ترقیات نے ہماری نگاہوں کو خیرہ کردیا ہے اور اپنی ’’ترقیات‘‘ کی وجہ سے جس اخلاقی بحران میں یہ قومیں مبتلا ہیں اس سے ہم قطعاً غافل ہیں۔

بالفرض اگر باہر کی امدادوں اور قرضوں کے ہم محتاج ہی ہیں اور بغیر قرضوں کے ہمارا کام نہیں چل سکتا تو پھر ہماری متعدد عرب حکومتوں کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر پہنچادیا ہے کہ ان سے باآسانی سود کے بغیر قرض لے سکتے ہیں تو پھر ہم ان سے قرضے کیوں نہ لیں؟ ایک کویت کی دولت اللہ کے فضل سے اتنی ہے کہ اگر انگلستان کے بنکوں سے اس کی دولت نکال لی جائے تو انگلستان کا دیوالیہ نکل جائے۔ اگر بھیک مانگنا ضروری ہی ہے تو پھر اپنوں سے کیوں نہ مانگیں وہ یقیناً ہمارے دشمن ہیں نہ ان کی طرح بے رحم، ہماری تمام مشکلات ان کے تعاون سے حل ہوسکتی ہیں، آج اگر ایک طرف حکومت کو ان اعداء اسلام کے سودی قرضوں نے تباہ کر رکھا ہے اور سرمایہ دارانہ سودی نظام نے قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیا ہے تو دوسری طرف شراب کے لائسنسوں نے اور عریاں کلبوں کے اجازت ناموں نے فواحش ومنکرات کو فروغ دینے کی نت نئی تدبیروں اور فریب کاریوں نے تمام امت کو بے حیائی وبے شرمی اور بربادی وتباہی میں مبتلا کردیا ہے، یہ ہے وہ بدترین صورت حال جس کے تصور سے دماغ پھٹا جارہا ہے، قلم تحریر سے عاجز ہے، زبان بیان سے قاصر ہے، کیا کیا لکھا جائے اور کیا کیا کہا جائے؟

خدارا! اپنی حالت پر رحم کرو! ابھی وقت ہے اس ملک کو تباہی سے بچانے کا عزم کرلو، اسلامی قانون قانون نافذ کردو، اسلامی تعزیرات جاری کرکے صالح معاشرے کی تشکیل کرلو، غیر اسلامی تعزیرات کے ذریعہ جان ومال وآبرو کی حفاظت کی توقع بالکل بے معنی ہے، رشوت پر بلا رورعایت سخت سے سخت سزا دو، یورپ وامریکہ کی خدافراموش تہذیب کی بیخ کنی کرو، فوجیوں اور نوجوانوں میں جہادی روح پیدا کردو، قوم کو ایثار سکھاؤ اس اسراف وتبذیر کی بنیاد پر قائم شیطانی معاشرے کو ملک سے باہر کرو، جب تک ان باتوں پر عمل نہیں کیا جائے گا اسلامی ترقی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ۔ اگست ۱۹۷۱ء]

امت محمدیہ اور فتنے

حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آباءنا وأ مهاتنا) نے ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے ایسے آرہے ہیں جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں“(١) عہد نبوت کے دور مبارک کے کچھ عرصہ بعد سے ہی ان فتنوں کا دور شروع ہوا ہے اور ہمیشہ مومنین ومخلصین کا امتحان ہوتا رہا ہے، لیکن عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے ایمان اتنا قوی رہا کہ زیادہ تر فتنوں کا دائرہ صرف ”عمل“ تک محدود رہا، دلوں کا یقین بڑی حد تک محفوظ رہا لیکن عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا گیا، ایمان ویقین میں بھی ضعف رونما ہونے لگا، یہاں تک کہ عصرِ حاضر میں تو دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں فتنوں کا ایک ”سیلاب“ امڈ آیا ہے، علمی، عملی، دینی، اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اتنے فتنے ظاہر ہو چکے ہیں کہ عقل حیران ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد:

> ”لتتبعن سنن من كان قبلكم ذرا عاً بذراع وشبراً بشبر حتى لو دخل أحدهم جحر ضب لد خلتموه“. (٢)

یعنی تم بھی پہلی امتوں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے نقش قدم پر چل کر رہو گے اور ان کے اتباع میں اتنا غلو ہو جائے گا کہ اگر بالفرض کوئی سی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے، یعنی فضول و لایعنی اور عبث حرکات میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔

آج جب ہم دنیائے اسلام کا جائزہ لیتے اور مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت کو دیکھتے ہیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے موجودہ معاشرے کو جب دیکھتے ہیں خصوصاً بلادِ عربیہ اسلامیہ کا جب جائزہ لیتے ہیں تو بے حد افسوس ہوتا ہے کہ بمشکل کوئی خدوخال ایسا نظر آتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ مسلمان ہیں۔ ”مغربیت“ کے اس سیلاب میں اس طرح بہہ جانا انتہائی دردناک ہے، پھر کاش یہ مغربیت اور یورپ پرستی ظاہر تک ہی منحصر ہوتی، اب تو یہ زہر ظاہر سے تجاوز کر کے باطن تک سرایت کر چکا ہے، خیالات، افکار، نظریات، احساسات سب ہی میں یورپ کا چربہ اتارا جانے لگا ہے، مسلمان ملکوں کی یہ تباہی وبربادی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ”قومیت“ کی لعنت اس تیزی سے ابھر رہی ہے کہ الأمان الحفیظ، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، نہ معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا؟

---

(١) مسند احمد بن حنبل، حدیث اسامہ بن زید ج: ٥ ص: ٢٠٨، ط: عالم الکتب بیروت

(٢) صحيح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم ج: ٢ ص: ١٠٨٨، ط: قدیمی

سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مغربیت کے ان زہریلے اثرات سے ''حرمین شریفین'' بھی محفوظ نہیں ہے لڑکیوں کی تعلیم جبری ہوچکی ہے، تھیٹر کی بنیاد پڑ چکی ہے، ٹیلی ویژن جدہ، مکہ، مدینہ تک آ گیا ہے اور اس دردناک صورت میں کہ مدینہ منورہ میں ٹیلیویژن کا افتتاح کسی امریکی فلم سے کیا گیا ہے انا للہ! مسجد نبوی کے بالکل سامنے ٹیلی ویژن لگا ہوا ہے، نماز عشاء کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہوکر آتے اور صلاۃ وسلام کا تحفہ بارگاہ قدس میں پیش کر کے نکلتے ہیں تو دلوں میں جو رقت و نور پیدا ہوتا ہے، ٹیلی ویژن کی ظلمتیں اس کو یکسر ختم کر دیتی ہیں اس سے بھی بڑھ کر دردناک واقعہ یہ ہے کہ ''غزوہ بدر کبریٰ'' کا ڈرامہ خاص مکہ مکرمہ میں ''عبداللہ بن الزبیر'' کے مدرسہ میں طلبہ کے ذریعے کھیلا گیا ہے، ۱۷ ر رمضان المبارک دوشنبہ کی رات میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے، مکہ مکرمہ کے بہت سے شرفاء و معززین نے یہ ڈرامہ دیکھا ہے، طلبہ نے حضرت سعد بن معاذ، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت حکیم بن حزام، ابوجہل، ولید بن المغیرۃ کے کردار ادا کئے ہیں، اس ڈرامہ میں بار بار حضرت مقداد، حضرت بلال کو پردے کے پیچھے بھیجا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے آئیں کہ ان کی کیا رائے ہے؟ ستم یہ ہے کہ یہ ڈرامہ مکہ مکرمہ کے تمام اخبارات میں دیکھنے والوں اور دکھانے والوں کی تصویروں کے ساتھ شائع ہوا ہے اور تمام جرائد و اخبارات اس رسوا کن ڈرامہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

اس وقت جریدہ ''الندوۃ'' شمارہ ۱۸ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی یہ کٹنگ میری سامنے ہے بعض دیکھنے والوں کا تو یہ کہنا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ دردناک پہلو اس ڈرامہ کا یہ تھا کہ ڈرامہ کی روح یہ تھی کہ صحابہ کرام کی زندگی ابتداء اسلام میں اسی طرح بسر ہوتی تھی کہ کفار کے قافلوں کو لوٹ کر اپنا گذارہ کریں، انا للہ وانا الیہ راجعون

''چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی''

اسلام اور تاریخ اسلام کے خلاف امریکہ اور یورپ کے شیاطین جو کام خود نہ کر سکے تھے وہ مسلمانوں سے کرا دیا، فیاعربة الاسلام و یاغربة المسلمین۔ حرمین شریفین کے وہ علماء اور نجد و ریاض کے وہ مشائخ جن پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دارومدار ہے اور انہی کے فتاویٰ کی پورے ملک میں وقعت ہے بلکہ دینی ذمہ ری اور شرعی احتساب کا دارومدار انہی پر ہے وہ یہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ حکومت کی سیاسی مصالح اس تمدن و ذہب کے اپنانے کی مقتضی ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے یا کچھ نہیں کہہ سکتے:

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد
ان كان فى القلب اسلام و ايمان!

ان فتنوں کو دیکھ کر، خصوصاً منبع وحی اور مرکز ایمان، ان بقاع مقدسہ، کے فتنوں کو دیکھ کر یقین ہوتا جارہا ہے کہ ''قیامت کبریٰ'' اب بالکل قریب آ چکی ہے۔ اصلاح کی کوئی امید نظر نہیں آتی اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، انتہائی اور تشویش اس کی ہے کہ حجاج کرام اور زائرین حرم اقدس ان حالات کو دیکھ کر کیا تاثرات اپنے دلوں میں لے کر

آئیں گے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین قرآن وسنت سے وہ یقینا محفوظ ہے، صحابہ کرام کی حیات مقدسہ تاریخ اسلام کے صفحات پر عیاں اور روشن ہے، صحیح دین پر عمل کرنے والوں کی جماعتیں اور افراد بھی دنیا میں موجود ہیں لیکن بشریت کی کمزوری، نفس اور شیطان کی فریب کاری کے تحت یہ ''بے علم'' حجاج وزائرین ان قبیح مناظر کو دیکھنے کے بعد کیا تاثرات اختیار کریں گے؟ خدا ہی جانتا ہے، بس اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت میں ہے کہ کوئی لطیفہ غیبی ظاہر ہو اور دینی انقلاب آجائے، وما ذلك على الله بعزيز۔

مسلمان کسے کہتے ہیں؟

''الرحیم'' شمارہ ۸، ج ۵ بابت ماہ رمضان ۱۳۸۷ھ کے ''شذرات'' پڑھ کر افسوس ہوا کہ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جیسے عالم دین کی ''ادارت'' میں اور جناب ڈاکٹر عبدالواحد حالی پوتا کی ''نگرانی'' میں ایسی کھوکھلی باتیں لکھی گئی ہیں؟ تعجب ہے امام ابو یوسف کی ''کتاب الخراج'' سے صحیحین کی مشہور اور معروف حدیث کا ترجمہ نقل کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسلام صرف یہ ہے کہ ''جو شخص بھی مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔'' اور پھر اس حدیث کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا فتویٰ بتلایا ہے کہ امام موصوف نے اسلام کی یہی تعریف کی ہے، بعد ازاں اس تحقیق سے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ جب مدار اسلام اتنی ہی بات پر ہے تو موجودہ نام کے اسلامی فرقوں میں یہ ''وحدت'' اگر موجود ہے تو پھر کسی ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کی تکفیر کا حق نہیں ہے سب ہی مسلمان ہیں، نیز حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسا قانون بنائے کہ پاکستان کے سب فرقے مسلمان ہیں ان میں سے کسی کے کفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کوئی بھی اہل حق کسی بھی اہل باطل کو ''کافر'' کہنے کا قانوناً مجاز نہیں۔

اگر کہیں محترم مقالہ نگار کی نظر صحیح مسلم کی حدیث ''من قال لا اله الا الله دخل الجنة''(۱) پر پڑ جاتی تو ان کے لئے معاملہ اس سے بھی زیادہ آسان ہو جاتا یعنی وہ کہہ دیتے کہ بس سارا اسلام یہی ہے کہ جو کوئی زبان سے ''لا اله الا الله'' کہہ دے وہ مسلمان ہے، لیجئے سارا جھنجٹ ہی ختم ہوا، افسوس کہ ''دینی حقائق'' پر لکھنے والے اور ''دینی مجلوں'' میں لکھنے والے ایسے حضرات؟ پھر ''علمی مجلوں'' میں اس قسم کی تحقیقات! حیرت انگیز نہیں تو کیا ہے؟

کیا صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ان کے علاوہ کتب حدیث کی مستند ومشہور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ''بنی الاسلام علی خمس شهادة أن لا اله الا الله، وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلاة

---

(۱) الصحیح لمسلم باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً [illegible]
قدیمی، ایضاً کتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ج۱ ص: ۱۶۷ ط قدیمی

وایتاء الزکاۃ، وصوم رمضان ،والحج"(۱) نظر سے نہیں گذری؟ اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ حدیث جس میں حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں: "واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ" اور اس کے بعد یہ فرمایا" واللہ لومنعونی عناقاکانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم". (۲) کیوں نظر نہیں آئی؟ تمام کے تمام ذخیرۂ حدیث کو نظر انداز کر کے صرف "کتاب الخراج" کی ایک حدیث کو مدار استدلال بنا کر فیصلہ کر دینا، کیا یہی علمی تحقیق اور دیانت ہے؟ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح "بازیچۂ اطفال" بنانا کتنا افسوسناک امر ہے، نہ صرف یہ بلکہ اسی بنیاد پر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنا اور حکومت کو مشورہ دینا کہ وہ ایسا قانون بنائے اور نافذ کرے کہ کوئی کسی کافر کو بھی کافر نہ کہہ سکے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں سے ایمان وکفر سے متعلق آیتوں کو بھی نکال دینا چاہئے جن آیات میں "اولئك هم الکافرون حقًا" وغیرہ آیا ہے ان سب کو حذف کر دینا چاہئے، اگر ایمان وکفر دو حقیقتیں ہیں، جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے، تو کفر کے وجود سے استبعاد وانکار کے کیا معنی؟ اتنا بھی غور نہیں کیا گیا کہ علماء دین اگر حفاظت دین کی خاطر کسی "کافر" کے کفر کا "اظہار کرتے ہیں تو یہ ان کے دینی منصب کا تقاضا ہے وہ خود کسی کو کافر نہیں بناتے، بلکہ وہ تو ایک کافر کو کافر بتاتے ہیں، پھر حکومت کو مشورہ دینا کہ تکفیر کو ممنوع قرار دیا جائے اس سے بہتر تو یہ ہے کہ یہ مشورہ دیا جائے کہ حکومت پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنا دیا جائے اور پاکستان کو لادینی مملکت قرار دے دیا جائے، لیکن مقالہ نگار خوب جانتے ہیں کہ سیکولر اسٹیٹ سے ان کا منشاء پورا نہیں ہوتا کیونکہ سیکولر اسٹیٹ میں ہر ہر شخص اپنے مسلک اور مذہب پر عمل کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور خود حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، تمام اہل ملک کو مذہبی آزادی ہوتی ہے وہ تو پاکستان کو اس سے بھی آگے دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی کو بھی اس سرزمین پر مذہب پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے، یہ بات تو لندن وامریکہ میں بھی نہیں ہے البتہ روس کی مملکت کی یہ خصوصیت ضرور ہے کہ وہاں کوئی بھی مذہب برداشت نہیں کیا جا سکتا، لہذا محترم مقالہ نگار کے مشورے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کو کمیونسٹ بنانے کا مشورہ دے رہے ہیں بہت ممکن ہے کہ موصوف کی ضمیر کی آواز یہی ہو لیکن وہ اپنے مطلب کو ذرا عنوان بدل کر "در حدیث دیگراں" کے طور پر اس طرح کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو محسوس نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائیں اور مشیران سوء سے حکومت کو بچائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مملکت کا بڑا طبقہ دین اسلام کا حلقہ بگوش ہے اور اسلام کے نام پر ہی یہ مملکت وجود میں آئی ہے، صدر مملکت کا مسلمان ہونا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان ج:۱ ص:٦، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان ارکان الاسلام ج:۱ ص:۳۲، ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری. کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکاۃ ج:۱ ص:۱۸۸، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس... ج:۱ ص:۳۷، ط: قدیمی

وایتاء الزکاة، وصوم رمضان ،والحج"(۱) نظر سے نہیں گذری؟ اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ حدیث جس میں حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں:"واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلاة والزکاة" اور اس کے بعد یہ فرمایا" واللہ لومنعونی عناقاًکانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم". (۲) کیوں نظر نہیں آئی؟ تمام کے تمام ذخیرۂ حدیث کو نظر انداز کر کے صرف ''کتاب الخراج'' کی ایک حدیث کو مدار استدلال بنا کر فیصلہ کر دینا، کیا یہی علمی تحقیق اور دیانت ہے؟ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح ''بازیچۂ اطفال'' بنانا کتنا افسوسناک امر ہے، نہ صرف یہ بلکہ اسی بنیاد پر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنا اور حکومت کو مشورہ دینا کہ وہ ایسا قانون بنائے اور نافذ کرے کہ کوئی کسی کافر کو بھی کافر نہ کہہ سکے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں سے ایمان وکفر سے متعلق آیتوں کو بھی نکال دینا چاہئے جن آیات میں "اولئك هم الکافرون حقًا" وغیرہ آیا ہے ان سب کو حذف کر دینا چاہئے، اگر ایمان وکفر دو حقیقتیں ہیں، جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے، تو کفر کے وجود سے استبعاد وانکار کے کیا معنی؟ اتنا بھی غور نہیں کیا گیا کہ علماء دین اگر حفاظت دین کی خاطر کسی'' کافر'' کے کفر کا''اظہار کرتے ہیں تو یہ ان کے دینی منصب کا تقاضا ہے وہ خود کسی کو کافر نہیں بناتے ، بلکہ وہ تو ایک کافر کو کافر بتاتے ہیں، پھر حکومت کو مشورہ دینا کہ تکفیر کو ممنوع قرار دیا جائے اس سے بہتر تو یہ ہے کہ یہ مشورہ دیا جائے کہ حکومت پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنا دیا جائے اور پاکستان کو لادینی مملکت قرار دے دیا جائے ،لیکن مقالہ نگار خوب جانتے ہیں کہ سیکولر اسٹیٹ سے ان کا منشاء پورا نہیں ہوتا کیونکہ سیکولر اسٹیٹ میں ہر ہر شخص اپنے مسلک اور مذہب پر عمل کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور خود حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، تمام اہل ملک کو مذہبی آزادی ہوتی ہے وہ تو پاکستان کو اس سے بھی آگے دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی کو بھی اس سرزمین پر مذہب پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے ، یہ بات تو لندن وامریکہ میں بھی نہیں ہے البتہ روس کی مملکت کی یہ خصوصیت ضرور ہے کہ وہاں کوئی بھی مذہب برداشت نہیں کیا جا سکتا، لہذا محترم مقالہ نگار کے مشورے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کو کمیونسٹ بنانے کا مشورہ دے رہے ہیں بہت ممکن ہے کہ موصوف کی ضمیر کی آواز یہی ہو لیکن وہ اپنے مطلب کو ذرا عنوان بدل کر'' درحدیث دیگراں'' کے طور پر اس طرح کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو محسوس نہ ہو سکے۔

اللہ تعالی اس ملک پر رحم فرمائیں اور مشیران سوء سے حکومت کو بچائیں، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ مملکت کا بڑا طبقہ دین اسلام کا حلقہ بگوش ہے اور اسلام کے نام پر ہی یہ مملکت وجود میں آئی ہے، صدر مملکت کا مسلمان ہونا

---

(۱) صحیح البخاری،کتاب الایمان ج:۱ ص:٦،ط:قدیمی.الصحیح لمسلم،کتاب الایمان،باب بیان ارکان الاسلام ج:۱ ص:۳۲،ط:قدیمی

(۲)صحیح البخاری.کتاب الزکوۃ،باب وجوب الزکاۃ ج:۱ ص:۱۸۸،ط:قدیمی.الصحیح لمسلم، کتاب الایمان،باب الامر بقتال الناس...ج:۱ ص:۳۷،ط:قدیمی

بھی ضروری ہے لہذا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدر مملکت کو صحیح اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حقیقی اسلامی قانون کی تنفیذ کی توفیق ان کی رفیق کار ہو اور اسلام کے صحیح خدوخال اس ملک میں نمایاں ہوں اور ملاحدہ و زنادقہ ذلیل وخوار ہوں، نیز کمیونسٹوں اور امریکہ و برطانیہ کی سازشوں سے یہ مملکت محفوظ رہے۔

امت مرحومہ اور فتنے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت مرحومہ رحمۃ للعالمین کی برکت سے اگرچہ بہت سے ان عمومی امراض اور عمومی عذاب سے نجات پا چکی ہے جن میں پہلی امتیں مبتلا ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود مومنین کے ایمانی امتحان کے لئے اس امت کے ہر دور میں فتنوں کا ایک مسلسل تکوینی نظام جاری ہے حتی کہ ''فتنہ'' نام ہی آزمائش کا ہوگیا اور جب بھی کوئی فتنہ عالمگیر صورت اختیار کر لیتا ہے تو روئے زمین کے تمام مخلصین وصالحین کے قلوب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اگرچہ وہ عملی طور پر اس سے بہ طرح محفوظ رہتے ہیں تاہم اعتقادی طور پر ان میں وہ ایمانی قوت وشدت باقی نہیں رہتی جو پہلے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے ان فتنوں کی اتنی ہی کثرت ہوتی جاتی ہے اور اسی نسبت سے ایمانوں میں ضعف نمایاں ہوجاتا ہے، جب بارشیں کثرت سے ہوجاتی ہیں تو ساری ہی فضا اور ہوا مرطوب اور نم ہوجاتی ہے اور جہاں جہاں ہوا کا نفوذ ہوتا ہے رطوبت اور نمی سرایت کر جاتی ہے، دیکھا ہوگا کہ برسات کے موسم میں بارش کی کثرت سے بکسوں کے اندر بند لپٹے ہوئے کپڑوں میں بھی نمی پہنچ جاتی ہے ٹھیک اسی طرح فسق وفجور اور بداعمالی کے فتنوں کے دور میں صالحین کے قلوب بھی ان سے متاثر ہوجاتے ہیں اور حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام:

''اللهم اذا أردت بقوم فتنةً فاقبضني اليك غير مفتون''(۱)

الٰہی! جب تو کسی گروہ کو کسی فتنہ (آزمائش) میں ڈالنا چاہے تو مجھے (اس سے پہلے ہی) فتنہ (آزمائش) کے بغیر اپنے پاس اٹھالے۔

میں شاید اسی مضمون کی طرف اشارہ ہو۔

فتنوں کی قسمیں

ہر دور میں فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں لیکن بنیادی طور پر فتنے دو قسم کے ہوتے ہیں:

① ایک عملی فتنے ② دوسرے علمی فتنے

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورة صٓ، ج:۲ ص:۱۵۹، ط: قدیمی. موطا الامام مالك، کتاب القرآن، باب العمل فی الدعاء ج:۱ ص:۲۲۰، ط: قدیمی

عملی فتنے

گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جو امت میں عام ہوجاتی ہیں، زنا اور شراب کی کثرت، سودخوری ورشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، رقص وسرود، اس کے نتیجہ میں استبداد، کذب وافتراء، بدعہدی وبدمعاملگی وغیرہ یہ اخلاقی بیماریاں جو معاشرہ میں پیدا ہوجاتی ہیں ان کے مختلف اور متنوع وجوہ واسباب ہوتے ہیں، بہرصورت ان بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کے اثرات نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑتے ہیں جتنی ان برائیوں میں کثرت وہمہ گیری پیدا ہوتی ہے اتنی ہی ان نیکیوں میں ضعف واضمحلال اور کمی آجاتی ہے۔

علمی فتنے

علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں، تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، بہرصورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے، ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ باطنیہ کا تھا جو قرامطہ کے دور میں ابھرا اور خوب پھلا پھولا، اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد وتحریف کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی حقائق ضروریات دین، متواتراتِ اسلام، بنیادی عقائد واعمال، مجمع علیہ شعائرِ اسلام میں تاویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے۔

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا اور مستشرقین یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، نشرواشاعت، تحقیق وریسرچ غرض ہر دلکش اور پرفریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑ گئے، اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کردیں اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک ”کارگرترین حربہ“ قرار دے لیا، یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں، ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے ”اسلامی موضوعات“ پر ایسے مقالات ومضامین لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم از کم ”تشکیک“ کے اندر ضرور مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ وہ دردناک داستانیں ہیں جن کی تفصیل کے لئے بے پایاں دفتر درکار ہیں، ”مجمع الزوائد“ میں حافظ نورالدین ہیثمی نے بحوالہ ”معجم طبرانی“ ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:

> “انه كان يتعوذ من فتنة المشرق، قيل، فكيف فتنة المغرب؟ قال: “تلك اعظم واعظم“(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے، آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں

---

(۱) مجمع الزوائد، كتاب الفتن، باب التعوذ من الفتن ج: ۷ ص: ٤٤٩، ط: دار الفكر بيروت

بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔

یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ سقوط اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا، تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا لیکن ہوسکتا ہے کہ بلاد مغرب سے اس ''فتنہ استشراق'' کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد و تحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہرحال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

فتنوں کا انسداد

الغرض اس دور میں یہ علمی و عملی فتنے پورے زور و شور اور طاقت و قوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون و محفوظ تھا لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے، کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال و دولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک چنداں بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

عرصہ سے جب بھی ان حالات کا جائزہ لیا گیا اور صورت حال پر غور و خوض کیا گیا کہ اس سیلاب کی روک تھام کے لئے یا عمومی اصلاح احوال کے لئے کون کون سے افراد یا جماعتیں کام کررہی ہیں؟ اور یہ فرض کفایہ انجام پذیر ہورہا ہے یا نہیں؟ اور یہ دینی درس گاہیں جو پشاور سے لے کر چاٹگام تک پھیلی ہوئی ہیں یہ موجودہ ہمہ گیر امراض کے لئے ''نسخہ شفا'' ہیں یا نہیں؟ جب بھی پورا جائزہ کامل غور و خوض سے لیا گیا نتیجہ یہی نکلا کہ ''مرض کا پورا علاج نہیں ہورہا'' حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کے خلف رشید حضرت مولانا محمد یوسف رحمہما اللہ کی جماعت جس کا بعد میں جاکر ''تبلیغی جماعت'' نام پڑگیا ہے سب جماعتوں سے بہتر خدمت انجام دے رہی ہے اور اس کے برکات دور دراز تک پہنچ رہے ہیں اور معاشرے میں جو عملی فتنے پیدا ہورہے ہیں ان کے ازالہ کے لئے ''اکسیری علاج'' کا کام کررہی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں انقلاب برپا کرنے اور مکمل اصلاح احوال کے لئے جس عمومی اور ہمہ گیر جد و جہد کی ضرورت ہے ابھی تک اس معیار پر کام نہیں ہورہا، بایں ہمہ اگر یہ جماعت پھیلاؤ اور عموم اور مزید توجہ و اہتمام کے ساتھ بھی یہ خدمت انجام دینے لگے، تب بھی اس کا دائرہ کار ''عملی فتنوں'' کی اصلاح تک محدود رہے گا۔ ''علمی فتنے'' اس جماعت کے دائرہ اصلاح سے بالکل باہر ہیں۔

اس لئے آرزو تھی کہ کوئی جماعت ایسی جامع ہو کہ علمی اور عملی دونوں قسم کے فتنوں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے لیکن اس کا تانا بانا اسی تبلیغی جماعت کے طریق کار پر رکھا جائے کہ نہ اس کا کوئی صدر و سیکرٹری ہو نہ ہی اس کا دفتر ہو نہ خزانہ ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے مختلف اوقات میں گفتگو ہوتی رہی اور ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو دینی درسگاہیں ہم چلا رہے ہیں اگرچہ وہ بھی ایک ٹھوس اور بنیادی خدمت ہے اور دہریت کے سیلاب کے دفاع کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے لیکن بحالت موجودہ ہماری مسٔولیت اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ محنت اور وسعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور جب تک ان علمی اور عملی فتنوں کے دفاع کے لئے اپنے اپنے ''مدرسہ'' اور دارالعلوم میں جتنی اہمیت و توجہ کے ساتھ کام نہ کیا جائے گا یہ مقصد انجام پذیر نہ ہوگا اور ہم مسٔولیت سے سبکدوش نہ ہوں گے۔

کام کی وسعت اور ہمہ گیری اور اسکے مقابلہ پر اپنی کم ہمتی اور اس سے بھی زیادہ کوتاہ دستی کی طرف جب نظر جاتی تھی تو حوصلہ پست ہو جاتا، لیکن جتنا سوچا آخرت کی مسٔولیت اور جواب دہی کا احساس شدت کے ساتھ بڑھتا رہا تا اینکہ بہر صورت پہلو تہی اور روگردانی کی کوئی گنجائش نہ رہی اور عزم مصمم کر لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو توکلاً علی اللہ اس بے سروسامانی سے قطع نظر کر کے حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں قدم اٹھانے کا عزم کر لیا۔

اور ہم دونوں نے چند اپنے ہمنوا اور شریک احساس علماء اور ارباب صحافت کو بالکل ''غیر رسمی'' طور پر کراچی میں جمع کر کے اس جماعت کا ایک ابتدائی ڈھانچہ تیار کر لیا جس کی تفصیلات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر، اس جماعت کے اغراض و مقاصد، نظام اور طریق کار میں آپ ملاحظہ فرمائیں:۔

مجلس دعوت واصلاح کا قیام

علماء کے اجتماع میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر

اہلِ علم اور اہلِ دین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت مسلمان اپنی غیرِ معمولی عددی اکثریت اور بہت سی آزاد وخود مختار سلطنتوں کے مالک ہونے کے باوجود کن دل دوز حالات سے گذر رہے ہیں، دینی، علمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی جس حیثیت سے بھی پوری مسلم قوم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آجاتا ہے کہ اس کے عواقب کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ [الروم:٤١]

(ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے)

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغدار شد

ہمارے اپنے ملک میں ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مشنریوں نے پورے ملک پر یلغار کی ہوئی ہے، طرح طرح کے لالچوں اور مختلف حیلوں سے بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو دین حق سے مرتد بنا رہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہو گئے ہیں جو اصلی اسلام کو مسخ و محرف کر کے

اپنی اغراض واہواء کے مطابق "اسلام کا جدید ایڈیشن" تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں، "اسلامی ریسرچ" اور "اسلامی ثقافت" کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے جو "مستشرقین" کے اسلام دشمن حلقے اب تک نہ کر سکے تھے، "شعائر اسلام" کو مجروح اور اسلام کے اجماعی اور متفق علیہ اصول واحکام کو مشکوک بنانے کی "سعی پیہم" قوم کے لاکھوں روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی، عریانی، رقص وسرود، بے حجابی، اغوا، بدکاری، شراب نوشی، قمار بازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں میں امڈا چلا آرہا ہے۔ سود، دھوکہ فریب، جعلسازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کئے جارہے ہیں اور عام "نظم ونسق" کا تعطل اس حد تک شدید ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کے لئے حصول انصاف تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہواروں سے شروع ہوا اور اب دیندار مسلمانوں تک کے گھروں میں گھس چکا ہے اور اکابر علماء واتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد میں اہل حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگا دیئے تو چند سالوں کے بعد بلاکت آفرین طوفان کے مقابلہ کی سکت ہی باقی نہ رہے گی۔

دینی درسگاہوں اور اداروں کی اول تو کوئی معتدبہ تعداد ہی نہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جو کچھ کام کر رہے ہیں ان کا بھی حلقہ اعانت وہمدردی روز بروز سمٹ رہا ہے، اسی لئے ان اداروں کے اثرات مدھم سے مدھم تر ہوتے جارہے ہیں اور ان اداروں سے اب ایسی شخصیتیں نہیں ابھر رہیں جو الحاد وزندقہ اور ضلالات جدیدہ کے علی الرغم "علم اسلام" کو ہمت وجرأت سے بلند کر سکیں اور دعوت الی اللہ کے تقاضے کو پورا کر سکیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دینی درسگاہوں اور اداروں میں بھی فکر آخرت سے زیادہ جاہ ومال کی طلب غالب ہونے لگی ہے اور روحانی قدروں پر مادیت غالب آتی جارہی ہے۔

ان حالات میں نگاہیں بار بار ان چند اصحاب فکر وعمل کی جانب اٹھتی ہیں جو ماحول کی نامساعدت کے علی الرغم عند اللہ مسئولیت کا احساس رکھتے ہیں جن کی نظریں ان فتنوں پر بھی ہیں جن کی نشاندہی ابھی کی گئی ہے اور جو اپنی اپنی حد تک ادائیگی فرض میں کوشاں بھی ہیں۔

ان حضرات کی اکثریت دینی اداروں سے متعلق ہے کچھ دینی تعلیمی اداروں کو چلا رہے ہیں اور کچھ تصنیف وتالیف، افتاء اور اپنے افکار کی نشر واشاعت نیز الادینی، الحاد اور تجدد کی تردید میں مصروف ہیں، بلاشبہ ان حضرات کی تعداد بہت کم ہے لیکن اگر ان کی مساعی حسنہ کو منظم کر لیا جائے تو یہ امید بندھتی ہے کہ اس الحاد وبے دینی اور اشاعت فواحش ومنکرات کے سیلاب کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے

ضعف و ناتوانی کو دیکھ کر وہ ان حقیر مساعی میں حالات کا رخ بدلنے کی قوت و استعداد پیدا فرما دیں۔

وما ذلك على الله بعزيز

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ہم دین کی خدمت کرنے والے چند ایسی الجھنوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں جو ہماری دینی مساعی کے ثمر آور ہونے میں مانع ہیں بلکہ بے دینی کے اس سیلاب کو ہمارے ان ''مشاغل'' سے مدد بہم پہنچ رہی ہیں۔

موانعات کے اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ ہے کہ دین کے نام پر کام کرنے والے بہت سے اہل علم خود فروعی مسائل پر مناظروں، مباحثوں اور ان کے نتیجہ میں جنگ وجدال کے اندر ایسے گرفتار ہیں کہ اولاً تو یہ جھگڑے انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتے کہ اسلام اور قرآن ان کو کس محاذ پر اپنی طاقت صرف کرنے کے لئے پکار رہا ہے اور وہ کہاں اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں، ثانیاً الحاد و بے دینی اور تجدد پسندی اور بداعمالی و بداخلاقی کا جو طوفان پورے عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ یہ تگ ودو جو باہمی مناقشات کی صورت میں کر رہے ہیں اس طوفان سے صرف نظر کا سبب بن رہی ہے اور ہم اس کی ہلاکت و بربادی کے صحیح شعور سے ہی محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ دین کا علم اور عنداللہ مسئولیت کے قوی احساس کے تحت اس عالمگیری فساد کی اصلاح کا قومی داعیہ رکھنے والے حضرات کی دینی مساعی کو ایک ایسے اجتماعی نظم کے تحت منظم کیا جائے جو مروجہ قسم کی جماعت سازی کے بجائے اسلام کے اصول اجتماعیت ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ [المائدة: ۲] اور ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳] کے تحت قائم ہو، رسمی تکلفات اور پابندیوں سے مبرا ہو اور امت میں کسی قسم کے تحزب اور تشتت کا باعث بننے کے بجائے باہمی ائتلاف واتحاد کا ذریعہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر کے اس حصہ سے گذر رہا ہو کہ جس میں عادتاً سابقہ مشاغل بھی چھوڑ کر یکسوئی کی زندگی موزوں ہوتی ہے، قویٰ کا انحطاط ہے، حافظہ غائب ہوتا جا رہا ہے، ایسی حالت میں کسی نئے کام کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی مگر اس وقت میرے محب محترم مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے (بارك الله في علمه وعافيته) ہمت بندھائی اور اس کام کا بار اٹھانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد پر کمربستہ ہوگئے، ان کا علم وفضل محتاج تعارف نہیں، اصلاح مفاسد کے لئے ان کی بے چینی کا جذبہ مجھ جیسے بوڑھے کے لئے ایک ''طاقت کا انجکشن'' بن گیا اور دونوں نے مل کر کچھ اور اہل فکر حضرات کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دعوت تمام رسمی تکلفات تنظیمی اور جماعتی بندھنوں سے بالاتر ہے، اسی لئے وقتی طور پر جن حضرات اہل فکر وعمل کی اسماء گرامی زیر مشورہ آئے ان کو دعوت دی گئی نہ اس میں حضرات علماء کا انحصار ہے نہ اہل

فکر و بصیرت کا بلکہ ایک کام کو سادگی کے ساتھ شروع کرنے کے لئے چند حضرات کا مشورہ اس وقت کافی سمجھا گیا، آگے اللہ تعالیٰ اس کام کو بڑھائیں اور قبول فرمائیں تو اس حلقہ کی توسیع اور دوسرے حضرات کا اشتراک و اجتماع انشاء اللہ بڑھتا رہے گا۔

اس نظم کو چونکہ سیاسی اور رسمی تنظیموں سے مختلف بالکل سادہ رکھنا مطلوب ہے اس لئے ابتدا میں تو خیال تھا کہ اس نظام کا کوئی خاص نام بھی نہ رکھا جائے مگر کام کی سہولت کے پیش نظر بعض حضرات کے مشورہ سے اس رائے کو ترجیح حاصل ہوئی کہ اس نظام کا نام ''مجلس دعوت و اصلاح'' رکھ دیا جائے۔

مجلس دعوت و اصلاح کے مقاصد

مقاصد

① الحاد و ارتداد، بے دینی اور تحریف دین اور مجمع علیہ منکرات کے اسباب کے لئے زبانی اور تحریری جدوجہد۔

② مسلمانوں کے مختلف طبقات کے گروہی اختلافات کو معتدل کر کے سب کو مجمع علیہ فواحش و محرمات اور تحریف و الحاد کی مدافعت پر جمع کرنا۔

③ جدید پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتووں کے بجائے باہم مشورہ سے تحقیقی اور اجتماعی فیصلے پیش کرنا۔

تشریح

① الحاد و ارتداد کے ذیل میں عیسائی مشنریوں کی یلغار، انکار حدیث، انکار ختم نبوت وغیرہ کے فتنے بھی شامل ہیں۔

② بے دینی اور تحریف دین کے ذیل میں ''اسلامی ثقافت'' ''اسلامی ریسرچ'' کے نام پر پیدا کئے ہوئے شکوک و شبہات جن کے ذریعہ سود، شراب، قمار، بے حیائی وغیرہ محرمات شرعیہ کے جواز کے راستے نکالے جا رہے ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن کی پیداوار منکرات مثلاً بے حجابی، بادہ نوشی، مرد و زن کا بے محابا اختلاط، عریانی فحاشی، رقص و سرود کی محفلیں، اسراف وغیرہ منکرات شامل ہیں۔

دین اور علم دین سے عام بیگانگی اور عقیدہ آخرت و فکر آخرت سے غفلت کے پیدا کردہ جرائم مثلاً جھوٹ فریب، رشوت، دھوکا دہی، جعلسازی اور ترک نماز روزہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مقاصد اتنے کثیر اور وسیع ہیں کہ کوئی ایک جماعت یا ملک کا کوئی ایک حصہ ان سب کا بیک

وقت احاطہ نہیں کرسکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر ہر حصہ میں اہل حق کی جماعتوں کے لئے اشتراک عمل کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور الأهم فالأهم کے قاعدے سے انتخاب اور پھر تقسیم کار کے اصول پر کام کیا جائے اور عملی قدم اٹھایا جائے اور جماعت کے چند ذمہ دار افراد اس کی تعیین کا کام کریں۔

نوعیت نظام

① یہ نظام خالصاً تبلیغی اور اصلاحی ہوگا، مروجہ سیاسی طریقوں سے بالخصوص انتخابات کے ذریعہ نمائندگی، نیز حصول اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

② ملک کے حالات اور عوامی جماعتوں کے طویل تجربہ کی بنیاد پر اس نظام کے لئے کوئی رسمی قسم کی جمہوری جماعت بنانا پیش نظر نہیں جس کے لئے ممبر سازی اور عہدوں، منصبوں کی ضرورت پیش آئے بلکہ ملک کے اطراف میں جہاں جہاں جو مخلص حضرات اس کام کی فکر رکھتے ہیں وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنے کام میں آزاد وخود مختار رہتے ہوئے اس کام کی نوعیت اور طریق کار میں ایک معاہدہ کے پابند ہوں گے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے، اس طرح یہ نظام ایک ''معاہداتی وفاق'' کی حیثیت رکھے گا اور عند اللہ مسئولیت کی اساس پر قائم اور جاری رہے گا۔

اس نظام کے شرکاء مندرجہ ذیل امور کا معاہدہ کریں گے:

(الف)......ہم خالصاً لوجہ اللہ مقاصد ثلاثہ مذکورہ کو اپنے سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیں گے اور موجودہ مشاغل میں سے اس کام کے لئے معتد بہ وقت نکالیں گے۔

(ب)......الحاد، بے دینی اور مجمع علیہ منکرات ومحرمات کے ازالہ کی جدو جہد اور اپنے اپنے اقرباء واحباء نیز معاشرہ کے ہر طبقہ بشمول حکمران وفرمانروایانِ ملک سب کی اصلاح ہمارا مقصد اول ہوگا۔

(ج)......فروعی اور گروہی مسائل کی بحثوں کو معتدل کرنے اور کرانے کی جدو جہد کریں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان بحثوں کو صرف حلقہ درس وفتوی اور خالص علمی مجالس تک محدود رکھا جائے گا، اس کے لئے عام اخباری اور عوامی ذرائع استعمال نہ کئے جائیں گے، مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اپنے مختار مسلک پر عمل کریں گے مگر مخالف پر نکیر نہ کریں گے اور منکرات شرعیہ پر نکیر میں بھی حکمت وموعظت اور ''مجادلة بالتي هي أحسن'' کے اصول کو نظر انداز نہ کریں گے، طنز اور طعن وتشنیع سے ہمیشہ گریز کریں گے۔

③ اس نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے ایک مختصر سی اساسی مجلس شوری ایسے علماء پر مشتمل ہوگی جن کے علمی کارنامے معروف ہوں اور ان کے تقوی ودیانت پر عام طور سے اعتماد پایا جاتا ہو، یہ جماعت اپنا ایک امیر منتخب کرے گی اور اپنے اصول کار خود طے کرے گی۔ ملک میں کام کرنے والے حلقے اس جماعت سے

منسلک ہوں گے، اہم امور میں اس مرکزی نظم قائم کرنے والی جماعت سے مشورہ لیا کریں گے۔

④ یہ مجلس ان کام کرنے والے حلقوں کی ضروری نگرانی اور دوسرے جدید حلقے پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔

⑤ یہ جماعت اپنے تمام حلقہ ہائے کار کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماع کرنے کا انتظام کرے گی جن میں سابقہ کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کے کام کا پروگرام باہمی مشورہ سے طے کیا جائے گا۔

⑥ دعوت واصلاح کے اس نظام میں ملک کے دونوں بازو مغربی اور مشرقی شریک ہوں گے، سہولت کار کی غرض سے مشرقی پاکستان میں اسی طرح کی ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور دونوں مجلسوں کے باہمی مشورہ اور اشتراک وارتباط کا طریقہ مشورہ سے طے کرلیا جائے گا۔

⑦ یہ جماعت اس کا بھی انتظام کرے گی کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتاویٰ کے بجائے ملک کے ارباب فتویٰ کی رائیں حاصل کرے اور ضرورت ہوتو ان حضرات میں سے جن کی ضرورت محسوس ہو، ان کو جمع کرکے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور پھر علماء کی تصدیقات حاصل کرکے ان کو شائع کرے تاکہ عوام بھی انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور علماء کو بھی زیر بحث مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجانے کے بعد صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے، اس کام کے لئے اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی خاص فن کی تحقیق ضروری ہوتو اس فن کے ماہرین کو بھی علماء کی مجلس میں جمع کرکے ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے، نیز مشکلات کے حل میں بحیثیت مجموعی کتاب وسنت اور پوری فقہ اسلامی کو بطور اساس سامنے رکھا جائے گا جیسا کہ ہر اسلامی دور میں ہوتا رہا ہے، اسی طرح کوئی طبی مسئلہ ہوگا تو ماہرین فن اطباء اور ڈاکٹروں سے اور سائنسی مسئلہ ہے تو ماہرین سائنس سے علیٰ ہذا دوسرے فنون کے ماہرین سے اس کے حل کرنے میں مدد لی جائے گی۔

⑨ سردست یہ ”اساسی شوریٰ“ مجلس دعوت واصلاح مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل افراد سے تشکیل کی جاتی ہے:

① حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
② حضرت مولانا محمد یوسف بنوری
③ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی
④ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک
⑤ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ
⑥ حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی
⑦ حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں شریف۔

طریق کار

① ملک کے جن حصوں میں اصلاح مفاسد کا کچھ کام ہورہا ہے اس کو فروعی اور گروہی مسائل میں صرف کرنے کے بجائے مجمع علیہ منکرات اور الحاد و تحریف دین کے فتنوں کی طرف متوجہ کرنا اور ''پیغمبرانہ طریق دعوت'' کے اصول کو اپنانے کی دعوت دینا۔

② ملک کے عام علماء سے روابط پیدا کرنا اور ان کو مذکورہ بالا طریق پر کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

③ خطبات جمعہ اور عام مجلس میں عوام کو ان فتنوں سے متنبہ کرنا اور ان میں فکر آخرت اور ان کا دینی شعور بیدار کرنا خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اور ضروری علم دین سیکھنے اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کی دعوت دینا، اخلاق، معاملات اور اداء حقوق اور اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کرنا، مسلمانوں کو مغرب کی مہنگی اور گندی معاشرت سے نجات دلانے کی جدوجہد کرنا۔

④ دینی مدارس اور اداروں سے ارتباط پیدا کرکے ان کو مندرجہ ذیل امور کے لئے آمادہ کرنا:

(الف) ضروریات دین اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب حسب استطاعت ہر محلہ میں قائم کرنا۔

(ب) بڑی بڑی مساجد میں عوامی درس قرآن اور درس حدیث جاری کرنا۔

(ج) مغربی تعلیم یافتہ حضرات کو دینی معلومات بہم پہنچانے اور تحریف دین کے دسائس سے آگاہ کرنے کے لئے شبینہ کلاسیں جاری کرنا اور خصوصی مجالس میں ان موضوعات پر مذاکرے اور مباحثے منعقد کرنا۔

(د) ناخواندہ عوام کو ضروریات دین سے واقف کرنے کے لئے عوامی شبینہ کلاسوں کا انتظام کرنا، جن میں ایسا نصاب پڑھایا جائے جو محدود وقت میں دین کی بنیادی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو۔

(ہ) خطباء کی خصوصی تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریق پر انجام دے سکیں۔

⑤ تعلیم یافتہ اور مغربی تعلیم کے اداروں، حکمراں طبقوں، تجارتی حلقوں اخبارات و جرائد اور معاشرہ کے دوسرے عناصر کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب متوجہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا خصوصی مجلسوں ملاقاتوں وغیرہ کے ذریعہ اہتمام و انصرام کرنا۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ۔ ستمبر ۱۹۶۵ء]

فتنے اور امت محمدیہ

حق تعالیٰ جل ذکرہ نے امت محمدیہ کے لئے جس ہادی و رسول کا انتخاب فرمایا، (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے رحمۃ للعالمین بنایا، اس رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت۔ خواہ وہ دعوت

محمدیہ کے سایہ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اس رحمت عامہ کی بدولت عام عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگئی، پہلی امتوں پر طرح طرح کے عذاب عام نازل ہوئے جن سے پوری پوری امتیں تباہ و برباد کردی گئیں، بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، بعض پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا، بعض کو طوفان کی نذر کر دیا گیا اور بعض کو سمندر میں غرق کر دیا گیا، حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان سے محفوظ رکھا۔

صحیح بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأسَ بَعْضٍ﴾ [الانعام: ٦٥]

تو کہہ اس کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے (جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش) یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (جیسے زلزلہ اور سیلاب وغیرہ) یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی۔ (ترجمہ شیخ الہند)

جس میں تین قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے: آسمانی عذاب، زمین کا عذاب اور باہمی اختلاف کا عذاب، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی، پھر دوسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا کی اور وہ بھی قبول ہوئی، جب تیسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی تو قبول نہیں ہوئی (١) جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کا عذاب آپس کا اختلاف و نزاع ہوگا۔

اس اختلاف کی صورتیں مختلف رہی ہیں، یہ کبھی باہمی خانہ جنگی اور قتل و قتال کی صورت میں ظاہر ہوا، کبھی باہمی نزاع و جدال کی صورت میں نمودار ہوا، کبھی شقاق و افتراق کے راستے سے آیا اور کبھی بدظنی و بدگمانی، طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت کی صورت میں ابھرا۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس امت پر فتنوں کا دروازہ کھل گیا، جنگ جمل، جنگ صفین، واقعہ حرہ، واقعہ دیر الجماجم، واقعہ کربلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت وغیرہ اس دردناک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، بہر حال اس امت میں ابتدا ہی سے فتنوں کا دور شروع ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں فتنوں کا دور کم و بیش برابر جاری رہے گا، فرق یہ ہے کہ دور اول میں عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے امت کا ایمان قوی تھا، یہی وجہ ہے کہ شدید ترین اختلاف اور جدال و قتال کے باوجود دور اول کے تمام فتنے امت کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے، بلکہ تمام مسلمانوں کا ایمان اپنی جگہ قائم و راسخ رہا۔

سب سے بڑا اور خطرناک فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے زوال ایمان کا خطرہ پیدا ہو جائے، اگرچہ اپنی ظاہری شکل صورت کے اعتبار سے وہ معمولی معلوم ہوتا ہو، چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا سب

---

(١) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ انعام ج: ٢ ص: ٦٦٦، ط: قدیمی

سے بڑا فتنہ دجال لعین کا فتنہ ہوگا وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور ہر قسم کے دجل وفریب سے لوگوں کے ایمان کو غارت کرے گا، یہ فتنہ اگرچہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا اور قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہوگا تاہم اس کی شدت واہمیت کی بنا پر ہر نبی ورسول نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور اس کے ایمان سوز نتائج وعواقب سے آگاہ کیا مگر چونکہ اس فتنہ کا ظہور امت محمدیہ کے عہد میں ہونا تھا اور اس فتنہ کبریٰ سے براہ راست اسی امت کا تعلق تھا، اس لئے حضرت رسالت پناہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس سے ڈرایا اور اس کی واضح علامتیں بیان فرمائیں تاکہ ہر شخص دجالی فتنہ کو پہچان سکے اور امت گمراہی سے بچے۔ الغرض زوال ایمان کا فتنہ تو سب سے بڑا فتنہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، اور اس کا ظہور بھی امت کے بالکل آخری دور میں ہوگا۔ لیکن اس کے علاوہ ہر دور میں جن فتنوں کا ظہور ہوتا رہا ہے وہ اعمال واخلاق، بدعت والحاد اور تشتت وافتراق کے فتنے ہیں۔

ہمارا یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں، گوناگوں فتنوں کی آماجگاہ ہے، ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے ان میں سب سے زیادہ جن فتنوں سے امت کو واسطہ پڑا ہے وہ اخلاقی وعملی فتنے ہیں، عوام زیادہ تر اخلاقی فتنوں میں مبتلا اور بدعملی کے فتنوں کا شکار ہیں، فریضہ نماز میں تساہل، فریضہ صیام سے تغافل، فریضہ حج وزکوٰۃ میں تکاسل، وغیرہ وغیرہ..... عبادات ہوں یا اخلاق، معاملات ہوں یا معاشرت ہر شعبہ دین میں بدعملی کا دور دورہ ہے اور بہت سے فتنے اس بدعملی کے نتائج ہیں۔

ملک میں شراب نوشی، عریانی وبے حیائی، فواحش ومنکرات، مردوزن کے مخلوط اجتماعات مخلوط تعلیم تھیٹر اور سینما، ریڈیو اور ٹیلیویژن، زنا اور بدمعاشی، بداخلاقی وبدا طوری، لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ، رشوت وخیانت، جھوٹ اور بہتان طرازی، غیبت اور چغلی، حرام خوری کی نت نئی صورتیں، حرص دنیا کی خاطر اشیاء خوردنی میں ملاوٹ۔

کہاں تک شمار کیا جائے، بے شمار برائیاں ہیں جو دور حاضر میں اس کثرت سے ظاہر ہوئیں کہ پچھلے زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، عقل حیران اور انسانی ضمیر انگشت بدنداں ہے کہ یا اللہ! دنیا کیا سے کیا ہوگئی؟ اگر آج قرون اولیٰ کے مسلمان زندہ ہوکر آجائیں اور اس دور کے مدعی اسلام مسلمانوں کے اخلاق وعمل کا یہ نقشہ دیکھیں تو خدا جانے کیا کہیں اور ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں، نعوذ باللہ من الفتن ما ظهر منها و ما بطن۔

بہرحال یہ فتنے اور یہ امراض تو وہ ہیں جن میں زیادہ عوام مبتلا ہیں، اب ذرا خواص امت پر بھی سرسری نگاہ ڈالئے۔ یہ حقیقت ہے کہ علماء کرام اس عالم کا دل ودماغ ہیں اور عوام امت بمنزلہ اعضائے انسانی کے ہیں، علمائے امت کا مقام وہی ہے جو انسانی جسم میں قوائے رئیسہ دل ودماغ جگر اور گردوں کا ہے۔ اعضائے رئیسہ اپنا کام ٹھیک کر رہے ہوں تو جسم کسی اندرونی مرض کا شکار نہیں ہوتا اور بیرونی آفات وصدمات کے مقابلہ میں

پوری قوت مدافعت رکھتا ہے۔ عام اعضائے انسانی کا نقص، اعضائے رئیسہ کے اختلال کی نشاندہی کرتا ہے اور ظاہر جسم کی خرابی اکثر و بیشتر جسم کی اندرونی قوتوں کی خرابی سے ہوتی ہے، اسی طرح عوام امت میں خرابی زیادہ تر علماء امت کی خرابی وفساد سے ظہور میں آتی ہے، جب علمائے امت اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو عوام میں فساد کے در آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

اس جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ خود صحیح ہوں اور ایمان وتقویٰ اور اخلاق وعمل صالح سے آراستہ ہوں اور دوسرا فرض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہوں اور صراط مستقیم کی طرف امت کی راہنمائی کریں اور کسی قسم کا نقص اعتقادی، اخلاقی یا عملی امت میں واقع ہو تو اس کے لئے بے چین ہوجائیں اور اس کی اصلاح کے لئے صحیح تدابیر کریں، اگر خود ان ہی میں نقص آجائے تو امت کے عوام کا خراب ہونا لازمی ہے، اسی طرح اگر وہ اپنے مقام ومسند کو چھوڑ بیٹھیں، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتزکیہ کی خدمت سے دستکش ہوجائیں اور اصلاح امت کی فکر کو بالائے طاق رکھ دیں تو اس کے نتیجہ میں پوری امت فساد اور بدعملی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔

بہرکیف امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ مصلحین امت اپنے فریضہ منصبی سے غافل ہوجائیں اور جب رفتہ رفتہ یہ مرض یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ علماء امت خود اپنی اصلاح سے بھی غافل اور مختلف امراض اور فتنوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں امت پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ امت، امراض کے انتہائی خطرناک درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس وقت کوئی توقع باقی نہیں رہتی کہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح کی کوشش مثمر ہوسکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات میں اس کا نقشہ یوں پیش کیا گیا ہے:

"اذارأیت هوی متبعاو شحاً مطاعاً ودنیا مؤثرة واعجاب کل ذی رأی برایه"(۱)

جب تم دیکھو کہ نفسانی خواہشات کی اتباع ہورہی ہے، طبیعت کی حرص قابل اطاعت بن گئی ہے، ہر کام میں دنیا کی مصلحت بینی کا خیال رکھا جاتا ہے، اور ہر شخص کو اپنی رائے پر ناز ہے اور اپنی رائے کے خلاف ہر بات کو ہیچ سمجھتا ہے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی فکر کرنی چاہئے، دنیا کی اصلاح کی فکر ختم کردینی چاہئے، یا یہ کہ تبلیغی فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا جائے اور اس وقت بھی میدان میں آکر اس خدمت کو انجام دیا جائے، بہرحال جب حالات اتنے مایوس کن نہ ہوں تو قدم کو جادۂ دعوت واصلاح سے نہیں ہٹنا چاہئے۔

---

(۱)سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورة المائدة ج:۲ ص:۱۳۶، ط: قدیمی۔
سنن ابی داؤد کتاب الملاحم، باب الامر والنهی ج:۲ ص:۵۹۷، ط: حقانیه پشاور

علماء و مصلحین اور اُن کے فتنے

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

① مصلحت اندیشی کا فتنہ

یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

② ہر دل عزیزی کا فتنہ

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں اس فتنہ کی اساس حب جاہ ہے۔

③ اپنی رائے پر جمود و اصرار

اپنی بات کو صحیح و صواب اور قطعی و یقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں۔ کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں، صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الاہم فالاہم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

④ سوءِ ظن کا فتنہ

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں اس کا منشا بھی عجب و کبر ہے۔

⑤ سوءِ فہم کا فتنہ

کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور

مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر وتذلیل ہو، کیا ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾(۱) اور "إياكم والظن فان الظن أكذب الحديث"(۲) کی نصوص مرفوع العمل ہوچکی ہیں؟

⑥ بہتان طرازی کا فتنہ

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا۔ اگر کسی مخالف کی بات ذرا سی کسی نے نقل کردی بلا تحقیق اس پر یقین کرلینا اور مزے لے لے کر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا کیا یہ نص قرآنی ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾(۳) کے خلاف نہیں؟

⑦ جذبۂ انتقام کا فتنہ

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہے لیکن خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے، طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، کیا یہ خاموشی، معافی اور درگزر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بے چارگی وناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم، عفو ودرگزر سب ختم۔

⑧ حب شہرت کا فتنہ

کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں، درحقیقت انسان کی کمی یا اقتدار سے، خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ نقص پیدا ہو گیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے، حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے، اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

⑨ خطابت یا تقریر کا فتنہ

یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے، لن ترانیاں انتہائی درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں، قوالی کا شوق

---

(۱) اور یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔ [الحجرات:۱۲]

(۲) بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے (اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں)۔
[صحيح البخاري، كتاب الادب، باب ماينهى عن التحاسد والتدابر ج:۲ ص:۸۹۶، ط: قديمی]

(۳) اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کرلو۔ [الحجرات:۶]

دامن گیر ہے، عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف.۲،۳]

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہان کا درد اس کے دل میں ہے لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

⑩ دعایۃ یعنی پروپیگنڈہ کا فتنہ

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصا سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عمل ہے نہ انصاف محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

⑪ مجلس سازی کا فتنہ

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہوگئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہوگیا، فوراً ایک نئی جماعت کی تشکیل ہوگئی طویل وعریض اغراض ومقاصد بتائے جاتے ہیں۔

پروپیگنڈا کے لئے فوراً اخبار نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔

نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قراردادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں، امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

⑫ عصبیت جاہلیت کا فتنہ

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے، مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل، تصویریں، کارٹون، سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں مگر چونکہ "اپنی جماعت" کے حامی ہیں اس لئے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کی نماز، روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

⑬ حب مال کا فتنہ

حدیث میں تو آیا ہے کہ "حب الدنیا رأس كل خطيئة"(١)، دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات ﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة﴾ کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لئے دلیل بناتے ہیں حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں، نیز ایک ہے طبعی محبت، جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں، اقتصاد و اعتدال کی ضرورت ہے عوام سے شکایت کیا کی جائے آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آ رہا ہے، الا ماشاء اللہ۔ اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں:

> "اللّٰهم ارزقنى حبك وحب من يحبك وحب عمل يقربنى اليك، اللّٰهم ما رزقتنى مما احب فاجعله قوة فيما تحب ومازويت عنى مما احب فاجعله فراغا لى فيما تحب، اللهم اجعل حبك احب الاشياء الى من نفسى و أهلى ومن الماء البارد".(٢)

[ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ - جون ۱۹۷۰ء]

فتنے اور ان سے بچاؤ کا راستہ

حضرت صادق و مصدوق سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کا ارشاد گرامی ہے کہ خیر و سعادت کے تمام ابواب میں روز افزوں تنزل ہی تنزل ہے، صرف "شر" ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں برابر ترقی ہوتی جائے گی، حدیث کے الفاظ جو مسند احمد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے، یہ ہیں:

"كل شيءٍ ينقص الا الشر فانه يزادفيه"(٣)

دنیا کی ہر چیز روبہ تنزل ہے، سوائے شر کے، کہ اس میں برابر اضافہ و ترقی ہوتی رہے گی۔

---

(١) مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، الفصل الثالث ص: ٤٤٤، ط: قديمى

(٢) سنن الترمذى، ابواب الدعوات ج: ٢ ص: ١٨٧، ط: فاروقى كتب خانه

(٣) مسند احمد بن حنبل، ومن حديث ابى الدرداء، رقم الحديث: ٢٧٤٨٣ ج: ٦ ص: ٤٤١، ط: عالم الكتب بيروت

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ''ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم کی شکایت کی، فرمایا: صبر کرو! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم پر جو زمانہ بھی آئندہ آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا''۔ (۱)

آج نقشۂ عالم کو سامنے رکھ کر دیکھئے، مرکز عالم (مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور حجاز مقدس) سے لے کر تمام عرب، تمام ایشیا، تمام یورپ اور امریکہ کے جس جس خطے پر نظر جاتی ہے وہ شرور وفتن کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو تھمتا نظر نہیں آتا، اضطراب وقلق، بے چینی و پریشانی اور حیرانی وسراسیمگی کا ایک کوہ آتش فشاں ہے جس کے عالمگیر شعلوں نے پورے عالم کے امن وسکون اور حقیقی مسرت کو خاکستر کر ڈالا ہے، فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، دینی وعلمی فتنے، ملکی وقومی فتنے، تہذیب وتمدن کے فتنے، آرائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے۔

دنیا کا کوئی گوشہ فتنوں کی یورش سے خالی نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام دنیا، آخرت فراموشی، دنیا طلبی اور خدا تعالیٰ کو بھول جانے کی سزا بھگت رہی ہے۔

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى﴾ [طه:١٢٤]

اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا، پس یقینی طور پر اسے ''تنگ زندگی'' نصیب ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

شقاق ونفاق کی حد ہوگئی، جو ''مجاہدین'' قدس اور عمان کے محاذ پر ''اسرائیل'' سے نبرد آزما تھے ان کا رخ یہودیوں سے ہٹ کر اپنوں کی طرف مڑ گیا، باہم دست وگریباں ہوکر ہزاروں نوجوان ''اپنوں'' کا نشانہ بن گئے اور ایک بڑی طاقت جو اعداء اسلام کے مقابلہ میں سینہ سپر تھی وہ خانہ جنگی کی نذر ہوگئی، اناللہ، اس سے بڑھ کر عبرت کی کیا خبر ہوگی؟ کہ ایک ہی ملک وملت اور ایک ہی قوم کے افراد کے باہمی نفاق وعناد کا جب یہ حال ہو تو ان سے دوسروں کے ساتھ خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے اس صورت حال سے امریکہ اور روس۔ خدا دشمن۔ فائدہ اٹھائیں گے ایک طاقت ایک فریق کو شہ دے گی اور دوسری دوسرے فریق کو ابھارے گی اور یوں مشرق وسطی کو ایک نیا ''ویت نام'' بنایا جائے گا، بچے مسلمانوں کے کٹ رہے ہیں، قوت مسلمانوں کی پامال ہو رہی ہے افسوس!

''از ماست کہ بر ماست''

ان حالات میں کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ سوریا، عراق اور مصر کے عرب متحد ہوکر اعداء اسلام کے سامنے سینہ سپر ہوسکیں گے بلکہ عرب ممالک میں خانہ جنگی کا ایک نیا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، ابواب الفتن، باب لایاتی زمان الاالذی بعدہ شر منہ ج:۲ ص:١٠٤٧، ط: قدیمی

سنا ہے کہ لیبیا سے جو امریکہ کا عظیم الشان ہوائی اڈہ اٹھایا جا رہا ہے اسے سرزمین مقدس حجاز میں مکہ و مدینہ کے درمیان منتقل کیا جائے گا، اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے بڑھ کر دردناک صورت حال اور کیا ہوگی؟ نہ معلوم دور حاضر کے مسلمان سلاطین وحکام کی عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے ہیں کہ عواقب کا احساس ہی ختم ہو گیا۔

غرض یہ داستان تو جتنی دردناک ہے اس سے زیادہ طویل ہے، کہنا یہ ہے کہ تمام عالم اور عالم اسلام خصوصاً فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور یہ تشتت وافتراق کا فتنہ تو اتنا عام ہے کہ اس سے ۔الا ماشاء اللہ۔ کوئی بھی محفوظ نہیں رہا، عوام وخواص، عالم وجاہل اور ملوک ورعایا سب میں سرایت کر گیا ہے، اتحاد واتفاق اور خدا تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے سچی محبت کرنا قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔(۱)

باہر کی دنیا کو جانے دیجئے، خود ہمارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاسی جماعتوں میں جس طرح سر پھٹول اور رسہ کشی ہو رہی ہے اس سے عقل حیران ہے، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اور خدا کے بے گناہ بندوں کی طرف گھناؤنے فرضی افسانے منسوب کرنا، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا، سیاسی کارنامہ سمجھا جاتا ہے، جن جماعتوں کے افراد کی اسلام دشمنی، روز روشن کی طرح عیاں ہے، وہ بھی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ اسلام کا ہمدرد اور خیر خواہ ظاہر کر رہے ہیں اور اپنے مخالفین کو نہ معلوم کیا کیا خطاب دے رہے ہیں (۲)، یہ تو ظاہر ہے کہ اس عالم کون وفساد کا خمیر ہی خیر وشر کے مرکب سے اٹھایا گیا ہے، دنیا کا مزاج خیر وشر کے امتزاج سے بنا ہے، دونوں کا سلسلہ چلا آیا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا لیکن ان دنوں شر اتنا غالب اور خیر اتنی مغلوب ہو رہی ہے کہ عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، دراصل عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا جائے گا خیر کم ہوتی جائے گی، فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وارضاہ دور نبوت اور بعد کے زمانے کا فرق بیان کرتے ہوئے خلافت راشدہ کے دور میں فرما رہے ہیں کہ دنیا کی مثال ایسی ہے:

"کالثغب شرب صفوه و بقی کدره"(۳)

جیسے وہ تالاب جس کا صاف اور ستھرا ہوا پانی پی لیا گیا ہو اور گندا پانی باقی رہ گیا ہو۔

یہ جلیل القدر صحابی عہد عثمانی میں وفات پا چکے ہیں، اگر وہ جمل وصفین کے ہولناک مناظر دیکھ لیتے تو کیا

---

(۱) حضرت حکیم الامت تھانوی (نور اللہ مرقدہ) فرماتے ہیں کہ [illegible] صاحب (قطب [illegible]) [illegible] فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے اور نفاق کی جڑ [illegible] ہے، جب ہر شخص اپنی [illegible] سے آئے۔

(۲) یہاں یہ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ ایک "سیاسی جماعت" کے [illegible] میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت کے نام میں "اسلام" کا لفظ نہ آئے کہ چنانچہ اس [illegible] انگریزی [illegible] جس کا حق [illegible] جماعت کے [illegible] عوام [illegible] اسلام سے [illegible] نفرت [illegible] سیاسی [illegible] اسلام دشمنی [illegible] سے چھپی نہیں۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب عزم الامام على الناس فيما يطيقون ج: ۱ ص: ۴۱۶، ط: قدیمی

فرماتے؟ اور خدانخواستہ ہماری حالت زار ان کے سامنے آتی تو ان کا کیا حال ہوتا؟ رائے اور ذوق کا اختلاف پہلے بزرگوں میں بھی رہا ہے لیکن بہتان طرازی، افتراء پردازی، سب وشتم اور لعن طعن کا جو طوفان اس دور میں برپا ہے وہ انتہائی دردناک ہے، موجودہ صورت حال نے جو شکل اختیار کر لی ہے اس سے نہ کسی کی عزت وحرمت باقی ہے نہ جان و مال محفوظ ہے، پوری امت کے خرمن امن وسکون کو آگ لگا دی گئی ہے، سب جانتے ہیں اور ہمیشہ سے یہ بات مسلّم چلی آتی ہے کہ بعض دفعہ ایک انتہائی مخلص اور سراپا خلاص شخصیت کی رائے بھی غلط ہوسکتی ہے، کسی مخلص کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صاحب الرائے بھی ہو، اس کے برعکس بعض دفعہ ایک غیر مخلص کی رائے صحیح بھی ہوسکتی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہماری شریعت نے ''شوریٰ'' کا طریق تجویز کیا تھا، کہ جو قدم اٹھایا جائے اہل صلاح اور اہل دانش کے مشورہ سے اٹھایا جائے، مگر افسوس ہے کہ خودغرضی اور نفسانفسی کی کیفیت نے امت سے یہ نعمت بھی چھین لی ہے اور اس کے نتیجہ میں پوری امت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جماعت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہے اور جماعت کا ہر فرد اپنے کو عقل کل سمجھتا ہے جس سے آئے دن جماعتیں تقسیم ہو ہو کر جماعت در جماعت کا عمل جاری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فتنوں سے پناہ مانگتے تھے وہاں یہ دعا بھی فرماتے تھے:

''واذا اردت بقوم فتنةً فتوفني غير مفتون''(۱)

اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھا لینا۔

فتنے سے محفوظ رہ کر دنیا سے رخصت ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو فتنہ کے زمانے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لے، دوسری یہ کہ فتنوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی رحمت فرمائے اور اسے فتنہ میں مبتلا کئے بغیر دنیا سے اٹھائے۔

ہمارے دور میں فتنے شروع ہو چکے ہیں (بلکہ ہم سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے) اس لئے پہلی صورت تو نہیں ہوسکتی، البتہ دوسری صورت ممکن ہے کہ آدمی ایسا طرز عمل اختیار کرے جس کے ذریعہ فتنوں سے محفوظ رہ سکے، بہت سے مخلصین کے خطوط آ رہے ہیں کہ ہمیں فتنوں کی اس موجودہ فضا میں کیا کرنا چاہیے، اس لئے فتنوں سے حفاظت کا ایک مختصر دستور العمل عرض کیا جاتا ہے۔

اول: شورائیت

کسی بھی قسم کا دینی، دنیاوی یا سیاسی قدم اٹھائیں تو اہل خیر وصلاح اور اہل دانش وخرد سے مشورہ کئے بغیر نہ اٹھائیں اور اہل شوریٰ میں سے ہر شخص نہایت اخلاص کے ساتھ فی ما بینہٗ وبین اللہ اپنا مشورہ دے، اپنی بات

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ ص، ج: ۲ ص: ۱۵۹، ط: قدیمی۔
موطا الامام مالك، كتاب القرآن، باب العمل فی الدعاء ج: ۱ ص: ۲۲۰، ط: قدیمی

منہ سے [illegible] پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت [illegible] فتنہ [illegible] اور اعجاب بالرائی کا ہے۔ الغرض مخلصین [illegible] کو متہم سمجھیں مبادا اس میں نفس و شیطان کا دخل بھی ہو چکا ہو۔

دوم: اعتدال

اگر پوری کوشش کے باوجود سب کی رائے متفق نہ ہو سکے اور اہل حق کی دو جماعتیں وجود میں آ جائیں تو ہر جماعت اپنے کو قطعی حق پر اور دوسرے کو قطعی باطل پر نہ سمجھے، زیادہ سے زیادہ جس بات کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے موقف کو "صواب محتمل خطا" اور دوسرے کے موقف کو "خطا محتمل صواب" سمجھے اور دونوں طرف سے برابر یہ خواہش رہنی چاہئے اور کوشش بھی کہ تمام اہل حق ایک کلمہ پر متفق ہو جائیں۔

سوم: حکایات و شکایات سے احتراز

آج کل پروپیگنڈے کا دور ہے، پروپیگنڈے کے کرشمے سے رائی کو پربت اور تنکے کو شہتیر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، غلط افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیلا کر ایک دوسرے کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو شخص اس فتنہ سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ جب تک کسی حکایت و شکایت کے صحیح ہونے کا پورا وثوق نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر کان نہ دھرے نہ اس پر کوئی کارروائی کرے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے شکایت کی کہ ابن ملجم آپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا ہے، قتل کی دھمکیاں دیتا ہے، آپ اسے قتل کرا دیجئے۔ فرمایا: "کیا میں اپنے قاتل کو قتل کر دوں؟"

اسی طرح اس قسم کی حکایات و شکایات کو نقل کرنا بھی امت کو فتنے میں ڈالنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اسی قسم کے فتنوں کے بارے میں ہدایت فرمائی تھی:

"ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي"(١)

بہت سے فتنے ہوں گے، ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم تكون فتنة القاعدفيهاخير من القائم ج:٢ص:١٠٤٨، ط: قديمي

"النائم فيها خير من اليقظان واليقظان فيها خير من القائم"(١)

جو ان میں سو رہا ہوگا وہ جاگنے والے سے بہتر ہوگا اور جو جاگ رہا ہوگا وہ اٹھنے والے سے بہتر ہوگا۔

ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے کہ میرے کسی قول وعمل سے امت کے درمیان افتراق کی خلیج وسیع نہ ہو، نیز اہل حق کو اس بات سے چوکنا رہنا چاہئے کہ اہل باطل ان کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر اپنا الّو سیدھا نہ کر سکیں، جب اہل حق آپس ہی میں لڑنے لگتے ہیں تو اہل باطل کے لئے میدان صاف ہو جاتا ہے، اس لئے اہل حق کو اہل باطل کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بننا چاہئے، کہ جوش میں اپنوں ہی کو بدنام کرنے لگیں، افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مرض یہی ہے کہ اپنوں سے بدگمانی رکھیں گے اور حق کے نام پر اہل حق سے لڑیں گے لیکن اہل باطل کے ساتھ مسامحت اور رواداری برتی جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔

چہارم: اکرام واحترام

ایک مسلمان اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اکرام واحترام کا مستحق ہے اور ہماری باہمی رنجشوں سے اس کے احترام کا حکم منسوخ نہیں ہو جاتا، سنن ابو داؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"ان من اجلال الله تعالىٰ اكرام ذى الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالى فيه والجافى عنه واكرام السلطان المقسط"(٢)

تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہیں: سفید ریش مسلمان کی عزت کرنا، حامل قرآن کی عزت کرنا، جو نہ قرآن میں غلو کرے نہ بے پروائی کرے اور عادل حاکم کی عزت کرنا۔

بہر حال اختلاف کی بنا پر کسی بھی مسلمان کی ہتک عزت جائز نہیں اور خاص طور پر علمائے دین کی بے حرمتی کرنا تو بہت ہی بری بات ہے کوئی مخلص عالم دین ایک رائے رکھتا ہو تو اس پر سب وشتم کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام کا نہایت خطرہ ہے، ایسا شخص مخذول اور بے توفیق ہو جاتا ہے اور ایمان کی سلامتی مشکل ہو جاتی ہے۔

پنجم: استخارہ کرنا

دور حاضر میں امت کا شیرازہ جس بری طرح بکھر گیا ہے، مستقبل قریب میں اس کی شیرازہ بندی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، جب استشارے کا راستہ بند ہوگیا تو اب صرف استخارہ کا راستہ ہی باقی رہ گیا ہے، حدیث

---

(١) الصحيح لمسلم، كتاب الفتن، باب اشراط الساعة ج:٢ ص:٣٨٩، ط: قديمى

(٢) مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق ج:٢ ص:٤٢٣.

سنن ابى داؤد، كتاب الآداب، باب فى تنزيل الناس منازلهم ج:٢ ص:٦٦٥، ط: حقانيه پشاور

شریف میں تو فرمایا تھا:

"ماخاب من استخار وماندم من استشار"(۱)

جو استخارہ کرے وہ خائب وخاسر نہ ہوگا اور جو مشورہ کرے گا پشیمان نہ ہوگا۔

عوام کے لئے یہی بہترین عمل ہے کہ اگر کوئی ان فتنوں میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتا ہے تو مسنون استخارہ کرکے عمل کرے اور امید ہے کہ استخارہ کے بعد اس کا قدم صحیح ہوگا، مسنون استخارہ کا مطلب یہی ہے کہ انسان جب کسی امر میں متحیر اور متردد ہوتا ہے اور کوئی واضح وصاف پہلو نظر نہیں آتا اس کا عقل رہنمائی سے قاصر رہتا اور اس کی طاقت فیصلہ کرنے سے عاجز ہو تو حق تعالیٰ کی بارگاہ رحمت والطاف میں التجا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے وہ توکل، تفویض اور تسلیم ورضا بالقضاء کے راستوں سے عرض کرتا ہے کہ وہ اس کی دستگیری اور رہنمائی فرمائے، بہتر صورت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فتنوں کا اصل علاج

قرآن کریم حق تعالیٰ شانہ کی وہ آخری اور عظیم ترین نعمت ہے جو اس دنیا کو دی گئی ہے، قرآن کریم ہی وہ قانون الٰہی ہے جو انسانوں کو اعلیٰ ترین سطح پر پہنچنے کا ضامن ہے اور جو قوموں کی سربلندی اور حکومتوں کی عزت ومجد کا بہترین ذریعہ ہے، دور حاضر کے جتنے بھی فتنے ہیں ان سب کا واحد علاج قرآنی دستور ہے، اسلامی ممالک میں آج کل جو فتنے رونما ہو رہے ہیں ان کا اصلی سبب قرآن کریم کی تعلیمات سے انحراف واعراض ہے:

﴿نَسُوا اللهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ [الحشر:۱۹]

انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بھلا دیا یہی لوگ ہیں نافرمان۔

شام ہو یا مصر، انڈونیشیا ہو یا افغانستان سب میں روز روز کے انقلابات اور بے چینی اور اضطراب کا اصلی سبب یہی ہے، کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں جن میں روس وامریکہ کی ریشہ دوانیاں سرفہرست ہیں لیکن ان اسباب میں کوئی تزاحم وتعارض نہیں، ظاہر بین ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں اور حقائق بین نگاہیں باطن تک پہنچتی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں سورۂ حشر کے آخری رکوع میں یہ مضمون بہت واضح کر دیا گیا ہے، سورۂ حشر جس میں یہودی تباہی وبربادی کی داستان اور ان کا حشر، یہ سب کچھ نعمت قرآن کی ناشکری اور اس عظیم نظام قرآنی سے انکار وجحود کا نتیجہ تھا، غرض سورۂ حشر کا محور بھی قرآنی دعوت ہے اور یہودی عبرت انگیز تاریخی داستان پیش کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کا انجام کار آخر یہ ہوتا ہے، اس لئے ابتداء سورت میں حق تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کا بیان ہے اور انتہاء میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال جمال وجلال کا ذکر ہے تاکہ دعویٰ ودلیل دونوں کا ساتھ ہی ساتھ ذکر ہو:

---

(۱)المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ٦٦٢٧ ج:٦ ص:٣٦٥، ط: دار الحرمین قاهرة

﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ [ص:۲۹]

ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ لوگ اس میں تدبر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

لفظ و معنی و حروف و نقوش سب ہی بابرکت ہیں جن کی تفصیلات احادیث میں ہیں ''تدبر'' عمل کرنا ہے، علمی درجہ میں حکیمانہ حقائق پر غور کرنا ہے، ''تذکرہ اولی الالباب'' عملی قانون بنانا ہے اور جب تک اسلامی ممالک کا قانون قرآن کریم رہا سارے عالم پر ان کا جھنڈا لہراتا رہا اور ایک ہزار برس تک ان کا سکہ چلتا رہا، آخر بے عملی و بدعملی کے نتائج سامنے آگئے۔

''جامع ترمذی'' اور ''مسند دارمی'' میں بروایت حارث اعور حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث میں ان سب حقائق کا بیان موجود ہے، حدیث کا یہ جملہ انتہائی قابل غور ہے:

''من ترکه من جبار قصمه الله''(۱)

یعنی اگر کوئی طاقتور حکمران بھی اس قانون الٰہی کو ترک کرے گا تو اللہ اس کو ریزہ ریزہ کردے گا۔

انتہائی صدمہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان جس میں دنیا کی قیادت کی صلاحیت تھی اور ہے وہ آج قرآن حکیم سے دردناک بے اعتنائی کر رہی ہے اور افسوس کہ نہ صرف بے اعتنائی بلکہ اس دور میں قرآنی حقائق کے مسخ کرنے اور تحریف کرنے کا جو منظم و پیہم سلسلہ جاری ہے اس کو نہ صرف یہ کہ برداشت کیا جارہا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ ان اٹھارہ سال میں دین اسلام کی سربلندی کے لئے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے بلکہ جہاں تھے اس سے بھی پیچھے ہٹ کر پوری طرح قعر مذلت میں جاپڑے، پرویز اور پھر اس کے نقش قدم پر چلنے والے ڈاکٹر فضل الرحمن ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ نے سابق تحریفات کا ریکارڈ توڑ دیا، ادارہ پر حکومت کا لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے، کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ برطانوی دور استعمار میں جو کام نہ ہوسکا وہ پاکستان پورا کردے، اناللہ وانا الیہ راجعون!

پاکستان کے موجودہ صدر محترم سے کچھ توقعات وابستہ ہوگئی تھیں اور خیال تھا کہ جس طرح مملکت کا نظم ونسق پہلے سے بہتر ہوگیا ہے، دینی اعتبار سے بھی یہ حکومت گوئے سبقت لے جائے گی اور دینی اعتبار سے بھی ایوبی عہد مبارک ثابت ہوگا، فریضۂ جہاد حق تعالیٰ نے میسر فرمایا اور امت نے اس کی برکات کا بھی معائنہ کیا لیکن ان اثرات کو مٹا دیا گیا، ہم بارہا ان حقائق کو واشگاف الفاظ میں بیان کرچکے ہیں لیکن سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا، کوئی نتیجہ ابھی تک ظاہر نہیں ہے اگر ہماری آواز نہیں پہنچتی تو افسوس ہے اور اگر پہنچتی ہے اور پھر اس پر غور نہیں ہوتا

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن ج:۲ ص:۱۱۸، ط: قدیمی. سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن ج:۲ ص: ۵۲۶، ط: دار الکتاب العربی بیروت

تو صد افسوس، نتیجہ دونوں صورتوں میں ظاہر ہے۔ ہماری آرزو وخواہش ہے کہ جس طرح ظاہری اعتبار سے پاکستان عہد حاضر میں قابل فخر بن گیا ہے کاش دینی اعتبار سے بھی ایسا ہی ہوتا تاکہ اقوام عالم میں ہمارا سر اونچا ہوتا اور ایک معیاری اسلامی حکومت ہوتی لیکن ”از ماست کہ بر ماست“۔

مادیت کا فتنہ اور اس کا علاج

آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، ان سب فتنوں میں ایک بنیادی اور بڑا فتنہ ”پیٹ“ کا ہے، شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے، ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمہ تر اس کی لذت کام ودہن کا ذریعہ بنے اور یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہے کہ بہت کم افراد اس سے بچ سکے ہیں، تاجر ہو یا ملازم، اسکول کا ٹیچر ہو یا کالج کا پروفیسر، دینی درسگاہ کا مدرس ہو یا مسجد کا امام اس آفت میں سبھی مبتلا نظر آتے ہیں، ہاں فرق مراتب ضرور ہے۔ زہد وقناعت، ورع وتقوی اور اخلاص وایثار جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان نہیں ملتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کا پورا عالم ساز وسامان کی فراوانی کے باوجود حرص وآز، طمع ولالچ اور زر طلبی وشکم پروری کی بھٹی میں جل رہا ہے اور کرب واضطراب، بے چینی، بے اطمینانی اور حیرت وپریشانی کا دھواں ہر چہار سمت پھیلا ہوا ہے۔

دراصل اس فتنہ جہاں سوز کا بنیادی سبب یہی ہے جس کی نشاندہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور قریبا ختم ہو چکا ہے، مادی نعمتیں اور ان کا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں مضمحل ہو چکی ہیں، یہی وجہ ہے آج انسانوں کی چھوٹائی بڑائی، عزت وذلت اور بلندی وپستی کی پیمائش ﴿ان أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ کے پیمانے سے نہیں ہوتی بلکہ ”پیٹ اور جیب“ کے پیمانے سے ہوتی ہے، مادیت کے اس سیلاب میں پہلے ایمان ویقین رخصت ہوا، پھر انسانی اخلاق ملیامیٹ ہوئے، پھر اسوۂ نبوت سے وابستگی کمزور ہو کر اعمال صالحہ کی فضا ختم ہوئی، پھر معاشرت ومعاملات کی گاڑی لائن سے اتری، پھر سیاست وتمدن تباہ ہوا اور اب مادیت کا یہ طوفان انسانیت کو بہیمیت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے، افراتفری اور بے اصولی، آوارگی وبے راہ روی اور بے رحمی وشقاوت کا وہ دور دورہ ہے کہ الامان والحفیظ۔

الغرض اس ”پیٹ“ کے فتنے نے ساری دنیا کی کایا پلٹ کر ڈالی، دنیا بھر کے عقلاء ”پیٹ“ کی فتنہ سامانی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں وہ اس فتنہ کے ہولناک نتائج کا تدارک بھی کرنا چاہتے ہیں مگر صد حیف کہ علاج کے لئے ٹھیک وہی چیز تجویز کی جاتی ہے جو خود سبب مرض ہے، درحقیقت انبیاء علیہم السلام ہی انسانیت کے نباض ہیں اور انہی کا تجویز کردہ علاج اس مریض کے لئے کارگر ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہولناک مرض کی صحیح تشخیص بہت پہلے فرمادی تھی، چنانچہ ارشاد فرمایا:

> ”والله لا الفقر أخشى عليكم ولكن أخشى عليكم أن تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما أهلكتهم“(۱)

بخدا! مجھے تم پر فقر کا اندیشہ قطعاً نہیں، بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلائی جائے، جیسا کہ تم سے پہلوں پر پھیلائی گئی پھر تم پہلوں کی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، پھر اس نے جیسے ان کو برباد کیا تمہیں بھی برباد کر ڈالے۔

لیجئے یہ تھا وہ نقطۂ آغاز جس سے انسانیت کا بگاڑ شروع ہوا یعنی دنیا کو نفیس اور قیمتی چیز سمجھنا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس پر جھپٹنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشخیص پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لئے ایک جامع نسخہ شفا بھی تجویز فرمایا جس کا ایک جزء اعتقادی ہے اور دوسرا عملی۔

اعتقادی جزء یہ کہ اس حقیقت کو ہر موقعہ پر مستحضر رکھا جائے کہ اس دنیا میں ہم چند لمحوں کے مہمان ہیں، یہاں کی ہر راحت و آسائش بھی فانی ہے اور ہر تکلیف ومشقت بھی ختم ہونے والی ہے، یہاں کے لذائذ وشہوات آخرت کی بیش بہا نعمتوں اور ابد الآبادکی لازوال راحتوں کے مقابلہ میں کالعدم اور ہیچ ہیں، قرآن کریم اس اعتقاد کے لئے سراپا دعوت ہے اور سینکڑوں جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے، سورۃ الاعلیٰ میں نہایت بلیغ مختصر اور جامع الفاظ میں اس پر متنبہ فرمایا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى﴾ [الاعلیٰ:۱۶،۱۷]

کان کھول کر سن لو! (کہ تم آخرت کو اہمیت نہیں دیتے) بلکہ دنیا کی زندگی کو (اس پر) ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور لازوال ہے۔

اور عملی حصہ اس نسخہ کا یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں مشغول ہوا جائے اور بطور پرہیز کے حرام اور مشتبہ چیزوں کو زہر سمجھ کر ان سے کلی پرہیز کیا جائے اور یہاں کے لذائذ وشہوات میں انہماک سے کنارہ کشی کی جائے، دنیا کا مال واسباب، زن وفرزند، خویش واقرباء اور قبیلہ وبرادری کے سارے قصے زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھ کر صرف بقدر ضرورت ہی اختیار کئے جائیں، ان میں سے کسی چیز کو بھی دنیا میں عیش وعشرت اور لذت وتنعم کی زندگی گذارنے کے لئے اختیار نہ کیا جائے، نہ یہاں کی عیش کوشی کو زندگی کا مقصد اور موضوع بنایا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مایحذر من زهرة الدنیا والتنافس فیها ج:۲ ص:۹۵۱، ط: قدیمی
الصحیح لمسلم، کتاب الزهد ج:۲ ص:۴۰۷، ط: قدیمی.

"ایاك والتنعم ، فان عباداللہ لیسوا بالمتنعمین"(۱)

عیش وتنعم سے پرہیز کرو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

عجیب متضاد طرزِ عمل

تعجب ہے کہ اگر کسی ڈاکٹر کی رائے ہو کہ دودھ، گھی، گوشت، چاول وغیرہ کا استعمال مضر ہے تو اس کے مشورے اور اشارے سے تمام نعمتیں ترک کی جاسکتی ہیں، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور وحی آسمانی کے صاف احکام پر ادنیٰ سے ادنیٰ لذت کا ترک کرنا گوارا نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحابؓ کی زندگی اور معیارِ زندگی کو اول سے آخر تک دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نعمتوں سے دل بستگی سراسر جنون ہے۔ "صحیح بخاری شریف" میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قصہ مروی ہے کہ کچھ لوگوں پر ان کا گذر ہوا، جن کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا تھا، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کھانے کی دعوت دی، آپؓ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ "محمد ﷺ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔"(۲)

مہینوں پر مہینے گذر جاتے مگر کاشانۂ نبوت میں نہ رات کو چراغ جلتا نہ دن کو چولہا گرم ہوتا، پانی اور کھجور پر گذر بسر ہوتی وہ بھی کبھی میسر آتیں کبھی نہیں، تین تین دن کا فاقہ ہوتا، کمر سیدھی رکھنے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے جاتے اور اسی حالت میں جہاد وقتال کے معرکے ہوتے، الغرض زہد وقناعت، فقر وفاقہ، بلند ہمتی وجفاکشی اور دنیا کی آسائش سے بے رغبتی اور نفرت وبیزاری سیرتِ طیبہ کا طغرائے امتیاز تھی، اپنی حالت کا اس "پاک زندگی" سے مقابلہ کرنے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو شرم آنی چاہئے، ہمارے یہاں سارا مسئلہ روٹی اور پیٹ کا ہے اور وہاں یہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ یہ زندگی بالقصد اختیار کی گئی تھی تاکہ آئندہ نسلوں پر خدا کی حجت پوری ہوجائے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ کو منجانب اللہ کیا کچھ نہ دیا جاسکتا؟ مگر دنیا کا یہ ساز وسامان جس کے لئے ہم مرکھپ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر حقیر وذلیل ہے کہ وہ اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو اس سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا، بعض انبیاء علیہم السلام کو عظیم الشان سلطنت بھی دی گئی مگر ان کے زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی وبیزاری میں فرق نہیں، ان کے پاس جو کچھ تھا دوسروں کے لئے تھا، اپنے نفس کے لئے کچھ نہ تھا۔

الغرض یہ ہے "فتنۂ پیٹ" کا صحیح علاج جو انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا، اور اگر انسان "پیٹ کی شہوت" کے فتنہ سے بچ نکلے تو ان شاء اللہ "شہوتِ فرج" کے فتنہ سے بھی محفوظ

---

(۱)مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء ج:۲ ص:۴۴۹، ط:قدیمی

(۲)صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ یاکلون ج:۲ ص:۸۱۴، ط:قدیمی

رہے گا کہ یہ خرمستی پیٹ بھرے آدمی کو ہی سوجھتی ہے، بھوکا آدمی اس کی آرزو کب کرے گا، ان ہی دو شہوتوں سے بچنے کا نام اسلام کی اصطلاح میں ''تقویٰ'' ہے جس پر بڑی بشارتیں دی گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ضعیف مریض کو بقائے حیات کے لئے ہلکی پھلکی معمولی غذا کا مشورہ دیا جاتا ہے اور زبان کے چسکے سے بچنے کی سخت تاکید کی جاتی ہے تاکہ مطلوبہ اعلیٰ صحت نصیب ہو، بس یہی حیثیت اسلام کی نظر میں دنیا کی ہے۔

انسانی مشکلات کا حل صرف اسلام اور اسلامی نظام میں ہے

''بینات'' کے گذشتہ سے پیوستہ شمارے میں مصری حکومت کے نائب صدر جناب حسین شافعی کے ایک مضمون کا ترجمہ دیا گیا تھا، افسوس ہے کہ اس قیمتی مقالے کا ایک اہم قطعہ کتابت واشاعت سے رہ گیا، اس میں صاف اور جلی عنوان سے یہ مضمون تھا کہ ''کمیونزم یا سوشلزم یا کیپٹل ازم، انسانی مشکلات کے حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں، صرف اسلامی نظام ہی اس کا صحیح حل ہے''۔ مصری حکومت میں جہاں کمیونزم اور سوشلزم کا ڈھنڈورا بڑی بلند آہنگی کے ساتھ پیٹا گیا تھا، یہ اعتراف حقیقت بہت ہی قابل قدر اور لائق توجہ ہے، ہمارے یہاں کے ارباب اقتدار کو بھی مصر کے اس تجربہ سے عبرت پکڑنا چاہئے جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہماری منزل مقصود ''اسلامی سوشلزم'' ہے۔ ''بینات'' کے صفحات میں بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام کی ریشمی قبا پر کسی ''ازم'' کے ٹاٹ کا پیوند نہیں لگایا جاسکتا، نہ کسی ''باطل ازم'' کو اس ترکیب سے مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہے۔

قابل تقلید مثال

گذشتہ دنوں شیخ الازہر یہاں تشریف لائے تو ان سے معلوم ہوا کہ حکومت مصر کے نائب صدر اور شیخ الازہر کی تحریک پر قاہرہ میں حفظ قرآن کے لئے ایک انجمن بنائی گئی ہے جس کے ہر فرد پر قرآن کریم حفظ کرنا اور اس کے مطابق زندگی ڈھالنے کی پابندی لازم ہے، ہر شخص کو قرآن کریم کا ایک نسخہ دیا جاتا ہے اور ہفتہ میں کتنا یاد کرنا ہے اس کی نشاندہی کی جاتی ہے، جمعہ کے دن ازہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل تین گھنٹے تک شیخ الازہر اور جناب حسین شافعی نائب صدر حکومت، تجوید کے ساتھ عوام سے قرآن سنتے ہیں اور آئندہ ہفتہ کے لئے مقدار حفظ کی نشاندہی کرتے ہیں، سبحان اللہ! مصر کی سرزمین اور یہ نظام؟ اللہ تعالیٰ ہمارے ارباب اقتدار اور علماء ومشائخ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ - جون ۱۹۷۴ء]

سب سے بڑا فتنہ حب دنیا

عصر حاضر کا سب سے بڑا فتنہ دنیا کی محبت ہے دنیا سے میری مراد عام ہے دولت وثروت ہو، جاہ و منزلت ہو، شہوات ولذائذ ہوں، راحت وآسائش ہو، بود و باش ہو، غرض معاشرت ومعیشت کا کوئی شعبہ بھی ہو، غیر شعوری طور پر اس کی رغبت ہوتی ہے، اس کے لئے محنت کی جاتی ہے، ان چیزوں کو قرآن وحدیث میں ''متاع دنیا'' کہا گیا ہے اور جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لئے عام ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، حلال ہوں یا حرام ہوں اور جب یہ حالت ترقی کر جاتی ہے تو پھر اس کے حصول کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بے حیائی، بے رحمی ناانصافی سب آجاتی ہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت مسخ ہوجاتی ہے اور حقائق معکوس ہوجاتے ہیں، صحیح کو غلط سمجھنے لگتا ہے اور غلط کو صحیح، حق کو باطل اور باطل کو حق، حق تعالیٰ کا ارشاد صادق آجاتا ہے ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ [الحج:٤٦] یعنی سر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، دل کی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔ اس لئے حدیث نبوی میں یہ ارشاد ہے کہ ''حب الدنیا رأس کل خطیئة''(١) یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، بہرحال حب دنیا کا فتنہ اتنا عالمگیر ہوگیا ہے کہ ہر شخص پر کچھ نہ کچھ اثر اس کا پڑتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ پھر نفس کی ان خواہشات کو شیطان لعین ہوا دیتا ہے، اس کی اہمیت ومعقولیت طبیعت میں راسخ کرتا ہے ﴿وزين لهم الشيطان أعمالهم﴾ کہ شیطان ان کے کاموں کو ان کے لئے خوبصورت وآراستہ کرتا ہے۔ جب نفس وشیطان کا پورا استیلا ہوجاتا ہے تو انسان اچھا خاصا حیوان بن جاتا ہے، اس کے لئے شراب نوشی، بدکاری، بے حیائی، عریانی وفحاشی سب میں انتہائی جاذبیت پیدا ہوجاتی ہے، اناللہ۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اس صورت حال میں اگر بدقسمتی سے انسان خدا فراموش ماحول میں پہنچ جاتا ہے جہاں کی دنیا یہی ہو، جہاں قدم قدم پر یہ روح فرسا منظر ہوں، دل دماغ پر نفس وشیطان کا سحر اثر کر گیا ہو، ہر وقت متاع دنیا کی ہوس سوار ہو تو معاملہ مایوس کن مرحلہ میں داخل ہوجاتا ہے یا انسان کسی ایسی مملکت میں سکونت پذیر ہو کہ حکومت کی خواہش یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات خدا فراموش زندگی اختیار کرے، ہر بے حیائی کی حوصلہ افزائی ہو، تھیٹر، سینما، ٹی وی اور فواحش منظر ہوں، تعلیم ہو تو مخلوط ہو، اجتماعات ہوں تو مشترک ہوں، اس دردناک صورت حال میں کیا کوئی خیر کی توقع باقی رہ سکتی ہے؟

یہ تو عملی فتنوں کی حالت ہے اگر اس پر مستزاد علمی فتنے بھی شامل ہوں مثلاً سیرت ہو تو فرائیڈ کی، تاریخ ہو تو ہیگل ومارکس اور لینن کی، نہ ذکر وعبادت کی فکر ہو نہ تقویٰ کا خیال ہو، ظلمات بعضها فوق بعض، اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو خیر کی کیا امید؟

---

(١) مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، الفصل الثالث ص: ٤٤٤، ط: قدیمی

آج کل اکثر اسلامی ممالک کی یہی صورت حال ہے مال دولت کی فراوانی نہیں بلکہ سیلاب ہے، مال ودولت کی فراوانی کے جولوازم ہیں یعنی عیش پرستی، اسراف وتبذیر، کروفر نخوت وغرور کا وہ عالم کہ الاماں والحفیظ، افسوس کہ فقر وتنگدستی میں ان کا ایمان محفوظ رہا اور انسانی اخلاق وملکات قائم رہے لیکن اس پرآشوب صورت نے توان کی کایا پلٹ دی، نہ معلوم یہ سیلاب کہاں رکے گا اور کیسے رکے گا؟

خدافراموشی کا نتیجہ!

آج بیروت کا خوبصورت شہر اور لبنان کے علاقے کیوں جہنم کدہ بنے ہوئے ہیں؟ عبرت کا مقام ہے، عیاشی وبدمعاشی، بے حیائی وعریانی، غرض فواحش ومنکرات کے قبیل کی کون سی چیز ہے جس کا وجود وہاں نہ ہو؟ آخر نام اسلام کا ہو اور تمام کام کفر کے ہوں یہ نفاق حق تعالیٰ کے یہاں برداشت نہیں۔ مانا کہ اس عذاب کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں لیکن تکوینی اسباب اور ظاہری اسباب میں تعارض نہیں ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں لیکن باطنی اسباب کچھ اور ہوتے ہیں، ہم بینات کے ''بصائر وعبر'' کے صفحات میں بارہا یہ عبرت انگیز تلخی آمیز حقائق وانشگاف بیان کر چکے ہیں، ولكن لا حياة لمن تنادی (تم جس کو پکار رہے ہو وہ موت کی نیند سو چکا ہے) کون سنتا ہے؟ نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، نہ معلوم کہ دنیا کو یہ جنون کیوں سوار ہے؟ ہوش کیوں نہیں آتا؟ ''حیات طیبہ'' پاکیزہ زندگی کی برکات کا کیوں احساس نہیں ہے؟ دنیا کی اس خدافراموش زندگی کا پہلا نتیجہ اضطرابِ قلب ہے، چنانچہ آج دنیا سے سکون مفقود ہے، دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ قابل اہمیت نعمت سکون قلب ہے اگر یہ حاصل ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ تمام باغ وبہار ہیچ ہے، اگر غور کیا جائے تو انسان اس یقین تک پہنچ سکتا ہے کہ پاکیزہ زندگی کے ذریعہ دنیا بھی جنت ہے اور خدافراموش زندگی میں دنیا جہنم ہے ﴿و ان جهنم لمحيطة بالكافرين﴾ کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ بلاشبہ اگر دنیا کو آخرت کی نعمتوں کا ذریعہ بنایا جائے تو دنیا دنیا نہیں ہوگی بلکہ یہی دنیا آخرت بن جائے گی اور ہر لمحہ اجر وثواب نصیب ہوگا اور اسی لئے حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ''لا تسبوا الدنيا'' یعنی دنیا کو برا مت کہو۔ اس کی مراد یہی ہے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ اور کھیتی ہے، اگر یہ دنیا نہ ہو تو آخرت کی نعمتیں کیوں کر حاصل ہوں گی؟ دنیا ہی کے ذریعہ آخرت کی تمام نعمتیں حاصل ہوسکتی ہیں ہاں اگر دنیا کا مقصد صرف دنیا کی نعمتیں ہیں تو پھر دنیا لعنت ہی لعنت اور غضب ہی غضب کی مستحق ہے اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے جو جامع ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے:

''الدنيا ملعونة، معلون مافيها الا ذكر الله أو ما والاه أوعالم أو متعلم''(۱)

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا علی الله عزوجل ج:۲ ص:۵٦، ط: فاروقی کتب خانه. سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب مثل الدنیا ص:۳۰۲، ط: قدیمی

کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے تمام لعنت کے مستحق ہیں، بجز چار چیزوں کے:

① حق تعالیٰ کی یاد، اور یاد الٰہی کے حکم میں ہر پاکیزہ زندگی ہے
② اور جو چیز دنیا کی اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، یعنی عمل صالح، عبادات اور مکارم اخلاق وغیرہ
③ عالم اور علمی زندگی
④ علم دین حاصل کرنے کی زندگی۔

یہ چار چیزیں گویا آخرت کی نعمتیں ہیں اگرچہ دنیا میں ہیں۔ ان چار چیزوں کو اگر نکال دیا جائے تو دنیا ملعون ہے قابل لعنت ہے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

یہ میں نہیں کہتا ہے کہ یکسر دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کی جائے، نہیں! ہرگز نہیں! تجارت، زراعت، کسب حلال، حصول نفقہ اور صحیح معاشرہ کے تمام وسائل یہ سب کچھ عین دین ہے۔ ان چیزوں کا مقصد اگر صحیح ہے تو یہ سب چیزیں دنیا نہیں بلکہ آخرت کی ہیں اور باعث اجر وثواب ہیں، شریعت ان چیزوں پر پابندی نہیں لگانا چاہتی ہے بلکہ ان کا رخ صحیح کرنا چاہتی ہے، مقصد کی اصلاح کرنا چاہتی ہے، اس طرح تمام دنیا آخرت کی زندگی بن سکتی ہے، اگر تمام زندگی عبادت میں گذار دے اور تمام اوقات درس وتدریس میں یا وعظ وتبلیغ میں گذارے لیکن مقصد جاہ ومنزلت ہو یا حصول مال ودولت ہو تو یہ ساری چیزیں دنیا بن جاتی ہیں، الغرض ایک گناہ ہی ایسی چیز ہے کہ حسن نیت سے طاعت نہیں بن سکتی ہے، باقی تمام دنیا کی جائز وحلال چیزیں حسن نیت سے آخرت کے حکم میں داخل ہوسکتی ہیں، صالحین امت کے لئے دنیا جنت ہے، فاسقین کے لئے یہ دنیا بھی جہنم ہے، میرا مقصد کوئی وعظ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے ذرا بھی عقل دی ہو اور وہ ذرا بھی عقل سلیم کے تقاضے کو پورا کرے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہوجائے گی، حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عجیب وغریب اسلوب سے دنیا کی اس حقیقت کو مختلف مقامات میں بیان فرما کر ارباب عقول پر اپنی حجت پوری کردی ہے، آج کل جو کچھ اضطراب اور پریشانی کا نقشہ دنیا میں نظر آرہا ہے، یہ سب کچھ حب دنیا کے ثمرات ہیں، کاش مسلمان قرآن کریم کا ہی ترجمہ سمجھتے اور تدبر سے تلاوت کرتے تو یہ داشگاف حقائق الٰہیہ ان کے سامنے آتے، لیکن آج مسلمانوں کو اخبار بینی، ریڈیو اور ٹی وی سے فرصت کہاں ملتی ہے؟ بہت کچھ تیر مارا تو ریڈیو پر اسلامی زندگی کا کچھ مضمون خاص سانچے میں ڈھلا ہوا سن لیا اور سمجھ لیا کہ بس بہت کچھ درس حاصل ہوگیا، کاش مسلمانوں کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے اس پیغام سے ہوتا اور سمجھ کر بغور تلاوت نصیب ہوتی تو مسلمانوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، قرآن کریم عظیم ترین نعمت ہے، یہ وہ ذکر اللہ ہے جس کے ذریعہ ایمان میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور جس سے قلب وروح کو غذا ملتی ہے، دماغ کی تربیت ہوتی ہے، زندگی کی اصلاح ہوتی ہے۔ ''ہم خرما وہم ثواب'' والی صورت ہے، لیکن مرض موجود ہو اور مرض کا علاج نہ ہو بلکہ مرض ہی کو صحت سمجھ لیا جائے تو شفاء کیوں کر ہوگی؟ بد پرہیز مریض کا انجام بجز ہلاکت اور کیا ہوسکتا ہے؟ زہر کو

تریاق سمجھ کر استعمال کرنے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے، حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور حق بات سننے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس پر عمل کی مزید توفیق ہو، اور ان مختصر اشارات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو۔ آمین۔

| صفر المظفر ۱۳۹۶ھ - مارچ ۱۹۷۶ء |

قرآن کریم - دین و دنیا کی کامرانیوں کا کفیل

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم الشان نعمت ہے جو دین و دنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کی کفیل ہے۔ نزولِ قرآن کے بعد فلاح و نجاح، مجد و شرف قرآن ہی سے وابستہ کیا گیا ہے جو قوم اس کتاب عظیم پر عامل ہوگی وہ دین و دنیا کی بلندیوں پر سرفراز ہوگی، اس کے برخلاف جو قوم اس سے اعراض کرے گی وہ آخرت کی ذلتوں اور نکبتوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی عزت اور اقتدار سے محروم ہوگی، صحیح مسلم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً و يضع به آخرين"(١)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ قوموں کو سربلند کرتا ہے (یعنی جو عمل کریں) اور قرآن کریم کے ذریعہ قوموں کو گراتا ہے۔ (یعنی جو عمل نہ کریں)

مسند دارمی اور جامع ترمذی میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی شرح و تفسیر ہے اس کا ماحصل درج ذیل ہے:

> "اس دنیا میں فتنے آئیں گے، ان فتنوں سے محفوظ رہنے کا راستہ صرف قرآن حکیم ہے، قرآن حکیم میں پچھلی امتوں کے عبرت آموز واقعات ہیں، اسی طرح آئندہ آنے والے واقعات کی نشان دہی، اس کتاب حکیم میں فیصلہ کن صحیح ترین احکام الٰہی ہیں جو جابر حکومت اس قرآن کو چھوڑے گی وہ تباہ ہو جائے گی، جو لوگ قرآن حکیم کے علاوہ کسی اور جگہ رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچیں گے۔
>
> قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اس میں حکیمانہ نصائح ہیں اور یہی صراط مستقیم ہے، یہ کتاب عظیم اھواء انسانی کے زیغ و ضلال سے بالاتر ہے، (اسی طرح) انسانی زبانوں کی تلبیسات سے برتر ہے، اہل علم اس کے علوم و معارف سے کبھی سیر نہیں ہوں گے، پڑھنے والا بار بار پڑھنے سے کبھی نہیں اکتائے گا۔ بار بار پڑھنے سے اس کے حقائق پرانے نہیں ہوتے اور اس کے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہونے پاتا، جنات نے قرآن سننے کے

---

(١) الصحيح لمسلم، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه ج:١ ص:٢٧٢، ط: قديمي

بعد اعتراف کیا:

> ہم نے تو عجیب قرآن سنا جو رشد وہدایت کا راستہ بتلاتا ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ [الجن: ۱] اس قرآن پر جس نے یقین کیا وہی سچا ہے، جس نے عمل کیا وہ اجر کا مستحق ہے، جس نے اس پر فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف اختیار کیا، جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی"۔ (۱)

ان حکیمانہ حقائق سے لبریز کلمات نبوت نے کیا کسر چھوڑی ہے؟ کیسی وضاحت اور صراحت سے بتلایا گیا کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے پر کیا کیا ثمرات مرتب ہوں گے اور اس سے روگردانی کے کیا کیا عواقب حاصل ہوں گے، پھر اس کتاب مقدس کے مقام رفیع کو کس طرح واضح کیا گیا کہ یہ قرآن کریم رشد وہدایت، علوم وحقائق کا سرچشمہ ہے، اسی کے قوانین میں سعادت وخیر موجود ہے اس کے سوا خودساختہ قوانین خواہ یورپ وامریکہ کے ہوں یا روس اور اس کے ہمنواؤں کے وہ سراپا زیغ وضلال ہیں، ان پر عمل کرنا خسران وذلت کو دعوت دینا ہے۔

کاش! ہماری اسلامی حکومتیں آنکھیں کھولیں اور حقائق نبویہ پر عمل پیرا ہوں، یہ حکومتیں آج جس ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں اور اس کے نتیجہ میں ذلت آمیز تعلقات ومعاہدات پر مجبور ہیں اگر یہ حکومتیں قرآنی تعلیمات کو اپنا نصب العین بنالیں تو ان کی زندگیوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوجائے اور ذلت آمیز قومی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے۔

(۲)

حکومت جمہوریہ عربیہ متحدہ لائق ستائش ہے کہ اس نے ماہ رمضان المبارک میں جو نزول قرآن کا یادگار مہینہ ہے ممالک اسلامیہ میں گیارہ سو مصری قراء کو بھیجا تاکہ ہر جگہ مساجد میں تراویح کے بعد قرأت کی محفلیں آراستہ ہوں اور مسلمان وجد آفرین تلاوت قرآن سے محظوظ ہوں، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر قراء کرام کو دور دراز ملکوں میں بھیجنا اور مصارف سفر برداشت کرنا، پرتکلف ہوٹلوں میں ٹھہرانا ایک چھوٹی سی حکومت کے لئے قابل صد تحسین ہے، پاکستان میں بھی دو ممتاز قاری پہنچ چکے ہیں، ایک تو شیخ القراء الشیخ محمود خلیل حصری ہیں اور دوسرے الشیخ احمد الایاتی ہیں، سنا ہے کہ فی کس دو دو ہزار پونڈ سفرخرچ اور حق الخدمت کے طور پر حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔

حکومت متحدہ عربیہ کا یہ جذبہ قابل قدر ہے، رقاصات اور مغنیات کو خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے باہر دوسرے ملکوں میں بھیج کر زرمبادلہ خرچ نہیں کیا گیا بلکہ دینی روح اور جذبہ ایمانی ابھارنے کے لئے قاریوں کو

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن ج:۲ ص:۱۱۸، ط: قدیمی۔
سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن ج:۲ ص:۵۲۶، ط: دار الکتاب العربی بیروت

بھیجا گیا، کاش! اس قسم کی خدمات سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہوں اور محض دینی سطح پر ہوں، ہمیں تو بہر حال حسن ظن ہی رکھنا چاہئے دوسرے ممالک اسلامیہ کو اس سلسلہ میں حکومت متحدہ عربیہ کی مثال سامنے رکھتے ہوئے تبلیغ دین اور اسلامی روابط کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لئے وفود بھیجنا چاہئے۔

غالباً فروری ۱۹۶۷ء میں پاکستان میں بین الاقوامی طرز پر محفل قرأت کا انتظام ہو رہا ہے، حکومت پاکستان اس سلسلہ میں جو حصہ لے سکتی ہے وہ یہ کہ اس کے مصارف ارباب ثروت سے چندہ لینے کے بجائے خود برداشت کرے، اس طرح بعض افسوسناک واقعات کا اعادہ بھی نہ ہو اور حکومت کی ایک نیک کام میں شرکت مسلمانوں کے نزدیک قابل ستائش ہو۔

بہر حال جو کچھ کیا جا رہا ہے اور سوچا جا رہا ہے اس کی افادیت سے انکار نہیں لیکن اصل میں جو کام کرنے کا ہے اس سے اسلامی حکومتیں نہ صرف غافل بلکہ معاند ہیں، اصل کام قرآنی زندگی ہے، قرآنی حکومت بنانے کی تدبیر ہے، قرآنی احکام نافذ کرانے ہیں، قرآنی ارشادات کے مطابق معاشرے کی اصلاح کرنی ہے، قرآنی حدود و تعزیرات جاری کرانے ہیں تاکہ اسلامی حکومتیں بنیں اور قانون الٰہی پر عمل کرانے کی برکات سے بہرہ مند ہوں اور دین و دنیا کی سعادتوں سے سرفراز ہوں اور ہر طرح کی فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوں، دنیا کی زندہ قوموں کی صف میں شمار ہوں اور آخرت میں حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق بنیں۔

صحیح اسلامی روح تو قرآنی زندگی سے ہی پیدا ہوگی لیکن افسوس صد افسوس کہ اسلامی مملکتوں میں صحیح اسلامی روح کو کچلا جا رہا ہے، سوچئے اور بار بار سوچئے کہ ان اسلامی ملکوں میں قرآن اور اسلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے، قدم قدم پر حیا سوز مظاہر ہیں فواحش و منکرات کا سیلاب امڈ رہا ہے، اباحیت و الحاد اور نفاق کے منحوس سائے متحرک ہیں، کیا اس صورت میں یہ حکومتیں اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق ہیں، مصر ہو یا شام، پاکستان ہو یا افغانستان جب تک اسلامی قوانین اساس و بنیاد نہیں بنیں گے ان میں سے کوئی بھی صحیح معنی میں اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق نہیں ہوگا البتہ ان کو مسلم حکومتیں کہا جا سکتا ہے۔

[شوال ۱۳۸۶ھ۔ فروری ۱۹۶۷ء]

امت محمدیہ اور قرآن کریم

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتحیات کی نجات و سعادت دارین کا ایک نسخہ ''قرآن عظیم'' ہے یعنی قرآن کریم پڑھنا پڑھانا اور اس پر عمل کرنا، اس قرآن کریم ہی کے ذریعہ اس امت کے پہلے دور کی اصلاح ہوئی ہے اور اس آخری دور کی اصلاح بھی بغیر اس کے ناممکن ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے، جیسے کہ ''الریاض النضرۃ'' میں محب طبری نے نقل کیا ہے:

”لن يصلح آخر هذه الأمة الا ما أصلح أولها“(١)

معلوم ہوا تھا کہ حکومت سعودیہ میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کے حفظ وتجوید کے مدارس مساجد میں عوامی سطح پر قائم ہونے شروع ہوگئے ہیں اور اس کا سہرا بھی ہمارے محترم شیخی محمد یوسف صاحب پاکستانی کے سر ہے کہ اس کے محرک موصوف ہی بنے ہیں ان حضرات کی حوصلہ افزائی کے لئے میں نے ایک مکتوب مکہ مکرمہ لکھا تھا جس میں خلفاء راشدین ثلاثہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی روایات میں سے تین مرفوع حدیثیں کتب حدیث سے نقل کی تھیں اور ان سے واضح نتائج نکالے تھے، معلوم ہوا کہ اس مکتوب کی ان حضرات نے بڑی قدر کی اور ٹائپ کرواکر مختلف جہات میں (سرکاری اداروں) تک بھیجا، احباب کی خواہش تھی کہ ناظرین ''بینات'' کے لئے بھی اس مکتوب کو شائع کیا جائے تاکہ ہمارے حکمران طبقے بھی اس پر غور فرماسکیں اور مسلمانوں کے مکتبوں میں جو ''قرآنی خدمت'' انجام دی جارہی ہے اس کی قدر کرسکیں، والله سبحانه ولی كل توفيق وسعادة۔

مکتوب بنام صدر واراکین انجمن اشاعت حفظ قرآن عظیم مکہ مکرمہ (صانهاالله)

الى حضرة رئيس جمعية تحفيظ القرآن الكريم بمكة المكرمة وأعضائها حفظهم الله ورعاهم، تحية وسلاماً.

وبعد، فقد أنبئت أنه انعقدت جمعية تحفيظ القران الكريم فى مكة وربوع الحجاز المقدس وفعلاً قد طال فروعها، فقد زاد سروری وطمانينتی بأن المملكة وأهلها تشملهم العناية الربانية و يزداد بذلك مجدها وعزتها وهناك أحاديث ثلاثة:

١-فحديث عثمان رضى الله عنه أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:”خير كم من تعلم القرآن وعلمه“.(٢)

دل على أن كل أمة قامت بنشر القرآن تعليماً وتعلماً هو خيرأمة، فى لسان الرسول صلى الله عليه وسلم وأن هذه الخدمة قد فاقت كل خدمة دينية مهما كانت عظيمة وان خيرالأمة وظيفتها ومنصبها تعليم القرآن وتعلمه وبذلك تستحق هذا اللقب الجليل.

---

(١)الرياض النضرة فى مناقب العشرة،الباب الثانى فى مناقب امير المومنين ابى حفص عمربن الخطاب،ذكر وصف على له بماياتاهل معه للخلافة ج:٢ص:٤٠٢،ط:دارالكتب العلميه بيروت

(٢)صحيح البخارى،كتاب فضائل القرآن، باب خير كم من تعلم القرآن وعلمه ج:٢ص:٧٥٢، ط:قديمى

۲- وحديث عمر الفاروق رضى الله عنه أنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ان الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً و يضع به آخرين"(۱)

قد دل على أن كل أمة قامت بتعاليم القرآن يرفع الله علمها ويحفظ كيانها ومجدها وعزتها وأن كل أمة قد انقطعت صلتها بالقرآن خابت وخسرت وهانت وذلت.

۳-وحديث على رضى الله عنه أنه قال:

"أما انى سمعت رسول الله صلى الله يقول: ألاانها ستكون فتنة، قلت: ما المخرج منها يارسول الله؟ قال:كتاب الله، فيه نبأماقبلكم وخبرما بعدكم وحكم مابينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله، ومن ابتغى الهدى فى غيره أضله الله، وهوحبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم، هو الذى لا تزيغ به الاهواء ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق من كثرة الرد، ولا ينقضى عجائبه هو الذى لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا: ﴿انا سمعنا قرآناً عجباً يهدى الى الرشد فآمنا به﴾ من قال به صدق ومن عمل به أجر ومن حكم به عدل، ومن دعا اليه هدى الى صراط مستقيم" (۲)

يدل على أن أكبر فتنة أن تحرم الأمة عن نورالايمان والاسلام، و أن سبب النجاة والعصمة ليس الا القرآن الكريم والتمسك به والاعتصام به، و يدل على أن كل دولة اسلامية لم تتمسك بالقران الكريم لا أنها خابت وخسرت فقط بل تصاب بالبواروالدمار والذلة والهوان، والعياذبالله.

فأمام هذه الأحاديث وأمثالها نثق والحمد لله، على أن تلك الحركة فى البلاد العربية المقدسة فاتحة خير وطليعة سعادة و بشائر رحمة وتباشير مجدوعزة وازدهار.

نسأل الله سبحانه أن يديم هذه الحركة و يستمرفى ربوع المملكة نشاطها، و تزيد شعبها وفروعها، وتستفيد منها أبناؤها وتستثمر أفنانها وأغصانها لكى تعيش الأمة العربية فى هناء وسعادة ترفرف عليها أعلام المجد والمفخرة، فأهنئ القائمين بهذا الأمر والساعين فى سبيله خير تهنئة من أعماق قلبى ،والله سبحانه ولى كل توفيق وكل نعمة وهو حسبنا ونعم الوكيل ،والسلام.

محمد يوسف البنورى
عميد المدرسة العربية الاسلاميه
وخادم الحديث النبوى بهاكراتشى رقم٥

---

(۱)الصحيح لمسلم،كتاب فضائل القرآن،باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه ج:۱ ص:۲۷۲، ط: قديمى

(۲) سنن الترمذى،ابواب فضائل القرآن،باب ماجاء فى فضل القرآن ج:۲ ص:۱۱۸ ،ط: قديمى

انجمن حفظ قرآن کریم مکہ مکرمہ کے صدر محترم اور معزز اراکین کے نام!

اسلامی تحیہ اور سلام مسنون!

مجھے بتلایا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس کے دوسرے خطوں میں حفظ قرآن کریم کی ایک انجمن کی تشکیل کی گئی ہے اور اب اس کی شاخیں دور دور تک پھیل چکی ہیں (اور نہایت سرگرمی سے کام ہو رہا ہے) میری مسرت واطمینان میں یہ معلوم کر کے مزید اضافہ ہوا کہ توفیق ربانی حکومت سعودیہ عربیہ اور اراکین سلطنت کے بھی شامل حال ہے (کہ وہ اس تنظیم کی سرپرستی کر رہے ہیں) اور یہ توجہ اور سرپرستی حکومت کی عزت وعظمت میں ترقی واضافہ کا باعث بن رہی ہے۔

اس سلسلہ میں تین اہم احادیث (غور وفکر اور خوشخبری کی غرض سے) آپ کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

① ایک خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: تم میں سب سے بہتر وہ (شخص یا جماعت) ہے جو خود قرآن کا علم حاصل کرے اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

اس حدیث میں اس امر کی بشارت ہے کہ جو قوم قرآن عظیم کی تعلیم (پڑھنے پڑھانے) کی اشاعت میں سرگرم ہوگی وہ لسان نبوت (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی تصدیق کے مطابق بہترین قوم ہے اور یہ تعلیم وتعلم قرآن کی خدمت بڑی سے بڑی دینی خدمت پر بھی فوقیت رکھتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ اسلام میں بہترین امت کا امتیازی فریضہ اور منصب ''تعلیم وتعلم قرآن عظیم'' ہے اور اسی فریضہ کی بنا پر وہ اس عظیم لقب (بہترین قوم) کی مستحق ہوتی ہے۔ (خلافت راشدہ خصوصاً شیخین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے زرین عہد خلافت اس کے شاہد ہیں)

② دوسری حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

بے شک اللہ تعالیٰ شانہ اس کتاب الٰہی کی تعلیم وتعمیل اور اتباع کے ذریعہ بہت سی قوموں کو (دینی ودنیاوی) رفعت وعلو مرتبت کے اعلیٰ مقام پر پہنچائے گا اور بعض قوموں کو اسی کتاب کو (پس پشت ڈال دینے) کی بنا پر ذلت اور پستی کے گڑھے میں ڈال دے گا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ جو قوم قرآن عظیم کی تعلیمات کو دنیا میں قائم کرے گی (اس کو اپنا نصب العین بنائے گی) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی عظمت وشوکت کے جھنڈوں کو بلند سے بلند تر فرمائیں گے اور اس کے قومی وجود واستحکام اور (اقوام عالم میں) اس کی عزت وعظیمت کی حفاظت

فرمائیں گے اور جس قوم کا رشتہ قرآن سے ٹوٹ جائے گا (اور وہ قرآنی تعلیمات سے صرف نظر کرے گی) وہ ذلیل وخوار اور تباہ و برباد ہو جائے گی۔

③ تیسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں:

(مسلمانو) سن لو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحیِ ترجمان سے سنا ہے، آپ ارشاد فرما رہے تھے: آگاہ ہو جاؤ! عنقریب عظیم فتنوں کا دور آنے والا ہے،’’ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ان سے نکلنے اور بچنے کا راستہ کیا ہے؟ (وہ بھی تو بتلایئے) آپ نے ارشاد فرمایا: ’’کتاب اللہ (قرآن عظیم) ہے اس کتاب الٰہی میں تم سے پہلی امتوں کے (عبرت آموز) اخبار وواقعات موجود ہیں اور تمہارے بعد آنے والی قوموں کی (سبق آموز عواقب کی) خبریں اور علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں، اس کتاب آسمانی میں تمہارے درمیان (پیدا ہونیوالے) اختلافی امور کے واضح احکام بھی موجود ہیں یہ قطعی اور فیصلہ کن ’’اللہ کا کلام‘‘ ہے، ہنسی دل لگی کی داستان نہیں ہے، جس (شخص یا قوم) نے اس کو از راہ تحقیر ٹھکرایا اللہ اس کی کمر توڑ ڈالے گا اور جو کوئی اس کے علاوہ کسی اور دستور وآئین سے رہنمائی حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (دنیا وآخرت دونوں) میں گمراہ کر دیں گے۔ (یاد رکھو) یہی کلام الٰہی اللہ تعالیٰ کا مضبوط و پائیدار رشتہ ہے اور یہی (حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل) حکیمانہ ذکر (یادداشت) ہے، اور یہی سیدھا راستہ ہے اور یہ وہ (محکم و واضح قانون قدرت) ہے کہ نہ انسانی اغراض وخواہشات اس میں کوئی کجی پیدا کر سکتی ہیں اور نہ انسانی زبانیں اس کی تعبیر وتشریح میں کوئی شک وشبہ ڈال سکتی ہیں (تحریف وتلبیس کر سکتی ہیں) اور نہ (حقائق کے متلاشی) علماء (اس کے علوم سے) کبھی (بھی اور کسی بھی زمانہ (اور ملک میں) سیر (اور مستغنی) ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کثرت استفادہ (اور تفکر وتدبر کی زیادتی سے (کسی بھی زمانہ اور ظرف واحوال میں) کہنہ (از کار رفتہ اور ناقابل عمل) ہو سکتا ہے اور نہ اس کے عجائبات (نو بنو انکشافات) کبھی ختم ہو سکتے ہیں اور یہ تو وہ کلام الٰہی ہے کہ جن جیسی (سرکش اور ناری) مخلوق بھی اس کو سنتے ہی بیساختہ یہ کہنے سے باز نہ رہ سکی کہ ’’بے شک ہم نے تو ایک عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو نیکی اور بھلائی کی (واضح اور قطعی) رہنمائی کرتا ہے اسی لئے ہم اس پر ایمان لے آئے۔‘‘ (یاد رکھو) جس (شخص یا قوم) نے (صدق دل سے) اس پر اعتقاد رکھا (اور ایمان لایا) وہ سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کیا وہ (یقینا دنیا وآخرت میں) اجر وثواب کا مستحق ہوا، اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے (یقینا) عدل وانصاف (قائم) کیا اور جس نے اس کی تعلیم وتعلم (عمل کی) طرف (مخلوق کو) دعوت دی (سمجھ لو) اس کو صراط مستقیم کی ہدایت کر دی گئی۔

یہ حدیث ہمیں واضح طور پر بتلاتی ہے کہ اسلام میں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ملت مسلمہ ایمان واسلام کے نور سے محروم ہو جائے اور اس فتنے (اور اس کے نتیجہ میں دوسرے تمام فتنوں) سے نجات حاصل کرنے اور محفوظ رہنے کا واحد راستہ قرآن کریم اور اس کو دانتوں سے پکڑ لینے اور اس کی علماً وعملاً پابندی کرنے کے سوا اور کوئی نہیں

ہے۔ نیز یہ حدیث اس پر بھی قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی بھی اسلامی حکومت قرآن کریم کو دانتوں سے نہ پکڑے گی نہ صرف یہ کہ وہ (فوز وفلاح سے) محروم ہوگی اور خسارہ میں پڑے گی بلکہ قطعی ہلاکت وتباہی اور ذلت وخواری اور رسوائی کا نشانہ بنے گی، خدا کی پناہ۔

لہٰذا ان تینوں حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کو پورا وثوق واعتماد ہے کہ مقدس عرب ممالک میں اس تحریک "حفظ وتعلیم قرآن کا ظہور وعروج" حکومت سعودیہ کے لئے ایک خوش آئند آغاز اور سعادت وخوش بختی کا پیش خیمہ ہے اور گوناگوں (خداوندی) رحمت کی بشارت ہے اور عزت وعظمت اور شوکت وجلالت کی صبح صادق کی آفاق عالم میں پھیلنے والی روشنی ہے۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس تحریک کی سرگرمی برابر قائم ودائم رکھے، اور مملکت سعودیہ کے علاقوں میں یہ تحریک برابر جاری وساری رہے اور اس کی شاخوں اور شعبوں میں روز افزوں اضافہ ہو اور امت عربیہ کی نسلیں اس سے مستفید ہوتی رہیں اور یہ تحریک زیادہ سے زیادہ بارآور ہو تاکہ عرب قوم سعادت وخوشحالی کی زندگی عظمت وفخر کے جھنڈوں کے زیر سایہ بسر کرتی رہے۔ آخر میں اس انجمن کے بانی اور تحریک کو چلانے والے عہدیداران، اراکین اور کارکنوں کی خدمت میں تہنیت اور عقیدت کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہر توفیق خیر اور ہر نعمت کے متولی ہیں اور وہی ہمارے لئے کافی ہیں اور بہت اچھے کارساز ہیں۔

والسلام۔

محمد یوسف بنوری
مہتمم واستاذ حدیث
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵
جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ، اکتوبر ۱۹۶۵ء

اسلام میں سنت اور حدیث کا مقام

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين
وعلى آله وأصحابه أجمعين.

اما بعد! حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وحی آسمانی کا سلسلہ جاری فرمایا، اس کے لئے جن برگزیدہ نفوس قدسیہ کا انتخاب فرمایا، اسلامی زبان میں انہیں انبیاء ورسل کہتے ہیں، ان مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عصمت" کی ضمانت دی جاتی ہے یعنی ان کا ہر قول وفعل شیطانی تسلط اور نفسانی خواہش سے پاک ہوتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم:٣،٤]

اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، وہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ان کی صداقت وحقانیت کو قطعی دلائل وشواہد سے ثابت کیا جاتا ہے تا کہ مخلوق پر حجت قائم ہو اور وہ پوری طرح یقین واطمینان کے ساتھ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کر سکیں، انہی دلائل کا نام ''معجزات'' و''بینات'' ہے، ان کی نبوت ورسالت، ان کی صداقت وحقانیت اور ان کی عصمت وضمانت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی اطاعت تمام انسانوں کے لئے فرض ہوجاتی ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّالِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [النساء:٦٤]

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

الغرض آسمانی ہدایت کا اصل منبع وہ ربط وتعلق ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کا بارگاہ قدس سے قائم ہوتا ہے اور جسے نبوت ورسالت سے تعبیر کیا جاتا ہے انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے برابر پیغامات دیئے جاتے ہیں، پیغام رسانی کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی براہ راست، جس فرشتہ کو اس کے لئے منتخب فرمایا گیا ہے ان کا نام جبریل ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْياً اَوْمِنْ وَّرَائِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ
رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهِ مَايَشَاء﴾ [الشوریٰ:٥١]

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ، مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچا دے اس کے حکم جو وہ چاہے۔

منبع وحی

یہ پیغام عام طور سے کسی صحیفہ یا کتاب کی صورت میں نہیں بلکہ فرشتہ کی زبانی یا القاء فی القلب کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی اس پیغام کو الفاظ کی صورت میں منضبط کر کے بھیجا جاتا ہے جسے ''صحیفہ'' یا ''کتاب'' کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور تورات، زبور، انجیل، قرآن کریم چار مشہور کتابیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے اور صحیفوں اور کتابوں کی تعداد نہایت قلیل، اس سے صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ وحی صرف کتاب یا صحیفے میں منحصر نہیں بلکہ نبی ورسول کی ذات گرامی منبع وحی ہے، امت کے لئے جس طرح کتاب واجب القبول اور واجب الاتباع ہے ٹھیک اسی طرح نبی ورسول کا ہر حکم وارشاد اور ہر قول وفعل امت کے لئے حجت اور واجب الاتباع ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ کتاب بعد کی امت تک قطعی ذرائع سے پہنچتی ہے اس لئے اس کے احکامات کا ثبوت قطعی ہوتا ہے اور بقیہ پیغامات کبھی تواتر یا عملی توارث جیسے قطعی ذرائع سے پہنچتے ہیں اور کبھی وہ ذرائع قطعی نہیں ہوتے اس لئے اس دوسری قسم کا درجہ قرآن کریم کی سی قطعیت کا نہیں ہوگا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کریم تو امت کے لئے قابل قبول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دوسرے پیغامات کی معاذ اللہ کوئی قیمت نہ ہو، قرآن کریم بار بار اعلان کرتا ہے کہ قرآن کریم کا سمجھانا، سکھانا اور اس پر عمل کرانا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے، قرآن کریم کی اجمال کی تفصیل، اس کے ابہام کی توضیح، اس کے اشارات کی تشریح، اس کے مقصد ومنشاء کی تعیین، اس کی مشکلات کا حل اور اس کے احکام کی عملی تشکیل یہ سب کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہیں جو وحی الٰہی کے ذیل میں آتے ہیں اور امت کے لئے واجب القبول ہیں۔

تعلیماتِ انبیاء

بہر حال یہ حقیقت واضح اور مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغامات الٰہیہ جس طرح قران کی صورت میں نازل ہوئے اسی طرح بہت سے پیغامات الٰہیہ قرآن کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے جن کی تعلیم امت کو دی گئی، قرآن کریم کی اصطلاح میں انبیاء کرام کی ان تعلیمات کا نام "الحکمة" ہے اور قرآن کریم نے متعدد مقامات میں اسے "انزل" سے تعبیر فرمایا ہے۔

دین کا منبع اور مدار

ان اشارات سے یہ بات سمجھنی آسان ہوگئی کہ دین کا اصل مدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور دین کا اصل منبع نبوت کی تعلیمات وہدایات ہیں خواہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہو یا نہ ہو، اسلام کے تشریعی نظام پر غور کرنے کا موقع جن لوگوں کو ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ بہت سے بنیادی اور اہم احکامات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خفی کے اشارے سے امت کو دیئے اور مدت کے بعد قرآن کریم میں ان احکام کی آیات نازل ہوئی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ احکام کی تصدیق وتائید کی گئی، اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

(۲) توحید ورسالت کے اقرار کے بعد اسلام میں سب سے پہلی عبادت صلاۃ یعنی نماز ہے، اس عبادت کا سلسلہ ابتداء اسلام ہی سے قائم ہوگیا تھا، معراج سے پہلے صبح وشام کی دو نمازیں فرض تھیں اور اسراء کے بعد پانچ نمازوں کی فرضیت نازل ہوئی، مگر قرآن کریم میں اس وقت تک نماز کے اوقات کی تفصیل نہ تھی، اس فریضہ کو امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے لیا اور اس پر عمل کیا۔

(۲) نماز کا جو نقشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وعملاً پیش فرمایا کہ "اللہ اکبر" سے شروع ہو اور "السلام علیکم" پر ختم ہو، اس میں قیام ہو، قرأت ہو، رکوع وسجود ہو، جلسہ وقومہ ہو اور رکعتیں کبھی دو ہوں کبھی تین کبھی چار وغیرہ وغیرہ ان تمام تفصیلات کی طرف قرآن کریم میں کہیں کہیں اشارے تو موجود ہیں لیکن یہ مفصل نقشہ امت نے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قول وعمل سے سیکھا اور اس پر عمل کیا، نہ قرآن کریم پر اس کا مدار نہ اس میں ذکر کا انتظار۔

③ نماز کے لئے طہارت و وضو وغیرہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہدایت فرمائی اور امت نے اس پر عمل کیا، تقریباً اٹھارہ سال بعد سورۂ مائدہ میں آیت وضو نازل ہوئی جب کہ امت اٹھارہ سال سے آپ ﷺ کی ہدایت پر عمل پیرا تھی۔

④ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو امت کو نماز میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم فرمایا، سولہ، سترہ مہینے اس پر عمل رہا، اس کے بعد قرآن کریم میں بیت اللہ شریف کے استقبال کا حکم ہوا، بیت المقدس کے استقبال کا حکم قرآن میں نازل نہیں ہوا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ حکم کی قرآن کریم نے تصدیق کی ﴿سیقول السفهاء من الناس﴾ الآیۃ۔

⑤ جب بنی النضیر سے جہاد کا حکم ہوا تو جنگی مصلحت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھجور کے بعض درختوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا، یہود نے اس پر اعتراض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تصدیق وتصویب کے لئے قرآن نازل ہوا اور ان درختوں کے کاٹنے کو "باذن الله" فرمایا:

﴿مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللهِ﴾ [الحشر:۵]

جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ان چند مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ امت کی راہنمائی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سرچشمہ ہدایت ہے کسی بھی معاملہ میں نہ قرآن پر توقف ہے نہ اس کا انتظار، صحابہ کرام جو قرآن کریم کے سب سے پہلے اور براہ راست مخاطب تھے، ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں حیثیتیں مسلم تھیں کہ آپ نبی معصوم بھی ہیں اور ہر معاملہ میں مطاع مطلق بھی، اسی لئے وہ قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے احکام کو یکساں طور پر واجب الاتباع مانتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔

احادیث نبویہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کافی بڑا حصہ تو وہ ہے جو قرآنی احکام کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے، قرآن کریم نے أقيموا الصلاة فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت صلاۃ کی قولاً وعملاً تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "صلوا كما رأيتموني أصلي"(۱) تم بھی ایسی نماز پڑھو جیسی میں پڑھتا ہوں "و آتو الزكاة" کا حکم نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ کن کن اموال میں زکاۃ ہوگی، ہر ایک کا نصاب کیا ہوگا، مقدار زکاۃ کیا ہوگی، اس کے اصول وشرائط کیا ہوں گے؟ اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ عملی قرآن ہے یعنی احکام قرآن کا عملی نمونہ اور مثال ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: "کان

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة والاقامة ج:۱ ص:۸۸، ط: قدیمی

خلقه القرآن"(١) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ شریعت محمدیہ کا وسیع نظام جو سب کے سامنے ہے اور جس میں عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، سنن و آداب، جہاد و قتال، صلح و جنگ، سیاست و معیشت سبھی کچھ آجاتا ہے، ان میں بہت سے احکام ایسے ہیں جو قرآن کریم میں نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے امت کو ان کی تعلیم فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ دین اسلام کا تفصیلی نقشہ قرآن کریم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ اور احادیث طیبہ کو ملانے ہی سے تیار ہوتا ہے اور اسی سے الحاد و تحریف اور رکیک تاویلات کے راستے بند ہوتے ہیں، اگر قرآن کریم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپ کے ارشادات و ہدایات سے الگ کرلیا جائے تو قرآن کریم ملحدین کی غلط تعبیرات کا تختۂ مشق بن جائے گا اور تحریف و تاویل کا انسداد دشوار ہوگا۔

مستشرقین اور اعداء اسلام کی قرآن کریم میں معنوی تحریف کی کوشش

متن قرآن کریم کی حفاظت کا تو اعلان ہو چکا ہے، اس کا امکان نہیں تھا کہ قرآن کے الفاظ میں ردوبدل کیا جاسکے، اس لئے دشمنان اسلام جو ہمیشہ اسلام کو مٹانے کے درپے رہے، قرآن کریم سے تو مایوس ہوگئے، انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف کے لئے یہ چور دروازہ تلاش کیا کہ حدیث نبوی کو جو معانی قرآن کی محافظ ہے ناقابل اعتبار ثابت کریں، یورپ کے مستشرقین اور دشمن اسلام ملاحدہ نے اپنے تمام وسائل اور دماغی وقلمی تمام طاقتیں احادیث کو بے وقعت بنانے کے لئے صرف کرنا شروع کردیں اور مسلمانوں میں ''منکرین حدیث'' کے نام سے منافقین کا جو گروہ آج موجود ہے غلام احمد پرویز وغیرہ انہوں نے انہی دشمنان اسلام کی راہنمائی میں اس مہم کو اور آگے بڑھایا ﴿ولقد صدق عليهم ابليس ظنه﴾ چنانچہ نئی نسل کے بہت سے افراد جو دینی تعلیم و تربیت سے بے بہرہ تھے ان خیالات کا شکار ہوگئے۔

تاریخ فتنہ انکار حدیث

انکار حدیث کے فتنہ کی تاریخ بہت قدیم ہے، سب سے پہلے خوارج نے اس کی بنیاد رکھی، صحابہ کرام کی تکفیر کرکے ان کی روایت کردہ احادیث کا انکار کیا اور صرف کتاب اللہ کو مانا، ان کے بالمقابل شیعہ نے کتاب اللہ کی تحریف اور احادیث کے انکار کا راستہ کھولا اور دین کا انحصار اپنے ائمہ کی روایت پر رکھا، معتزلہ نے تاویل کے راستہ سے فتنہ انکار حدیث کو مزید قوت بہم پہنچائی مگر یہ دور اسلام کی شوکت و عزت کا دور تھا، ان کی مساعی ناکام

---

(١) الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب صلوة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله عليه و سلم ج:١ ص:٢٥٦، ط:قديمى. مسنداحمدبن حنبل ج:٦ ص:٩١، ط:عالم الكتب بيروت

رتیں اور مسلمانوں نے جس طرح قرآن کو سینے سے لگایا اور علوم قرآن کی خدمت کو سرمایہ سعادت سمجھا اسی طرح احادیث نبویہ کو سر آنکھوں پر رکھا اور علوم حدیث کی خدمات اس محنت وعقیدت سے انجام دیں کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ کی وہ حفاظت کی کہ عقل حیران ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کا شغف دیکھ کر اس وقت اعداء اسلام نے وضع احادیث کا چور دروازہ نکالا اور من گھڑت روایات پھیلانا شروع کیں تاکہ حق وباطل خلط ملط ہو کر حقیقت ملتبس ہو جائے، مگر حق تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایسے رجال کار پیدا کئے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا، انہوں نے فن رجال اور جرح وتعدیل مرتب کیا اور روایات کی چھان بین کر کے تمام اعداء اسلام یہودیوں، سبائیوں اور ملحدوں کی اس سازش کو خاک میں ملا دیا، امت محمدیہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے کام کو اتنا آگے بڑھایا کہ اصول حدیث کے مختلف فنون کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ گئی، بلاشبہ دین اسلام ابدی دین تھا، قیامت تک کی نسل انسانی کے لئے سرچشمہ ہدایت تھا، ضروری تھا کہ دین اسلام کی یہ دونوں مشعلیں کتاب وسنت قیامت تک روشن اور ہر قسم کی آندھیوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہیں تاکہ ہر دور میں اللہ کی حجت قائم رہے اور قرآن کریم کی یہ آیت ہر وقت صادق رہے:

﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ﴾ [آل عمران:۱۰۱]

اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر تو پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے۔

فرمان نبوی میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح فرمایا گیا ہے:

”ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله“(۱)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔

قرآن کریم اور حدیث نبوی

الغرض اس کا کوئی امکان نہیں کہ قرآن وحدیث کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکے نہ یہ ممکن ہے کہ قرآن کریم پر ایمان ہو اور حدیث نبوی سے انکار، کیونکہ قرآن کریم بار بار اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ حضرت

---

(۱) موطأ الامام مالك، كتاب الجامع، باب النهی عن القول فی القدر ج:۲ ص:۷۰۲، ط: قدیمی

یہ حدیث سند کے اعتبار سے معضل ہے یعنی دو واسطے ساقط ہیں لیکن مستدرک حاکم میں ابن عباسؓ کی روایت اور سنن بیہقی میں ابو ہریرہؓ کی روایت اور مستدرک میں معقل بن یسار کی حدیث اس حدیث کی صحت کے شواہد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تمہاری نجات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی تباہی و بربادی کا موجب ہے، آپ کی مخالفت پر قرآن کریم سخت سے سخت وعیدیں سناتا ہے، آپ کی زندگی کو امت کے لئے اسوۂ ونمونہ قرار دیتا ہے، قرآن کی تعلیم وتشریح اور اس کے اجمال کی تفصیل کو قرآن آپ کا فرض منصبی بتاتا ہے، حاصل یہ کہ دنیا وآخرت کی نجات وسعادت اور فلاح وبہبود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے اور حق تعالیٰ کی محبت واطاعت کا معیار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا کچھ نہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

[آل عمران: ۳۱]

ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔

فرق باطلہ اور حدیث

بہر حال تمام فرقِ باطلہ خوارج، شیعہ، معتزلہ، قدریہ، جہمیہ اور مرجئہ وغیرہ نے احادیث کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی تھی (اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور دیگر محدثین ومتکلمین نے جس کا دندان شکن جواب دے کر ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے) ہر دور میں ملاحدہ اسے جدید شکل وصورت میں پیش کرتے رہے ہیں چنانچہ مستشرقین یورپ نے بھی اسی محاذ سے اسلام کی بیخ کنی شروع کی اور اس کے لئے ایک منظم مہم چلائی جو زہر قدیم باطل پرستوں نے اگلا تھا اسی کو دوبارہ نئی بوتلوں میں بھر بھر کر جدید نسل کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی، کبھی کہا کہ احادیث تو دو سو سال بعد قلم بند ہوئی ہیں ان کا کیا اعتبار؟ کبھی حاملین حدیث پر اعتراضات کئے، کبھی عقلی شبہات ووساوس پیش کئے اور ان راستوں سے نماز، اس کے اوقات، زکاۃ، روزہ، حج قربانی وغیرہ تمام عبادات میں شکوک وشبہات پیدا کئے، احکام شرعیہ کو اعتراضات کا نشانہ بنایا، ملائکہ، جنات، شیاطین، ارواح وغیرہ میں تاویل باطل کا راستہ کھولا، اس طرح کوشش کی گئی کہ خدانخواستہ اسلام کی بنیادوں کو ہلا دیا جائے مگر لسان نبوت سے یہ اعلان پہلے صادر ہو چکا تھا:

”یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاھلین“(۱)

ہر آنے والی نسل میں کچھ عادل وثقہ حضرات اس علم دین کے حامل ہوں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط ادعا اور جاہلوں کی تاویل کو صاف کریں گے۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ج: ۱ ص: ۳۶، ط: قدیمی

سنت وحدیث پر مطبوعہ کتابیں

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے رجال کار پیدا کئے جنہوں نے باطل پرست جاہلوں کے اٹھائے ہوئے گرد و غبار سے سنت کا چہرہ صاف کیا، امام شافعیؒ سے ابن وزیر یمانی صاحب ''الروض الباسم'' اور شیخ جلال الدین السیوطی صاحب "مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة" تک اور ان سے آج تک نہ صرف عربی اردو میں بلکہ انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں بھی قابل قدر تالیفات وجود میں آئیں۔ گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں اہل علم نے بیسیوں گرانقدر تصنیفات سے علمی کتب خانوں میں بیش بہا اضافہ کیا، قدمائے امت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کی طویل فہرست راقم الحروف کی کتاب **"عوارف المنن مقدمه معارف السنن"** میں مذکور ہے جو انشاء اللہ عنقریب طبع ہوگی، اس تیس چالیس برس میں جو ذخیرہ اس موضوع پر مدون ہوا ان میں چند کتابوں کا نام بطور نمونہ درج ذیل ہے:

①الحدیث والمحدثون	محمد محمد أبوزهو	عربی
②السنة قبل التدوین	محمد عجاج خطیب	عربی
③الانوار الکاشفه	شیخ عبدالرحمن یمانی	عربی
④ظلمات أبی ریه	شیخ محمدعبدالرزاق حمزه	عربی
⑤کتاب السنة	موسیٰ جار الله قازانی	عربی
⑥فی الحدیث النبوی	شیخ مصطفی زرقاء شامی	عربی
⑦تدوین حدیث	مولانا مناظر احسن گیلانی	اردو
⑧بصائر السنة	مولانا امین الحق صاحب طوری	اردو
⑨فتنۂ انکار حدیث	افتخار احمد بلخی	اردو
⑩فتنۂ انکار حدیث	مولانا سرفراز صاحب	اردو
⑪سنت قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا غفار حسن	اردو
⑫حدیث قرآن کریم کی نظر میں	از راقم الحروف (مولانا یوسف بنوری)	اردو (١)
⑬احادیث النبی الکریم ﷺ	پروفیسر روحی	اردو
⑭سنت کا تشریعی مقام	مولانا محمد ادریس میرٹھی	اردو
Studies in Early Hadith Literature-	ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی	انگریزی

---

(١) مقالہ شائع شدہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ١٣٥٦ھ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے درجہ تخصص کے رفقاء نے حسب ذیل مقالات کتابی شکل میں مرتب کئے ہیں:

(الف) السنة النبوية والقرآن الكريم مولانا محمد حبيب الله مختار عربی، اردو
(ب) وسائل حفظ الحديث وجهود الأمة في ذلك
از مولوی عبدالحلیم سلہٹی اردو
(ج) علم مصطلح الحديث وأسماء الرجال وثمراته
ازمولوی عبدالحق دیروی عربی
(د) كتابة الحديث وأدوار تدوينه ازمولوی محمد اسحق سلہٹی اردو
(ھ) الكتب المدونة في الحديث وأصنافها وخصائصها
ازمولوی محمد زمان کلاچوی عربی
(و) الصحابة وما رووه من الأحاديث مولوی حبیب اللہ ممندی عربی

یہ چھ کتابیں ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں جس وقت امت کے سامنے یہ ذخیرہ آئے گا دنیا حیرت میں رہ جائے گی۔

اسی قیمتی ذخیرہ کی ایک قابل قدر کتاب الشیخ مصطفی سباعی مرحوم کی تالیف: ''السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي'' اپنے موضوع پر اہم ترین کتاب ہے جو کئی سال قبل قاہرہ میں طبع ہوئی تھی، مؤلف موصوف اپنے وقت کے بہترین خطیب اور پرجوش صاحب قلم تھے، موصوف نے ازہر سے عالمیت واستاذیت کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے یہ موضوع اختیار کیا تھا، چنانچہ پورے ایک سو مآخذ سے یہ کتاب نہایت فصیح وبلیغ زبان اور شیریں وشگفتہ اسلوب میں تحریر کی، یہ کتاب تیس کے قریب بڑے بڑے عنوانات پر مشتمل ہے جن میں سنت نبوی کے ہر گوشہ پر شافی بحث کی گئی ہے، ضمنی بحثیں نہایت عمدہ اور عجیب وغریب آتی ہیں، مستشرقین کی خرافات وشبہات کے نہایت مؤثر اور فاضلانہ ومحققانہ جوابات کتاب کا بہترین اور قیمتی حصہ ہیں، اگر اس کتاب میں اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اس کتاب کی قیمت کے لئے کافی تھا۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے دارالتصنیف نے چاہا کہ اس گنج گراں مایہ کو اردو میں منتقل کیا جائے تاکہ نئی نسل میں یورپ کے پھیلائے ہوئے زہر کے لئے تریاق کا کام دے اور جدید افکار میں سرایت کردہ سمیت کے لئے اکسیر عظیم اور کبریت احمر ثابت ہو، ترجمہ کے لئے ہمارے مدرسہ کے درجہ تکمیل کے فارغ التحصیل مولانا احمد حسن ایم اے کا انتخاب کیا گیا اور اس پر مولانا محمد ادریس میرٹھی استاذ حدیث مدرسہ عربیہ کی نظر اصلاح نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا، جلد اول طبع ہو چکی اور جلد دوم عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہوگی، دعا ہے کہ حق تعالی ہماری نئی

نسل کو نئے فتنوں سے بچائے اور شیاطین یورپ ان کی متاع ایمانی کو لوٹنے کی جو تدبیریں کر رہے ہیں انہیں خاک میں ملا دے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ- اگست ۱۹۷۱ء]

منصب نبوت کی اجمالی تشریح

یہ تحریر تقریباً ۴۱ برس پہلے کی ہے اور اٹھارہ سال قبل ماہنامہ ''بینات'' میں پہلی مرتبہ اشاعت پذیر ہوئی جو دراصل ایک گرانقدر تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موضوع پر مفصل مضمون کی نہیں۔

نبوت کی حقیقت

نبوت کی اصلی حقیقت تو اسی رب العزت قدوس وسبوح جل ذکرہٗ کو معلوم ہے جس نے نظام عالم کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے اس ربانی عطیہ کی سنت عالم میں جاری کردی تھی، یا پھر اس کو جو اس عطیہ الٰہی سے سرفراز کیا گیا ہو، کسی اور پر اس کی پوری حقیقت کا روشن ہونا حقیقت سے بعید ہے، اس لئے کہ انسان کے پاس حقائقِ اشیاء کے معلوم کرنے کے لئے عقل ہے اور نبوت ایک ایسی حقیقت ہے جو عقل سے وراء الوراء ہے۔ عقل وعقلیات کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ لیکن محققین اسلام اور اکابر امت نے قرآن کریم کی روشنی میں اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے آثار واحوال کے مشاہدہ وعلم کے بعد جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ یقیناً ایک حد تک اس حقیقت کبریٰ کی جلوہ نمائی کے لئے کافی ہیں اور ان کی عقول سلیمہ نے اس حقیقت کی تفہیم میں جو عقلی پیرائے اختیار کئے ہیں اور نیز شواہد سے اس کو سمجھایا ہے وہ ہمارے ''علم کلام'' کا اہم ترین جزء ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری، ابن حزم ظاہری، قاضی ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفرائینی، ابویعلی، ابوالمعالی، امام الحرمین، عبدالکریم شہرستانی، امام غزالی، فخر الدین رازی، سیف الدین آمدی، ابن خلدون، عزالدین بن عبدالسلام، ابن تیمیہ وغیرہ وغیرہ محققین اسلام نے تیسری صدی ہجری کے وسط سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک اس موضوع پر گرانبہا علمی جواہرات کا ایک نادر ترین ذخیرہ چھوڑا ہے۔ (۱)

محققین ہند اور متاخرین علماء اسلام میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

---

(۱) بعض قدماء معتزلہ اور قدماء شیعہ کی بھی اس موضوع پر مستقل تصانیف ہیں چونکہ جمہور امت محمدیہ کے مسلک کے وہ خلاف ہیں اور زیادہ تر ان کا طرز اس موضوع میں محض فلسفیانہ ہے اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

دیو بندی کے اسمائے گرامی اس سلسلہ کی صف اول میں درج ہونے چاہئیں، اور سچ تو یہ ہے کہ اس موضوع پر جو جواہر پارے شاہ دہلی نے پیش کئے ہیں اس کی ہمسری کرنے کے لئے قدماء میں سوائے حجۃ الاسلام غزالیؒ کوئی دوسری ہستی زیادہ نمایاں نظر نہیں آتی یا تو یہ واقعہ ہے یا ہماری نظر کا قصور ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک بزرگ کی تحقیقات کا عطر ان کے سامنے موجود تھا اور ان کی تحقیقات کی تیز شعاعوں میں منزل مقصود کی رہنمائی آسان ہوگئی۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے حقائق کی تفہیم وافہام کے لئے جس سرچشمہ کی ضرورت تھی شاہ دہلی خود اس سے سرشار تھے۔ امام غزالیؒ کی کتابوں میں یہ بحث "المنقذ من الضلال"، "معارج القدس" میں سب سے عمدہ شکل میں موجود ہے۔ امام رازیؒ کی "تفسیر کبیر" و "مطالب عالیہ" میں کافی سامان ہے۔ شاہ دہلی نے چند کتابوں میں اس کی پوری تحلیل اور کامل تجزیہ کیا ہے۔ بالخصوص اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کی پہلی جلد کے مختلف ابواب میں نبوت کی حقیقت، منصب نبوت کی تشریح، نبوت کے خواص ولوازم، انبیاء و مصلحین کے فروق وغیرہ کو خوب واضح کیا ہے۔ (۱)

امیر یمانی کی "ایثار الحق علی الخلق" میں اس موضوع میں کافی لمبی بحث موجود ہے۔ ابن تیمیہ کی اس موضوع پر "کتاب النبوات" تقریباً تین سو صفحات میں موجود ہے لیکن حق یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے باوجود علمی تبحر وتدقیق اور باوجود جلیل القدر محقق ہونے کے اس موضوع کا حق نہیں ادا کیا۔ غزالی کے چند صفحے اور شاہ دہلی کے چند ورق کو میں اس ساری کتاب پر ترجیح دیتا ہوں چند ضمنی فوائد ونکات کے سوا اس میں کوئی اہم بات یا علمی تحقیق اس موضوع پر نہیں جس کی ان سے توقع تھی۔ مجھے اس وقت نبوت کی عقلی تشریح کرنی منظور نہیں کیونکہ اس کی تشریح سے پہلے "روح" کی حقیقت سمجھانی ہوگی جو بجائے خود ایک مستقل دقیق وغامض مضمون ہے جس میں ارسطو نے "کتاب النفس" لکھی ہے اور اس کی تلخیص وتراجم وشروح ثامسطیوس، المقیدوروس، استیلقوس، اسکندر افرودوسی، ابن بطریق وغیرہ وغیرہ نے کی ہیں۔ (۲)

اسلامی دور میں ابو العباس احمد سرخسی (المتوفی ۲۸۶ھ) صدقہ بن منجا الدمشقی (۶۲۰ھ) مؤرخ مشہور مسعودی (۳۴۶ھ) امام غزالی (۵۰۵ھ) امام رازی (۶۰۶ھ) ابن القیم (۷۵۲ھ) برہان الدین بقاعی (۸۸۵ھ) وغیرہ وغیرہ متکلمین اسلام اور علماء امت نے "روح" پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے "معارج

---

(۱) ملاحظہ ہو "حجة الله البالغـه" کے حسب ذیل ابواب، ذکر الملاء الأعلى ص:۱۲، باب التكليف ص:۱۵، انشقاق التكليف من التقدير ص:۱۶، اقتضاد التكليف من المجازاة ص:۱۹، اختلاف الناس فی جبلتهم ص:۲۰، حقيقة السعادة ص:۳۹، اختلاف الناس فی السعادة ص:۴۰، الحاجة الی هداة السبل ص:۶۵، حقيقة النبوة ص:۶۶، كيفية الاستنباطات ص:۳۰.۳۱، باب الارتفاق الأول ص:۳۰.

(۲) ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے کشف الظنون ج:۲ ص:۲۷۸-۳۰۴۔

القدس'' غزالی کی اور کتاب ''الروح'' ابن القیم کی اور ''سرالروح'' بقاعی کی اور ''کتاب الفتوح لمعرفة احوال الروح'' بعض علماء عصر کی اور ''الطاف القدس'' شاہ ولی اللہ کی ہمارے سامنے مطبوعہ موجود ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ حقیقت نبوت کی تشریح کے لئے ''حقیقت روح'' بیان کرنا ضروری ہوگی۔ اس وقت ان غامض و دقیق علمی موضوعات کی طرف جانا نہیں اور نہ فیصلہ کرنا ہے۔ صرف اپنے سلف صالحین کے چند علمی کارناموں سے طلبہ کو واقف کرانا تھا، کوئی مشکل سے مشکل دقیق سے دقیق علمی موضوع اور خصوصاً جس کا تعلق دین اسلام سے ہوایسا نہیں ہوگا جس پر کہ ہمارے اکابر نے اپنی بیش بہا تحقیقات کا ذخیرہ جمع نہ کیا ہو۔ اس وقت مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ بتلایا جائے کہ ''نبی'' (پیغمبر) کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن کریم میں ''انبیاء'' اور ''نبوت'' کے کیا کیا خواص بتلائے گئے ہیں؟ تاکہ آیات بینات کی روشنی میں ایک مسلمان صحیح عقیدہ کو سمجھ سکے، اور جب کسی کی نبوت ثابت ہوجائے مسلمان کے لئے ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا اور جب ایمان لایا گیا اس وقت ''نبی'' ایک امتی کے لئے ایک برگزیدہ مقدس واجب الاطاعت ہستی ہوگی۔ اس کے احکام اس کی مرضیات اس کے اوضاع واطوار اس کی اخلاق وعادات، غرض کل نظام حیات میں اس کی سنت افراد امت میں سے ہر فرد کے لئے دلیل راہ ہوگی۔ پھر وہاں کیوں؟ اور کیوں کر؟ کا سلسلہ ہی ختم ہوجاتا ہے۔ سوائے تسلیم وانقیاد واطاعت وفرمانبرداری کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس کی رضامندی خدائے تعالیٰ کی رضامندی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خود حق تعالیٰ یوں ہی فرما چکے ہیں جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہوجائے گا۔ ہاں عبادت بہر حال اللہ تعالیٰ کی ہوگی، رسول کی اطاعت سے اس کی عبادت لازم نہیں آتی، عبادت وبندگی اور چیز ہے، اطاعت وتسلیم اور چیز ہے دونوں میں خلط نہ کرنا چاہئے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ رسول کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت وبندگی کی جائے۔ اب وہ رہنمائی مختلف صورتوں میں ہوگی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف صاف طور پر نسبت کرکے ارشاد فرمایا جائے گا، کبھی اپنی طرف سے کچھ ارشاد فرمائیں گے گو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا۔ لیکن لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت نہیں ہوگی، کبھی ان کے اتباع ان کے طرز وطریقہ کو دیکھ کر رہنمائی حاصل کریں گے۔ غرض کہ رہنمائی حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوں گے۔

نبی ورسول یا پیغمبر

لغت عرب میں ''نبأ'' اس خبر کو کہتے ہیں جس میں فائدہ ہو اور فائدہ بھی عظیم اور اس خبر سے سننے والے کو علم واطمینان بھی حاصل ہو(۱)، غرض کہ تین چیزیں اس میں ضروری ہوں:

---

(۱) ملاحظہ ہو ''مفردات راغب'' ص: ۴۹۹۔ ابن تیمیہ نے ''النبوات'' میں اسی کو دوسرے عنوان سے بیان کیا اور کس قدر لطیف کردیا۔ دیکھو ''النبوات'' ص: ۲۲۲ الخ

① خبر فائدے کی ہو ② فائدہ بھی عظیم الشان ہو
③ سننے والے کو یقین کامل یا اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

قرآن کریم نے اسی لغت سے "نبی" کا لفظ ایک ایسے انسان کے لئے استعمال کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فائدے اور نفع کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائیں جن سے ان کی عقول قاصر ہیں صرف اپنی عقل نارسا سے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوں گی اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا صرف اس کی زندگی ہی اتنی پاکیزہ و اتنی اعلیٰ و مقدس ہو کہ اس پر جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے۔ اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آجائے۔ اب صرف "نبی" کا لفظ ہی لغت عرب کے مطابق ان سب حقائق پر روشنی ڈالتا ہے جس کی تفصیل تحقیق کے لئے کتابیں ناکافی ہیں۔ شیطانی وساوس یا طبعی جمود و عناد اگر قبول سے مانع آجائے یہ دوسری بات ہے۔

رسالت

لغت عرب میں "رسالت" کے معنی ایک پیغام کے ہیں اور "رسول" کہتے ہیں پیغام پہنچانے والے کو قرآن کریم نے اس لفظ کو اس پیغام پہنچانے والے کے لئے استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ شانہ کی جانب سے دین و دنیا کے مصالح کے بارے میں پیغامات اس کے بندوں تک پہنچائے۔

اب خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کی زبان میں "نبی و رسول" وہ شخص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہو۔ خدائے تعالیٰ کے پیغامات اس کے بندوں تک پہنچاتا ہو، دین و دنیا کے مصالح و منافع کے لئے ایک "قانون حیات" ایک "نظام العمل" ایک دستور اساسی پیش کرتا ہو، ایسے احکام ایسے حقائق ایسے امور ارشاد کرتا ہو جن سے ان کی عقول قاصر ہوں۔ ایسی دقیق دقائق باتوں کی تصریح کرتا ہو جہاں ان کی عقل پرواز نہ کر سکتی ہو، ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا ہو، نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی و عذاب سے ڈراتا ہو۔ جو حکم دیتا ہو وہ خود کرتا ہو، خود ان کے لئے مجسم پیکر عمل ہو۔ اس قانون حیات و نظام العمل کے لئے اس کا وجود آئینہ ہو۔ یہ ہیں اسلام کی زبان میں شریعت کی لغت میں "رسول و نبی" کے معنی اسی کو ہم اپنی زبان میں "پیغمبر" کہتے ہیں۔ "رسول" و "نبی" میں یہ فرق ہے یہ ایک مختصر سی چیز ہے۔ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لیکن اجمالاً اتنا ذہن نشین رہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے "کتاب النبوات" میں جو فرق بیان کیا وہ ہمیں سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ صرف اتنا ہے:

"کہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف غیب کی خبروں سے قوم کو مطلع کر دیتا ہو، ان کو نصیحت کرتا ہو، ان کی اصلاح کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو "وحی" ہوتی ہو، وہ "نبی" کہلاتا ہے۔ اگر ان اوصاف کے ساتھ وہ قوم کی

طرف اور نافرمان قوم کو تبلیغ پر مامور بھی کیا جائے تو وہ ''رسول'' بھی ہوگا۔ (۱)

اب ہم قرآن کریم کی روشنی میں ''انبیاء ورسل'' کے خواص ولوازم پیش کرتے ہیں لیکن معلوم رہے کہ ''انبیاء ورسل'' کے عام خصائص بحیثیت نبوت ورسالت سب مشترک ہیں، قرآن کریم نے جتنے کمالات اور اوصاف انبیاء ورسل کے بیان کردیئے ہیں وہ سب حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بوجہ کمال موجود ہیں کیونکہ آپ سب انبیاء ورسل سے افضل ہیں۔ آپ سید الانبیاء ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ نصوصِ قطعیہ کا مفاد ہے اور امتِ مرحومہ کا ''اجماعی عقیدہ'' ہے اور تاریخِ عالم کی ''حقیقت ثابتہ'' ہے اور اسلامی دور کے حیرت انگیز کارنامے اس کے شاہد عدل ہیں۔ قرآن کریم نے بہت سے انبیاء ورسل کے خصائص وکمالات بیان کرنے کے بعد آپ کو حکم دیا اور فرمایا:

﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰)

''یہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔ آپ بھی انہیں کے طریقہ پر چلئے۔''

اس سے یہ صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے جتنے عملی وعلمی کمالات تھے، آپ ان سے مالا مال تھے۔ اس لئے ہم جتنی آیاتِ کریمہ مختلف انبیاء ورسل کے خصائص واوصاف میں پیش کریں گے۔ مقصود ان سے صرف نبوت کے کمالات وخصائص ہوں گے جو اصل نبوت کی وجہ سے قدر مشترک سب میں موجود ہیں۔

منصب نبوت ورسالت

نبوت ایک عطیہ ربانی ہے جس کی حقیقت تک رسائی غیر نبی کو نہیں ہوسکتی، اس کی حقیقت کو یا تو حق تعالیٰ جانتا ہے جو نبوت عطا کرنے والا ہے یا پھر وہ ہستی جو اس عطیہ سے سرفراز ہوئی۔ مخلوق بس اتنا جانتی ہے کہ اس اعلیٰ وارفع منصب کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے وہ:

① معصوم ہے، یعنی نفس کی ناپسندیدہ خواہشات سے پاک صاف پیدا کیا گیا ہے اور شیطان کی دسترس سے بالاتر۔ عصمت کے یہی معنی ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور ناممکن ہے۔

② آسمانی وحی سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے اور وحی الٰہی کے ذریعہ ان کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں۔ کبھی جبریل امین کے واسطے سے اور کبھی بلاواسطہ، جس کے مختلف طریقے ہیں۔

③ غیب کی وہ خبریں عظیم فائدہ والی ہوتی ہیں اور عقل کے دائرے سے بالاتر ہوتی ہیں یعنی انبیا علیہم السلام بذریعہ وحی جو خبریں دیتے ہیں ان کو انسان نہ عقل وفہم کے ذریعہ معلوم کرسکتا ہے نہ مادی آلات وحواس کے ذریعہ ان کا علم ہوسکتا ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''کتاب النبوات'' ص: ۲۷۲ تا ۲۷۴۔

ان تین صفات کی حامل ہستی کو مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث و مامور کیا جاتا ہے، گویا حق تعالیٰ اس منصب کے لئے ایسی شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو افرادِ بشر میں اعلیٰ ترین صفات کی حامل ہوتی ہے۔ اس انتخاب کو قرآن کریم کہیں اجتباء سے، کہیں اصطفاء سے اور کبھی لفظ اختیار سے تعبیر فرماتا ہے، یہ عام صفات خصوصیات تو ہر نبی و رسول میں ہوتی ہیں، پھر حق تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما کر وہ درجات عطا کرتا ہے جن کے تصور سے بھی بشر قاصر ہے گویا نبوت، انسانیت کی وہ معراجِ کمال ہے جس سے کوئی بالاتر منصب اور کمال عالمِ مکان میں نہیں، ان صفاتِ عالیہ سے متصف ہستی کو ہدایت و اصلاح کے لئے مبعوث کر کے انہیں تمام انسانیت کا مطاعِ مطلق ٹھہرایا جاتا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ الله﴾ [النساء: ۶۴] یعنی ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے، پس حکم خداوندی یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، وہ مطاع اور واجب الاطاعت متبوع ہے، اور امت اس کی ہدایت کے تابع و مطیع فرمان۔

نبی ہر نقص و کوتاہی سے بالاتر ہوتا ہے

جب نبوت و رسالت کے بارے میں یہ صحیح تصور قائم ہو گیا کہ وہ ایک عطیہ ربانی ہے، کسب و محنت اور مجاہدہ و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ اپنے علمِ محیط، قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے پاک اور معصوم و مقدس ہستی کو پیدا فرما کر اس کو وحی آسمانی سے سرفراز فرماتا اور مخلوق کی ہدایت و ارشاد کے منصب پر اسے کھڑا کرتا ہے تو اس سے عقلی طور پر خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی و رسول کی شخصیت ہر نقص سے، ہر کوتاہی سے اور ہر انسانی کمزوری سے بالاتر ہوتی ہے، کیونکہ اگر خود اس کی شخصیت انسانی کمزوریوں میں ملوث ہو تو وہ ہدایت و اصلاح کی خدمت کیسے انجام دے سکے گا:

"آنکہ خود گم است کرا رہبری کند"

چنانچہ سنت اللہ یہی ہے کہ نبی کا حسب و نسب، اخلاق و کردار، صورت و سیرت، خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن ایسا پاک اور مقدس و مطہر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کا دل و دماغ مطمئن ہو اور کسی کو انگشت نمائی کا بال برابر بھی موقعہ نہ مل سکے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص شقاوتِ ازلی کی وجہ سے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہے اور جحود و انکار میں مبتلا ہو کر ہدایت سے محروم رہ جائے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ بدتر سے بدتر دشمن بھی نبی میں کسی "انسانی کمزوری" کی نشاندہی کر سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و اوصاف

قرآن کریم میں انبیاءِ کرام اور رسولانِ عظام علیہم الف الف صلاۃ و سلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا

ہے اور ان کے جن جن خصائص وکمالات اور اخلاق واوصاف کی نشاندہی فرمائی ہے یہ جگہ ان کی تفصیل کے لئے کافی نہیں، یہاں اس سمندر کے چند قطرے پیش کیے جاتے ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّ نَذِيْراً وَ دَاعِياً إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَ سِرَاجاً مُّنِيْراً﴾ [الاحزاب:٤٥،٤٦]

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيْراً لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهِ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ [الفتح:٩]

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

﴿يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [یٰس:١تا٤]

یٰس، قسم ہے قرآن سراپا حکمت کی کہ بے شک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں، سیدھے رستہ پر ہیں۔

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [القلم:١تا٤]

ن، قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ [المائدة:١٥]

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)۔

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الاعراف:١٥٧]

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [الانشراح:٤]

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ [آل عمران:٣١]

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ [النور:٥٤]

اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا﴾ [الاحزاب:٢١]

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء:٦٥]

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران:١٦٤]

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے۔

﴿وَاَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ [النساء:١١٣]

اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور فہم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

ترجمہ آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و کمالات کا نقشہ سامنے آ گیا ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ کا آفتاب عالم تاب بنایا ہے

تا کہ امت ان پر ایمان لائے ان کی توقیر کرے اور ان کی امداد کرے بلاشبہ آپ سراسر صراط مستقیم پر ہیں تاریخ عالم اس کی شہادت دیتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلقِ عظیم سے آراستہ ہیں جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی توقیر ونصرت کریں اور جو آسمانی وحی کا نورِ الٰہی ان کے ساتھ ہے اس کا بھی اتباع کریں آخرت کی فلاح انہی کے لئے ہے ان کی اتباع سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کی سعادت عظمیٰ ملتی ہے۔

انہی کی اطاعت سے ہدایت ملتی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اور آخرت کے امیدوار ہیں وہ انہی کو اپنا مقتدا و پیشوا بنائیں گے جو لوگ اپنے نزاعات ومخاصمات میں بھی ان کے فیصلوں کو بدل وجان تسلیم نہ کریں خدا کی قسم کبھی مومن نہیں ہوسکتے، حق تعالیٰ کا امت محمدیہ پر بڑا احسان ہے جن میں ایسی ہستی مبعوث فرمائی کہ حق تعالیٰ کی آسمانی وحی ان کو پڑھ کر سنائیں، ہر قسم کے شرک وکفر، معصیتوں اور جاہلیت کی رسموں سے ان کا تزکیہ کریں، ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا کہ کتاب وحکمت کے وہ تمام علوم ان کو سکھائے جو نہ جانتے تھے، چند آیات بینات کا یہ سرسری خاکہ ہے حق تعالیٰ کی اس آسمانی شہادت کے بعد کیا کوئی کمال اب ایسا باقی ہے، جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیا گیا ہو؟ اسی آسمانی وحی ربانی میں تمام امت کو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و درود بھیجتے ہیں اس لئے تمہیں حکم ہے کہ تم بھی ان پر درود بھیجو، پانچوں وقت اذان میں ان کی رفعت و بلندیٔ مقام کا اعلان ہوتا ہے، ہر نماز میں ان پر درود وسلام کا مخصوص انداز میں حکم ہے گویا کوئی نماز جو حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص عبادت ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مناجات ہے آپ کے ذکر خیر اور درود وسلام سے خالی نہیں بلکہ اسی پر نماز کا اختتام ہوتا ہے اس لئے تمام امت اور آسمانی کتابوں کا بھی فیصلہ ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی

بہرحال یہ مسلمات میں سے ہے کہ افراد بشر میں جن نفوس قدسیہ کو حق تعالیٰ نے اصلاح نفوس اور ہدایت وارشاد عالم کے لئے منتخب فرمایا ہے ان سب کے سرتاج سید الانبیاء والمرسلین امام المتقین خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس ہے اگر ان میں کوئی کوتاہی اور کمی رہ جائے تو پھر سارے انبیاء کرام کوتاہیوں سے مبرا کیسے ہوسکتے ہیں اور امت کی ہدایت کے لئے وہ کیسے اسوہ وقدوہ بن سکتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ذات اقدس نے ہدایت وارشاد کے لئے ان کی بعثت فرمائی ہے وہ العیاذ باللہ قاصر ہے اور ان کی قدرت سے ایسے افراد کا انتخاب بالاتر ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، پھر نہ تو خدائی رہی، نہ نبوت ورسالت، نہ آسمانی وحی، نہ دین۔ سارا معاملہ ہی ختم ہوگیا، ان حقائق کی روشنی میں ''ترجمان القرآن'' جلد ٨٥ شمارہ

اپریل ۷۶ء میں بعنوان ''اسلام کس چیز کا علمبردار ہے'' مودودی صاحب کا مقالہ مطالعہ کیجئے، صفحہ ۳۰ پر موصوف یوں رقمطراز ہیں ''وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نہ فوق البشر ہے نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے۔''

کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے ہاں تمام اولین و آخرین اور حق تعالیٰ جو خالق الانبیاء والمرسلین ہیں ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اتقی البشر ہیں سید البشر ہیں، تمام نسل انسانی میں سب سے بڑھ کر متقی اور کامل ترین افراد بشر میں سے ہیں، آفتاب عالمتاب اور بدر منیر کے انوار کو ان کے انوار سے کیا نسبت؟ آسمان ہو یا زمین، چاند ہو یا سورج حتیٰ کہ عرش رحمن بھی آپ کی منزلت سے قاصر ہے، تمام مخلوقات خداوندی میں افضیلت وکمال کا تاج آپ ہی کے سر باندھا گیا ہے ''نہ فوق البشر ہے'' یہ جملہ بھی جو غمازی کرتا ہے کہ فوق البشر کہنا بھی ناقابل برداشت ہے لیکن ''نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے'' کے فقرے سے جو کچھ دل میں تھا ابھر کر آ گیا جو شخص بشری کمزوریوں میں ملوث ہے وہ بشر کی ہدایت کے لئے کیسے موزوں ہوسکتا ہے؟ اردو کے عرف میں اور عام تعبیرات کے پیش نظر بشری کمزوریوں کا اطلاق ان صفات بشریہ پر ہوتا ہے جو صفات ذمیمہ اور قبیحہ ہیں، لوازم بشریت مراد ہو ہی نہیں سکتے لوازم بشریت کھانا پینا سونا جاگنا خوشی، غم صحت و مرض وفات وغیرہ بلاشبہ یہ لوازم بشریت ہیں خواص بشریت ہیں اور صفاتِ بشریہ ہیں، عرف میں اس کو کوئی بشری کمزوریوں سے تعبیر نہیں کرتا، لوازم بشریت سے تو ملائکۃ اللہ اور حق تبارک وتعالیٰ منزہ ہیں کہنا یہ ہے کہ یہ جملہ خطرناک حقیقت کی غمازی کر رہا ہے، اسلام کی پوری بنیاد منہدم ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ تو ان کو یہ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کہ کلمۂ اسلام میں، کلمۂ شہادت میں، اذان واقامت میں حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام آئے، نماز میں درود وسلام بھیجنے کا حکم ہوا اور اس انداز سے ہوا کہ چونکہ حق تعالیٰ اور ان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو، بارگاہ قدس سے اتنا اونچا منصب عطا کیا گیا ہو، اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں جو شخصیت بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو کیا وہ اس منصب جلیل کی مستحق ہوسکتی ہے؟ بظاہر تو یہ ایک جملہ ہے لیکن اس ایک جملہ سے ان کے تمام کمالات اور منصب نبوت پر پانی پھر جاتا ہے اور ہر ناقد کے لئے تنقید کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے، بشری کمزوری میں جھوٹ بولنا خود غرضی بقایا جاہلیت کے آثار کا نمایاں ہونا، مصلحت اندیشی کا کارفرما ہونا، بنی عبد مناف اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دینا، قریش ومہاجرین کو وہ مقام عطا کرنا جس سے انصار محروم تھے وغیرہ وغیرہ کون سی کمزوری ہے جو اس اجمال میں نہیں آسکتی؟ کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب ان کمزوریوں کی نشاندہی خود فرمادیتے کہ وہ کون سی کمزوریاں ہیں جو آپ کی ذاتِ گرامی میں موجود ہیں۔ اس قسم کے نظریات یا قلمی طغیانی اس شخص کا شیوہ ہے جو نہ اہل اللہ کا صحبت یافتہ ہو، نہ اسے علم دین میں کمال حاصل ہو، عجب وکبر میں مبتلا ہو، اعجاب بالرائی کی وباء عظیم میں ملوث ہو۔ جس ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم ہو حق تعالیٰ پر ایمان کے بعد جس پر ایمان کا جسے ہدایت امت کے لئے سراجاً منیراً بنایا گیا ہو، جو دعوت الی اللہ پر مامور ہو جس کی شخصیت کو امت کے

لئے اسوہ بنایا گیا ہو، جس کی صفات و کمالات اور خصائص و اخلاق عظیمہ کا اعلان کیا گیا ہو، مودودی کی نگاہ میں ان کی شخصیت اتنی شدید مجروح ہو کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ مودودی صاحب سلف صالحین کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں، صحابہ کرامؓ کی شخصیت کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں اور انبیاء کرام کی شخصیت پر بھی کچھ نہ کچھ اشارات جرح کے موجود تھے۔

یونس علیہ السلام سے فریضۂ نبوت پر تقصیر ہوئی جیسے کہ ''تفہیم القرآن'' میں ہے وغیرہ وغیرہ، ایک حضرت سید المرسلین خاتم النبیین امام المتقین کی ذات گرامی باقی رہ گئی تھی وہ بھی اب مجروح ہو گئی، تعجب کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے ہر پیرا گراف کو قرآنی حوالہ دے کر بیان کیا اور شاید مقالہ اور اس کی تعلیمات کو پڑھنے والے کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ جملہ بھی بقیہ قرآنی حوالوں سے معمور ہوگا لیکن بغیر جوڑ کے قرآنی تعبیرات کے درمیان سطر نمبر ۱۲، اشارہ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۳ پر یہ دل کی بات قلم سے نکل گئی، قرآن کریم میں جہاں یہ حکم ہو کہ آپ اعلان کریں کہ میں بشر ہوں ساتھ ہی ''یوحی الیّ'' کا وصف لگایا گیا تا کہ کوئی قاصر الفہم قاصر العقل بشر کے ساتھ بشری کمزوریوں کا خیال نہ کرے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰ اِلَيَّ أَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ﴾ [الکهف:۱۱۰]

سورہ اسراء میں ہے:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلاَّ بَشَراً رَّسُوْلاً﴾ [بنی اسرائیل:۹۳]

بشر کے ساتھ رسول کی صفت لگائی گئی ہے جہاں محض بشریت کا ذکر کیا ہے یا صفات بشریت کا ذکر ہے وہ تمام تر مشرکین و کفار کے قول کی نقل ہے:

﴿قَالُوْا اِنْ أَنْتُمْ اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ [ابراهیم:۱۰]

﴿هَلْ هٰذَا اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [الانبیاء:۳]

﴿مَاهٰذَا اِلاَّبَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [المومنون:۲٤]

﴿مَا أَنْتُمْ اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ [یٰس:۱۵]

﴿مَانَرَاكَ اِلاَّ بَشَراً مِّثْلَنَا﴾ [هود:۲۷]

کفار نے بلاشبہ طعنے کے طور پر کہا کہ یہ ہم جیسے بشر ہیں بلکہ ان کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ جرم بھی عائد کر سکیں کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام کی پاکیزگی اخلاق، کرامت و شرافت اتنی بدیہی اور واضح ہے کہ انکار کی مجال نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ طعنہ دیا کہ کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں جاتا ہے، گویا فرشتہ نہیں کہ ان چیزوں سے بالاتر ہو، کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ موصوف کے دل میں اس سے بھی زیادہ کچھ ہے لیکن خوف مانع ہے، پوری دل کی بات کا اظہار نہ کر سکے ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ

أَكْبَرُ﴾ [آل عمران: ١١٨] اللہ تعالیٰ کی زیغ وضلال سے بچانے، بشری کمزوری دو راستوں سے ہوتی ہے:

① نفس ② شیطان

جب نبی ورسول نفس کی غیر مستحسن اور ناپسندیدہ خواہشات سے مبرّا ہے اور پاک ہے تو اس کے عواطف ورجحانات ناپسندیدہ نہیں ہو سکتے، ان کا نفس، نفس مطمئنہ ہے، نفس ملکی ہے، نفس کی صفات رذیلہ سے یکسر بالاتر ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ رذیلہ نفسانی کا وہاں گذر نہیں اور نفس کے جتنے صفات کمال ہیں، تقویٰ وطہارت شکر وصبر، عفت ورأفت، رحمت وجود اور سخاوکرم وغیرہ وغیرہ تمام کے تمام وہاں موجود ہوتے ہیں اور شیطان لعین کے وساوس سے یکسر حفاظت ہوتی ہے شیطان نبی ورسول کو کبھی بھی غلط کام پر آمادہ ہی نہیں کرسکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا شیطان مجھے خیر ہی کا حکم دیتا ہے، بہرحال جب دونوں راستوں سے حفاظت ہوگئی تو بشری کمزوری خود بخود ختم ہوجاتی ہے، "صحیح مسلم" میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں تو یہ آیا ہے کہ "كان خلقه القرآن"(١) آپ کے اخلاق کریمہ قرآن کریم کا مرقع ہیں گویا آپ کی حیات مقدسہ زندہ قرآن ہے، آپ کا وجود مقدس زندہ قرآن ہے اور یہی تمام عالم کا فیصلہ ہے، لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ بشری کمزوریوں سے آپ بالاتر نہیں، یہ سنت اللہ جاری ہے کہ انبیاء کرام کے عام قویٰ بشری بھی عام انسانوں سے بالاتر ہوتے ہیں، ان کی جسمانی صلاحیتیں، جسمانی قوتیں برتر اور عام افراد بشر سے بالاتر ہوتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس افراد جنت کی قوت عطا فرمائی گئی ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ہر فرد بشر کو سو اشخاص کی قوت عنایت کی گئی ہے بلکہ قاضی عیاض "شفاء" میں اور سیوطی کی "خصائص کبریٰ" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "أما علمت أن أجسادنا تنبت على أرواح أهل الجنة"(٢) یعنی ہمارے اجساد میں ارواح اہل جنت کی ہیں اور تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے، بہرحال نہ معلوم کہ اتنی صاف اور واضح حقیقت کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کوئی شخص بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو وہ کیونکر ہادی ورہنما بنے گا اور اس کی دعوت وتبلیغ کیونکر کامیاب ہوسکتی ہے؟ قرآن کریم تو صاف اعلان فرماتا ہے: ﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة: ٤٤] کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو اور تم کتاب اللہ پڑھتے ہو کیا اتنی بھی تم نہیں جانتے کہ اس کا کیا اثر ہوگا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ جو کیا اسی کا حکم دیا تاکہ

---

(١) الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب صلوة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ ج: ١ ص: ٢٥٦ ط: قديمي. مسند احمد بن حنبل ج: ٦ ص: ٩١، ط: عالم الكتب بيروت

(٢) الخصائص الكبرى للسيوطي، باب لآية في حفظه (ﷺ) من الاحتلام ج: ١ ص: ١٢٠، ط: دار الكتب العلمية بيروت

قول و عمل میں کوئی تضاد نہ ہو، مقام افسوس ہے کہ مودودی صاحب کو اتنی واضح اور صاف بات بھی سمجھ میں نہیں آتی، بہر حال جہاں مودودی صاحب کے بہت سے قابلِ شدید اعتراض مباحث ہیں یا تعبیرات ہیں اور ان کی تصنیفات میں بکھری پڑی ہیں یہ جملہ اور مضمون بھی قباحت میں گوئے سبقت لے گیا ہے مودودی صاحب اپنی تفسیر سورۂ آلِ عمران میں حضرات صحابہؓ کے بارے میں رقم طراز ہیں ''سودخوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والے میں حرص و طمع بخل خودغرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض حسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا'' اسی سورۂ آلِ عمران کے آخر میں ان صحابہؓ کے بارے میں حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأَخْرِجُوْامِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰ تِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَاباً مِّنْ عِنْدِاللهِ وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ [النساء: ۱۹۵]

''سو جن لوگوں نے ترکِ وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں، اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔''

حق تعالیٰ نے تو ان کو یہ داد دی ہے اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ حریص طماع بخیل خودغرض ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بغض و حسد رکھنے والے اور ان بیماریوں میں مبتلا تھے ان میں جہل و عناد کی بھی انتہا ہو گئی، غزوۂ احد کے بعد غزوہ بنی النضیر میں جو سورۂ حشر نازل ہوئی اس میں حق تعالیٰ شانہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَاناً وَّ يَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَايَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الحشر: ۹]

ان فقراء مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا حق ہے جو دار الاسلام میں ان (مہاجرین کے آنے) سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں اور جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے

محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حق تعالیٰ تو ان مہاجرین وانصار کو صادقون و مفلحون جیسے شاندار الفاظ میں اس عجیب انداز سے داد دیں اور مودودی صاحب ان کو طماع وحریص ایک دوسرے سے متنفر بتلائیں اس وقت تو بطور مثال ایک سرسری اشارہ کردیا گیا اور یہ موضوع ابھی بہت کچھ لکھنے کا محتاج ہے، اسی مضمون ومقالہ کے شروع میں جو تحقیق فرمائی گئی کہ ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں جس کو سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہو اور اس بناء پر آپ کو بانی اسلام کہنا صحیح ہو۔

انبیاء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ: ① وہ خدا کے آخری نبی ہیں ② ان کے ذریعہ خدا نے اسی اصل دین کو پھر تازہ کردیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا الخ'' اس مضمون میں بھی ان کو ٹھوکر لگی ہے اور غلط موڑ پر پہنچ گئے جو نہایت خطرناک ہے، اب دیانت اور دین کی خیرخواہی کا تقاضا یہی ہے کہ ان مضامین پر بے لاگ تبصرہ ایسا کیا جائے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آجائے جو ایک دو مولوی ان کی ہم نوائی کرتے چلے آئے ہیں ان کے ایمانی امتحان کا وقت بھی آگیا ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کا کیا کہنا، آپ کی صحبت فیض خدمت اور توجہات مبارکہ سے صحابہ کرام جس مقام پر پہنچ گئے ہیں اس کا ادراک بھی ہم جیسوں کے لئے ناممکن ہے، قرآن کریم کی سورۂ فتح میں ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ [الفتح: ٢٩]

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہرے سے نمایاں ہیں۔''

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ آج ''ترجمان القرآن'' بابت ماہ جون ٧٦ء میں ''رسائل ومسائل'' کے عنوان سے اس کے جواب کی کوشش کی گئی، ظاہر بات ہے کہ بات ناقابل برداشت تھی اور اس میں پوری رسوائی ہو رہی تھی اس لئے موصوف کے حواریوں میں سے کسی نے موصوف کو متنبہ کیا اور اس کا جواب دیا گیا کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کرتے اور اعلان کرتے کہ میں نے یہ بات غلط کی ہے لیکن مودودی صاحب کی تاریخ زندگی میں اس بات کا امکان نہیں، یہ تو ہوا کہ جب کسی ہمدرد حواری نے کسی غلطی پر متنبہ کیا تو دوسرے ایڈیشن میں وہ بات نکال دی گئی لیکن اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اعتراف کرکے غلطی کا اعلان ہوتا اور غلط بات سے رجوع کرتے تاکہ وہ لوگ جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہے وہ بدستور گمراہ نہ ہوتے۔ مثلاً تفسیر ''تفہیم القرآن'' کے

پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو فرائض نبوت میں تقصیر کا مرتکب مانا تھا لیکن اعتراض کے بعد دوسرے ایڈیشن پر اس عبارت کو حذف کر دیا گیا، کیا یہ دیانت ہے؟ اور کیا یہ حق ہے؟ اور کتنی مثالیں ہیں، مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام ایسے معصوم نہیں ہیں کہ غلطی نہ ہو سکتی تھی وہ تو فرماتے ہیں کہ بشریت کے اظہار کے لئے کوئی وقت ایسا ضرور ہے تو کیا مودودی صاحب معصوم ہیں کہ ان کی عصمت انبیاء کرام سے بھی زیادہ ہے، بہر حال جب عذر کر کے جواب دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی بالکل لچر اور بے معنی ہے، اردو محاورات میں کوئی بتلا دے کہ لوازمِ بشریت کو بشری کمزوریوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ مولانا مودودی صاحب بشری کمزوریوں سے عیوب ونقائص ہی مراد لیتے ہیں، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان میں سود خوری کی وجہ سے دو قسم کی بیماریاں تھیں، حرص وطمع بخل وخود غرضی اور حسد نفرت بغض اور غزوہ احد کی شکست میں دونوں کو دخل ہے اس کے ثبوت میں قرآن کے لفظ "ببعض ماکسبوا" کا ترجمہ "بعض کمزوریوں" سے کیا گیا جس پر نہایت عالمانہ ومحققانہ انداز سے حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی تنقید فرما چکے ہیں (ملاحظہ ہو "بینات" بابت ماہ جون ۷۶ء) مودودی صاحب کی اس تفسیر وتشریح سے واضح ہے کہ کمزوریوں سے مراد وہ بیماریاں لیتے جو عیوب اور بدترین عیوب ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

[جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ - جولائی ۱۹۷۶ء]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصمت انبیاء وحرمت صحابہ

یہ حقیقت مسلم اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ نبوت ورسالت وہ اعلیٰ ترین منصب ہے جو حق تعالیٰ ذکرہٗ کی طرف سے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، تمام کائنات میں انسان اشرف المخلوقات ہے اور نبوت انسانیت کی آخری معراجِ کمال، انسانیت کے بقیہ تمام مراتب وکمالات اس سے پست اور فروتر ہیں، انسانی فکر کی کوئی بلندی نبوت کی حدوں کو نہیں چھو سکتی، نہ انسانیت کا کوئی شرف وکمال اس کی گرد راہ کو پہنچ سکتا ہے، اس سے اوپر بس ایک ہی مرتبہ ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت کا مرتبہ! منصبِ نبوت عقولِ انسانی سے بالاتر ہے، اس کی پوری حقیقت صرف وہی جانتا ہے جس نے یہ منصب عطا فرمایا یا پھر ان مقدس ہستیوں کو معلوم ہو سکتی ہے جن کو اس منصب رفیع سے سرفراز کیا گیا، ان کے علاوہ تمام لوگوں کا علم وفہم سرِ نبوت کی دریافت سے عاجز اور عقل اس کی ٹھیک حقیقت وکُنہ کے ادراک سے قاصر ہے، جس طرح ایک جاہل علم کی حقیقت سے بے خبر ہے، اسی

طرح غیر نبی نبوت کی حقیقت سے نا آشنا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسالت و نبوت کا منصب رفیع تو درکنار معمولی ہنر و فن کا بھی یہی حال ہے، کسی فن کی صحیح حقیقت تک رسائی اسی صاحب کمال کے لئے ممکن ہے جسے وہ فن حاصل ہو اور اسی حد تک ممکن ہے جس حد تک اسے فنی رسوخ و کمال حاصل ہو۔

ہمارے حضرت استاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی (نور اللہ مرقدہ) فرمایا کرتے تھے کہ:

''نبوت تو کیا اجتہاد کی حقیقت کے ادراک سے بھی ہم قاصر ہیں''۔

یعنی اجتہاد کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ محض اس کی ظاہری سطح ہے اور جتنی معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ صرف سطحی معلومات ہیں (اسے منطقی اصطلاح میں علم بالوجہ کہتے ہیں) ورنہ اجتہاد کی حقیقت کا صحیح ادراک صرف مجتہد کو ہو سکتا ہے جسے یہ ملکہ حاصل ہو، اسی طرح نبوت کا علم بھی عام انسانوں کو محض آثار و لوازم کے اعتبار سے ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ:

نبوت کے لئے حق تعالیٰ جل ذکرہ ایک ایسی برگزیدہ اور معصوم شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن، قلب و قالب، روح و جسد ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے، وہ ایسا پاک طینت اور سعید الفطرت پیدا کیا جاتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات رضاء و مشیت الٰہی کے تابع ہوتی ہیں، ردائے عصمت اس کے زیب تن ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر دم اس کی نگرانی کرتی ہے، اس کی ہر حرکت و سکون پر حفاظت خداوندی کا پہرہ بٹھا دیا جاتا ہے اور وہ نفس و شیطان کے تسلط و استیلاء سے بالاتر ہوتا ہے، ایسی شخصیت سے گناہ و معصیت اور نافرمانی کا صدور ناممکن اور منطقی اصطلاح میں محال و ممتنع ہے، اسی کا نام عصمت ہے(۱) اور ایسی ہستی کو معصوم کہا جاتا ہے، عصمت لازمہ نبوت ہے، جس طرح یہ تصور کبھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی لمحہ نبوت نبی سے الگ ہو جائے اسی طرح اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عصمت نبوت اور نبی سے ایک آن کے لئے بھی جدا ہو سکتی ہے، معاذ اللہ۔

حضرات علما نے تحقیق فرمائی ہے کہ ایک ہے معصوم اور ایک ہے محفوظ، معصوم وہ ہے جس سے گناہ و معصیت کا صدور محال ہو، اور محفوظ وہ ہے جس سے صدورِ معصیت محال تو نہ ہو لیکن کوئی معصیت صادر نہ ہو یا آسان اور سادہ لفظوں میں یوں تعبیر کریں گے کہ معصوم وہ ہے جو گناہ کر ہی نہیں سکتا اور محفوظ کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کر تو سکتا ہے لیکن کرتا نہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ محفوظ ہیں۔

---

(۱) اس کے یہ معنی نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے قدرت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ عصمت کا مدار ان ہی دو چیزوں پر ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا یعنی اول تو ان کی فطرت اتنی پاکیزہ اور مصفّٰی مزکی ہوتی ہے کہ وہ گناہ و معصیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور گناہ کا تصور فطرۃً ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ دوم یہ کہ حفاظت الٰہی کی نگرانی ایک لمحہ کے لئے ان سے جدا نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کے ہوتے ہوئے صدورِ معصیت کا امکان نہیں رہتا۔ (مدیر)

الغرض نبوت ورسالت کے عظیم ترین منصب کے لئے حق تعالیٰ اسی شخصیت کو بحیثیت نبی ورسول کے منتخب کرتا ہے جو حسب ونسب، اخلاق واعمال، عقل وبصیرت، عزم وہمت اور تمام کمالات میں اپنے دور کی فائق ترین شخصیت ہو، نبی تمام جسمانی وروحانی کمالات میں یکتائے زمانہ ہوتا ہے اور کسی غیر نبی کو کسی معتد بہ کمال میں اس پر فوقیت نہیں ہوتی، قرآنی وشرعی الفاظ میں اس شخصیت کا انتخاب اجتبا، اور اختیار خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، کون نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، اس کے لئے ظاہر وباطن اور سر وجہر سب عیاں ہے، ماضی ومستقبل اور حال کے تمام حالات بیک وقت اس کے علم میں ہیں، اس میں نہ غلطی کا امکان نہ جہل کا تصور، قرآن کریم کی بے شمار آیات میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے:

﴿اِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [النساء:٣٢]

اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [یونس:٦١]

اور غائب نہیں تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی، نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ [الانعام:٣]

وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ کو اور ظاہر کو۔

ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم محیط نبوت ورسالت کے لئے کسی شخصیت کو منتخب کرے گا تو اس میں کسی نقص کے احتمال کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اس منصب کے لئے جس مقدس ہستی پر حق تعالیٰ کی نظر انتخاب پڑے گی اور جسے تمام انسانوں سے چھانٹ کر اس عہدہ کے لئے چنا جائے گا، وہ اپنے دور کی کامل ترین، جامع ترین، اعلیٰ ترین اور موزوں ترین شخصیت ہوگی، البتہ خود انبیاء ورسل کے درمیان کمالات ودرجات میں تفاوت اور فرق مراتب اور بات ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ نبوت ورسالت محض عطیہ الٰہی ہے، کسب واکتساب سے اس کا تعلق نہیں کہ محنت ومجاہدہ اور ریاضت ومشقت سے حاصل ہو جائے، دنیا کا ہر کمال محنت ومجاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن نبوت ورسالت حق تعالیٰ کا اجتبائی عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ تصریحات موجود ہیں:۔

﴿اللهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:٧٥]

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغامبر اور انسانوں سے۔

﴿اللهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ [الانعام:١٢٤]

اللہ کو خوب علم ہے جہاں رکھتا ہے وہ اپنے پیغامات۔

ان حقائق شرعیہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی نبی و رسول فرائض نبوت میں کوتاہی بھی کر سکتا ہے، کجا کہ کسی نبی نے ۔معاذ اللہ۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہیاں کی ہوں، اس لئے یہ کہنا کہ ''فلاں نبی سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔'' ''نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا۔'' یا یہ کہ ''فلاں نبی بغیر اذنِ الٰہی کے اپنی ڈیوٹی سے ہٹ گیا۔'' انتہائی کوتاہی کی بات ہے اور وہ اپنے اندر بڑے سنگین مضمرات رکھتی ہے۔ اسی طرح کسی مشکل مقام کی تہہ کو نہ پہنچنے کی بنا پر یہ اٹکل پچو کلیہ گھڑ لینا کہ ''عام انسانوں کی طرح نبی بھی مومن کے بلندترین معیارِ کمال پر ہر وقت قائم نہیں رہ سکتا، وہ بھی بسا اوقات تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ کی طرف سے اسے متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ عمل محض ایک ''جاہلیت کا جذبہ'' ہے تو نبی فوراً اسلامی طرز فکر کی طرف پلٹ آتا ہے۔'' نہایت خطرناک بات اور مقام نبوت سے ناشناسائی کی عبرت ناک مثال ہے:

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اسی طرح یہ کہنا کہ ''نبی اور رسول پر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے ...... اور آنا چاہئے ...... جب کہ اس سے عصمت کا پردہ اٹھا لیا جاتا ہے اور اس سے ایک دو گناہ کرائے جاتے ہیں تاکہ اس کی بشریت ظاہر ہو'' یہ ایک ایسا خطرناک قسم کا غلط فلسفہ (سوفسطائیت) ہے جس سے تمام شرائع الٰہیہ اور ادیان سماویہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

نبوت سے عصمت کے جدا ہو جانے کے معنی یہ ہوئے کہ عین اس وقت نبی کی حیثیت ایک ایسی شخصیت کی نہیں ہوتی جو امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہو، اور جسے امین و مامون قرار دیا گیا ہو، اس وقت اس کی حیثیت ایک عام انسان کی سی ہوگی یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہیئے کہ عین اس حالت میں جب کہ نبی سے عصمت اٹھالی جاتی ہے وہ نبوت اور لوازم نبوت سے موصوف نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ غلط منطق تسلیم کرلی جائے تو سارا دین ختم ہو جاتا ہے نبی اور رسول کی ہر بات ...... معاذ اللہ ...... مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی قول و عمل اور تلقین و تعلیم قابل اعتماد نہیں رہتی کیونکہ ہر لحہ یہ احتمال رہے گا کہ شاید یہ ارتفاعِ عصمت اور انخلاع عن النبوت کا وقت ہو ...... بظاہر یہ بات جو بڑے حسین و جمیل فلسفہ کی شکل میں پیش کی گئی ہے، غور کیجئے تو یہ اس قدر غیر معقول اور ناقابل برداشت ہے کہ کوئی معقول آدمی جو شریعت الٰہی کو سمجھتا ہو، اس کی جرأت تو کجا اس کا تصور تک نہیں کر سکتا؟ جن لوگوں کی زبان و قلم سے یہ بات نکلی ہے ...... اور افسوس ہے کہ بڑے اصرار و تکرار سے مسلسل نکلتی جارہی ہے ...... ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ انہیں نہ علم کی حقیقت تک رسائی ہوئی ہے نہ نبوت کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح سمجھا ہے۔

اور یہ بات بھی کسی علم و دانش کا پتہ نہیں دیتی کہ جب تک ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو عام انسانوں کی طرح دو چار گناہوں میں مبتلا نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہمیں ان کی بشریت کا یقین ہی نہیں آئے گا ...... کون نہیں جانتا کہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کھاتے ہیں، پیتے ہیں، انہیں صحت و مرض جیسے بیسیوں انسانی عوارض لاحق ہوتے

ہیں، وہ انسانوں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے انسانی نسل چلتی ہے، علاوہ ازیں وہ بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرماتے ہیں، کیا ان تمام چیزوں کے بعد بھی اس بات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ جب تک ان سے عصمت نہیں اٹھالی جاتی اور دو ایک گناہ نہیں ہونے دیئے جاتے تب تک ان کی بشریت مشتبہ رہے گی؟ اور ہمیں ان کی بشریت کا یقین نہیں آئے گا؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بھول چوک اور خطاء ونسیان تو خاصۂ بشریت ہے، مگر گناہ ومعصیت مقتضائے بشریت نہیں بلکہ خاصۂ شیطانیت ہے، انسان سے گناہ ہوتا ہے تو محض تقاضائے بشریت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ شیطان کے تسلط واغواء سے ہوتا ہے، اس لئے گناہوں کے ارتکاب سے انبیاء علیہم السلام کی بشریت ثابت نہیں ہوگی بلکہ اور ہی کچھ ثابت ہوگا اور جو لوگ بھول چوک اور ''معصیت'' کے درمیان فرق نہیں کر سکتے انہیں آخر کس نے کہا ہے کہ وہ ان نازک علمی مباحث میں الجھ کر ''ضلوا فأ ضلوا'' (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) کا مصداق بنیں۔

بہر حال یہ عصمت اور کمالات نبوت تو ہر نبی کے لئے لازم وضروری ہیں اب غور فرمایئے کہ جس مقدس ترین شخصیت کو تمام انبیاء ورسل کی سیادت وامامت کے مقام پر کھڑا کیا گیا ہو، جسے ختم نبوت ورسالت کبری کا تاج پہنایا گیا ہو، اور جسے ع ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز کیا گیا ہو (بآبائنا وامھاتنا ﷺ) کائنات کی اس بلند ترین ہستی کے شرف وکمال، طہارت ونزاہت، حرمت وعظمت، عفت وعصمت اور رسالت ونبوت کا مقام کون معلوم کر سکتا ہے؟ اگر ایسی فوق الادراک ہستی کے بارے میں بھی کوئی ایسا کلمہ کہا جائے کہ کسی وقت غیر معصومیت ان پر بھی آسکتی ہے تو کیا اس عظیم ترین جرم کی انتہا معلوم ہو سکتی ہے؟

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہوئے، اور منصب رسالت ونبوت کی سیادتِ کبریٰ سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو آخری شریعت اور قیامت تک آنے والی تمام قوموں اور نسلوں کے لئے آخری قانون بنایا گیا تو اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت تھی، ایک یہ کہ آسمانی قانون قیامت تک جوں کا توں محفوظ رہے، ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے اس کی حفاظت کی جائے، الفاظ کی بھی اور معانی کی بھی، کیونکہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو اور معانی کی حفاظت نہ ہو تو یہ حفاظت بالکل بے معنی ہے، دوم یہ کہ جس طرح علمی حفاظت ہو اسی طرح عملی حفاظت بھی ہو، اسلام محض چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظامِ عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے، اس لئے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کی علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم وعمل کی حامل وامین ہو، حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی، تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہو کر عقائد حقہ اختیار کئے، رضائے الٰہی کے لئے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا، ان کے کسی طرز عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی، الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لئے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم ومزکی اور استاذ واتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران:١٦٤]

بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول، ان ہی میں سے، وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جا رہی تھی، اس لئے ضروری تھا یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لئے قابل اعتماد ہوں، چنانچہ قرآن وحدیث میں جا بجا ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے، چنانچہ:

الف:...... وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللّٰہیت پر شہادت دی اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا کہ ان کو رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الف صلاۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاًمِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ
السُّجُوْدِ﴾ [الفتح:٢٩]

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں۔ وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا

فضل اور اس کی رضا مندی ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔

گویا یہاں **محمد رسول اللہ** (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت وکردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک وشبہ ہو، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہئے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے:

''کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا''

ب:...... حضرات صحابہؓ کے ایمان کو ''معیارِ حق'' قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق وسفاہت کی دائمی مہر ثبت کردی گئی:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة:۱۳]

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے ''تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں'' تو جواب میں کہتے ہیں ''کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں؟'' سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے۔

ج:...... حضرات صحابہ کرام کو بار بار ''رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ'' (اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے یہ اس شدت وکثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرام کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا، کسی نبی کا اسم گرامی آپ 'علیہ السلام' کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی ''رضی اللہ عنہ'' کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر، بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہئے کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو نصِ قطعی موجود ہے، اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا'' بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

۵: حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو ''معیاری راستہ'' قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى﴾ [النساء:١١٥]

اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے۔

آیت میں ''المؤمنین'' کا اولین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے، رضی اللہ عنہم، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار اور ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ صحابہؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

۶: اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ﴾ [التحريم:٨]

جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں آیات میں صحابہ کرام کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت۔ معاذ اللہ۔ نا قابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کر سکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن۔ رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مجروح ہو جاتی ہے۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو، صحابہ کرامؓ چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لئے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں ان پر مال و جاہ کی

حرص میں احکام خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات دھرے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری، اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ''معیار'' قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی ''آمنوا کما امن الناس'' انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی، جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا، انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے، جن مردانِ خدا کے صدق و امانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی:

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيلاً﴾ [الاحزاب:۲۳]

یہ وہ ''مرد'' ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جانِ عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم و استقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق و امانت سے موصوف تھے، نہ اخلاص و ایمان کی دولت انہیں نصیب تھی جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز و اقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت و آسائش کو، اپنے جذبات و خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص و ہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی، لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً اِدًّا۔

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرامؓ امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی، قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے امان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لئے آیا تھا، ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے، اس کا اعلان تھا:

﴿وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف:۸]

اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تزکیہ فرمایا، ان کی توثیق و تعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لئے یہ اعلان فرما دیا:

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلة:۲۲]

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، بالخصوص خلفائے

راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل کی تو انتہا کردی، جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب، ان کے مزایا وخصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبتِ رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جرم فرمایا:

”الله الله فى أصحابى، الله الله فى أصحابى، لا تتخدوهم غرضاً من بعدى، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم ، ومن آذاهم فقد آذانى، ومن آذانى فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن ياخذه“.(١)

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اور اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لئے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں، ارشاد ہے:

”لا تسبوأصحابى، فلوأن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً مابلغ مُدّاحدهم ولا نصيفه“(٢)

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشرِ عشیر کو۔

مقامِ صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون ومردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں فرمایا:

---

(١) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:٢ ص:٢٢٥ ط:قدیمی

(٢) صحیح البخاری، کتاب المناقب ج:١ ص:٥١٨، ط:قدیمی. صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تحریم سب الصحابة ج:٢ ص:٣١٠، ط:قدیمی

"اذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم"(۱)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم

---

(۱) سنن الترمذي، ابواب المناقب، باب في من سب اصحاب النبي ﷺ ج:۲ ص: ۲۲۵، ط: قديمی

اس اصول کے علاوہ جو مولانا محترم مد فیضہم نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے اس حدیث پاک کے مفہوم منطوق سے کئی اور اہم مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں مختصراً ان کی طرف اشارہ کر دینا مفید ہوگا:

① حدیث میں "سب" سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ وہ قائل کے ملعون ومطرود ہونے کی دلیل ہے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے (وقد صرح به بقوله فمن آذاهم فقد آذاني) اور آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے لقوله تعالى ﴿أن تحبط أعمالكم وأنتم لاتشعرون﴾

③ صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے "فان الأمر للوجوب"

④ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہؓ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے لعنة الله على شركم.

⑤ "شرکم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے ناقدین صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہؓ کی جڑ کٹ جاتی ہے، خلاصہ اس کنایہ کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل جلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد (ﷺ) کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوار مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر دیے جاتے اور تشنہ کا "مان محبت" "هل من مزيد" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو كأني أرى الله عياناً کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں كانما على رؤسنا الطير کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف هذا الأبيض المتكي سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جو دیدار محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانۂ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغة الله" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے، تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید وملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت وغضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سر محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف وحیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھی دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہئے؟! (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔(١)

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابۂ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرزِ عمل قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور ارشاداتِ نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیتِ منصب نبوت کے عاید کئے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیۂ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرضِ منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے، حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں۔

---

(١) بقیہ حاشیہ: علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے:

أتهجوه ولست له' بكفوء　　　فشركما لخير كما فداء

ترجمہ: کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔

⑥ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقیدِ صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے، آپ جب کسی شخص کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے اور جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو کماحقہٗ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے، یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ خبث جو تنقیدِ صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

⑦ حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہِ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے، اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں، اب رہا یہ قصہ کہ "تم دونوں میں برا" کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

⑧ حدیث میں "فقولوا" کا خطاب امت سے ہے گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر "فليس منا" کی وعید سنائی گئی ہے۔

⑨ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموسِ شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموسِ صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔

⑩ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہ کی جماعت بھی ان "مارقین" سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحۃً بھی آ رہا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ (مدیر)

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ اناللہ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذ بالله من الغواية والسفاهة۔ چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ''بدا'' ہوتا ہے، یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہو جاتا ہے، جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرام کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا......؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے، بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو:

''من آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيو شك أن يأخذه''(۱)

جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت رہا ہے، تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ:

''ونكف عن ذكر الصحابة الا بخير''

اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرام کا ''ذکر بالخیر'' ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردِ الزام قرار دیتا ہو، اور ان پر سنگین اتہامات کی فردِ جرم عائد کرتا ہو وہ اہل حق میں شامل نہیں ہے۔

جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قبائح صحابہ کو ایک مرتب فلسفہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے ''تحقیق'' کا نام دیتے ہیں، انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسویدِ اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین سے بیزار کر دیا جائے اور ہرایرے غیرے کو صحابہ کرامؓ پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے، جنہیں نہ علم ہے

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵ ط:قدیمی

نہ عقل، نہ فہم ہے نہ فراست۔

اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہونے لگا ہے، الامان والحفیظ۔

کہا جاتا ہے کہ ’’ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود تھا۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کر دیا ہے۔‘‘ افسوس ہے کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا کہ صرف اتنا عذر طعن صحابہ کی وعید سے بچنے کے لئے کافی نہیں، اور نہ وہ اتنی بات کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

اولاً:..... قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ، احادیث ثابتہ اور اہل حق کا اجماع صحابہ کی عیب چینی کی ممانعت پر متفق ہیں، ان قطعیات کے مقابلہ میں ان تاریخی قصہ کہانیوں کا سرے سے کوئی وزن ہی نہیں، تاریخ کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں تمام رطب و یابس اور صحیح وسقیم چیزیں جمع کی جاتی ہیں، صحت کا جو معیار ’’حدیث‘‘ میں قائم رکھا گیا ہے، تاریخ میں وہ معیار نہ قائم رہ سکتا تھا نہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے حضراتِ محدثین نے ان کی صحت کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں:

ولیعلم الطالب أن السیرا
یجمع ماقد صح وما قد أنکرا

یعنی علم تاریخ و سیر صحیح اور منکر سب کو جمع کر لیتا ہے۔

اب جو شخص کسی خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی مواد کو کھنگال کر تاریخی روایات سے استدلال کرنا چاہتا ہے اسے عقل و شرع کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں تاریخ میں لکھی ہے بلکہ جس طرح وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ روایت اس کے مقصد و مدعا کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسے اس پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ کیا یہ روایت شریعت یا عقل سے متصادم تو نہیں؟ اس اصول کی وضاحت کے لئے یہاں صرف ایک مثال کا پیش کرنا کافی ہوگا۔

آپ ’’خلیفہ راشد‘‘ اسے کہتے ہیں جو ٹھیک منہاجِ نبوت پر قائم ہو اور اس کا کوئی عمل اور کوئی فیصلہ منہاجِ نبوت کے اعلیٰ معیار سے ہٹا ہوا نہ ہو، اب آپ ایک صحابیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہوئے اس پر یہ الزام عائد کرتے کہ انہوں نے بلا کسی استحقاق کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) اپنے فلاں رشتہ دار کو بخش دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ’’خلافت راشدہ‘‘ اور منہاجِ نبوت یہی ہے جس کی تصویر اس افسانے میں دکھائی گئی ہے؟ اور آج کے ماحول میں اس روایت کو من و عن تسلیم کرنے سے کیا یہ ذہن نہیں بنے گا کہ خلافتِ راشدہ کا معیار بھی آج کے جابر حکمرانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہوگا جو اپنے رشتہ داروں کو روٹ پرمٹ اور امپورٹ لائسنس مرحمت

فرماتے ہیں؟ اسی پر ان دوسرے الزامات کو قیاس کر لیجئے جو بڑی شانِ تحقیق سے عائد کئے گئے ہیں۔

ثانیاً:...... یہ تاریخی روایات آج یکا یک نہیں ابھر آئی ہیں بلکہ اکابر اہلِ حق کے سامنے یہ سارا کچھ موجود رہا ہے اور وہ اس کی مناسب تاویل و توجیہ کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ان تاریخی واقعات کو بڑی آسانی سے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے، اب ایک شخص اٹھتا ہے اور ''بے لاگ تحقیق'' کے شوق میں ان کے ایسے محمل تلاش کرتا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کی صریح تنقیص اور ان کی سیرت و کردار کی گراوٹ مفہوم ہوتی ہے، کیا اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھا جائے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں وہ ''حسن ظن'' رکھتا ہے؟

اور عجیب بات یہ کہ جب اس کے سامنے اکابر اہل حق کے طرزِ تحقیق کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان حضرات کو ''وکیل صفائی'' کہہ کر ان کی تحقیقات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، غالباً یہ دنیا کی نرالی عدالت ہے جس میں ''وکیل استغاثہ'' کے بیان پر یک طرفہ فیصلہ دیا جائے اور ''وکیل صفائی'' کے بیانات کو اس جرم میں نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ کسی مظلوم کی طرف سے صفائی کا وکیل بن کر کیوں کھڑا ہو گیا ہے، اوپر قرآن و سنت کی جن نصوص کا حوالہ دیا گیا اور اہل حق کے جس اجماعی فیصلہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ صرف حافظ ابن تیمیہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسول اور پوری امت کے اہل حق، صحابہ کرام کے ''وکیل صفائی'' ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ وکیل صفائی کی صف میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا وکیل استغاثہ کی صف میں۔

ثالثاً:...... ان تاریخی روایات کے متفرق جزئی واقعات کو چن چن کر جمع کرنا، انہیں ایک مربوط فلسفہ بنا ڈالنا، جزئیات سے کلیات اخذ کر لینا اور ان پر ایسے جلی اور چبھتے ہوئے عنوانات جمانا جنہیں آج کی چودھویں صدی کا فاسق سے فاسق بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرے گا، یہ نہ تو دین و ملت کی کوئی خدمت ہے، نہ اسے اسلامی تاریخ کا صحیح مطالعہ کہا جا سکتا ہے، البتہ اسے ''تاریخ سازی'' کہنا بجا ہوگا۔ بقول سعدیؒ:

''ولیکن قلم در کفِ دشمن است''

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی ادنیٰ مسلمان اپنے بارے میں یہ سننا پسند کرے گا کہ اس نے خدائی دستور کو بدل ڈالا؟ اس نے بیت المال کو گھر کی لونڈی بنالیا؟ اس نے مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی؟ اس نے عدل و انصاف کی مٹی پلید کر ڈالی؟ اس نے دیدہ و دانستہ نصوصِ قطعیہ سے سرتابی کی؟ اس نے خدائی قانون کی بالادستی کا خاتمہ کر ڈالا؟ اس نے اقربا پروری و خویش نوازی کے ذریعہ لوگوں کی حق تلفی کی؟

کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیز گار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں...... اور یقیناً نہیں...... تو کیا صحابہ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب و قبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے، پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہؓ کا ''ذکر بالخیر'' ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہئے:

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ کہو' تم میں سے (یعنی صحابہ کرام' اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت!''۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، بعد کی امت کے لئے حق و باطل کا معیار ہیں، انہیں معیتِ نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لئے مایۂ صد افتخار ہے، اس لئے امت کے کسی فرد کا ..... خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوراں اور علامۂ زماں ہی کہلواتا ہو ..... ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے ..... ایاز! قدر خویش بشناس!! یہ دنیا حق و باطل کی آماجگاہ ہے، یہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آجاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنے کی استعداد ہی سلب ہو جاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے، اہل حق وتحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ ''میں یہ سمجھتا ہوں'' کی بر خود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں اخلاص وخیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں حق تعالیٰ جل ذکرہ' ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ وضلال سے محفوظ فرمائے، اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔(۲)

﴿ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب﴾ وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه صفوة البرية محمد وعلىٰ آله وأصحابه وأتباعه أجمعين آمين.

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵، ط: قدیمی

(۲) مندرجہ بالا مضمون مجلس دعوت وتحقیق اسلامی کے رفیق کار جناب مولانا یوسف طلال امریکی کے قلم سے انگریزی منتقل ہوکر کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ (مختار)

حیاۃ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

مسئلہ حیات انبیاء اور اس کے متعلقات پر جب حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب شیخ الحدیث نصرۃ العلوم کی تالیف ''تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتی فی البرزخ والقبور'' شائع ہوئی تو ذیل کا مضمون اس کی تائید و تقریظ میں لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، خصوصاً علی سیدنا محمدن المصطفی وآلہ وصحبہ ماکفی وشفی، أما بعد:

انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا، شہداء کی حیات بنصِ قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی، اور احادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی لیکن برا ہو اختلاف اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آ کر مشتبہ ہوگئی، کتنی ہی تاریخی بدیہیات کو کج بحثوں نے نظری بنالیا اور کتنے ہی حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کجرو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں، زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی؟ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا اور کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟ اور کیا امام حسینؓ کو باغی اور واجب القتل اور یزید (بن معاویہؓ) کو امیر المؤمنین اور خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتبِ رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟ اگر عقلِ سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا تو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ختم ہی ہوجائے گا۔

الغرض حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کی کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا، عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے، علماء معصوم تو ہیں نہیں، (۱) کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی وکلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا۔ گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاءؑ، سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم ہو سکتے

---

(۱) یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ بدلائلِ شرعیہ امت من حیث المجموع خطاء سے محفوظ ہے یعنی شرعاً یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ سب کی سب کسی مسئلہ میں ۔معاذ اللہ۔ غلطی پر متفق ہوجائے۔ ہمارے یہاں کے ملاحدہ نے ''عصمت انبیاء کرام کا خاصہ ہے'' کے نعرہ کو کلمۃ حق أرید بہ الباطل کے طور پر دین کے قطعی متواتر اور اجماعی مسائل کے ابطال بلکہ پورے دین ہی کو ''عجمی سازش'' قرار دینے کے لئے ڈھال بنالیا۔ (مدیر)

ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے، بہر حال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، خلفشار کو ختم کرنے کے لئے اربابِ فکر و خلوص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے، ختم کرنے کی کوشش کریں، راقم الحروف کا نام بھی انہیں میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب مؤثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کا جواب بھی دیا جائے اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کیا جائے، باتفاق رائے اس کام کی انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہو گئے، جن کے دماغ میں بحث و تمحیص کی صلاحیت بھی ہے اور قلم میں پختگی بھی، علومِ دینیہ اور حدیث و رجال سے اچھی اور قابلِ قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے، مختلف مظان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی، الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع، واضح، عالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول سے نوازے اور اس قسم کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

عرصہ ہوا کہ میرے رفیقِ محترم جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری، جن کو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے نہ صرف شرفِ تلمذ حاصل ہے بلکہ فرزند نسبتی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، جن کے قلم سے صحیح بخاری کی محققانہ اردو شرح انوار الباری وجود میں آ رہی ہے اور اب سے اکتیس بتیس سال قبل مصر و استنبول کے علمی سفر میں میرے رفیقِ طریق رہے ہیں، ان کے ایک خط کے جواب میں ۱۳۷۹ھ میں، میں نے اس موضوع پر قلم برداشتہ نہایت عجلت میں جو کچھ لکھا تھا نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں اس خط کا کچھ اقتباس نقل کر دیا جائے تا کہ اس مسئلہ میں میری قدیم ذاتی رائے بھی معلوم ہو جائے، اگرچہ وہ مجمل اشارات ہیں اور مخاطب ایک عالم تھے، تفصیل کی حاجت نہیں تھی لیکن اس موضوع پر ایک جامع اور منقح فیصلہ کی حیثیت سے ایک متن ہے، تشریح جتنی چاہے کر لیجئے، واللہ المستعان۔

محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات

① شہداء کے لئے نصِ قرآن "حیات" حاصل ہے اور مزید دفع تجویز کے لئے "یرزقون" کا ذکر بھی کیا گیا ہے جیسے آج کل محاورہ بھی ہے "فلان حی یرزق" عام اہلِ برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

② جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ و ارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی — علیہم الصلوات والتسلیمات — اور جب مرتبہ اعلیٰ و ارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ

واکمل ہوگی۔

③اس حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں "ان الله حرم على الارض أن تأكل اجسادالانبياء"(۱)، اور حدیث "الانبياء احياء فى قبورهم يصلون"(۲)، اور اس کے علاوہ بھی روایات ہیں، اوران احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیح موجود ہیں، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیۂ حج۔

④روح کے تعلقات اجساد سے پانچ قسم کے ہیں:

۱-فی حالۃ الجنین۔ ۲-بعد الولادۃ فی الدنیا اور اس کی دوصورتیں ہیں:

۳-حالت نوم میں اور حالت یقظہ میں ۴-بعد الموت فی البرزخ

۵-بعد البعث فی الحشر

ضعیف ترین اول ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے كما حققه المتكلمون وابن القيم فى كتاب الروح والقارى فى شرح الفقه الأكبر۔

⑤انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے "ان عيناى تنامان ولا ينام قلبى"(۳) اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم أخ الموت اور عام موتی میں تحقیق موت سے انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علوِ مرتبہ جتنا ہوتا ہے اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

⑥مفارقۃ الروح عن الجسد سے مفارقۃ تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

⑦اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو تروّح کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کی کیفیت طاری ہوئی، تجسد ارواح اور تروّح اجساد دونوں کی نظریں عالمِ شہادۃ میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔

⑧دنیا میں صوفیاء کرام کے یہاں ابدانِ مثالیہ کا تعدد وقت واحد میں، متعدد امکنۂ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالا جساد المتروحہ اس کی نظیر ہوگی۔

⑨الغرض انبیاء کرام کے لئے حیاۃ، بقائے اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الصلوة، باب فى فضل الجمعة ص:٧٦، ط: قديمى. ايضاكتاب الصلوة، ابواب ماجاء فى الجنائز، باب ماجاء فى ذكر وفاته ودفنه ﷺ ص:١١٨، ط: قديمى. سنن ابى داؤد، كتاب الصلوة، تفريع ابواب الجمعة ج:١ ص:١٥٠، ط: حقانيه پشاور. سنن النسائى، كتاب الصلوة، باب اكثار الصلوة على النبى ﷺ يوم الجمعة ج:١ ص٢٠٤، ط: قديمى

(٢) مجمع الزوائدللهيثمى، باب ذكر الانبياء ج:٨ ص:١٤٤، ط: دارالفكر بيروت

(٣) صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب قيام النبىؐ بالليل فى رمضان ج:١ ص:١٥٤، ط: قديمى. صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب صلوة الليل وعدد ركعات النبىؐ ج:١ ص:٢٥٤، ط: قديمى

⑩ یہ حیات، دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو حیاتِ دنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہرحال وہ حیاۃ دنیوی بھی ہے اور حیاۃ برزخی بھی، صرف حیاتِ برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں بلکہ اقویٰ واکمل ہے اس لئے حیات دنیوی کے مماثل ہے بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔

اختلاف تعبیرات میں نزوعِ لفظی ہے اس دنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

⑪ اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے۔ بہرحال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرۃ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے اور اس علت کی تنقیح، اصولی تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایمانی

آفتابِ نبوت کے غروب ہوتے ہی ایمانی روشنی میں اضمحلال وضعف رونما ہونا شروع ہو گیا تھا، عہد نبوت میں ایمان ویقین کی جو تابانی وشدت تھی وہ روز بروز زوال پذیر ہوتی رہی، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں صحابہؓ کی جو ایمانی کیفیت تھی وصال کے بعد اس میں اضمحلال شروع ہوا بلکہ حیاتِ مقدسہ میں حضور وغیبت کا فرق تھا، صحابی رسول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ''صحیح مسلم'' وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ کہیں جارہے تھے راستہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا کہاں جارہے ہو؟ جواب دیا کہ: کیا پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہوگیا، صدیق اکبرؓ فرمانے لگے سبحان اللہ! خیر تو ہے کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ ہم جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں آپ جب جنت دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن گھر آکر دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوکر اور بیوی بچوں میں مصروف ہوکر یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے، حضرت صدیقؓ یہ سن کر فرمانے لگے کہ: اگر یہ نفاق ہے تو پھر میں بھی اس میں مبتلا ہوں دونوں بارگاہِ نبوت میں پہنچے، حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو منافق ہوگیا، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حنظلہؓ نے صورتِ حال بیان کی، سننے کے بعد آپ نے فرمایا:

> ”والذى نفسى بيده انكم لو تدومون على ماتكونون عندى وفى الذكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفى طرقكم ولكن يا

حنظلة ساعة فساعة"(١)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہاری یہ حالت جو میری مجلس میں ہوتی ہے یا ذکر اللہ کی حالت میں ہوتی ہے ہر وقت باقی رہتی تو (تم اتنے اونچے ہوتے) کہ فرشتے تم سے تمہارے گھروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے اور ملتے لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے (ہمیشہ باقی نہیں رہتی)۔

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں حاضری اور غیر حاضری کا فرق نمایاں تھا، ایمان ویقین کی کیفیات کے اندر تفاوت ہوتا تھا، پھر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو ظاہر ہے کہ یہ تفاوت بہت نمایاں ہوگیا، جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ صحابی رسول سے مروی ہے:

"لما كان اليوم الذى قدم فيه رسول الله ﷺ المدينة اضاء منها كل شى فلما كان اليوم الذى مات فيه اظلم منها كل شئي قال: ومانفضنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الأيدى حتیٰ أنكرنا قلوبنا"(٢)

جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی لیکن جس دن آپ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور فرمایا: ہم نے آپ کو دفن کر کے ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے دلوں میں فرق محسوس کرنے لگے۔

اسی قسم کا مضمون ''تاریخ ابن کثیر'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ (٣)

''سنن ابن ماجہ'' میں حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک حدیث اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث مروی ہے جن کا حاصل یہ ہے:

''عہدِ نبوت میں نماز ایسے خشوع سے ہوتی تھی کہ نمازی کی نگاہ قدموں سے آگے متجاوز نہیں ہوتی تھی، عہد صدیقی میں اس قدر فرق ہوگیا کہ نگاہ قدموں سے آگے بڑھ کر سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھتی تھی، عہد فاروقی میں قبلہ کے رخ سے نگاہ ہٹ کر دائیں بائیں نہیں جاتی تھی لیکن جب عہد عثمانی آیا اور فتنوں کا دور شروع ہوا تو نمازی کی نگاہ دائیں بائیں جانے لگی''۔ (٤)

---

(١) صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب فضل دوام الذكر والفكر فى امور الآخرة ج:٢ ص:٣٥٥، ط: قديمى

(٢) سنن الترمذى، ابواب المناقب، باب ماجاء فى فضل النبى ﷺ ج:٢ ص:٢٠٢، ط: فاروق كتب خانه ملتان. سنن ابن ماجه، كتاب الصلوة، ابواب ماجاء فى الجنائز، باب ماجاء فى ذكر وفاته ودفنه ﷺ ص:١١٧، ط: قديمى

(٣) البداية والنهاية، باب ما اصاب المسلمين من المصيبة بوفاته ﷺ، ج: ٥ ص: ٢٧٤، ط: مكتبة المعارف بيروت

(٤) سنن ابن ماجه، كتاب الصلوة، ابواب ماجاء فى الجنائز، باب ماجاء فى ذكر وفاته ودفنه ﷺ ص: ١١٨، ط: قديمى

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاسبۂ نفس

سبحان اللہ کیا ٹھکانا! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذکاوتِ حس اور اس دقیق محاسبہ کا کہ کس طرح اپنی عبادات کا جائزہ لیتے تھے اور اپنے قلوب کی کیفیات اور اعمال کا کیسا محاسبہ کرتے تھے، ٹھیک جس طرح ہم آج اپنی معمولی سی جسمانی کیفیت کے فرق کو محسوس کرتے ہیں اور اس کی تدبیر میں لگ جاتے ہیں اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ روح وقلب کے تغیرات کا جائزہ لیا کرتے تھے اور اس کی فکر کرتے تھے اور اصلاح حال کی تدابیر اختیار فرماتے تھے۔

''صحیح بخاری'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد ہر چیز میں تغیر آ گیا کوئی چیز بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی بجز نماز اور پھر فرمایا:

"وهذه الصلاة قد ضيعت"(١)

اور یہ نماز بھی ضائع ہوگئی۔

مطلب یہ کہ نماز بھی ایسی نہیں رہی، حقوق وآداب خشوع وخضوع سے جس طرح پہلے ہوتی تھی وہ بات اب نہیں رہی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> والله لقد أدركت سبعين بدر ياً اكثر لباسهم الصوف ولورأيتموهم قلتم مجانين، ولو رأوا خياركم لقالوا ما لهؤلاء من خلاق، ولو رأوا شراركم لقالوا: مايؤمن هؤلاء بيوم الحساب"(٢)

بخدا میں نے ستر ٧٠ بدری صحابہ کو دیکھا جن کا زیادہ تر لباس صوف ہوتا تھا اور وہ صحابہ ایسے تھے کہ تم اگر ان کو دیکھتے تو تم ان کو دیوانہ کہتے اور اگر وہ تمہارے بہترین لوگوں کو دیکھتے تو کہہ دیتے کہ ان لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر وہ تمہارے برے لوگوں کو دیکھتے تو فرمادیتے کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ صحابہ اور بالخصوص بدری صحابہ آخرت کے کاموں اور اللہ ورسول کی مرضیات میں ایسے منہمک تھے جس کی وجہ سے ان کو نہ اپنی جان کی فکر تھی، نہ اپنی اولاد کی، نہ دنیا کے عیش وآرام کا خیال، بہر حال ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ یہ تو دیوانے ہیں اور تمہارے جیسے، اور بہترین اشخاص تھی اپنی جان،

---

(١) صحيح البخاری، كتاب الصلوة، باب فی تضييع الصلوة عن وقتها ج:١ ص:٧٦، ط: قديمی

(٢) حلية الاولياء، ذكر الحسن البصری ج:٢ ص:١٣٤، ط: دار الكتاب العربی بيروت

اپنی اولاد کی فکر کو مقصود بنائے ہوئے ہیں اس لئے ان کو دیکھ کر بھی کہا جائے گا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور تمہارے شریر اور بدکار لوگوں کو دیکھ کر کہا جائے گا کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان ویقین نہیں رکھتے۔

حسن بصری تابعی ہیں ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اور آج ان کی وفات کو ۱۲۷۷ر برس گذر گئے۔ خیر القرون کے آدمی ہیں جس کی فضیلت زبانِ نبوت سے ثابت ہے حسن بصری آج اگر زندہ ہوجائیں اور ہماری حالت دیکھیں تو سوچئے کیا فتویٰ دیں گے۔

ان حقائق سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرامؓ کے یقین وایمان کا کیا حال تھا اگر عہد تابعین میں صحابہ کرام کی قوت ایمانی کا اندازہ لگانا مشکل تھا تو آج کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کا اندازہ لگاسکیں جو جنس مارکیٹ میں ہی نہ ہو اس کے حسن وخوبی کا اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ آپ نے فرمایا:

وہ جہاد جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امیر معاویہؓ شریک تھے اس جہاد کے غبار کا وہ حصہ جو امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا ہے وہ بھی ابن عبدالعزیزؒ سے بہتر ہے۔

یہ کوئی شاعری نہیں ہے، ابن المبارک امت محمدیہ کے فقیہ ومحدث امام ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں ابن المبارک رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کو شیخ ابن حجر ہیتمی نے ''تطهير الجنان'' میں نقل کیا ہے۔ (۱)

صحابہ کرام کمال ایمان وکمال تقویٰ پر فائز تھے

صحابہ کرام کی فضیلت فوق العادہ ہے جس سے ان نفوس قدسیہ کی قوت ایمانی اور قرب عند اللہ کا اندازہ ہوتا ہے، یہ حضرات کمال ایمان وکمال تقویٰ پر فائز تھے جس کا نام قرآن کریم میں ''ولایت'' ہے، ارشاد ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾

[یونس:٦٣،٦٢]

سنو! اللہ تعالیٰ کے اولیاء جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ ہیں جو کامل طور پر ایمان لائے اور جنہوں نے کمال تقویٰ اختیار کیا۔

ایمان کے بعد مدار قرب وکرامت عند اللہ تقویٰ ہے، جو حضرات سراپا تقویٰ بن جاتے ہیں ان کی صحبتیں، ان کی مجلسیں، ان کی ملاقات اصلاح حال میں عجیب تاثیر رکھتی ہے، یہی ہیں وہ پاک باز نفوس جن کی صحبت سے دل

---

(۱) تطهير الجنان، ص: ۱۰، ط: بیرون بوہر گیٹ ملتان

ودماغ پر ایسے نقوش مرتسم ہوجاتے ہیں جو تنہا عبادت و ریاضت سے سالہا سال میں ممکن نہیں اسی کو کہا گیا ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حدیث نبوی میں ولی اللہ کی ایک واضح علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے، فرمایا گیا:

"وخیار عباد الله اذا رؤا ذکر الله"(۱)

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

تاریخ ابن کثیر میں حضرت حسن بصری کے بارے میں امام یونس بن عبید سے منقول ہے:

"کان الرجل اذا نظر الی الحسن انتفع به وان لم یر عمله ولم یسمع کلامه"(۲)

حضرت حسن بصری کو صرف دیکھنے سے نفع ہوتا تھا اگرچہ ان کا عمل نہ دیکھا جائے اور نہ ان کی گفتگو سنی جائے۔

یہی وہ جلیس صالح ہے جس کی مثال حدیث میں "کحامل المسك" بیان کی گئی ہے یعنی صالح ہم نشین کی صحبت سے ایسا فائدہ ہوتا ہے جیسے مشک اٹھانے والے کو مشک سے، صحبت کی یہی تاثیر ہے جس کی وجہ سے سلاسل صوفیہ میں سے سلسلہ نقشبندیہ میں صحبت شیخ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ جذب کرنے کا یہ متوارث سلسلہ ہے، اسی لئے شیخ سے عقیدت اور محبت ضروری ہے۔ اگر شیخ باکمال ہے اور مرید کا یہ حال ہے تو غیر شعوری طور پر خود بخود محب جان نثار اپنے محبوب کا نمونہ ہوگا اور جتنی محبت اور صلاحیت ہوگی اس کے مطابق یہ نقشہ تیار ہوگا، بعض عشاق منازل عشق منٹوں میں طے کر لیتے ہیں جب کہ دوسرے سالہا سال تک اس سے محروم رہتے ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ عشق ومحبت، پاکیزگی کی یہ داستانیں اب کہاں تلاش کی جائیں! معرفت وقرب الٰہی کے یہ خمخانے کہاں سے لائے جائیں! یہ گلستان اب خزاں کی زد میں آچکا ہے اور اس گلشن کی ویرانی آنکھوں کے سامنے ہے، مشام دماغ کو معطر کرنے کے لئے معرفت کے پھولوں کی مہک کہاں سے لائی جائے۔

مادیت کے اس دور میں بے دینی وفواحش ومنکرات کے زمانے میں یہ افسانے پارینہ نقش ہو گئے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح مادرزاد نابینا سیاہ وسفید میں فرق نہیں کر سکتا اسی طرح مادیت کے دور میں انسان

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الحب فی الله ومن الله ص: ۴۲۷، ط: قدیمی

(۲) البدایة والنهایة، سنة عشر ومائة من الهجرة النبوية، ذکر الحسن البصری ج: ۹ ص: ۲۶۷، ط: مکتبة المعارف بیروت

امکان نہیں ہے کہ عہد نبوت وعہد صحابہ اور قرون مشہود لھا بالخیر کی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جائے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن دو چار ہستیوں کو ہم نے دیکھا ہے اور پایا ہے آج ان کے ایمانی ملکات اور اپنے رب سے تعلق کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور ان حضرات کا اپنے بزرگوں کے بارے میں یہی نظریہ تھا، یہ تنزل عہد نبوت سے شروع ہو چکا ہے اور چودہ سو سال سے جاری ہے، چونکہ اس دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لئے اس تنزل کے باوجود دین سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور دین کے مختلف گوشوں میں کام ہو رہا ہے، بسا غنیمت ہیں وہ حضرات کہ مادیت کے اس تاریک دور میں بھی ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ سے گلشن معرفت کی آبادی میں لگے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ یہ بقایا صالحین سرعت سے آخرت کی طرف جا رہے ہیں۔

[شوال ۱۳۸۷ھ]

اصحاب صفہ

تاریخ اسلام کے سنہرے باب کے چند تعلیمی اوراق ہیں جن کا سرورق اصحاب صفہ سے شروع ہوتا ہے، درحقیقت یہ باب:

﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران:١٦٤]

اور وہ (نبی) ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔

"وانما بعثت معلما"(۱)

اور اس کے سوا نہیں کہ مجھے تو بھیجا گیا ہے (دین) سکھلانے کے لئے۔

کی عملی تفسیر ہے۔ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی -علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام- کے شمالی مشرق جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوسِ قدسیہ تعلیم وتربیت پا رہے تھے، ان نفوس قدسیہ نے اپنی زندگی حصول علم ہی کے لئے وقف کر دی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل سے لکڑی لا کر فروخت کرتے اور گذر بسر کیا کرتے تھے، ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امامِ حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے، ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرامؓ ہی سب سے پہلے متعلم وشاگرد تھے لیکن اسی تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا بھی گذرا کہ مدینہ سے باہر عوالی مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی

---

(۱) سنن ابن ماجه، مقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ٢١، ط: قديمي

مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہ نبوت کی حاضری سے معذور تھے لیکن آپ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالباً ان کا نام اوس بن خولی ہے) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ ﷺ بیان فرمائیں تو وہ رات کو فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت عمرؓ یہی خدمت انجام دیا کریں جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔ الغرض صحابہ کرامؓ جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصول علم کے لئے پورا اہتمام و انتظام فرماتے تھے۔ لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب و روز کی زندگی، اسی حصول علم کے لئے وقف تھی۔ اہل وعیال سے آزاد، نہ تجارت سے غرض نہ زراعت سے مطلب، نہ اپنی معاش کی فکر، نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحاب صفہ کی نفوس قدسیہ ہیں جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی، انہی نفوس قدسیہ سے میں ستر وہ شہداء ''بیر معونہ'' ہیں جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل و ذکوان وغیرہ نے جو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلم و مبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ نے ان قراء کو اس دینی خدمت کے لئے بھیجا تھا، ان بدبخت قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا، جس پر آپ کو شدید صدمہ ہوا تھا اور نماز فجر میں آپ نے دعا قنوت نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے اس واقعہ شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہ بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان ''صحیح بخاری'' میں قابل عبرت و بصیرت ہے:

> ''رأيت سبعين من أصحاب الصفة، ما منهم رجل عليه رداء، اما ازار و اما كساء قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين و منها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن ترى عورته''(۱)

میں نے ستر ایسے اصحاب صفہ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لئے) چادر نہ تھی یا ان کے پاس صرف لنگی تھی یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کملی جس کو انہوں نے گردن سے (پیچھے تک) باندھ رکھا ہوتا تھا، کوئی تو ٹخنوں تک پہنچ جاتی کوئی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی۔ (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے خود حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبر نبوی اور بیت الرسول کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی، خود انہی کی زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے۔ آخر اس جفاکشی اور

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد ج: ۱ ص: ۶۳، ط: قديمى

اس اندازِ طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہیے تھے وہ امت کے سامنے آئے خود انہی کے زبان سے ''صحیح بخاری'' میں مروی ہے:

> "صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث سنين فلم أكن في سني أحرص على أن أعي الحديث مني"(۱)

میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے اپنی عمر میں اپنے سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدونینِ کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں ان کی تعداد ۵۳۷۴/ ہے نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنافی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہ وتابعین کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہی کی روایات سے امت کو پہنچا، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اور ان کے علاوہ اعداءِ اسلام کا سارا زور حضرت ابو ہریرہؓ پر طعن وتشنیع اور عیب چینی پر صرف ہو رہا ہے، کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر ان اصحاب صفہ کے فقر وافلاس کی حالت کو برداشت کیا گیا؟ اور ان کو فکر معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟ کیون ان کو زراعت یا صنعت وحرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدرمق کے لئے زکاۃ وصدقات کا انتظار کیا جاتا اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آجاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کو اربابِ صفہ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لئے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لئے کہ ازواج مطہرات کی تعداد ۹/ تھی اور دسویں آپ تھے، اس لحاظ سے گویا طعام الواحد يكفي الاثنين کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے(۲)، خود بیوت نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا، یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے شواہد وبینات ہیں، اب ذرا قرآن کریم کا ارشاد بھی سنیئے:

> ﴿الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَا هُمْ لَا يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً﴾
>
> [البقرة:۲۷۳]

وہ حاجت مند (تمہاری امداد واعانت کے مستحق ہیں) جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (روزی حاصل کرنے کے لئے) روئے زمین میں (کہیں) جا آ نہیں سکتے، ناواقف آدمی تو ان

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام ج:۱ ص:۵۰۷، ط: قديمي

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين ج:۲ ص:۸۱۲، ط: قديمي

کے (سوال کرنے سے) بچنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں (لیکن) تم ان کے فقر وافلاس کو ان کے چہرہ بشرہ سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے (کہ پیچھے پڑیں اور) اصرار کریں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ انہی نفوس قدسیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کی زندگی کا مقصد وحید صرف تعلیم دین اور جہاد تھا۔

ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس صورت حال کو قائم رکھا بلکہ اس کی تعریف وتوصیف وحی متلو میں بھی فرمائی، کیا یہ واضح دلیل اس کی نہیں ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں جن کی حیات طیبہ کلی طور پر علم دین کے لئے وقف ہو چکی ہو، اس مقدس مشغلہ کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ ہو، اب رہا یہ سوال کہ وہ کھائیں گے کہاں سے اور ضروریات معاش پوری کیسے کریں گے؟ تو قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں اس کا واضح جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ان کی ضرورت کا تکفل اور خبر گیری امت محمدیہ کے ذمہ فرض ہے وہ اپنے صدقات وخیرات اور زکاۃ سے ان کی خدمت کرے گی، اسی لئے علم دین میں مہارت وخصوصیت فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں کہ ہر شخص کے بس کا یہ کام نہیں، اس کے بعد قابل غور یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے دو مقصد ہیں:

علم دین حاصل کرنے کا مقصد

① خود اپنی تکمیل یعنی صاحب کمال بننا اپنی دینی زندگی کو صلاح وتقویٰ سے آراستہ کرنا تاکہ فلاح وسعادت دارین سے خود بہرہ ور ہو سکے۔

② دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کو سعادت دارین سے ہمکنار کرنا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی عالم دین اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی کے لئے محتاج کسب معاش ہے تو اسی معاش کے ذرائع اور صحیح وسائل اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہئے، کیا اسلام کے انتہائی مجد وعروج کے دور میں کبار امت نے معاشی ذرائع اختیار نہیں کئے؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

علماء کے مناصب

اب رہا یہ کہ علماء دین کے وہ مناصب کیا ہیں جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کی دینی خدمت انجام دے سکیں؟ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے وہ کون سے شعبے ہیں جو ان کے سپرد ہونے چاہئیں؟ اس سوال کا جواب بالکل صاف ہے کہ اسلام کے عروج کے دور میں انہی علماء میں سے حسب اہلیت علماء خلافت، حکومت، احتساب، قضاء، افتاء، خطابت، تبلیغ دین، درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ وغیرہ مناصب پر فائز تھے جب کہ علوم اسلامیہ میں دین ودنیا کی تفریق نہ تھی اور ''رجال دین'' و ''رجال دنیا'' کے درمیان کچھ زیادہ وسیع خلیج حائل نہ تھی اور

نہ کوئی بنیادی تفاوت موجود تھا، دنیا کے تمام کام دین کی تعلیمات کی روشنی میں انجام پاتے تھے، لیکن اس دور میں بھی اگر مسلمان اپنے دین اسلام سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق نہ بنیں تو ان کے بچوں کے لئے تعلیم قرآن، ان کی مساجد کے لئے امام و خطیب و مؤذن، شب و روز کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں شرعی احکام بتلانے کے لئے مفتیین اور علوم دینیہ۔ قران و حدیث و فقہ۔ کی حفاظت کے لئے معاہد دینیہ و مدارس اسلامیہ میں تدریس کے مناصب تو اب بھی موجود ہیں، پھر علماء کی فکر معاش کا بہانہ بنا کر کیوں مدارس دینیہ کی مخالفت کی جاتی ہے؟ پاکستان کی دس کروڑ آبادی میں کل علماء و طلباء علم کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ نہیں اگر مدارس اسلامیہ کی تعداد تقریباً ۲۰۰۰ ربھی ہو تو مساجد کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے، اگر مسلمان اس امر کا عہد کر لیں کہ ہر مسجد کا امام و خطیب با قاعدہ مستند عالم ہوگا تو ان طلبہ و علماء کی تعداد اس ایک ہی دینی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی، درس قرآن و تعلیم اطفال و تعلیم قرآن حفظ و ناظرہ نیز تدریس علوم دینیہ و افتاء یعنی مدرسین و مفتیین مدارس اسلامیہ کی ضرورت اس کے علاوہ رہے گی، آخر اس مروجہ دنیوی تعلیم کا مقصد تو یہی ہے تا کہ پیٹ کی پرورش ہو سکے اور حکومت کا دفتری نظام چل سکے لیکن جس کثرت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کا زینہ ملک میں پھیل رہا ہے کیا اس کی نسبت سے سرکاری عہدے اور منصب اتنے ہیں کہ سب کو جگہ دی جا سکے؟ پھر اس تعلیم کی اتنی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی جتنی علوم دینیہ اور علماء دین کی کی جا رہی ہے؟ درحقیقت مسئلہ صرف دینی علماء و طلبہ کی معاش کا نہیں ہے بلکہ دنیوی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کی معاش کا مسئلہ اس سے بدرجہا مشکل ہے۔

ایسی صورت میں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جو افراد اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ و السلام کے دین کی حفاظت کر رہے ہیں اور امت محمدیہ کے لئے راہ سعادت و نجات کو محفوظ کر رہے ہیں ان کو تو بیکار اور عضو معطل سمجھا جا رہا ہے اور جن افراد کا معاشرہ میں صرف یہی مقام ہے کہ اپنے پیٹ بھرنے کی فکر کریں اور حکومت کی مشنری کو چلائیں ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے! فیا للعجب و یا للأسف۔

اصل مشکل کا حل

دراصل اگر یہ علماء دین کی معاش کا مسئلہ کوئی مشکل ہے اور اس مشکل کو حل کرنا ضروری ہے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ حکومت کی وزارت تعلیم میٹرک تک کی تعلیم دینی اور دنیوی مشترک رکھے بلکہ میٹرک تک کی تعلیم کی بنیاد دینی تعلیم پر ہو اور عربی زبان کی تعلیم و تدریس لازمی و ضروری ہو، تا کہ ایک میٹرک پاس طالب علم بھی بقدر ضرورت دونوں شعبوں کی خدمات انجام دے سکے، درحقیقت یہ مشکل خود حکومت نے اور اس کے غلط نظام تعلیم نے بلکہ برطانوی عہد کے ملعون طریقہ تعلیم نے پیدا کی ہے اور شومئ قسمت سے آج تک اسی قے کو ہم چاٹ رہے ہیں، مختصر یہ کہ اس معاملہ میں اگر قصور ہے تو صرف جدید نظام تعلیم کا ہے، اگر ابتدائی تعلیم سے لے کر میٹرک تک کی

تعلیم میں علم دین کا وافر حصہ شامل کرلیا جائے بلکہ زیادہ تر توجہ تعلیم دین پر ہی مرکوز ہو اور جدید حصہ پر توجہ ثانوی درجہ میں تو رجالِ دین اور رجالِ دنیا کی تفریق خود بخود ختم ہو جائے گی جس نے اس ملک کے معاشرے پر بہت برا اثر ڈالا ہوا ہے اور تکلیف دہ خلیج حائل ہوگئی ہے، اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ - اگست ۱۹۶۶ء]

اہل اللہ اور کشف والہام

گذشتہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کی غالباً ۱۳ / یا ۱۴ / تاریخ تھی تراویح اور وتر سے فارغ ہوکر راقم الحروف بیت اللہ کے سامنے مطاف کے کنارے حطیم کی جانب رکنِ شامی کی محاذات میں بیٹھا تھا اتنے میں چند احباب و مخلصین بھی آ گئے اور ایک بزرگ جو مدینہ کے مہاجر ہیں تیس سال سے حرمین شریفین میں قیام پذیر ہیں بڑی اونچی باطنی نسبت کے مالک، بلکہ ارباب قلوب کے حلقہ کے ایک فرد ہیں اور '' قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید '' والی جماعت میں شامل ہیں وہ بھی تشریف لائے سلسلۂ سخن شروع ہوا تو موصوف نے فرمایا:

'' پاکستان کے چاروں طرف آگ ہی آگ ہے یہ ملک شدید ابتلاء میں ہے حق تعالیٰ کے غضب وانتقام کی صورت ہے (۱)، تمام اربابِ کشوف ومشاہدات پریشان ہیں دعاؤں میں مشغول ہیں، لیکن نجات کی صورت نظر نہیں آتی (۲) پھر فرمایا: '' شاید آخر میں بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے ''۔

اس قسم کی طویل گفتگو فرمائی جس سے پوری مجلس پر ایک خاص رقت طاری ہوگئی اور تمام حاضرینِ مجلس نے آبدیدہ ہوکر کعبہ شریف کے سامنے والہانہ انداز میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور حق تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کی۔

شوال میں میری مراجعت ہوئی تو یہاں وہی آگ لگ رہی تھی اور پھر تو وہ نقشہ سامنے آیا جو کبھی نہ دیکھا

---

(۱) اس کو ''کشف'' کہئے یا ''فراست مومن'' مگر اس میں شک نہیں کہ بعض خاصان خدا پیش آنے والے حالات کو اس وقت محسوس کر لیتے ہیں جبکہ ہم ''اخبار بینوں'' کو ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس بزرگ کی مؤید ایک بات تبلیغی احباب سے سنی کہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی امیر تبلیغ جب آخری مرتبہ (غالباً ۶۵ء میں) مشرقی پاکستان تشریف لے گئے تو بار بار فرماتے تھے: ''مجھے یہاں چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آرہے ہیں'' اور فرماتے تھے: ''اس کا علاج صرف یہ ہے کہ امت میں نئے سرے سے ''امت پنا'' پیدا کیا جائے اور ''امت پنا'' جب پیدا ہوگا جب امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے دعوت الی اللہ کے کام میں جڑے گی''۔ (مدیر)

(۲) وجہ اس کی یہ ہے کہ اجتماعی جرم پر اجتماعی سزا انفرادی دعاؤں اور کوششوں سے نہیں ٹلتی حدیث میں آتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ اللہ کا نیک اور مومن بندہ مسلمانوں کی جماعت کے لئے دعا کرے گا مگر قبول نہیں کی جائے گی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو اپنی ذات اور اپنے ذاتی امور کے لئے دعا کر میں قبول کرتا ہوں مگر پوری جماعت کے حق میں تیری دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ انہوں نے مجھے غصہ دلایا ہے (ابن مبارک: کتاب الرقائق ص: ۱۵۵، ۱۴۳) اجتماعی عذاب سے بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ پوری قوم متوجہ ہو کر انابت کا راستہ اختیار کرے یا کم از کم تمام اخیار امت امت کی طرف سے نمائندے بن کر معذرت کریں جیسا کہ آگے آتا ہے۔ (مدیر)

تھا نہ سنا تھا، مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا، لاکھوں جانیں اس بے دردی و بے رحمی سے ضائع ہوئیں کہ عقل حیران ہے، پاکستان کی ایک لاکھ بہادر ترین فوج کو قید بنالیا گیا، اور لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان اب بھی تڑپ رہے ہیں اور انہیں تڑپایا جارہا ہے جن کی نہ کوئی آہ وبکا سنتا ہے نہ داد نہ فریاد اور اسی پر بس نہیں، وہی آگ اب مغربی پاکستان میں بھڑک رہی ہے مسلمان مسلمان سے وہ سلوک کررہا ہے جس کے تصور ہی سے آدمی کانپ اٹھتا ہے، نفرت و بیزاری کے شعلے انسانی اخوت اور اسلامی برادری کو خاکستر کررہے ہیں اور پورا ملک یاس و ناامیدی اور پریشانی و سراسیمگی کی تاریک وادیوں کی طرف رواں دواں ہے:

''محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی''

مسلمانوں کا عروج وزوال

ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کے ''بصائر وعبر'' میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا وہ ہمارے نزدیک صورتِ حال کا صحیح مرقع تھا اور جو نازک دور ہم پر گذرا ہے اور ابھی گذر رہا ہے اس کا حقیقی جائزہ تھا، ہر صاحب بصیرت اس کو پڑھنے کے بعد دل کی گہرائیوں سے اس کی صحت واصابت کا اعتراف کرے گا کہ جس عبرت ناک مقام پر ہم پہنچ گئے ہیں یہ سب کچھ ہمارے اعمال بد کا نتیجہ ہے (۱) اور یہ تو حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان وکرم تھا ورنہ شاید ہم اس سے پہلے ہی تباہ وبرباد ہو گئے ہوتے۔

بہر حال جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اپنی بساط کے مطابق صورتِ حال کی ایک نا تمام تصویر تھی اتفاق سے ایک صاحب کا مکتوب اور اس سے منسلک ایک خواب موصول ہوا، خواب میں وہی کچھ تھا جو ہم آنکھوں سے دیکھتے اور عقل سے جانتے تھے اور جس کو ارباب بصیرت اپنی فراست سے اور ارباب کرامت ومکاشفات دل کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، بعض مخلصین کی رائے ہوئی کہ جو کچھ ''بصائر وعبر'' میں تحریر کیا گیا ہے ایک رویائے صادقہ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے لہٰذا اس کو بھی شائع کردیا جائے، یہ خواب میرے ذہن سے نکل کر طاقِ نسیاں کی زینت بن چکا تھا یاد دلانے پر تلاش کیا، مل گیا اور شائع ہوا۔ الحمدللہ کہ پڑھنے والوں پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بہت سے احباب نے خطوط میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا ''بصائر وعبر'' میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا اس خواب پر نہیں تھا یہ خواب نہ بھی ہوتا تب

---

(۱) اور اب تو ہم سب دنیا بھر کے سامنے برملا اعتراف کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں کہ ہم سے کچھ سیاسی غلطیاں ہوئی ہیں اور واقعۃً ضرور ہوئی ہیں مگر اے کاش! ہم سب کو خدا تعالیٰ کے سامنے بھی اعتراف کرنے کی توفیق ہو جاتی کہ ہم سے صرف کچھ سیاسی غلطیاں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بغاوت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور اسلام سے نفرت کا بدترین جرم صادر ہوا ہے، نہ صرف یہ کہ ہم نے قدرت کے باوجود خدا اور رسول کا ایک بھی حکم اس ملک میں نافذ نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ کے پاکیزہ دین کی ایک ایک بات کا مذاق اڑانے کو ترقی پسندانہ فیشن بنایا۔ (مدیر)

بھی صورتِ حال واضح تھی اور خواب وخیال کی سطح سے بالاتر سر کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہو رہا تھا اس لئے نہ صورتِ حال کی تکذیب کی گنجائش تھی نہ خواب پر سوءِ ظن کا موقعہ تھا، لیکن بعض ناظرین کو خواہ مخواہ یہ خیال آیا کہ شاید یہ خواب بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے جس طرح کسی زمانہ میں کوئی عیسائی شیطان شیخ احمد کے نام سے جھوٹے خواب شائع کیا کرتا تھا اگر کسی نے کسی زمانے میں کوئی جھوٹا خواب شائع کیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر سچا خواب بھی جھوٹا سمجھنا چاہئے۔

اور ایک صاحب کو دوسرے صاحب سے کچھ زیادہ حسن ظن نہیں اور اتفاق سے ان کا ذکر اس مجلس میں دیکھا تو فوراً فیصلہ فرما دیا کہ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس خواب میں فلاں صاحب کا ذکر ہے گویا اگر کسی میں کوئی عیب ہے (اور وہ بھی ہماری نظرِ قاصر میں) تو اس میں کسی خوبی کسی بھلائی اور کسی کمال کا امکان ہی سرے سے مفقود ہو گیا، یعنی ایک یا چند کمزوریوں سے تمام محاسن وکمالات سلب ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ نے مخلوق پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ اسے علم غیب سے بے خبر رکھا، ورنہ نظامِ عالم تہ و بالا ہو جاتا، انسان اتنا کمزور اور کم حوصلہ واقع ہوا ہے کہ اسے کسی کا ایک عیب نظر آ جائے تو اس کی خوبی پر اس کی نظر نہیں جاتی سارے محاسن اس کی نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں بے عیب کون ہے! بجز ذاتِ حضرتِ حق تعالیٰ شانہٗ کے اور بجز ان حضرات کے جن کو حق تعالیٰ نے شرف عصمت سے مشرف فرمایا ہے، کمزوریاں سب میں ہیں لیکن حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کا حکم یہ ہے کہ انسان اپنے عیب کو دیکھے اور دوسروں کے کمال پر نظر رکھے اور ان کے عیب سے چشم پوشی کرے، اس سے تواضع، فروتنی، باہمی مودت اور اسلامی اخوت پیدا ہوگی، اس کے برعکس اگر انسان اپنی خوبیاں اور دوسروں کی کمزوریاں سامنے رکھے تو اس سے کبر ونخوت اور باہمی شقاق ونفاق کی راہ کھلے گی، خالق ہی جانتا ہے کہ اس نے اپنی کس کس مخلوق میں کیا کیا خوبیاں رکھی ہیں، حق تعالیٰ مخلوق کی خوبیاں دیکھتا ہے اور مخلوق مخلوق کی برائیوں کو دیکھتی ہے، حق تعالیٰ جو سب عیبوں سے پاک ہے وہ بندوں کے عیوب سے چشم پوشی اور درگذر فرماتا ہے اور بندہ ناتواں جو سراپا عیب ہے وہ دوسروں کی خوبیوں سے اغماض کرتا ہے، اگر ایک انسان میں متعدد برائیاں ہوں لیکن ساتھ ہی کوئی خوبی بھی ہو تو چاہئے کہ اس خوبی کی قدر کی جائے اور برائیوں سے چشم پوشی کی جائے، قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی ارشادات ہیں۔

بسا اوقات خواب دیکھنے والے کی شخصیت معمولی ہوتی ہے لیکن خواب اونچا دیکھ لیتا ہے، بہر حال جب حقائق واضح ہیں اور صورتِ حال کا پورا نقشہ سامنے ہے تو جس خواب وخیال سے اس کی تصدیق ہو اس کی تکذیب کی کیا مجال ہے؟ (۱)

---

(۱) اور اگر کسی کو کسی سے سوءِ ظن ہی رکھنا ہو تب بھی اس خواب کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں تھی وہ یہ تاویل کر سکتا تھا کہ اس خواب میں جس مجلس کا ذکر ہے وہ تہدید وتنبیہ کی مجلس تھی اور ایسی مجلس میں جہاں مقربین مخلصین کو طلب کیا جاتا ہے وہاں دوسری نوعیت کے افراد کو بھی حاضر کیا جا سکتا ہے۔ (مدیر)

مسلمانوں کے زوال کا سبب

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ پاکستان ابھی تک شدید ابتلاء میں ہے اور جس عذاب کا نزول کچھ عرصہ پہلے مشرقی پاکستان سے شروع ہوا تھا وہ ابھی تک نہ مشرق میں تھما ہے نہ مغرب میں، اس کے ظاہری اور سطحی اسباب خواہ کتنے تلاش کر لئے جائیں مگر اس کا حقیقی اور بنیادی سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے ہماری شامتِ اعمال اور ہماری بدعملیوں پر قہر خداوندی کا متوجہ ہونا۔ قرآن کریم میں ایک جگہ قہر الٰہی کے نازل ہونے کی تین شکلیں ذکر کی گئی ہیں:

① آسمانی عذاب مثلاً پتھر برسنا
② زمینی عذاب مثلاً زلزلے آنا اور زمین میں دھنس جانا
③ باہمی گروہ بندی، قتل وقتال اور جنگ وجدال، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴾ [الانعام:٦٥]

آپ کہیئے! اس پر وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزا چکھا دے، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔ (بیان القرآن)

احادیث طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت پر پہلی دو قسم کے عام عذاب اس طرح نازل نہیں ہوں گے کہ بعض پہلی امتوں کی طرح یہ پوری امت نیست ونابود کردی جائے، البتہ تیسری قسم کے عذاب میں یہ امت مبتلا ہوگی۔ چنانچہ آج یہ امت بالخصوص ہمارا ملک اس عذاب کی لپیٹ میں ہے طبقاتی منافرت، صوبائی عصبیت، اور لسانی منافست کا دیو پوری قوم کو نگل رہا ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، افراتفری اور بے اعتمادی کی بدبودار فضا میں دم گھٹا جا رہا ہے۔

قہر الٰہی سے بچنے کا راستہ

ہر طرف سے ''انا ولا غیری'' (میں میں اور تو تو) کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، اس سے بڑھ کر کسی قوم کے لئے اور کیا سزا ہو سکتی ہے؟ کوئی شک نہیں کہ اس قوم پر قہر الٰہی اور غضبِ خداوندی ٹوٹ پڑا ہے، یہ ہزار چیخے چلائے، سر پیٹے، داویلا کرے، لاکھ جتن کرے مگر جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عذاب کو اٹھا لینے کا فیصلہ نہیں ہوگا یہ قوم کبھی گردابِ بلا سے نہیں نکل سکتی۔ ہم اس بھول میں ہیں کہ خدا تعالیٰ کو راضی کئے بغیر محض ہماری تقریروں سے، ہمارے نعروں سے، ہمارے اخباروں سے، ہمارے رسالوں سے، ہمارے ریڈیو اور ٹیلی ویژن

کے پروپیگنڈے سے، ہماری جمہوریت سے، ہماری اصلاحات سے، ہماری حکومتوں سے، ہماری قیادت سے، ہمارے عوامی شعور سے، ہمارے قومی تدبر سے فضا بدل جائے گی، ہوا کا رخ پلٹ جائے گا، طوفان کا دھارا مڑ جائے گا، نفرت کا دھواں چھٹ جائے گا، انتشار و افتراق کا آتش فشاں سرد ہو جائے گا، اور ہم صرف اپنی ناکارہ تدبیروں سے حالات پر قابو پالینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ہماری خوش فہمیوں سے حالات بدل جاتے تو اب تک کبھی کے بدل گئے ہوتے مگر حق تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے ﴿ان الله لا يهدى القوم الفاسقين﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ راہ نہیں سمجھاتا بدکار قوم کو) جب تک معاشرے پر فسق و بدکاری کا عنصریت مساط ہے، ہمیں کبھی فلاح و بہبود کا راستہ نہیں مل سکتا بلکہ جو تدبیر ہوگی الٹی ہوگی، ہم ان صفحات میں بار بار کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس قہر الٰہی سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ ہم توبہ و انابت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور اللہ تعالیٰ سے ہم نے جو معاملہ بگاڑ لیا ہے اس کی اصلاح کریں، مگر افسوس اور بے حد افسوس کا مقام ہے کہ عوام تو عوام خواص کو بھی اس صدائے جرس پر کان دھرنے کی فرصت نہیں ہوئی، نہ اس کے لئے کوئی تحریک پیدا ہوئی۔

امت کی نجات اور عذاب سے چھٹکارے کی تدبیر

میرے ایک مخلص دوست اور صالح عالم ابھی چند دن ہوئے یہاں تشریف لائے تھے، موصوف نے اپنے ایک وارد قلبی کا ذکر فرمایا اور نماز پڑھتے وقت کچھ معمولی غنودگی کی حالت میں ان پر جو کیفیت طاری ہوئی اتفاق سے اس کا ذکر بھی آیا، موصوف کی عادت بے حد اخفاء کی ہے مگر اتفاقیہ زبان سے کچھ بات نکل گئی اور ہمارے اصرار پر انہیں اس کی تفصیل بیان کرنا پڑی جس سے محسوس ہوا کہ وہ ایک پیغام ہے اور اس میں امت کی نجات اور اس عذاب سے رستگاری کی ایک تدبیر ہے اور اوپر عذاب الٰہی اس کے اسباب اور اس کی تدبیر کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کی مزید تصدیق ہوئی، ہماری فرمائش پر موصوف نے اسے قلمبند کر دیا ہے، ذیل میں ان کی تحریر پیش کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

سقوط پاکستان کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ آنسو تھمتے نہ تھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوگا اسی غم و فکر میں قلب پر وارد ہوا کہ:

> ”قوم (مسلمانانِ پاکستان) من حیث القوم نقض عہد کی مرتکب ہوئی ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے، ہند و پاک کے مسلمانوں نے تحریکِ پاکستان کے دوران ۱۹۴۶ء میں پاکستان کی حمایت میں اس لئے ووٹ دیا تھا کہ پاکستان ایک مثالی اسلامی مملکت ہوگی جس میں احکام الٰہی

کا اجراء اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے چوتھائی صدی تک مہلت دی لیکن اس مہلت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا بلکہ جب ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں قوم نے مشرقی پاکستان میں تقریباً سو فیصد اور مغربی پاکستان میں بھاری اکثریت کے ساتھ ان جماعتوں اور افراد کو ووٹ دے کر جو اصلاً شریعت کے نفاذ اور نظامِ اسلامی کے قیام کے داعی نہ تھے بلکہ نیشنلزم، سوشلزم اور دیگر غیر اسلامی نظاموں کے نمائندے تھے، کھلا اظہار و اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے جس عہد پر ملک لیا گیا تھا وہ اب باقی نہیں رہا اور قوم من حیث القوم اپنے عہد سے پھر گئی ہے تو اس نقضِ عہد کی بناء پر عتاب اور تنبیہ الٰہی کی مورد بن گئی ہے۔''

اس ''وارد'' کے بعد طبیعت مزید پریشان و مضمحل ہوگئی، دل بیٹھا جاتا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب اس نقضِ عہد پر نازل شدہ عتابِ الٰہی اور تنبیہ خداوندی کا کیا مداوا کیا جائے اسی پریشانی میں تھا (اور یہ سقوطِ ڈھاکہ کا غالباً دوسرا دن تھا) کہ مغرب کی سنتوں میں تھا یکایک غنودگی سی (بین النوم والیقظہ کی حالت) طاری ہوگئی اور بارگاہِ رسالت (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا کہ:

''سوائے توبہ و انابت کے بچنے کی کوئی دوسری راہ نہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ [النور: ۳۱]

میرے دل میں آیا کہ امت اور مسلمانانِ پاکستان جس غفلت میں ہیں وہ سب کے سب کیسے تائب اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ارشاد ہوا:

''اس کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ دیندار طبقہ پوری امت کی طرف سے نیابۃً توبہ کرے اور ان میں سے ہر شخص اپنے دل کو امت کا دل سمجھ کر دل سے تائب ہو اور انابت اختیار کرے''۔

پھر توبہ و استعانت کے لئے دعائے قنوت کے ابتدائی تین الفاظ پڑھے:

"اللّٰهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك"

والله أعلم بالصواب

جس کا مطلب اسی حالت میں فقیر یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کے لئے استغفارِ حقیقی اور تجدید ایمان کی ضرورت ہے (جس میں اس عہد کی تجدید بھی آجاتی کہ ہم پاکستان میں صحیح اسلامی احکامِ شریعت کا اجراء اور دینی معاشرہ کو بپا کریں گے۔

بہر حال حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے عتاب کو اسی صورت میں روکا جا سکتا ہے کہ پوری امت یا کم از کم ان کی طرف سے نیابۃً دیندار طبقہ انابت وتوبہ کی راہ اختیار کرے، اور پھر سے عزم بالجزم کرے کہ جو مملکت اسلام کے نام پر لی گئی ہے اسے اسلام ہی کے بے مثل وبے مثال نظام کا گہوارہ بنایا جائے گا۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، واللہ اعلم وعلمہ اتم

توبہ واستغفار کے جو فضائل وبرکات قرآن وحدیث میں آئے ہیں اس وقت ان کا ذکر مقصود نہیں اور الحمد للہ کہ اہل دین مسلمان ان سے کچھ ایسے بے خبر بھی نہیں حق تعالیٰ کے غضب وعتاب سے بچنے کے لئے توبہ واستغفار کی اہمیت تو ظاہر ہے لیکن جس طرح اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے میں جو امت تقصیر کر رہی ہے اس کے لئے بھی استغفار ضروری ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام امت جس غفلت اور غیر اسلامی زندگی میں مبتلا ہے ان سب سے یہ توقع رکھنا کہ سب کے سب غیر اسلامی زندگی اور بدعقیدگی وبدعملی سے تائب ہو جائیں گے صرف حق تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے کہ ایک ہی آن میں تمام امت صالح بن جائے (اس کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ۶۵ء میں اللہ تعالیٰ نے دکھلا بھی دیا اور اس کی برکات وثمرات بھی دکھلا دیے) مگر عالم اسباب میں مشکل ہے، البتہ جو صورت ممکن اور آسان ہے وہ یہ ہے کہ اہل دین اور اہل درد تمام امت کا درد لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور امت کی فکر کو اپنی فکر بنا کر دعوت واصلاح کے کام پر اپنی توانائیاں صرف کر دیں اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے امت کی ہدایت وفلاح مانگیں تو حق تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ امت کی نجات کا فیصلہ فرما دیں گے، نیز اربابِ تقویٰ وصالحین اور وہ عام مسلمان جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہے اور جو فرائض کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کرتے ایسے لوگ تمام امت کی طرف سے نیابۃً اور اپنی طرف سے اصالۃً انفرادی واجتماعی دونوں طرح استغفار کریں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مزدلفہ میں رات گذارنے کے بعد صبح کو حضرت بلالؓ سے ارشاد فرمایا:

> ”یا بلال اسکت اوقال انصت الناس، ثم قال ان اللہ تطول علیکم فی جمعکم ھذا فوھب مسیئکم لمحسنکم واعطی محسنکم ما سأل فادفعوا باسم اللہ“(۱)

اے بلال! لوگوں کو خاموش کراؤ (جب لوگ متوجہ ہو گئے تو) ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مزدلفہ کی وادی میں ایک بڑا انعام واحسان فرمایا کہ تمہارے گنہگاروں کو تمہارے نیکوکاروں کی وجہ سے بخش دیا اور

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب المناسك، باب الوقوف بجمع ص: ۲۱۷، ط: قدیمی

نیکوکاروں نے جو مانگا سوان کو دیا پس اللہ کا نام لے کر چلو۔(۱)

اس حدیث سے توقع ہوتی ہے کہ راستہ اب بھی کھلا ہے کہ صالحین کی وجہ سے بدکرداروں کو معافی ہوجائے خصوصاً جب صالحین اپنے تقصیر کرنے والے بھائیوں کی طرف سے بارگاہِ قدس میں معذرت پیش کریں اور ان کی طرف سے معافی مانگیں برادرِ موصوف کے مکاشفے میں جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی اسی نوعیت کا ہے(۲) اور ہمارے شیخ سعدی رحمہ اللہ تو بہت پہلے فرما چکے ہیں:

"بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم"

اب ضرورت اس کی ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ نے شب خیزی کی دولت عطا فرما کر ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ﴾ [آل عمران:۱۷] سحر کے وقت استغفار کرنے والوں کی صف میں داخل فرمایا ہے، اس کو نہایت

---

(۱) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس سے زیادہ تفصیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عرفہ کی شام کو آنحضرت ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے اس مقام (وقوفِ عرفات) میں بہت ہی بڑا احسان فرمایا کہ تمہارے نیکوکاروں سے (ان کی طاعات وعبادات) کو قبول فرمایا، نیکوکاروں نے جو مانگا سوان کو دیا اور تمہارے نیکوکاروں کی بدولت تمہارے گنہگاروں کو بخش دیا بجز تمہارے باہمی حقوق کے (کہ اگر کسی کے مال، جان یا عزت وآبرو کی حق تلفی کسی کے ذمہ ہوگی اس کی معافی کا وعدہ نہیں بلکہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ بہرصورت لیا جائے گا) بس اب اللہ کا نام لے کر (عرفات سے مزدلفہ) چلو۔" اور جب مزدلفہ کی صبح ہوئی تو فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس مقام (وقوفِ مزدلفہ) میں تم پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ تمہارے نیکوکاروں سے (ان کی طاعت وعبادات کو) قبول فرمالیا، تمہارے نیکوکاروں کو منہ مانگا عطا کیا اور تمہارے نیکوکاروں کی بدولت تمہارے گنہگاروں کو بھی (بغیر سزا کے یا سزا میں تخفیف کرکے) معاف کردینے کا وعدہ فرمایا اور تمہاری باہمی حق تلفیوں کا معاوضہ اپنے پاس سے ادا (کرنے کا وعدہ) فرمایا بس اب اللہ کا نام لے کر (منیٰ کی طرف) چلو، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کل شام تو آپ ہمیں بہت ہی فکرمند اور غمگین لائے تھے اور آج مسرت وشادمانی کی حالت میں لے جارہے ہیں؟ فرمایا: "کل میں نے اپنے رب سے ایک چیز کی درخواست کی تھی مگر قبول نہیں فرمائی، میں نے درخواست کی تھی کہ (بندوں کے جو) تاوان (ایک دوسرے کے ذمہ ہیں ان کی (بھی) معافی ہوجائے مگر انکار فرمادیا، پھر آج (میں نے دوبارہ الحاح وزاری کے ساتھ درخواست کی تو) جبریل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے، فرماتا ہے کہ میں تاوانوں کی ضمانت لیتا ہوں تاوان اپنے پاس سے ادا کروں گا۔" [زرقانی شرح مواہب، ج:۸ ص:۱۸۵] (مدیر)

(۲) اور اس کی حقیقت شفاعت اور سفارش ہے یعنی نیکوکار حضرات گناہ گاروں کی شفاعت کے لیے ہاتھ اٹھائیں، خود اپنے کو پاک نہیں بلکہ قصوروار سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ تمام گناہ گاروں کی طرف سے معذرت کریں اور ساری گناہ گار امت کی طرف سے نمائندہ بن کر اپنی اور سب کی خطاؤں کا اس طرح اقرار واعتراض کریں گویا وہ ساری امت کے گناہوں کی ذمہ داری اپنے سر لے کر سب کی طرف سے توبہ کرتے ہیں اور معافی کے خواستگار ہیں، آخرت میں باذن خداوندی انبیاء، صدیقین، صالحین اور ملائکہ کا گناہ گاروں کی شفاعت کرنا قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دنیا کے عذاب سے رستگاری کے لیے شفاعت کے بھی بہت سے نظائر نصوص میں موجود ہیں، چنانچہ ان ستر افراد کے لیے جو ایک بے ادبی کی پاداش میں ہلاک کردیے گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور سفارش کرنے کا واقعہ قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے، الغرض یہ مکاشفہ نصوص شرعیہ کے مطابق ہے اور اس پر کوئی علمی اشکال نہیں، نہ اس پر مدار ہے، واللہ اعلم۔ (مدیر)

تضرع اور عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر آخر شب میں اس توبہ کو معمول بنانا چاہئے اور جن کو حق تعالیٰ نے پنج وقتہ نماز کی توفیق نصیب فرمائی ہے وہ نمازوں کے بعد اس کو معمول بنائیں اور بہتر ہوگا کہ جمعہ کے مبارک دن نماز جمعہ کے بعد اجتماعی طور پر توبہ واستغفار کریں۔

اللہ کے دربار میں عجز وانکساری سے دعا کی ضرورت ہے

بلاشبہ ''دعا'' میں عاجزی، تضرع اور حضور قلب مطلوب ہے اور توبہ کے الفاظ ایسے ہوں جن سے دل پر رقت کی کیفیت طاری ہو، اس لئے ان پاکیزہ دعاؤں کے علاوہ، جو بارگاہ نبوت سے ارشاد ہوئی ہیں ہر شخص اپنے ضمیر کے مطابق اپنی زبان میں توبہ واستغفار کے ایسے الفاظ بھی استعمال کرے جن سے دل متاثر ہو اور دل کا سوز وگداز آنکھوں کے آنسوؤں کی شکل میں بہہ نکلے، لیکن بسا اوقات عوام کے لئے منضبط الفاظ میں دعا کرنا خصوصاً جب اجتماعی شکل میں دعا کی جائے زیادہ مفید ہوتا ہے، اس لئے خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر جو کلمات خیال ناقص میں آئے انہیں اخبارات میں شائع کرا دیا اور ''بصائر وعبر'' کے صفحات میں بھی شائع کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، بہتر ہوگا کہ پہلے سورہ فاتحہ پڑھی جائے پھر درود شریف اور دعاء قنوت پڑھ کر بارگاہ ارحم الراحمین میں ہاتھ پھیلا کر نہایت توجہ اور حضور قلب کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں دعا کی جائے۔

''اے ارحم الراحمین! ہم گنہگار ہیں، بدکردار ہیں، خطا کار ہیں لیکن تیرے بندے ہیں اور تیرے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں ہم نے تجھ سے پاکستان اس لئے مانگا تھا کہ تیرے قانون رحمت وعدالت کے سرچشمے اس سرزمین میں جاری ہوں اور امت مرحومہ اس سے سیراب وشفایاب ہو اور ہم تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے طریقوں پر عمل پیرا ہو کر اسلام کا بول بالا کریں۔

اے اللہ! ہم نے نافرمانی کی، بدعہدی کی، بغاوت کی، مملکت کا ایک بڑا حصہ ہم سے لے لیا گیا، اے اللہ! اس پر بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں اب عالم یہ ہے کہ ہم میں نہ اسلامی اخوت ہے اور نہ ہمدردی، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا اور جانی دشمن ہے، ہم نے وہ کام کئے ہیں جن سے درندے اور بھیڑیئے بھی پناہ مانگیں۔

اے ارحم الراحمین! تو ہی ہمارا ملجا اور تو ہی ہمارا مددگار ہے، ہم اپنی نافرمانیوں، اپنی بغاوتوں، اپنی بداعمالیوں سے اور جو کچھ ہم نے کیا ہے اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔

اے ارحم الراحمین! اپنے حبیب پاک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم گنہگاروں کو معاف فرما اور اپنی مرضیات کی توفیق ارزانی فرما، راعی ورعایا دونوں کو دین اسلام پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما جو تیرا آخری پیغام نجات ہے۔

یا ارحم الراحمین! ہم سب مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا فرمایئے اور ہمارے دشمنوں اور

بدخواہوں کے شر سے ہمیں نیز ہمارے ملک کو بچایئے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [آل عمران:۲۶] اس آیت کی تکرار کم سے کم تین بار کی جائے۔

اے ارحم الراحمین! تیرا رحم و کرم ہمارے اعمال سے اور تیری مغفرت ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے، تیرے کرم کے سامنے ہمارے گناہ بالکل حقیر ہیں۔

توبہ! توبہ! اے اللہ! ہمیں معاف فرما ہم تیرے ہی بندے ہیں تجھ ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ ہی سے مغفرت چاہتے ہیں، ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [بقرۃ:۲۸۶]

دعا کے بعد الحمد للہ رب العالمین کہہ کر درود شریف تنجینا پڑھا جائے جو درج ذیل ہے:

> اللهم صل على سيدنا و مولانا محمد صلاة تنجينا بها من جميع الاهوال والآفات وتقضى لنا جميع الحاجات وتطهرنا بها من جميع السيئات و ترفعنا بها عندك اعلى الدرجات وتبلغنا اقصى الغايات من جميع الخيرات فى الحياة و بعد الممات انك على كل شىء قدير.

[شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ-اکتوبر ۱۹۷۲ء]

اخلاص اور تصحیح نیت

انسان اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنی قدرت، اپنے علم، اپنی فہم، اپنی صلاحیت اور اپنی صوابدید کے مطابق قدم اٹھائے، انسان کی مسئولیت یہی ہے، کامیابی و ناکامی اس کے اختیار سے بالاتر ہے کہا جاتا ہے "السعی منی والاتمام من الله" یعنی کوشش کرنا میرا فرض ہے باقی تکمیل تک پہنچانا یہ حق تعالیٰ کا کام ہے، نتیجہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں رہتا ہے، اس کی تکوینی مصلحت و حکمت کا جو تقاضا ہوگا وہی ہوگا۔ اختیار تمام تر اللہ تعالیٰ کا ہے نیز انسان اس کا مکلف ہے کہ جو کام کرے وہ اخلاص سے کرے یعنی پہلے یہ سوچ لے کہ حق تعالیٰ کی مرضی کیا ہے، مقصد رضائے الٰہی ہو نفسانی خواہش نہ ہو، یہ مرحلہ بہت باریک اور بہت مشکل ہے، پہلے تو نفسیاتی مکائد کی وجہ سے اور شیطانی دسائس اور وساوس کی وجہ سے نفسانی خواہشات کا تجزیہ کرنا ہی بہت مشکل ہے "کارے دارد" کسی مقصد کا ایسا تجزیہ کرنا کہ رضائے الٰہی کتنی ہے اور نفس کی خواہش کتنی ہے آسان نہیں، پھر نفسانی خواہش کو یک قلم چھوڑ کر حق تعالیٰ کی خوشنودی ہی منزل مقصود ہو بڑا کٹھن مرحلہ ہے، بسا اوقات مقصد صحیح ہوتا ہے عمل درست ہوتا ہے لیکن نیت صحیح نہیں ہوتی بلکہ نفس کا کھوٹ اور دنیا کا کوئی مقصد اس میں شامل ہو جاتا ہے جس سے وہ سارا عمل بیکار ہو جاتا ہے،

شیطان لعین جو انسان کا "عدوٌ مُّبین" ہے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اگر وہ نیک کام نہیں چھڑا سکتا ہے تو کم از کم اس کو دنیا کی کسی غایت وغرض سے ملوث کر دیتا ہے اور آدمی ﴿يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [کہف: ۱۰۴] یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم تو اچھا کام کرتے ہیں، کا مصداق بن جاتا ہے اور اس طرح وہ صحیح مقصد اور صحیح عمل کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے، بہر حال پہلے یہ سوچنا کہ کام صحیح بھی ہے یا نہیں، پھر اس میں صحیح قدم رکھنا دنیا کی کسی وجاہت وعزت، حب جاہ یا حب مال کا ذریعہ تو نہیں ان مراحل سے گزرنا بے حد مشکل ہے:

"چو گل بسیار شد پیلان بلغزند"

یہ محض توفیقِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے، اس کی دینی تدابیر یہ ہیں کہ انسان بارگاہ ربوبیت میں نہایت عاجزانہ انداز سے التجاء کرے اور والہانہ دعائیں کرتا رہے۔ اربابِ عقل وتجربہ اور صالحین سے مشورہ کرے، استخارہ کرے، غرض پھونک پھونک کر کے قدم رکھے اور پھر بھی یہ خطرہ پیش نظر رہے کہ ممکن ہے میری رائے یا میرا عمل صحیح نہ ہو تب جا کر کہیں مسئولیت کا حق ادا ہوگا۔ بہر حال اس مرحلے پر پہنچ کر اس کا فرض ادا ہو گیا آگے یہ ضروری نہیں کہ وہ کام تکمیل تک پہنچ بھی جائے، یہ کام حق تعالیٰ کا ہے۔

اس دنیا میں حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوات والسلام تشریف لائے، ان کے تقدس واخلاص اور ان کے فضائل وکمالات کا کیا کہنا، انسانیت کا انتہائی معراج کمال، خدا پرستی کا انتہائی عروج، خداترسی کی سب سے بڑی بلندی یہ ادنیٰ سے ادنیٰ نبوت کا خاصہ ہے (ولیس منهم دنیّ) اس کی رہنمائی اور اس کی توفیق کا سلسلہ حق تعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ قائم ہوتا ہے (وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ) کے منصب سے ان کو سرفراز کیا جاتا ہے، کوئی قدم بھی منشا الٰہی کے خلاف نہیں اٹھ سکتا جس کو ہم ظاہر میں غلط سمجھیں وہ بھی حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کا عین مقتضاء ہوتا ہے، اگر کوئی ظاہری عتاب بھی ہوتا ہے تو وہ بھی کسی منشاء الٰہی کو پورا کرتا ہے، بہر حال وہ نفس کی خواہشات سے بالاتر ہو کر معصومیت کی معراج پر پہنچ چکا ہوتا ہے (بی یبصر وبی یسمع) وہ میرے دکھائے دیکھتا ہے اور میرے سنائے سنتا ہے) کے مقامات طے کرتا ہے۔ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کو یہ کمال جب حاصل ہو جاتا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مراتب کمال کا تو کیا ٹھکانا ہے لیکن ان تمام کمالات کے باوجود دنیا میں جس مقصد کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں اس میں کوئی کامیاب ہوتا ہے اور کوئی بظاہر کامیاب دکھائی نہیں دیتا لیکن ان میں جو بظاہر ناکام نظر آتے ہیں درحقیقت وہ بھی کامیاب ہی ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی مسئولیت پوری کر دی مقصود رضائے الٰہی تھی وہ حاصل ہوگئی۔

کسی جماعت سے اتحاد کے لئے شرائط

بہر حال اگر مقصد ہمارا صحیح ہے اور بہت غور وخوض اور دینی تدابیر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس طرح یہ

کام انجام تک پہنچانا ہے اور مقصد حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور ملک وملت کی خدمت بھی حق تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنی ہے تو جادۂ حق سے کسی وقت بھی ہمارے قدم ڈگمگانے نہیں چاہئیں کوئی ساتھ دے یا نہ دے، محض تکثیرِ سواد کی خاطر تا کہ جماعت قوی ہو جائے ایسے افراد یا جماعتوں سے معاہدہ کرنا جن کا ماضی داغدار ہے یا شرعی معیار پر ان میں نقائص موجود ہیں یا جن کا مقصد محض سیاسی اقتدار وزعامت ہے اور ان معاہدوں سے ان کی دینی غلطیوں پر پردہ پڑ جانے اور آئندہ نسل پر ان کا دینی مسلک مشتبہ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو یہ کہاں تک درست ہوگا؟ کسی جماعت کے پاس تنظیم ہے، مال ودولت ہے، رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے بے شمار وسائل ہیں ان کے ساتھ معاہدہ کرنا صرف اس لئے کہ ضرور کامیابی ہوگی شرعاً یہ اقدام کہاں تک صحیح ہوگا؟

اس وقت علماءِ کرام کی جماعتوں میں آراء کا اختلاف بھی ہے اور طریقۂ کار کا اختلاف بھی ہے، لیکن الحمد للہ کہ مقصد ایک ہے وہ باطل اور اہلِ باطل کی سرکوبی ہے اس لئے عوام کو یہ اختلاف برداشت کرنا چاہیئے لیکن جو چیز ہر وقت پیش نظر رہنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہر جماعت کو اپنی قوت حاصل کرنے کے پیشِ نظر کوئی قدم ایسا نہیں اٹھانا چاہیئے جس سے باطل کو (غیر شعوری ہی سہی) تائید حاصل ہو اور (اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا) یعنی نفع سے نقصان زیادہ ہو، کا مصداق بن جائے ہم اس کے مکلف ہی نہیں کہ دنیا کی معروف کامیابی سے سرفرازی ہو ہم اس کے مکلف ہیں کہ قدم صحیح اٹھائیں چاہے متعارف کامیابی ہو یا نہ ہو۔

یہ مقصد نہیں کہ صحیح اور جائز، معقول اور مؤثر تدابیر اختیار کرنے میں کوتاہی کی جائے اس کے لئے جو ممکن جد وجہد ہو اس میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ مقصد بھی نہیں کہ اسلامی جماعتوں کے اتحاد کی کوشش سے گریز کیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اختلاف اگر ختم نہ ہو سکے تو اسے کم سے کم کرنے کی کوشش کی جائے لیکن اتحاد کے لئے سب سے اہم شرط دین اور مسلک کا اتحاد ہے، یہ معاہدات بھی ایسے ہیں جیسے شرعی معاہدہ عقدِ نکاح ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نکاح میں چار باتوں کا خیال عموماً کیا جاتا ہے۔ مال یا حسن وجمال یا دنیوی شرافت وجاہ یا دین، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها“ پھر فرمایا ”فاظفر بذات الدين“ یعنی دین ہی کی جہت کو اپنی ظفر وکامیابی سمجھو۔(۱)

درحقیقت نبوت کی زبانِ فیض ترجمان سے ایک اصولی بات معلوم ہوئی کہ تمام ظاہری محاسن حسن وجمال ثروت ومال یا وجاہت ومنصب کے بالمقابل صرف دین کو ترجیح دینی چاہئے، ظاہری تدبیریں، تنظیمیں، اخبارات، پریس کی قوت اور مال ودولت کی شان وشوکت کے مقابل ان جماعتوں یا افراد کو ترجیح وبرتری ہوگی جن

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین ج:۲ ص:۷٦٢، ط: قدیمی

میں دین اور دینی خد و خال نمایاں ہوں، اتحاد مطلوب ہے تو ان افراد و اشخاص یا جماعتوں سے ہو جن کا مقصد دین ہو اور وہ خود دین پر عامل ہوں ورنہ نتیجہ سوائے خسران اور ناکامی اور کیا ہوگا؟

نیز جس جماعت سے معاہدہ ہو تو معاہدے کے اصول سے ہو یعنی مساوات و اعتدال کا حامل ہو نہ یہ کہ ایسی جماعت سے معاہدہ کیا جائے کہ آپ کی حیثیت صرف تابع مہمل کی ہو جائے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے کہ ضعیف جماعت کا قوی جماعت سے معاہدہ ہوتا ہے یا تو یہ ضعیف اس قوی میں بالکلیہ مدغم ہو کر اپنی حیثیت کھو بیٹھتی ہے یا پھر محض تابع ہو کر اپنی خودداری ختم کر دیتی ہے، یہ تمام محنتیں صرف اس لئے کی جاتی ہیں اور نامعقول و ناپسندیدہ اشیاء کو برداشت کیا جاتا ہے کہ انتخابات میں کامیابی نصیب ہو اور چند سیٹیں مل جائیں تو کیا الیکشن میں کامیاب ہونا ہی اصل مقصد اور منزل مقصود ہے؟ اور کیا الیکشن ہی تمام خرابیوں اور امراض کی دواء ہے؟ کیا اسمبلی کا نظام ہی نسخہ شفا اور اکسیر بے نظیر ہے؟ کیا یہ مداہنت فی الدین اسی امید موہوم کے لئے برداشت کی جاتی ہے؟ کیا ہم اس کے مکلف ہیں؟ غور کرنا ہوگا کہ صرف جماعتی وقار اور معاہدہ کی خاطر تمام دین کو پامال کیا جا سکتا ہے؟

"سوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست"

اللہ تعالیٰ صحیح عقل و ادراک عطا فرمائیں۔ آمین، بہر حال جو کچھ خیال ناقص میں آیا عرض کر دیا گیا۔

حافظ وظیفه تو دعا گفتن است و بس
در بندِ آن مباش که نشنید یا شنید

[رجب ۱۳۹۰ھ۔ ستمبر ۱۹۷۰ء]

قول و عمل کا تضاد اور اسلام

آسمانی وحی میں جن بڑے بڑے جرائم کو حق تعالیٰ کے شدید غضب و ناراضی کا سبب قرار دیا گیا ہے ان میں سے قول و عمل کے تضاد کو بھی ذکر فرمایا گیا ہے، قرآن کریم میں سورہ صف میں ارشاد ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:۲،۳]

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بہت ناراضی کی بات ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

درحقیقت نفاق بھی یہی چیز ہے کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے، منافقوں کے لئے سزا اور وعید بھی قرآن کریم میں شدید آئی ہے۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء:۱۴۵]

بلا شبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔

نفاق کی تین صورتیں

اسلام کی اصطلاح میں الحاد اور زندیقیت کا بھی یہی مفہوم ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے زندیق اسی کو بتایا ہے جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرے اور دل میں کفر چھپائے، گویا قول و عمل کے تضاد کا نام نفاق ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں، اول یہ کہ قلبی اعتماد تو صحیح ہو مگر عمل دعویٰ کے خلاف ہو یہ نفاق فی العمل ہے۔ دوم یہ کہ دل سے خدا اور رسول کی بات پر سرے سے اعتقاد ہی نہ ہو بلکہ صرف ظاہرداری کے لئے ایمان و اسلام کے زبانی دعوے کئے جائیں یہ نفاق اعتقادی کہلاتا ہے جو کفر خالص ہے اور اس کے لئے دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کی وعید ہے۔ سوم یہ کہ ایک شخص دل میں عقیدۂ کفر رکھتا ہے مگر ظاہری طور پر اسلام کا انکار نہ کرے بلکہ بظاہر اسلام کا اقرار کرے اور قرآن و حدیث کی نصوص میں تاویل و تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد باطلہ پر چسپاں کرے یہ زندقہ اور الحاد کہلاتا ہے جو نفاق فی التعبیر سے پیدا ہوتا اور نفاق کا یہ درجہ سب سے اشد ہے۔ چنانچہ منافق کی توبہ بالاتفاق مقبول ہے لیکن زندیق کی توبہ بعض علماء کے نزدیک لائق التفات نہیں۔ ان تین مراتب نفاق میں فرق یہ ہے کہ نفاق عملی کی صورت میں ایمان و اعتقاد باقی ہے اور عمل کے بہت شعبے بھی موجود ہیں مگر کسی خاص شعبۂ عمل میں نفاق ہے اور نفاق اعتقادی میں نہ ایمان ہے نہ اسلام، نہ عقیدہ ہے، نہ عمل، صرف ظاہرداری کے لئے دعویٰ ہی دعویٰ ہے یعنی خالص کفر کے باوجود اسلام کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور تیسرا مرتبہ اس سے بھی بدتر ہے کہ اس میں نفاق اعتقادی کے ساتھ نصوص میں تحریف کا اضافہ ہوجاتا ہے گویا خالص کفر کو تاویلات کے ذریعے اسلام ثابت کیا جاتا ہے۔ الغرض قول و عمل کا تضاد ہو یا نفاق ہو حق تعالیٰ کے نزدیک بدترین جرم ہے شدید غضب الٰہی کا سبب ہے۔

آج مسلمانوں کا بظاہر عام جرم یہی ہے کہ زبان سے اسلام کا دعویٰ ہے لیکن عمل وہ ہیں جن سے کافر بھی شرمائے اور افراد و اشخاص ہوں یا حکومتیں، راعی ہوں یا رعایا سب آج اس عظیم معصیت میں مبتلا ہیں، نفاق عملی میں تو قریباً سبھی مبتلا ہیں کہ زبان سے دعوے کچھ کئے جاتے ہیں اور عمل کچھ اور ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگ تو واقعۃً نفاقِ اعتقادی کے مریض ہیں یعنی وہ مسلمان صرف اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کو مسلمانوں سے واسطہ ہے ورنہ ان کے دل میں اسلام نہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عظمت ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کا اعتقاد ہے، اور بہت سے لوگ اسلام کی پیمائش نفس و شکم کے پیمانے سے کرتے ہیں گویا انسان کو دینِ اسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ خود اسلام کو انسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کے لئے نازل کیا گیا ہے وہ مسلمانوں پر یہ فرض عائد نہیں کرتے کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالیں بلکہ وہ اسلام پر یہ فرض عائد کرتے ہیں کہ وہ انسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھلتا رہے، یہ موجودہ دور میں زندقہ کی ترقی

یا فتنہ شکل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آج عمومی طور پر مسلمان نفاقِ عملی یا اعتقادی میں مبتلا ہے آج ہمیں جو ذلت و نکبت نصیب ہو رہی ہے درحقیقت اس منافقانہ طرزِ زندگی کی سزا ہے۔

پاکستان کیوں حاصل کیا گیا؟ اور اب تک کیا ہوا؟

ماضی قریب میں متحدہ ہندوستان میں ہم نے یہی نعرے لگائے کہ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل جداگانہ سرزمین کی اس لئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے لئے اسلام کی حکومت قائم ہو اور سر سے پیر تک اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو، اس موقعہ پر ہم نے بڑے بلند بانگ دعوے کیے تھے کہ حق تعالیٰ کے قوانین عدل کا اجرا ہوگا، اسلامی شعائر کا احیاء ہوگا، اسلامی اتحاد کا خواب پورا ہوگا اسی مقصد کے لئے جلسے کئے، جلوس نکالے، کوششیں کیں، قرار دادیں پاس کیں، جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیاں دیں جو کچھ ہوا اور جو کچھ کیا اس کی تاریخ آپ کے سامنے ہے، بہرحال جدوجہد ٹھکانے لگی، حق تعالیٰ نے غلامی کے طویل دور کے بعد آزادی کی نعمت نصیب فرمائی اور ایک بڑی عظیم سلطنت عطا فرمائی۔ ۱۲ کروڑ کی قابل قدر اطاعت شعار فرمانبردار رعیت عطا فرمائی جس نے کارخانے بنائے، کاروبار کو ترقی دی، مملکت کو آباد کیا، اس کو چار چاند لگائے، باہر کی دنیا میں اس کا وقار قائم کیا، مسجدیں بنائیں، مدرسے تعمیر کرائے اور اتنا کمایا کہ اپنے ٹیکسوں سے حکومت کے خزانوں کو معمور کیا اور قوم کی محنتوں سے ملک کہاں سے کہاں پہنچا، ماضی و حال کی تاریخ آپ کے سامنے ہے غرض دین و دنیا کی سعادتوں سے مملکت کو ہمکنار بنایا لیکن جس بنیادی مقصد کا بار بار اعلان کیا جاتا تھا کہ اسلامی حکومت قائم ہوگی اور یوں عالم اسلام سے اتحاد ہوگا اس کے لئے حکمرانوں اور حکومتوں نے کیا کیا؟ اپنے وعدوں کو کہاں تک پورا کیا؟ یہاں کون کون سے اسلامی قوانین جاری ہوئے؟ کفر و الحاد کو کہاں تک ختم کیا گیا؟ اسلامی معاشرت قائم کرنے کے لئے کیا کیا اقدام کئے گئے؟ ان تمام سوالات کا جواب حسرت ناک نفی میں ملے گا، آخر امتحان کا یہ عبوری دور تھا کون سی نعمت تھی جو حق تعالیٰ نے نہ دی ہو؟ کون سی فرصت تھی جو نہ ملی ہو؟ لیکن واحسرتاہ! کہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا، مگر پاکستان کے مقصدِ وجود کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا کون سا وعدہ پورا کیا گیا؟ کون سی اسلامی عدالت قائم ہوئی؟ زانی اور شرابی کو کون سی سزا دی گئی؟ بداخلاقی کا کیا انسداد کیا گیا؟ ظلم، عدوان، رشوت ستانی، کنبہ پروری، بے حیائی و عریانی، سودخوری و بد معاشی کو ختم کرنے کے لئے کون سا قدم اٹھایا گیا؟ بلکہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ سودخوری، شراب نوشی، بداخلاقی اور بے حیائی کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی گئی بلکہ سرکاری ذرائع سے اس کی نشر و اشاعت میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی گئی۔ ''بینات'' کے صفحات میں ان دردناک داستانوں کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

فسق و فجور اور گناہوں کے اثرات

آخر اس فسق و فجور کی کثرت اور خدافراموش زندگی کی لعنت سے دشمنانِ اسلام (ہندوستان،

امریکہ، روس) کے گٹھ جوڑ سے ایک جھٹکا لگا، اور اس بے نظیر مملکت کا ایک حصہ کاٹ دیا گیا اور بقیہ حصہ کو شر وفساد، اختلاف وانتشار، ہوشربا گرانی اور قحط میں مبتلا کر دیا گیا، امن وامان ختم ہوگیا، کسی کی نہ جان محفوظ نہ کسی کا مال محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، بڑی بڑی صنعتیں نیشنلائز کی گئیں مگر نتیجہ صفر، زمینداروں اور کسانوں کے درمیان باہم دست وگریباں کی فضا پیدا ہوگئی، مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان بے اعتمادی کی لہر دوڑ گئی، حکمرانوں کی عزت واحترام کا جذبہ رعایا کے دلوں سے نکل گیا، آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کس لئے ہوا؟

جواب صاف اور واضح ہے کہ ہم نے نفاق سے کام لیا، اسلام سے روگردانی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی کی، خدا تعالیٰ کو دھوکا دیا، قول وعمل کے تضاد کو شعار بنایا اور منافقانہ زندگی کو اختیار کیا:

کار ہا با خلق آری جملہ راست
با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

آخر حق تعالیٰ کے قانونِ عدل کا ظہور شروع ہوگیا، قرآن کریم بار بار حق تعالیٰ کے اس قانونِ عدل کا صاف اعلان کرتا ہے کہ جب حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی جائے اور قانونِ خداوندی کی توہین کی جائے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں ان سے چھین لی جاتی ہیں اور ان کے بدلے میں عذابِ شدید اس قوم پر مسلط کر دیا جاتا ہے، ارشاد ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراهيم:٧]

اگر شکر کروگے تو تمہیں زیادہ انعام دوں گا اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الانعام:٤٥،٤٤]

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھول گئے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو ان کو ملی تھیں خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا۔ پھر وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:١١٢]

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ بڑے امن و اطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سو انہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

کیا یہ ارشادات ہماری تنبیہ اور گوشمالی کے لئے کافی نہیں؟ کیا دن بدن ہمارا قدم نحوست و ادبار کی طرف نہیں بڑھ رہا؟ کیا ہم نے خدا کی متواتر نعمتوں کی ناشکری میں کوئی کسر چھوڑی ہے؟ کہاں گئی وہ قرارداد مقاصد جو شیخ الاسلام حضرت عثمانی کی کوششوں سے پاس ہوئی تھی؟ کہاں ہے وہ تعلیماتی بورڈ جس پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا تھا؟ کہاں ہے وہ اسلامی کونسل جس پر لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے؟ کیا یہ سب کچھ نفاق نہیں ہے؟ غضب الٰہی کو دعوت دینے والی کون سی برائی ہے کہ اس کو نہ اپنایا ہو اور نیکی و فلاح و بہبود کا کون سا کام ہے جسے ہم نے نہ ٹھکرایا ہو؟ نہ معلوم کہ غفلت کے پردے کب چھٹیں گے اور بد نصیب قوم کا طالع سعید کب طلوع ہوگا؟

پاکستان اور مرزائی امت

ماضی قریب میں اسلامی آئین بنایا گیا اور عالم اسلام میں اس کا چرچا کیا گیا لیکن خدارا بتائیں کہ کاغذی کارروائی سے کیا اب تک ایک قدم بھی آگے بڑھ سکا؟ مرزائی امت جو اسلام کے نام سے اسلام کی بدترین دشمن ہے جو برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے یہ وہ غدار اسلام تحریک ہے جس کے ذریعہ تمام عالم اسلام کی فضا کو مسموم کیا جا رہا ہے، جو تحریک صیہونیت کی ترقی یافتہ شکل ہے جس نے پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کر رکھا ہے، جو ”ریاست اندر ریاست“ ہے، جو اسلام میں نقب زنی کرتی ہے، جو مسلمانوں کی دنیا و آخرت پر ڈاکہ ڈالتی ہے، جو براہ راست سید الانبیاء حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حریف ہے، جس کی بنیاد ہی اسلام سے غداری و بے وفائی اور مسلمانوں سے عداوت و دشمنی پر رکھی گئی ہے، جس کا مشن ہی اول سے آخر تک مسلمانوں کی جاسوسی رہا ہے۔ اگر یہاں کے حکمرانوں کو خدا کا، رسول کا، اسلام کا اور خود اپنے بلند بانگ دعوؤں اور وعدوں کا کچھ پاس و لحاظ ہوتا تو کیا پاکستان میں، ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کئے گئے پاکستان میں، اس انگریزی تحریک اور اس مرزائی امت کا سکہ چل سکتا تھا؟ ہرگز نہیں لیکن حکمرانوں کے نفاق کی اندھیر نگری میں اس کفر خالص کا اسلام کے نام پر جعلی سکہ ربع صدی تک پھیلتا رہا۔

مسلمان قوم بے بسی کے عالم میں چیختی چلاتی رہی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی، سیاست پر مرزائیوں کا تسلط رہا، اقتصادیات پر ان کا قبضہ رہا، دفاع کی پالیسی ان کے سپرد رہی، تعلقات خارجہ ان کے زیر اثر، اندرونی نظم و نسق پر حاوی رہے، اونچی اونچی ملازمتیں ان کے حصہ میں آئیں، قوم نے بار بار احتجاج کئے، التجائیں کیں، تحریکیں چلائیں، مطالبات کئے مگر سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا۔ آخر ان دور کے تاریخی اجتماع میں قوم کو اعلان کرنا پڑا کہ

اگر وزیر اعظم قادیانی مسئلہ میں عوام کی رائے کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھیں گے تو وہ پاکستان کے نہیں بلکہ ربوہ کے وزیر اعظم ہوں گے۔ خدا خدا کر کے ۷ ستمبر کو پہلی بار کم از کم کاغذی سطح پر قوم کا یہ مطالبہ تسلیم کرلیا گیا کہ امت مرزائیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے، قادیانی اوقاف حکومت کی تحویل میں لئے جائیں، کلیدی مناصب سے ان کو نکالا جائے، تمام بری، بحری اور ہوائی فوج سے ان کو ہٹایا جائے، ان کے الگ تشخص اور امتیاز کے لئے شناختی کارڈ جلد سے جلد جاری کئے جائیں اور غیر مسلم مردم شماری میں ان کا اندراج کیا جائے، ان کی عبادت گاہوں کے نام تبدیل کرائے جائیں، مرزائیوں کی عبادت گاہوں کو مسجد نہ کہا جائے، انہیں اسلامی اصطلاحات کے غلط استعمال سے روکا جائے، نبی، نبوت، صلاۃ وسلام، وحیِ الٰہی، مسیح، مہدی، ام المومنین، خلفیہ، امیر المومنین وغیرہ وغیرہ اسلام کے مقدس الفاظ ہیں، غلام احمد اور اس کے گرد وپیش کے لوگوں کے لئے ان کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

ہمیں اس اعتراف میں ذرا بخل نہیں کہ حکومت نے ۷ ستمبر کو مسلمانوں کے مطالبات آئینی طور پر تسلیم کر لئے اور قادیانوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، گذشتہ حکومتوں کی طرح مسلمانوں کے مطالبات ٹھکرا کر حکومت نے عاقبت نااندیشی کا ثبوت نہیں دیا مگر افسوس صد افسوس! کہ آئینی فیصلہ کے بعد حکومت یہ سوچ کر بے فکر ہوگئی کہ مسلمانوں کو مطمئن کر دیا گیا اور ان کے مطالبات تسلیم کر لئے گئے، لیکن خدارا بتایئے کہ حکومت نے اس کاغذی فیصلہ کی تعمیل کے لئے کیا قدم اٹھایا، اور ان مطالبات اور وعدوں کو کس طرح پورا کیا گیا؟ گذشتہ اشاعت میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ مرزائی آئین کے واضح فیصلہ کو صاف صاف ٹھکرا رہے ہیں مگر حکومت نے ان کے اس باغیانہ اعلان کے خلاف کیا کارروائی کی، اس سے بڑھ کر قول وعمل کے تضاد کی کیا مثال ہوگی۔

مرزائی بدستور مسلمانوں کا مضحکہ اڑا رہے ہیں، اسلام کی مقدس اصطلاحات کو ناپاک کر رہے ہیں، مسلمانوں کے نام سے حج پر جاتے ہیں، اسلامی ممالک میں ملازمتیں کر رہے ہیں، اندرون ملک بڑی بڑی آسامیوں پر قابض ہوکر مسلمانوں سے مذہبی جنون کا انتقام لے رہے ہیں، پاکستان کو زک پہنچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر بروئے کار لا رہے ہیں، قوم کے مختلف طبقات میں طبقاتی خلفشار برپا کر رہے ہیں، لیکن ان کے انسداد کے لئے ابھی تک کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا گیا اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مرزائیوں کو اور ان کے آقایانِ مغرب کو مسلمانوں کی نفسیاتی کمزوری کا احساس ہونے لگا کہ موجودہ دور کے مسلمان صرف کہنا جانتے ہیں کرنا نہیں جانتے، وہ قول کے ہیرو ہیں مگر عمل کے پھسڈی ہیں، چنانچہ اب وہ بڑی شد و مد کے ساتھ اور بڑے امن وسکون سے اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے نئے تانے بانے بُننے میں مصروف ہیں اور ریاستِ ربوہ کا خلیفہ چند سالوں تک مرزائیت کے غلبہ واقتدار کی پیش خبریاں سنا رہا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بحمد اللہ! ہم باطل کے حربوں سے مرعوب نہیں، ہمیں یقین ہے کہ ملت اسلامیہ کے بدخواہ اور محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غدار جو کنواں کھودیں گے وہ سب سے پہلے خود انہی کا مدفن ثابت ہوگا لیکن ہمیں اپنے حکمرانوں سے شکایت ہے کہ وہ آئین کے واضح فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟ کیا ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب ایک نیا طوفان برپا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے، امتِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائے اور انہیں طاغوتی طاقتوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

| جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ ـ جون ۱۹۷۵ء |

اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کا مقام (۱)

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین، و لا عدوان الا علی الظالمین، والصلوۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ وتابعیھم اجمعین. اما بعد:

حضرات! اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کو وہ مقام حاصل ہے کہ (نبوت وصدیقیت کے بعد) کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اس کی گرد کو نہیں پا سکتا، اسلام کے مثالی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو جو ترقی نصیب ہوئی وہ ان شہداء کی جان نثاری وجانبازی کا فیض تھا جنہوں نے اللہ رب العزت کی خوشنودی اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے خون سے اسلام کے سدا بہار چمن کو سیراب کیا، شہادت سے ایک ایسی پائیدار زندگی نصیب ہوتی ہے جس کا نقش ہمیشہ کے لئے جریدۂ عالم پر ثبت رہتا ہے، جسے صدیوں کا گرد وغبار بھی نہیں دھندلا سکتا اور جس کے نتائج وثمرات انسانی معاشرے میں رہتی دنیا تک قائم ودائم رہتے ہیں۔

شہید اور شہادت کے فضائل

کتاب اللہ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں شہادت اور شہید کے اس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور شک وشبہ کی ادنیٰ گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ

---

(۱) مجمع البحوث الاسلامیہ مصر کی چھٹی کانفرنس ۱۹۷۱ء میں، حضرت مولانا نے مذکورہ بالا عنوان پر عربی میں مقالہ لکھا اور پڑھا جو بینات میں ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کے پرچہ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کے قلم سے اردو ترجمہ کی شکل میں شائع ہوا۔

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [التوبہ:١١١]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا معاملہ تم نے ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔

سبحان اللہ! شہادت اور جہاد کی اس سے بہتر ترغیب ہوسکتی ہے؟ اللہ رب العزت خود بنفس نفیس بندوں کی جان و مال کا خریدار ہے جن کا وہ خود مالک و رزاق ہے اور اس کی قیمت کتنی اونچی اور کتنی گراں رکھی گئی؟ جنت! پھر فرمایا گیا کہ یہ سودا کچا نہیں کہ اس میں فسخ کا احتمال ہو بلکہ اتنا پکا اور قطعی ہے کہ توریت و انجیل اور قرآن تمام آسمانی صحیفوں اور خدائی دستاویزوں میں یہ عہد و پیمان درج ہے اور اس پر تمام انبیاء و رسل اور ان کی عظیم الشان امتوں کی گواہی ثبت ہے۔ پھر اس مضمون کو مزید پختہ کرنے کے لئے کہ خدائی وعدوں میں وعدہ خلافی کا کوئی احتمال نہیں فرمایا گیا ہے ﴿ومن اوفی بعهده من الله﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ اور عہد و پیمان کی لاج رکھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ کیا مخلوق میں کوئی ایسا ہے جو خالق کے ایفائے عہد کی ریس کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں! مرتبۂ شہادت کی بلندی اور شہید کی فضیلت و منقبت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی و وافی ہے۔ امام طبری، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے مسجد میں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا اور ایک انصاری صحابی بول اٹھے واہ واہ! کیسی عمدہ بیع اور کیسا سودمند سودا ہے، واللہ! ہم اسے کبھی فسخ نہیں کریں گے نہ فسخ ہونے دیں گے۔ نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء:٦٩]

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

اس آیت کریمہ میں راہِ خدا کے جانباز شہیدوں کو انبیاء و صدیقین کے بعد تیسرا مرتبہ عطا کیا گیا ہے، نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

[البقرة:١٥٤]

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کردیئے ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو احساس نہیں۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًابَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَفَضْلٍ وَاَنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:١٦٩-١٧١]

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ اس کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں، نہ وہ مغموم ہوں گے۔ وہ خوش ہوتے بوجہ نعمت وفضلِ خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ (ترجمہ حکیم الامۃ تھانوی)

ان دونوں آیتوں میں اعلان فرمایا گیا کہ شہداء کی موت کو عام انسانوں کی سی موت سمجھنا غلط ہے، شہید مرتے نہیں بلکہ مر کر جیتے ہیں، شہادت کے بعد انہیں ایک خاص نوعیت کی برزخی حیات سے مشرف کیا جاتا ہے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

یہ شہیدانِ راہ خدا، بارگاہِ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور اس کے صلے میں حق جل شانہ کی طرف سے ان کی عزت وتکریم اور قدر ومنزلت کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی روحوں کو سبز پرندوں کی شکل میں سواریاں عطا کی جاتی ہیں، عرش الٰہی سے متعلق قندیلیں ان کی قرارگاہ پاتی ہیں اور انہیں اذنِ عام ہوتا ہے کہ جنت میں جہاں چاہیں جائیں، جہاں چاہیں سیر وتفریح کریں اور جنت کی جس نعمت سے چاہیں لطف اندوز ہوں، شہید اور شہادت کی فضلیت میں بڑی کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، سمندر کے چند قطرے یہاں پیش خدمت ہیں:

حدیث ①: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لو لا ان اشق على امتي ما قعدت خلف سرية، ولودوت انى اقتل ثم احيي ثم اقتل ثم احيي ثم اقتل“.(١)

(اخرجه البخارى فى عدة ابواب من كتاب الايمان والجهادوغيرهافى حديث طويل)

اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری امت کو مشقت لاحق ہوگی تو میں کسی مجاہد دستہ سے پیچھے نہ رہتا اور میری دلی

---

(١)صحيح البخارى، كتاب الايمان، باب الجهادمن الايمان ج:١ص:١٠، ايضًا كتاب الجهاد، باب الجعائل والحملان فى السبيل ج:١ص:٤١٧، ط:قديمى

آرزو یہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

غور فرمایئے! نبوت اور پھر ختم نبوت وہ بلند و بالا منصب ہے کہ عقل و فہم اور وہم و خیال کی پرواز بھی اس کی رفعت و بلندی کی حدوں کو نہیں چھو سکتی، اور یہ انسانی شرف و مجد کا وہ آخری نقطۂ عروج اور غایۃ الغایات ہے جس سے اوپر کسی مرتبہ و منزلت کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا، لیکن اللہ رے مرتبہ شہادت کی بلندی و برتری! کہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مرتبہ شہادت کی تمنا رکھتے ہیں بلکہ بار بار دنیا میں تشریف لانے اور ہر بار محبوب حقیقی کی خاطر خاک و خون میں لوٹنے کی خواہش کرتے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

صرف اسی ایک حدیث سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مرتبۂ شہادت کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے۔

حدیث ②: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما من احد يدخل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وله ما فى الارض من شىء الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات لما يرى من الكرامة"(١)

(اخرجه البخارى فى باب تمنى المجاهد ان يرجع الى الدنيا، ومسلم)

کوئی شخص جو جنت میں داخل ہو جائے یہ نہیں چاہتا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور اسے زمین کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت مل جائے البتہ شہید یہ تمنا ضرور رکھتا ہے کہ وہ دس مرتبہ دنیا میں جائے پھر راہِ خدا میں شہید ہو جائے کیونکہ وہ شہادت پر ملنے والے انعامات اور نوازشوں کو دیکھتا ہے۔

حدیث ③: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں بعض دفعہ جہاد کے لئے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ) بعض (نادار اور) مخلص مسلمانوں کا جی اس بات پر راضی نہیں کہ (میں تو جہاد کے لئے جاؤں اور) وہ مجھ سے پیچھے بیٹھے رہیں (مگر ان کے پاس جہاد کے لئے سواری اور سامان نہیں) اور میرے پاس (بھی) سواری نہیں کہ ان کو جہاد کے لئے تیار کر سکوں، اگر یہ عذر نہ ہوتا تو اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے میں کسی مجاہد دستے سے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جائے پیچھے نہ رہا کروں۔

---

(١) صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب تمنى المجاهد ان يرجع الى الدنيا ج:١ ص:٣٩٥، ط: قديمى
صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضل الشهادة فى سبيل الله ج:٢ ص:١٣٤، ط: قديمى

اور اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری تمنا یہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں"(۱)۔ (بخاری ومسلم)

حدیث ④: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف" (۲). (بخاری)

جان لو! کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

حدیث ⑤: حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْافِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾
[آل عمران:۱۶۹]

اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

"ارواحهم فی جوف طیر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی تلك القنادیل، فاطلع الیهم ربهم اطلاعة فقال: هل تشتهون شیئا؟ قالوا: أی شیء نشتهی ونحن نسرح من الجنة حیث شئنا، ففعل ذلك بهم ثلاث مرات، فلما رأوا انهم لن یترکوا من ان یسألوا قالوا: یارب! انرید ان ترد أرواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلك فلما رأی ان لیس لهم حاجة ترکوا" (۳). (رواه مسلم)

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں سواری کرتی ہیں، ان کی قرارگاہ وہ قندیلیں ہیں جو عرش الٰہی سے آویزاں ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر و تفریح کرتی ہیں پھر لوٹ کر انہی قندیلوں میں قرار پکڑتی ہیں۔ ایک بار ان کے پروردگار نے ان سے بالمشافہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو؟

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الجعائل والحملان فی السبیل ج:۱ ص:٤١٧، ایضاً کتاب الجهاد، باب تمنی الشهادة ج۱ ص:۳۹۲، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل الله ج:۲ ص:۱۳۳، ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الجنة تحت بارقة السیوف ج:۱ ص:۳۹۵، ط: قدیمی

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فی بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة ج:۲ ص:۱۳۵، ط: قدیمی

عرض کیا: ساری جنت ہمارے لئے مباح کردی گئی ہے ہم جہاں چاہیں آئیں جائیں اس کے بعد اب کیا خواہش باقی رہ سکتی ہے؟ حق تعالیٰ نے تین بار اصرار فرمایا کہ اپنی کوئی چاہت تو ضرور بیان کرو، جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی نہ کوئی خواہش عرض کرنی ہی پڑے گی، تو عرض کیا اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹادی جائیں تاکہ ہم تیرے راستے میں ایک بار پھر جام شہادت نوش کریں (اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ان کی کوئی خواہش نہیں) چنانچہ جب یہ ظاہر ہوگیا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حدیث ⑥: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يكلم احد فى سبيل الله ، والله اعلم بمن يكلم فى سبيله الا جاء يوم القيامة وجرحه يثعب دمًا اللون لون الدم والريح ريح المسك".(۱)

جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون کا فوارہ بہہ رہا ہوگا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو کستوری کی۔

حدیث ⑦: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"للشهيد عند الله ست خصال :يغفر له فى اول دفعة، و يرى مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر و يامن من الفزع الاكبر، و يوضع على راسه تاج الوقار ، الياقوتة منها خير من الدنيا و ما فيها، و يزوج ثنتين وسبعين زوجة من الحور العين و يشفع فى سبعين من اقربائه"(۲). (رواه الترمذى وابن ماجه، ومثله عند احمد والطبرانى من حديث عبادة بن الصامت)

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعام ہیں:

① اول وہلہ میں اس کی بخشش ہوجاتی ہے۔

② (موت کے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔

③ عذاب قبر سے محفوظ اور قیامت کے فزع اکبر سے مامون ہوتا ہے۔

④ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک نگینہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

---

(۱) صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب من يجرح فى سبيل الله ج:۱ ص:۳۹۳، ط: قديمى.
الصحيح لمسلم، كتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فى سبيل الله ج:۲ ص:۱۳۳، ط: قديمى

(۲) سنن الترمذى، ابواب فضائل الجهاد، باب فضل الشهداء ج:۲ ص:۲۹۵، ط: قديمى،
سنن ابن ماجه، ابواب الجهاد، باب فضل الشهادة فى سبيل الله ص:۲۰۱، ط: قديمى

⑤ جنت کی بہتر حوروں سے اس کا بیاہ ہوتا ہے۔

⑥ اور اس کے ستر عزیزوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

حدیث ⑧: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> "الشهيد لا يجد ألم القتل الا كما يجد احدكم القرصة" (١). (رواه الترمذى والنسائى والدارمى)

شہید کو قتل کی اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی کہ تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث ⑨: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> "اذا وقف العباد للحساب جاء قوم واضعي سيو فهم على رقابهم تقطر دمًا فازدحموا على باب الجنة فقيل: من هؤلاء؟ قيل الشهداء كانوا احياء مرزوقين" (٢) (رواه الطبرانى)

جب کہ لوگ حساب کتاب لئے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی گردن پر تلواریں رکھے ہوئے آئیں گے جن سے خون ٹپک رہا ہوگا یہ لوگ جنت کے دروازے پر جمع ہو جائیں گے لوگ دریافت کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں (جن کا حساب کتاب بھی نہیں ہوا سیدھے جنت میں آ گئے) انہیں بتایا جائے گا کہ یہ شہید ہیں جو زندہ تھے جنہیں رزق ملتا تھا۔

حدیث ⑩: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> "ما من نفس تموت لها عند الله خير يسرها ان ترجع الى الدنيا الا الشهيد فانه يسره ان يرجع الى الدنيا فيقتل مرة اخرى لما يرى من فضل الشهادة" (٣). (رواه مسلم)

جس شخص کے لئے اللہ کے ہاں خیر ہو جب وہ مرے تو کبھی دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرتا البتہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی بہترین خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے تا کہ وہ ایک بار پھر شہید

---

(١) سنن الترمذى، ابواب فضائل الجهاد ج:٢ ص:٢٩٦، ط: قديمى. سنن النسائى، كتاب الجهاد، ما يجد الشهيد من الالم ج:٢ ص:٦١، ط: قديمى

(٢) المعجم الاوسط للطبرانى ج:٢ ص:٢٨٥، ط: دار الحرمين قاهره

(٣) الصحيح لمسلم، كتاب الامارة، باب فضل الشهادة فى سبيل الله ج:٢ ص:١٣٤، ط: قديمى

ہو جائے اس لئے کہ وہ مرتبۂ شہادت کی فضیلت دیکھ چکا ہے۔

حدیث ⑪: ابن منذر نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے: ''وہ کہتے ہیں کہ اپنے مال کی دیکھ بھال کے لئے میں غابہ گیا وہاں مجھے رات ہوگئی میں عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (جو شہید ہو گئے تھے) کی قبر کے پاس لیٹ گیا میں نے قبر سے ایسی قرأت سنی کہ اس سے اچھی قراءت کبھی نہیں سنی تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قاری عبد اللہ (شہید) تھے، تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض کر کے زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھتے ہیں اور انہیں جنت کے درمیان (عرش پر) آویزاں کر دیتے ہیں، رات کا وقت ہوتا ہے تو ان کی روحیں ان کے اجسام میں واپس کر دی جاتی ہیں اور صبح ہوتی ہے تو پھر انہیں قندیلوں میں آ جاتی ہیں''۔

یہ حدیث حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں ذکر کی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد بھی شہداء کے لئے طاعات کے درجات لکھے جاتے ہیں۔

حدیث ⑫: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے احد کے قریب سے نہر نکلوائی تو وہاں سے شہداء احد کو ہٹانے کی ضرورت ہوئی، ہم نے ان کو نکالا تو ان کے جسم بالکل تروتازہ تھے، محمد بن عمرو کے اساتذہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو (جو احد میں شہید ہوئے تھے) نکالا گیا تو ان کا ہاتھ زخم پر رکھا تھا وہاں سے ہٹایا گیا تو خون کا فوارہ پھوٹ نکلا زخم پر ہاتھ دوبارہ رکھا گیا تو خون بند ہو گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد کو ان کی قبر میں دیکھا تو ایسا لگتا تھا گویا سو رہے ہیں، جس چادر میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ جوں کی توں تھی اور پاؤں پر جو گھاس رکھی گئی تھی وہ بھی بدستور اصل حالت میں تھی، اس وقت ان کو شہید ہوئے چھیالیس سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس واقعہ کو کھلی آنکھوں دیکھ لینے کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، کہ شہداء کی قبریں جب کھودی جاتیں تو جونہی تھوڑی سی مٹی گرتی اس سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی۔

یہ واقعہ امام بیہقی نے متعدد سندوں سے اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے (۱)۔

مندرجہ بالا جواہر نبوت کا خلاصہ مندرجہ ذیل امور ہیں۔

اول...... شہادت ایسا اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس کی تمنا کرتے ہیں۔

دوم...... مرنے والے کو اگر موت کے بعد عزت وکرامت اور راحت وسکون نصیب ہو تو دنیا میں واپس آنے کی خواہش ہرگز نہیں کرتا، البتہ شہید کے سامنے جب شہادت کے فضائل وانعامات کھلتے ہیں تو اسے خواہش

---

(۱) التفسير المظهري ج: ۲ ص: ۱۵۲، ط: رشيديه

ہوتی ہے کہ بار بار دنیا میں آئے اور جامِ شہادت نوش کرے۔

سوم...... حق تعالیٰ شہید کو ایک خاص نوعیت کی ''برزخی حیات'' عطا فرماتے ہیں شہداء کی ارواح کو جنت میں پرواز کی قدرت ہوتی ہے اور انہیں اذنِ عام ہے کہ جہاں چاہیں آئیں جائیں، ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں اور صبح و شام رزق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

چہارم...... حق تعالیٰ نے جس طرح ان کو برزخی حیات سے ممتاز فرمایا ہے اسی طرح ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں گویا ان کی ارواح کو جسمانی نوعیت اور ان کے اجسام کو روح کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔

پنجم...... موت سے شہید کے اعمال ختم نہیں ہوتے نہ اس کی ترقی درجات میں فرق آتا ہے بلکہ موت کے بعد قیامت تک اس کے درجات برابر بلند ہوتے رہتے ہیں۔

ششم...... حق تعالیٰ ارواحِ شہداء کو خصوصی مسکن عطا کرتے ہیں جو یاقوت و زبرجد اور سونے کی قندیلوں کی شکل میں عرشِ اعظم سے آویزاں رہتے ہیں اور جنت میں چمکتے ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

بہت سے عارفین نے جن میں عارف باللہ حضرت شیخ شہید مظہر جانِ جاناںؒ بھی شامل ہیں ذکر کیا ہے کہ شہید چونکہ اپنے نفس، اپنی جان اور اپنی شخصیت کی قربانی بارگاہِ الوہیت میں پیش کرتا ہے اس لئے اس کی جزا اور صلہ میں اسے حق جل شانہٗ کی تجلی ذاتی سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں کونین کی ہر نعمت ہیچ ہے۔

حضرات! شہادت نتیجہ ہے جہاد کا، اور ہم نے کتاب اللہ کی ان آیات اور بہت سی احادیث نبویہ سے تعرض نہیں کیا جو جہاد کے سلسلہ میں وارد ہیں چنانچہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں متعدد صحابہ کرام، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور سہل بن سعد وغیرہما رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح کو یا ایک شام کو جہاد کے لئے نکل جانا دنیا اور دنیا بھر کی ساری دولتوں سے بہتر ہے''۔(۱)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ساری عمر رات بھر قیام کیا کرے اور دن کو روزہ رکھا کرے، جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں''۔(۲)

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة فی سبیل الله وقاب قوسین احدکم من الجنة ج:۱ ص:۳۹۲، ط:قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغدوة والروحة فی سبیل الله ج:۲ ص:۱۴۳، ط:قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسیر ج:۱ ص:۳۹۱، ط:قدیمی

شہید کسے کہتے ہیں؟

حضرات! شہید کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سب سے عالی مرتبہ وہ شہید ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اللہ کی بات کو اونچا کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں کافروں کے ہاتھوں قتل ہوجائے۔ اس کے علاوہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے جو قتل ہوجائے وہ بھی شہید ہے، جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوجائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوجائے وہ بھی شہید ہے، جیسا کہ سعد بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسائی، ابوداؤد اور ترمذی میں حدیث موجود ہے۔ (۱)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’پانچ آدمی شہید ہیں: جو طاعون سے مرے، جو پیٹ کی بیماری سے مرے، جو پانی میں غرق ہوجائے، جو مکان گرنے سے مرجائے اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہوجائے‘‘۔ (۲)

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے علاوہ سات قسم کی موتیں شہادت ہیں: طاعون سے مرنے والا شہید ہے، ڈوب کر مرنے والا شہید ہے، نمونیہ کے مرض سے مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے، جو عورت حمل یا ولادت میں انتقال کرجائے وہ شہید ہے‘‘۔ (یہ حدیث امام مالک ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے) (۳)۔

ابوداؤد میں حضرت امِ حرام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

’’سمندر میں سر چکرانے کی وجہ سے جس کو قے آنے لگے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے‘‘۔ (۴)

نسائی شریف میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی قتال اللصوص ج: ۲ ص: ٦٥٨، ط: حقانیه پشاور.

سنن الترمذی، ابواب الدیات عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو شهید ج: ۱ ص: ۱۷۰، ط: فاروقی کتب خانه ملتان

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوی القتل ج: ۱ ص: ۳۹۷، ط: قدیمی.

الصحیح لمسلم. کتاب الامارة. باب بیان الشهداء ج: ۲ ص: ۱٤۳، ۱٤۲، ط: قدیمی

(۳) مؤطا الامام مالك، کتاب الجنائز، باب النهی عن البکاء علی المیت ص: ۲۱٥، ط: قدیمی.

سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی عن البکاء علی المیت ج: ۱ ص ۲٦۱، ط: قدیمی

(۴) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی رکوب البحر وفضل قتل الکافر ج: ۱ ص: ۳۳۷، ط: حقانیه

''نفاس میں (ولادت کے بعد) مرنے والی عورت کے لئے شہادت ہے''۔ (۱)

نسائی شریف میں حضرت سوید بن مقرن سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص ظلم کی مدافعت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے''۔ (۲)

ترمذی شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''شہید چار قسم کے ہیں: ایک وہ شخص جس کا ایمان نہایت عمدہ اور پختہ تھا اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا، اس نے اللہ کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے دادِ شجاعت دی یہاں تک کہ قتل ہوگیا، یہ شخص اتنے بلند مرتبے میں ہوگا کہ قیامت کے روز لوگ اس کی طرف یوں نظر اٹھا کر دیکھیں گے، یہ فرماتے ہوئے آپ نے سر اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی سر سے گر گئی (راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کی ٹوپی مراد ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) فرمایا: دوسرا وہ مومن آدمی جس کا ایمان نہایت پختہ تھا، دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا مگر حوصلہ کم تھا، اس لئے مقابلے کے وقت اسے ایسا محسوس ہوا گویا خاردار جھاڑی کے کانٹے اس کے جسم میں چبھ گئے ہوں (یعنی دل کانپ گیا اور رونگٹے کھڑے ہوگئے) تاہم کسی نامعلوم جانب سے تیر آکر اس کے جسم میں پیوست ہوگیا اور شہید ہوگیا، یہ دوسرے مرتبہ میں ہوگا۔ تیسرے وہ مومن آدمی جس نے اچھے اعمال کے ساتھ کچھ برے اعمال کی آمیزش بھی کر رکھی تھی دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس نے ایمان ویقین کے ساتھ خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا، حتیٰ کہ قتل ہوگیا یہ تیسرے درجے میں ہوگا۔ چوتھے وہ مومن آدمی جس نے اپنے نفس پر (گناہوں سے) زیادتی کی تھی (یعنی نیکیاں کم اور گناہ زیادہ تھے) دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس نے خوب جم کر مقابلہ کیا، یہاں تک کہ قتل ہوگیا، یہ چوتھے درجے میں ہوگا''۔ (۳)

مسند دارمی میں حضرت عتبہ بن عبد السلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''راہ خدا میں قتل ہونے والے تین قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ مومن جس نے اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا، دشمن سے مقابلہ ہوا خوب لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ شہید ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا، یہ عرش الٰہی کے نیچے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے خیمے میں ہوگا نبیوں کو اس پر فضیلت صرف درجہ نبوت کی وجہ سے ہوگی۔ دوسرے وہ مومن جس نے کچھ نیک عمل کئے تھے کچھ

---

(۱) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی عن البكاء على الميت ج: ۱ ص ۲٦۱، ط: قديمی

(۲) سنن النسائی، کتاب المحاربة، باب من قاتل دون مظلمة ج: ۲ ص: ۱۷۳، ط: قديمی

(۳) سنن الترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل الشهداء عندالله ج: ۱ ص: ۱۹۸، ط: فاروقی کتب خانه

برے، اس نے جان و مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، اور دشمن کے مقابلے میں لڑا یہاں تک کہ قتل ہو گیا آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: مٹا دینے والی (تلوار) نے اس کی غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیا ہے، بلاشبہ تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور اس شہید کو اجازت دی گئی کہ وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ تیسرا منافق: جس نے جان و مال سے جہاد کیا دشمن سے مقابلہ ہوا مارا گیا، یہ دوزخ میں جائے گا کیونکہ تلوار (اور گناہوں کو تو مٹا دیتی ہے) مگر نفاق (دل میں چھپے ہوئے کفر) کو نہیں مٹاتی''۔ (۱)

حاصل یہ کہ ان تمام احادیث کو جن میں شہادت کی اموات کو متفرق بیان کیا ہے جمع کر لیا جائے تو شہداء کی فہرست کافی طویل ہو جاتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں۔ نہایت جلدی میں یہ چند احادیث پیش کی گئیں ورنہ اس موضوع کے استیعاب کا قصد کیا جاتا تو شہداء کی تعداد کافی زیادہ نکل آتی۔ (۲)

پھر قیاس واجتہاد کے ذریعہ ایسے شہداء کو بھی ان سے ملحق کیا جا سکتا ہے جو اگرچہ احادیث میں صراحۃً نہیں آئے مگر حدیث کے اشارات سے نکالے جا سکتے ہیں، مثلاً فرمایا: جو اپنے مال کی مدافعت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، اب یہ عام ہے جو تمام حقوق کو شامل ہے لہٰذا جو شخص مادرِ وطن کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہوگا، جو ظلم وعدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہوگا۔ الغرض جو مسلمان اپنی جان کی، اپنے اہل وعیال کی، اپنی عزت کی، اپنے مال کی، اپنے وطن کی، سرزمینِ اسلام کے وقار کی اور مسلمانوں کی عزت وقوت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ حسبِ درجۂ شہید کا مرتبہ پائے گا بشرطیکہ اس کی مدافعت رضائے الٰہی کے لئے ہو محض جاہلی عصبیت، خالص قومیت اور جاہلی حمیت کی بنا پر نہ ہو۔

مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کے اسباب

کون نہیں جانتا کہ ''وطن'' اپنی ذات میں کوئی مقدس چیز نہیں، اس کی عزت وحرمت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اسلام کی شان وشوکت اور اس کی سربلندی کا ذریعہ ہے اور ''قومی اسٹیٹ'' میں سوائے اس کے تقدیس کا کوئی پہلو نہیں کہ وہ اسلامی قوت کا مرکز اور مسلمانوں کی عزت وشوکت کا مظہر ہے۔ آج جو مشرق ومغرب میں اسلام دشمن طاقتیں عرب وعجم کے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر انہیں خود ان کے اپنے علاقوں میں طرح طرح سے

---

(۱) سنن الدارمی، کتاب الجهاد، باب فی صفة القتل فی سبیل الله ج: ۲ ص: ۲۷۲، ط: دار الکتاب العربی بیروت

(۲) مظاہر حق شرح مشکوۃ میں، مرقاۃ اور ''طوالع الانوار حاشیہ درمختار'' کے حوالے سے نیز شامی نے ردالمحتار میں شہداء کی فہرست شمار کی ہے جو کم وبیش ساٹھ ہیں۔ (مترجم)

ذلیل وخوار اور پریشان کررہی ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے فریضۂ جہاد سے غفلت برتی اور مرتبہ شہادت حاصل کرنے کا ولولہ جاتا رہا، جہاد سے غفلت کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے پاس مال ودولت اور مادی وسائل کا فقدان ہے یا یہ کہ مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے، اللہ رب العزت نے اسلامی عربی ممالک کو ثروت اور مال کی فراوانی کے وہ اسباب عنایت فرمائے ہیں جو کبھی تصور میں بھی نہیں آسکتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ ان وسائل میں یہ اسلام دشمن طاقتیں بھی عالم اسلام اور ممالک عربیہ کی دست نگر اور محتاج ہیں، الغرض آج مسلمانوں کی ذلت کا سبب وسائل کی کمی نہیں بلکہ اس کا اصل باعث ہمارا باہمی شقاق ونفاق ہے، ہم نے اجتماعی ضروریات پر شخصی اغراض کو مقدم رکھا، انفرادی مصالح کو قومی مصالح پر ترجیح دی، راحت وآسائش کے عادی ہوگئے، روحِ جہاد کو کچل ڈالا اور آخرت اور جنت کے عوض جان ومال کی قربانی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ یہ ہیں وہ اسباب جن کی بدولت مسلمان قوم اوجِ ثریا سے ذلت وحقارت کی عمیق وادیوں میں جا گری۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا، اہل علم کے حلقہ میں معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ زمانہ قریب ہے جبکہ تمام اسلام دشمن قومیں تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کو دعوتِ ضیافت دیں گی، ایک صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس وجہ سے کہ اس دن ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم بڑی کثرت میں ہوگے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے، اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور دوں ہمتی ڈال دے گا، ایک صاحب نے عرض کیا، یارسول اللہ! دوں ہمتی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی چاہت اور موت سے گھبرانا''۔(١)

بہرحال جب ہم مسلمانوں کی موجودہ ناگفتہ بہ زبوں حالی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے چند چیزیں ابھر کر آتی ہیں جن کی طرف ذیل میں نہایت اختصار سے اشارہ کیا جاتا ہے:۔

اوّل:......اعداء اسلام پر وثوق واعتماد اور بھروسہ کرنا (خواہ روس ہو یا امریکہ ومغربی اقوام) ظاہر ہے کہ کفر اپنے اختلافات کے باوجود ایک ہی ملت ہے، اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد وتوکل اور مسلمانوں پھر بھروسہ نہ کرنا جب کہ تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ:

﴿وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [آل عمران:١٦٠]

صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے مسلمانوں کو۔

اس آیت میں نہایت حصر وتاکید کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ رب العزت کے سوا کسی

---

(١) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام ج:٢ ص:٥٩٠، ط: حقانیه پشاور
مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب تغیر الناس، الفصل الثانی ج:٢ ص:٤٥٩، ط: قدیمی

شخصیت پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، (حیث قدم قوله: وعلى الله)

دوم:...... مسلمانوں کا باہمی اختلاف وانتشار اور خانہ جنگی، جس کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ آپس میں کہیں مل بیٹھ کر صلح صفائی کی بات کرتے ہیں تب بھی ان کی حالت یہ ہوتی ہے۔

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعاً وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر:١٤]

بظاہر تم ان کو مجتمع دیکھتے ہو مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔

سوم:...... توکل علی اللہ سے زیادہ مادی اور عادی اسباب پر اعتماد، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان تمام اسباب ووسائل کی فراہمی کا حکم دیا ہے جو ہمارے بس میں ہوں اور جن سے دشمن کو مرعوب کیا جاسکے، لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف سے تو ہم مادی اسباب کی فراہمی میں کوتاہ کار ہیں اور دوسری طرف فتح ونصرت کا جو اصل سرچشمہ ہے اس سے غافل ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَاالنَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ [آل عمران:١٢٦]

نصرت وفتح تو صرف اللہ عزیز وحکیم کے پاس ہے اور اسی کی جانب سے ملتی ہے۔

تاریخ کے بیسیوں نہیں سینکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ کافروں کے مقابلہ میں بے سروسامانی اور قلتِ تعداد کے باوجود فتح ونصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

چہارم:...... دنیا سے بے پناہ محبت، عیش پرستی اور راحت پسندی، آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرنا، قومی اور ملی تقاضوں پر اپنے ذاتی تقاضوں کو ترجیح دینا اور روح جہاد کا نکل جانا، اس کی تفصیل طویل ہے قرآن کریم کی سورہ آل عمران اور سورہ توبہ میں نہایت عالی مرتبہ عبرتیں موجود ہیں۔ امت کا فرض ہے کہ اس روشن مینار کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔

بہرحال اللہ کے راستے میں کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے دشمنوں سے معرکۂ آرائی راہِ خدا میں جہاد کرنا اور اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کردینا نہایت بیش قیمت جوہر ہے۔ قران کریم اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دنیوی فوائد اور اخروی درجات کو ہر پہلو سے روشن کردیا ہے اور اس کی وجہ سے امتِ محمدیہ پر جو عنایات الٰہیہ نازل ہوتی ہیں ان کے اسرار کو نہایت فصاحت وبلاغت سے واضح کردیا ہے۔

حضرات! یہ ایک مختصر سا مقالہ ہے جو نہایت مصروفیت اور کم وقت میں لکھا گیا اس لئے بحث کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے ہیں جس پر مسامحت کی درخواست کروں گا، آخر میں ہم حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری غلطیوں کی اصلاح فرمائے، ہمارے درمیان قلبی اتحاد پیدا فرمائے، کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد اور نصرت فرمائے اور ہمیں صبر، عزیمت، مسلسل محنت کی لگن اور تقویٰ کی صفات سے سرفراز فرما کر کامیاب فرمائے۔ آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ]

علم کی اقسام اور ان کے حصول کا راستہ

علم دنیا میں دو راستوں سے آیا، ہے ایک علمِ الٰہی ہے جو بذریعہ وحی انبیاء کرام علیہم السلام کے توسط سے دنیا والوں کو پہنچا ہے، اس علم کے معلم اوّل خود حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شانہٗ کی ذات گرامی صفات ہے اور اس کے اوّلین شاگرد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اس مقدس سلسلۂ تلامذہ میں پہلے شاگرد اور متعلم ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، جن کے علم وفضل کا لوہا ملائکہ مقربین تک نے مانا ہے اور اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ ہی اس علم الٰہی کا پہلا درس حظیرۂ قدس کی درس گاہ میں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو ہی دیا گیا ہے۔ یہ علم الٰہی وہ علم ہے جس کے ادراک ومعرفت سے عقل انسانی قاصر وعاجز ہے اس لئے کہ یہ حقائق الٰہیہ اور علوم غیبیہ عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر اور وراء الوراء (دور سے دورتر) ہیں: ارشاد ہے:

﴿وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَاشَآءَ﴾ [البقرة:۲۵۵]

اور وہ (انسان) نہیں احاطہ کر سکتے اس کے علم کے کسی حصہ پر بھی بجز اس کے جو وہ خود (عطا فرمانا) چاہے۔ اور اس "بما شاء" کے استثناء کے تحت ان علوم کا جو حصہ انسان کو دیا گیا ہے وہ علم الاوّلین والآخرین (اگلوں اور پچھلوں سب کا علم) ہونے کے باوجود بھی "قدر قلیل" گویا بحرِ ذخار کے ایک قطرہ کا مصداق ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَآاُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل:۸۵]

اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ تو بہت ہی تھوڑا علم ہے۔

دوسرا وہ علم ہے جس کا ذریعہ عقل وادراک کا وہ جوہر لطیف ہے جو خالق کائنات نے ہر انسان کی فطرت میں علیٰ فرق المراتب (درجہ بدرجہ) ودیعت فرمایا ہے، جس کا ظہور ہر بچہ میں ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور سن وسال نیز محسوسات ومشاہدات اور تجربات کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور ترقی کرتا رہتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہر دور میں عقلِ انسانی میں جتنی پختگی پیدا ہوتی گئی یہ "فکری ونظری علم" بڑھتا اور ترقی وتنوع اختیار کرتا رہا اور جوں جوں نسل انسانی کو نت نئی حاجات وضروریات پیش آتی رہیں ان کو پورا کرنے کی تگ ودو میں اس علم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔

لیکن اس علم انسانی کے مبادی محسوسات ومشاہدات وتجربات سے انتفاع میں بھی عقل انسانی کی ابتدائی رہنمائی وحی والہام الٰہی کے ذریعہ ہی ہوئی ہے اور تمامتر صنعتوں اور حرفوں کے اصول ومبادی کے معلم اوّل بھی انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوئے ہیں۔

چنانچہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ تمامتر آسمانی تعلیمات جن کی تبلیغ وتعلیم کے لئے انھیں مبعوث کیا گیا تھا معبودِ حقیقی کی ابتدائی معرفت اور اس روئے زمین پر انسان زندگی کے ابتدائی

لوازمات غذا، لباس اور مسکن کے مہیا کرنے کے طریقوں کی تعلیم پر مشتمل تھیں، حضرت ادریس علیہ السلام خیاطت (کپڑے سینے) کے معلم اوّل تھے، حضرت نوح علیہ السلام کشتی سازی اور جہاز سازی کے معلم اوّل ہوئے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آلاتِ حرب میں سے زرہ سازی کے معلم اوّل اور حضرت سلیمان علیہ السلام فنونِ لطیفہ میں سے عمارت سازی اور ظروف سازی کے معلم اوّل ہوئے ہیں، معدنیات میں سے خام لوہے سے فولاد تیار کرنے اور تانبہ کو سیال کرنے کی صنعت کے معلم اوّل بھی حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام ہی ہوئے ہیں، قرآن کریم کی نصوص اور صریح آیات اس پر شاہد ہیں۔

لیکن یہ تمام علوم جو انسانی عقل اور قوتِ اختراع کے ذریعہ پروان چڑھے اور دنیا میں پھیلے درحقیقت علوم نہیں بلکہ فنون صنعت وحرفت ہیں جنہیں انسانی عقل، موجوداتِ عالم خصوصاً زمین اور اس کی اندرونی وبیرونی پیداوار یعنی معدنیات ونباتات وحیوانات، پہاڑوں اور جنگلات کی طبعی پیداوار کے افعال وخواص اور منفعتوں مضرتوں کے مسلسل مطالعہ اور ان کی تحلیل وترکیب سے انسانی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے والی نوع بنوع ایجادات واختراعات کو سالہا سال تک بروئے کار لاتی رہی ہے اور یہ نو بنو مصنوعات وجود میں آتی رہی ہیں۔

بہرحال! قرآن کریم کی روشنی میں یہ تو مسلّم ہے کہ حیاتِ انسانی کے ابتدائی مراحل میں عقلِ انسانی کی رہنمائی بھی وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی ہے بلکہ مستدرک حاکم کی ایک روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں نسلاً بعد نسلٍ جو صنعتیں اور حرفتیں قیامت تک وجود میں آنے والی تھیں جن کی تعداد اس روایت کے بموجب ایک ہزار ہے وہ سب اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم کو سکھائی ہیں آیت کریمہ ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے، فلسفہ توالد وتناسل کی رو سے بھی آدم یعنی ابوالبشر کی خلقت اور فطرت میں ان تمام کمالات وفنون کے اجمالی نقوش موجود ہونے ضروری ہیں ان کی ذریت میں بطور توارث نسل انسانی کے مختلف ادوار میں وجود میں آنے والے ہیں۔

انسانی عقل وقوت اختراع اور دنیا

اس جہانِ حدوث وفنا یعنی دنیا کے بقاء وارتقاء کے لئے یہ علومِ عقلیہ صناعیہ اور ضروریاتِ زندگی کی کفیل صنعتیں بے حد ضروری ہیں اور ہر دور میں حق تعالیٰ شانہٗ عقل وادراکِ انسانی کی تحقیقات وتجربات کے ذریعے اپنی گوناگوں عنصری، معدنی، نباتاتی اور حیوانی مخلوق میں چھپی ہوئی بے شمار صلاحیتیں، منفعتیں اور مضرتیں ظاہر کرتے اور منظرِ عام پر لاتے رہے ہیں اس لئے کہ خالقِ کائنات نے حضرت انسان کو ہی ان پر متصرف بنایا ہے اور انہی ارضی وسماوی کائنات ومخلوقات سے اس کی زندگی وابستہ ہے، ارشاد ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ [الجاثیہ:۱۳]

اور جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب تمہارے تصرف میں دے دیا ہے۔

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ [البقرة:۲۹]

جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

چنانچہ انسانی عقل اور قوت اختراع کے ذریعہ "خلق لکم" اور "سخر لکم" کی عملی تفسیر ہمیشہ سامنے آتی رہی ہے اور رہتی دنیا تک آتی رہے گی نئی نئی دریافتیں ہوتی رہیں گی اور نو بنو ایجادات ومصنوعات منظر عام پر آتی رہیں گی، نہ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمودہ افعال وخواص اور منفعتوں اور مضرتوں کی کوئی حد وانتہا ہے اور نہ ہی انسانی ایجاد واختراع کی کوئی حد ونہایت ہے۔ درحقیقت خالق کائنات کی ان نو بنو شئونِ الٰہیہ کے تحت جن کے متعلق ارشاد ہے: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ [الرحمن:۲۹] ہر روز اس کی نئی شان اور نرالی شان ہے، ہر نیا دن اپنے ساتھ نئی نئی دریافتیں اور نو بنو ایجادات واختراعات لاتا ہے۔

اس طرح ایک طرف اس کارخانہ قدرت کی لامحدود وسعت، ہمہ گیری اور احاطہ کا اور دوسری طرف روز افزوں دولت وثروت اور نو بنو لوازمِ معیشت کا ظہور ہوتا ہے اور حق جل وعلیٰ کے کمال علم وقدرت اور محیر العقول کائناتی نظام کی حکمتیں اور اسرار نمایاں ہوتے رہتے ہیں، تاکہ یہ حضرت انسان ان "آیات بینات" روشن دلائل کو دیکھ کر زبانِ حال اور زبانِ قال دونوں طریق پر اعتراف کرتے رہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً﴾ [آل عمران:۱۹۱]

اے پروردگار! آپ نے تو اس (کارخانہ قدرت کو یونہی) بیکار وبے فائدہ نہیں پیدا کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی یہ گوناگوں ارضی وسماوی موجودات اور ان کے حقائق وعجائبات اور اسرار وحکم کے دریافت واکتشافات کا کفیل عقل وادراک انسانی ہی کو بنایا گیا ہے اسی میں وہ شب وروز مصروف ومنہمک ہے اور قیامت تک رہے گی اسی لئے کسی رند مشرب کا مقولہ ہے کہ "خدا اور انسان اپنی تحقیق پیہم سے زندہ ہیں" بات ایک حد تک صحیح ہے لیکن اندازِ بیان عظمت وجلال خداوندی کے منافی اور تعبیر گستاخانہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی

ان صناعی علوم کا انبیاء علیہم السلام کے فرض منصبی سے کوئی تعلق نہیں، نبوت کا فرضِ منصبی تو یہ ہے کہ ان حقائق الٰہیہ اور مرضیات خداوندی کو وہ بیان کریں جن کی معرفت سے عقل انسانی قاصر ہے اسی لئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے:

"انتم اعلم بأمور دنیاکم"(۱)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً ج: ۲ ص: ۲٦٤، ط: قديمي

دنیاوی دھندوں کو تم خود ہی خوب جانتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا اصلی کام حق تعالیٰ کی ذات وصفات وکمالات کی معرفت، عبادت وطاعت الٰہی کے طریقوں اور ”مافی السموات والارض“ سے انتفاع واستعمال کے سلسلہ میں مرضیاتِ الٰہیہ اور منشاء خداوندی سے آگاہ کرنا، مبداومعاد کے احوال، مرنے کے بعد کی زندگی کے کوائف، حساب وکتاب، اعمال کی تفصیلات اور جزاوسزا، جنت ودوزخ وغیرہ حقائق دینیہ کا بیان کرنا ہے یہ وہ علم ہے جس کا عقل انسانی قطعی ادراک نہیں کرسکتی۔

قانون الٰہی اور مذہب سماوی کی ضرورت

اگر اس نظام کا بقاء وارتقاء ان دنیوی علوم وفنون اور وسائل وضروریات کی تکمیل پر موقوف ہے تو دنیا کا معنوی بقاء، روحانی ارتقاء، انسان کی درندگی اور بہیمیت سے محفوظ انسانیت کی تعلیم وتربیت پر موقوف ہے، اگر نفوس کی تعلیم وتربیت، قلوب کی اصلاح وتزکیہ اور اس خلق لکم ما فی الارض جمیعا (جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے) سے انتفاع میں عقلِ انسانی کی صحیح رہنمائی علوم وحی یعنی مذہب اور دین الٰہی کے ذریعہ نہ کی جائے اور عقل انسانی کو آزاد اور شترِ بے مہار کی طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے تو یہ پورا کارخانۂ قدرت اور سارا عالم خود اسی انسان کے ہاتھوں جس کی فلاح وبہبود کے لئے یہ پیدا کیا گیا ہے یکسر تباہ وبرباد ہوجائے اور روئے زمین فساد وبربریت، قتل وغارت اور درندگی کی آماجگاہ بن کر رہ جائے جس کی نشاندہی آیتِ کریمہ ذیل میں کی گئی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ [الروم:٤١]

بحر وبر میں لوگوں کی کرتوتوں کی وجہ سے ایک فساد برپا ہے۔

اس لئے قانونِ قدرت کا تقاضا اور بقاء اصلح کے اصول کا فیصلہ یہی ہے کہ ہر دور میں اس سرزمین پر انسانی دسترس سے بالاتر قانونِ الٰہی اور مذہبِ سماوی کا وجود ضروری ہے تاکہ انسان انسان رہیں حیوان اور درندے نہ بن جائیں۔

موجوداتِ عالم سے انتفاع اور ان کے استعمال پر مذہب یعنی احکامِ الٰہیہ کی یہ پابندی اس لئے بھی ضروری اور ناگزیر ہے کہ خالق کائنات نے جس طرح انسان کی ”عبدیت“ یا کہیے عقل وخرد کی آزمائش اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی اہلیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے خود انسان کی خلقت میں نکوکاری وپرہیزگاری اور فسق وفجور وبدکاری دونوں کے رجحانات فطری پر رکھ دیئے، ارشاد ہے:

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا﴾ [الشمس:٨]

پس دل میں ڈال دیا اس کے اس کی بدکاری کو اور پرہیزگاری کو۔

اور متنبہ فرما دیا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ [الشمس:٩، ١٠]

بے شک جس نے اس نفس کو پاک وصاف کرلیا اس نے فلاح پائی اور جس نے اس کو زندہ درگور کردیا وہ خسارہ میں رہا۔

اسی طرح انسان کے تصرف اور استعمال میں دی جانے والی تمام موجوداتِ عالم میں منفعت اور مضرت دونوں قسم کے خواص واثرات بھی رکھ دیئے، دنیا کی کوئی بھی چیز نہ اس طرح منفعت رساں ہے کہ اس میں مضرت کا شائبہ بالکل نہ ہو اور نہ ایسی مضرت رساں کہ اس میں منفعت کا کوئی شائبہ نہ ہو، حتی کہ سمیات میں بھی عظیم منافع موجود ہیں، پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ منفعت ومضرت کا کوئی یکساں اور مطرد ضابطہ نہیں بلکہ ایک ہی چیز ایک وقت اور ایک حالت میں نافع مفید اور حیات آفرین ہے اور وہی چیز دوسرے وقت اور دوسرے حالات میں سخت مضر اور ہلاکت خیز ہوتی ہے، طبائع اور امزجہ میں بھی اسی طرح کا فرق اور تفاوت رکھا کہ ایک ہی چیز ایک شخص کے لئے مضر اور مہلک ہے اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے مفید اور صحت بخش ہے اور اس متنوع اور متضاد افعال وخواص کی حامل موجودات پر متصرف بنادیا۔ اس نکوکاری اور بدکاری دونوں قسم کے متضاد رجحانات کی مالک مخلوق انسان کو پھر اچھی بری، مفید ومضر اشیاء کے انتخاب کا اختیار صرف عقل وخرد کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ نفسانی اغراض وخواہشات کو اس انتخاب میں دراندازی کرنے کی پوری قدرت دیدی، نتیجہ یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر قدم پر عقل وخرد اور نفسانی اغراض وخواہشات میں زبردست کشمکش اور کھینچ تان برپا ہے اور یہ ظلوم وجہول مخلوق یعنی حضرت انسان سر پکڑے حیران کھڑا ہے۔

اسی ہوا وہوس اور عقل وخرد کی کش مکش کے مواقع کے لئے اللہ رب العالمین اپنی اس ''حامل امانت مخلوق'' حضرت انسان کی رہنمائی فرماتے ہیں:

﴿عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة:٢١٦]

بہت ممکن ہے تم کو ایک چیز پسند نہ ہو اور وہی چیز تمہاری لئے بہتر ہو، اور ایسے ہی بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری اور مضر ہو، اللہ ہی (حقیقت حال) جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

یعنی زمامِ اختیار ہوا وہوس کے ہاتھ میں ہرگز مت دینا اور ہمیشہ حکم خداوندی کے مطابق اچھے برے اور پسند وناپسند کا فیصلہ کرنا ورنہ تباہ ہوجاؤ گے۔

اس لئے بھی موجوداتِ عالم اور انسانی اختراع کردہ مصنوعات سے انتفاع اور ان کے استعمال کے بارے میں انسان کی رہنمائی اور دستگیری کی شدید ضرورت ہے اور یہ کام مذہب یعنی انسانی دسترس سے بالاتر آسمانی

تعلیمات اور احکامِ الٰہی ہی انجام دے سکتے ہیں اور اس نظامِ عالم کے بقا وتحفظ کے لئے علوم دینیہ کا موجود ومحفوظ رہنا ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔

مذہب اور جدید تعلیم

الغرض مذہب کی تعلیمات انسان پر روز افزوں دنیاوی ترقی کے دروازے ہرگز بند نہیں کرتیں، اس کو جاری رکھنے اور اس کے لوازمات مہیا کرنے پر قدغن ہرگز نہیں لگاتیں۔

مذہب کے متعلق اس قسم کی بہتان تراشی اور اس بنیاد پر خدا کی مخلوق کے دلوں میں مذہب سے نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا کرنا درحقیقت خدا دشمن شیطانوں کا شیوہ ہے اور لادینی کی طرف دعوت دینے والے ملحدوں کا رسوا کن پروپیگنڈہ ہے۔

ذرا سوچئے! مذہب اگر انسان پر روز افزوں مادی ترقی کے دروازے بند کرے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ لامحدود قدرتِ خداوندی کے نو بنو کرشموں اور عجائباتِ اسرارِ الٰہی کے اس مظہر یعنی کارخانۂ قدرت کی تخلیق عبث ہے اور یہ گردشِ لیل ونہار اور وقت کی رفتار بے معنی اور انسانی فطرت میں ایجاد واختراع کا جوہر ودیعت فرمانا عبث ہے، حالانکہ خالقِ کائنات کا ازلی ابدی کلام قرآن عظیم اسی آسمان وزمین کی متنوع اور گوناگوں مخلوق اور اسی روز وشب کی گردش یعنی وقت کی رفتار کو اربابِ بصیرت کے لئے خالقِ کائنات کی آیات (عجائبات اور کرشموں) کا مظہر قرار دے رہا ہے، ارشاد ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰]

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی گردش میں اربابِ عقل وخرد کے لئے بے شمار (قدرت کی) نشانیاں (رکھی ہوئی) ہیں۔

اور انہی آیات کو دیکھ کر تو وہ بے ساختہ کہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۱]

اے ہمارے رب! بے شک اس (آسمان وزمین) کو تو نے بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا تو تو (بیکار وعبث کام کرنے سے) پاک ومبرا ہے، پس تو ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا (اور اس جہل وکج فہمی اور جحود وعناد سے محفوظ رکھ)۔

اس لئے مذہب اور دینی تعلیمات پر اس سے بڑھ کر کوئی بہتان نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ روز افزوں ترقیات کے دروازے اپنے ماننے والوں پر بند کرتا ہے یا علوم دینیہ کی اشاعت دنیوی ترقیات کے منافی ہے اور

ان علوم کی درس گاہوں کا وجود بھی ترقی واستحکام کی راہ میں حائل ہے۔

بلکہ مذہب تو ان تمام انسانی ایجادات واختراعات اور مصنوعات پر جو اب تک ہوئی ہیں یا آئندہ ہوتی رہیں کی کنٹرول کرتا ہے جس کی بقا وارتقا اور استحکام کے لئے شدید ضرورت ہے کہ ان کا استعمال صحیح اور برمحل ہو، خالق کائنات کی منشاء اور مرضی کے خلاف اور منافی نہ ہو، انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے استعمال کیا جائے، انسانیت کو ظلم وعدوان کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے ان سے کام ہرگز نہ لیا جائے۔ روئے زمین پر امن وسلامتی ختم کرنے اور معاشی، اقتصادی اور سیاسی فتنہ وفساد، استعماری لوٹ کھسوٹ کو ہوا دینے کے لئے ان سے کام لیا جائے، کمزور قوموں کو مغلوب ومقہور کر کے ان کے ملکوں کے ذخائر ثروت ودولت پر ڈاکہ ڈالنے اور استحصال بالجبر کرنے کی غرض سے ہرگز ہرگز ان سے کام نہ لیا جائے۔

علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع وتصادم نہیں

اسلام تلوار بنانے پر کوئی پابندی نہیں لگاتا، ہاں! اس کے استعمال پر ضرور پابندی عائد کرتا ہے کہ کس طریق پر اس کو استعمال کیا جائے کیوں؟ صرف اس لئے کہ تلوار ایک ظالم و بے رحم قاتل سے قصاص لینے کے لئے ہی استعمال کی جاسکتی ہے اور ایک بے قصور اور بے گناہ انسان کو اپنی شیطانی اغراض وخواہشات کی راہ سے ہٹانے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اسلام عہد حاضر کے حربی اسلحہ، ٹینک، طیارہ شکن توپیں، بمبار طیارے، میزائل، راڈار اور طرح طرح کے ہلاکت خیز بم بنانے سے منع نہیں کرتا، ہاں ان کے استعمال پر پابندی ضرور لگاتا ہے کہ یہ تمام سامانِ حرب اور آلاتِ جنگ صرف ملک وملت کے دفاع اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے اور دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں، استعماری اغراض، کمزور قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو اس حربی طاقت کے دباؤ اور زور سے مغلوب ومرعوب کر کے ان ملکوں کی پیداوار، دولت وثروت پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ہرگز استعمال نہ کیا جائے کہ یہ قرآنی عدل وانصاف اور مساوات سے منافی اور روئے زمین پر عالمگیر فتنہ وفساد برپا کرنے کا موجب ہے، جیسا کہ مذکورہ سابق آیت کریمہ میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

غرض اسلام مقصد کی تعیین، نیت کی تصحیح، نفوس کے تزکیہ کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرتا اور مقدس ترین فرض کو انجام دیتا ہے تاکہ عمل خود بخود صحیح ہو جائے۔

ان وصنائع، ایجادات واختراعات اور مصنوعات کو عدم سے وجود میں لانے پر مجبور کرتی رہیں گی۔ علوم دینیہ الٰہیہ کو دنیا میں لانے اور محفوظ رکھنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد ان انبیاء کے وارث حقیقی حاملین علوم انبیاء علماء حق ہیں، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام دینار ودراہم، مال ومتاع، جائیداد وجاگیر ترکہ میں نہیں چھوڑتے

بلکہ علوم نبوت کی وراثت چھوڑتے ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کے طبقہ میں قرنا بعد قرن منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور نظام عالم کے توازن کو برقرار رکھتی ہے خاص کر خاتم النبیین سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء اور حاملین علوم کتاب وسنت کہ ان کے متعلق تو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "العلماء ورثة الانبياء(١)"۔ اس حدیث کے پیش نظر علماء امت کا کام وہی ہے جو انبیاء کا کام ہے۔

اس بحث و تنقیح سے یہ بات تو بالکل ہی صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع یا تصادم قطعاً نہیں ہے، ہاں! دونوں کے مقاصد اور دائرہ کار جدا جدا ہیں، اس لئے یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر ان انسانی علوم وصنائع کو خالق کائنات کی مرضی اور منشاء کی روشنی میں انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے تو یہ دنیا ساری دین بن جائے اور پھر دین اور دنیا کی تفریق جو محض ایک شیطانی مفروضہ اور منصوبہ ہے بالکل ہی مٹ جائے، بالکل اسی طرح جیسا کہ اگر انہی علوم انبیاء کو حصول دنیا اور جلب خواہشات و اغراض نفسانی کا وسیلہ بنا لیا جائے تو نہ صرف یہ کہ پورا دین دنیا بن جاتا ہے بلکہ خالق کائنات کی امانت میں خیانت اور بہت بڑا جرم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اگر دنیا کا حصول دنیا کے وسائل کے ذریعہ ہو تو عین مصلحت اور عقل کا تقاضہ ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر دین کو صرف حصول دنیا کا وسیلہ بنایا جائے تو یہ "وضع الشيء في غير محله" چیز کا بے محل استعمال ہے اور بہت بڑا ظلم اور انتہائی قبیح جرم ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علوم نبوت کا اصلی مقصد آخرت کے ثمرات و برکات تو ہیں ہی لیکن آخرت سے پہلے اسی دنیاوی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حیات طیبہ اور پاکیزہ ماحول کی تشکیل اور صالح و خدا شناس و خدا پرست معاشرے کی تخلیق بھی علوم انبیاء کا اہم فریضہ ہے جس کے بارے میں وہ دنیا و آخرت دونوں میں مسئول ہیں، خدا شناسی، خدا پرستی، خدمت خلق، امن وامان کی ضمانت، انسانیت کی فلاح و بہبود وغیرہ انسانی کمالات و فضائل اور وسائل سعادت، ایک قابل رشک معاشرے کے وہ خد و خال ہیں جو انسان کو صحیح معنی میں مسجود ملائک اور اشرف المخلوقات بنا دیتے ہیں اور علوم آخرت کے وہ ثمر ہائے شیریں ہیں جو اس دنیا کو بھی جنت بنا دیتے ہیں۔

سائنسی اور فنی علوم اور ان کے برکات وثمرات

یہ تو علوم الٰہیہ دینیہ کے برکات ہیں اس کے برعکس نرے عقلی اور فنی علوم وفنون کی ہلاکت آفرینی اور

---

(١) مشکوة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ص: ٣٤، ط: قدیمی

ایک ایسے لا دینی معاشرے کا جہنمی چہرہ اور انسانیت کے لئے نہ صرف باعث ننگ و عار بلکہ انتہائی بھیانک خدو خال بھی دیکھئے جو علومِ الٰہیہ دینیہ سے باغی اور خدا اور رسول کی تعلیمات سے نہ صرف محروم بلکہ ان کی بیخ کنی کے درپے ہے اور صرف نفسانی اغراض و خواہشات کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور ہے، حالانکہ فنی (سائنسی) علوم وفنون اور اختراعات و ایجادات کے اس معراجِ کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ کائناتِ ارضی کو بزعم خود مسخر کر لینے کے بعد کائنات سماوی کی تسخیر کی تگ و دو میں مصروف و منہمک ہے ان فنی اور سائنسی علوم وفنون کی پیداوار کیا ہے؟ اور ایسے لا دینی معاشرہ کے خدوخال کیا ہیں؟ فرعونیت اور قہاریت ہے، بے پناہ ظلم و عدوان ہے، عالم گیر اقتدار و تسلط کا جنون ہے، درندے بھی جس سے شرمائیں وہ بے رحمی اور قساوت ہے، جانور بھی جس سے کترائیں وہ خودغرضی اور نفس پرستی ہے، کمزورکشی اور استحصال بالجبر ہے، بے دریغ خونریزی اور جہاں سوزی ہے، عریاں درندگی اور بہیمیت ہے، یہ وہ انسانیت سوز نحوستیں اور لعنتیں ہیں جنہوں نے قیامت سے پہلے ہی اس روئے زمین کو جہنم بنا رکھا ہے، ان فراعنۂ وقت امریکہ، روس اور برطانیہ وغیرہ طاغوتی طاقتوں کے سیاہ کارنامے، ننگ انسانیت عزائم اور مادی طاقت کے مظاہرے آپ روزانہ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں، دیکھا آپ نے ان نرے مادی علوم وفنون کے ارتقاء اور سائنسی اکتشافات و ایجادات کی فراوانی نے اس وقت دنیا کو کس خطرناک دوراہے بلکہ جہنم کے کنارے لا کر کھڑا کر دیا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ روس میں امریکہ کو تباہ کرنے اور جہنم بنا دینے کے لئے غیر معمولی پاور کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور میزائل راکٹوں کے اندر فٹ جہاں سوزی کے لئے تیار رکھے ہوئے ہیں اور امریکہ میں روس کو جہنم بنا دینے کے لئے ناقابل قیاس پاور والے آتش بار بم تیار رکھے ہوئے ہیں، صرف بٹن دبانے کی دیر ہے آن کی آن میں امریکہ، روس کو ہیروشیما اور روس، امریکہ کو ہیروشیما بنا سکتا ہے اور ان دونوں براعظموں میں برسنے والے بموں کے ذرات اور تابکاری کے اثرات یورپ اور ایشیا کو پھونک ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ ہے علومِ آخرت کی گرفت سے آزاد محض عقلی اور سائنسی علوم وفنون اور سائنسی ارتقاء کا کارنامہ۔

ہاں! اگر علومِ آخرت کے کنٹرول میں رہ کر اور ان کی سرپرستی و نگرانی میں یہ فنی اور سائنسی علوم وفنون اور ایجادات و اختراعات پروان چڑھیں اور ترقی کریں تو یقیناً یہ سائنسی علوم وفنون فلاحِ انسانیت اور خدمت خالق مخلوق کے بہترین وسائل بن سکتے ہیں اس لئے بھی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کا بابرکت وجود اس روئے زمین خصوصاً مملکت پاکستان کے لئے ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔

دین اور علماء دین کے خلاف پروپیگنڈہ

یہ حقائق اظہر من الشمس، آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہیں، یہ واقعات و مشاہدات ناقابل تردید ہیں اس کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس کے اشاروں پر خاص کر ان آخری ایام میں یہ شوروغوغا برپا اور

شرمناک پروپیگنڈہ جاری ہے، مہینوں سے سرکاری اور نیم سرکاری رسالوں اور میگزینوں میں اداراتی نوٹ لکھے جارہے ہیں، صدرِ مملکت کے نام مکاتیب بھجوائے جارہے ہیں کہ مذہب اور دینی علوم جدید ترقیات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، علماءِ دین ملک کی ترقی اور استحکام وسالمیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں، مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ عصری تقاضوں کے خلاف فتنہ وفساد برپا کرنے کی تعلیم کے مراکز ہیں، حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان تمام دینی مدارس ومکاتب اور درس گاہوں اور بڑی بڑی مساجد کو اپنے کنٹرول میں لے کر ان علوم دینیہ اور حاملینِ علوم نبوت کی بیخ کنی کرے، نہ یہ حکومت کی مالی امداد سے آزاد عربی مدارس اور دینی درس گاہیں ہوں گی، نہ یہ علماء دین پیدا ہوں گے، نہ ملکی ترقی اور عصری تقاضوں کے خلاف کوئی آواز بلند کرنے والا ہوگا۔

ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ حکومت اتنی بے خبر اور ناسمجھ نہیں ہے کہ وہ ان بازیگروں سے بے خبر ہو جن کے اشاروں پر یہ کٹھ پتلیاں ناچ رہی ہیں بقول شاعر:

”کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں“

اور مشرق وسطی کے المیہ کے بعد تو یہ راز بالکل ہی طشت از بام ہو چکا ہے کہ اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں میں سامراجی منصوبوں کو خاک میں ملانے والی ناقابل تسخیر طاقت صرف اسلام اور دین وایمان کی قوت ہے، اس لئے تمام استعماری حکومتیں اور سامراج پرست قومیں (یاد رکھیے! اشتراکی ممالک اور اقوام درحقیقت سب سے بڑی استعمار پرست قومیں ہیں) جس طرح بھی بن پڑے زور سے، زر سے، دھمکیوں سے، لالچوں سے اسلامی ممالک اور مسلمان قوموں سے اسلام اور دین وایمان کو مٹانے کے درپے ہیں، کوئی دوست بن کر، کوئی دشمن بن کر، اس وقت دنیا میں جنگ دراصل دین اور لادینیت کی جنگ ہے۔

علوم دینیہ اور علماء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں سے چند سوالات

تاہم ان لادینی اقوام کے بامعاوضہ یا بے معاوضہ ایجنٹوں سے علوم دینیہ اور علماءِ دین کے خلاف پروپیگنڈے کی پول کھولنے کی غرض سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ:

① کس عالمِ دین نے کب اور کہاں یہ کہا ہے کہ ملکی دفاع کو مستحکم کرنے کی غرض سے جدید آلات واسلحہ سے مسلح اور جدید فنون سے واقف اور آزمودہ کار فضائی اور بحری بیڑہ تیار کرنا اور اس کے لئے ٹینک سازی، طیارہ سازی اور اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرنا، ایٹمی انرجی کے ادارے قائم کرنا اور ان کو فروغ دینا حرام اور شرعاً ممنوع ہے اور ایٹم یا ہائیڈروجن بم بنانا گناہ ہے؟

② کس عربی مدرسہ میں یہ درس دیا جاتا ہے کہ ملک کو غذا کے مسئلہ میں خود کفیل بنانے کی غرض سے ملکی

غذائی پیداوار میں اضافہ کرنے کی مہم چلانا، اس کے لئے محکمے قائم کرنا، منصوبے بنانا، مصنوعی کھاد، ٹریکٹر اور ترقی یافتہ جدید آلاتِ زراعت کے کارخانے قائم کرنا، جراثیم کش ادویہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ کھیتوں میں چھڑکنا، قابل کاشت زمین کو سیم اور تھور کے گھن سے پاک کرنے کی غرض سے ترقی یافتہ ملکوں میں آزمودہ تدابیر و وسائل پاکستان میں اختیار کرنا، ناقابل کاشت زمینوں کو قابل کاشت بنانا اور اس مقصد کے لئے قوم کا روپیہ خرچ کرنا حرام ہے، خدا کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب کا موجب ہے؟

③ کس مفتی دین متین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ غیر ملکی مصنوعات سے بے نیاز ہونے اور ملکی مصنوعات کو فروغ دینے کی غرض سے پاکستانی انڈسٹری کو جدید ترقی یافتہ معیار پر لانا اور اس کے لئے دوسرے ملکوں سے جدید سے جدید مشینری برآمد کرنا، بڑے بڑے جدید طرز کے صنعتی کارخانے قائم کرنا اور ملک کو صنعت کے اعتبار سے اس قابل بنانا کہ ملکی ضروریات سے فاضل مصنوعات کو عالمی منڈیوں میں برآمد کر سکے معصیت ہے اور حرام یا مکروہ تحریمی ہے؟

④ کس عربی مدرسہ کی درسی کتاب میں لکھا ہے کہ ملک کی تجارت، درآمد و برآمد اور اقتصادیات کی سطح کو بلند کرنے کے لئے درآمد و برآمد کے جدید نظام کو اختیار کرنا، ضرورت کے تحت بیرونی تجارتی اداروں کو ملک میں جائز اور ملکی مفاد کے مناسب شرائط کے تحت کاروبار کرنے کی اجازت دینا یا ملکی مفاد کے خلاف کاروبار کرنے والے اداروں کو معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لے لینا گناہ اور ناجائز ہے؟

⑤ کس جامع مسجد کے خطیب عالم دین نے برسر منبر یہ خطبہ دیا ہے کہ ملک میں تباہ کن حد تک پہنچی ہوئی اسمگلنگ (غیر قانونی تجارت) وہ بھی دشمن ملک کے ساتھ چور بازاری اور رشوت ستانی کو ختم کرنے کے لئے اعلیٰ سطح پر موثر تدابیر اختیار کرنا، محکمے قائم کرنا، ملک میں خطرناک حد تک بڑھتے ہوئے جرائم کے انسداد کے لئے پولیس فورس کو بڑھانا اور موثر اقدام کرنا اور معاشرہ کو تباہ کرنے والے جرائم پیشہ لوگوں کو عبرت ناک شرعی سزائیں دینا۔ جو موجودہ قانونی سزاؤں سے بدرجہا زیادہ عبرت ناک ہیں، ظلم ہے، گناہ ہے اور ناجائز ہے؟ یعنی عدل و مساوات کے ساتھ ساتھ ہر شعبہ زندگی میں ملک کی ترقی اور فروغ کے وسائل اور اقدامات کو اختیار کرنے سے علوم آخرت کے حاملین ہرگز منع نہیں کرتے اور دینی درسگاہوں اور علماء دین کی مساعی کو ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہنا سفید جھوٹ اور شیطانی پروپیگنڈہ ہے۔

علماءِ دین کا پیغام اور دعوتِ دین

ہاں! وہ یہ ضرور کہتے رہے، کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے، مدرسوں کی درسگاہوں میں مسندِ درس پر بیٹھ کر بھی اور مسجدوں کے منبر اور مجمع عام کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر بھی، بلکہ تختہ دار کے اوپر بھی اور جیل خانوں کی کال

کوٹھریوں کے اندر بھی ظالم و جابر حکمرانوں کے رُو درُو بھی اور پسِ پشت بھی اور اسلام کا حقیقی محافظ خدا ان کے کلمۂ حق کو قوم کے کانوں تک ضرور پہنچائے گا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ:

① اسلامی ملک میں صرف خدا کا نازل کردہ اور رسول کا لایا ہوا اسلامی قانون ہی بغیر کسی ترمیم و تصرف اور کتر بیونت کے نافذ کیا جاسکتا ہے، اس کے منافی یا اس کے علاوہ کسی بھی قانون کو نافذ کرنا حرام ہے اور اس کی مخالفت فرض ہے۔

② ہنگامی حالات کو وقت کے تقاضوں کو اور ملکی ترقیاتی منصوبوں کو اسلامی قانون کے سانچے میں ڈھالنا ماہرین قانون اسلامی کا فرض ہے، اسلامی قانون کو ان حالات، تقاضوں اور ترقیاتی منصوبوں کے سانچے میں ڈھالنا اور اس غرض سے اس کی خود ساختہ تعبیرات اور من مانی تشریحات کرنا قطعاً حرام اور گناہ کبیرہ بلکہ کفر و ارتداد کے مرادف ہے۔

③ اسلامی معاشرہ میں:

(الف) زنا قطعاً حرام ہے اور شرعی ثبوت کے بعد اس پر حد جاری کرنا فرض عین ہے، چاہے وہ چکلوں میں ہو، چاہے کلبوں میں، چاہے گھروں کی چار دیواریوں کے اندر ہو، چاہے سرِ راہ اور چاہے باہمی رضامندی سے ہو، چاہے بالجبر ہو، بہر صورت زنا قابل دست اندازئ پولیس جرم ہے زنا کے کیس میں کوئی بھی عدالت باہمی مصالحت (راضی نامہ) قبول کرنے کی مجاز نہیں۔

(ب) شراب۔ ام الخبائث جس کی جنم دی ہوئی خباثتوں سے مغربی ممالک بھی لرزہ براندام ہیں۔ قطعاً حرام ہے خواہ ایک گھونٹ ہو خواہ ایک بوتل، کسی بھی قسم کی ہو کسی بھی نام کی اسلامی ملک میں اسلامی حکومت کے لئے اس کی کشید یا درآمد و برآمد اور خرید و فروخت کے لائسنس جاری کرنا بھی حرام ہے اور اس کے ٹیکس سے جو حکومت کو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی قطعاً حرام ہے۔

(ج) سود۔ ملک کی دولت و ثروت، خیر و برکت کو چاٹ جانے والی ''دیمک'' دولت کو پوری قوم کے ہاتھوں سے چھین کر چند سود خوار ہاتھوں میں جمع کر دینے والا ''شعبدہ'' لینا بھی اور دینا بھی قطعاً حرام ہے۔ اسی طرح ہر سودی کاروبار بڑا ہو یا چھوٹا سودی نظام مالیات، بینکاری سسٹم پوری قوم کو بھوکا ننگا بنا دینے والا سسٹم قطعاً حرام ہے۔ اس کے بجائے اسلامی نظام مالیات و اقتصادیات ملک میں جاری کرنا اور سود کی لعنت سے ملک کو پاک کرنا ہر مسلمان حکومت کا فرضِ اولین ہے دنیا کی فلاح کے اعتبار سے بھی اور آخرت کی نجات کے اعتبار سے بھی۔

(د) قمار جوا۔ خواہ مہذب ہو خواہ غیر مہذب، کلبوں میں ہو خواہ ریس کورس میں کسی بھی شکل و صورت میں ہو قطعاً حرام ہے، اس سے جو آمدنی ہو وہ بھی قطعاً حرام ہے، اسلامی حکومت کے لئے کسی بھی صورت میں جوے کے لائسنس دینا اور اس کی آمدنی سے ٹیکس وصول کرنا بھی قطعاً حرام ہے۔

(د) اسلامی معاشرہ کے تحفظ کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک محکمۂ احتساب قائم کرنا جو محرمات ومنکرات شرعیہ کا ارتکاب کرنے والوں کو شرعی سزائیں دینے کا مجاز ہو اسلامی حکومت کا فرض ہے تاکہ خود غرض اور ہوس پرست اسلامی معاشرہ کے خدوخال کو مسخ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔

یاد رہے! کسی خطۂ زمین اور ملک وملت میں علوم آخرت کے مذکورہ سابق ثمر ہائے بیش رس اور خیرات وبرکات کے وجود، نشوونما اور بقا وتحفظ کے لئے اس ملک میں انسانی دسترس سے محفوظ قانون الٰہی اور احکام شرعیہ کا نفاذ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لئے محکمہ احتساب ازبس ضروری ہے اور یہ فرض اسی طبقہ کے ہاتھوں انجام پاسکتا ہے جو نسلا بعد نسل اپنی عمریں علوم قرآن اور علوم سنت کی تحصیل غور وفکر اور پھر ان پر عمل کرنے کرانے میں صرف کرتے ہیں، یعنی حاملینِ علوم کتاب وسنت علماء اور ایسے علماء کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے والے ادارے یہی آزاد ومجاہد مدارس علوم عربیہ ہیں، جو ملک ان آزاد عربی مدارس اور دینی مکاتب سے محروم ہوجائے گا وہ لازمی طور پر حاملین علوم الہیہ سے بھی محروم ہوجائے گا اور پھر اس ملک اور اس کے معاشرے کی فنی اور سائنسی علوم وفنون کی ترقی کے باوجود وہی بھیانک شکل اور جہنمی صورت بن جائے گی جس کا نمونہ ہم اس سے پہلے پیش کرچکے ہیں۔

دینی مدارس اور ان کا فائدہ

یہ علوم آخرت کی درس گاہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حاملین علوم انبیاء علمائے حق حکومت کے عدم تعاون یا عوام کی سرد مہری کی وجہ سے مذکورہ بالا قابل رشک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اگر کامیاب نہ بھی ہوں تب بھی ان کے دم قدم کا اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ معاشرہ کے فسق وفجور میں گرفتار افراد قانون الٰہی اور احکام شرعیہ کی خلاف ورزی، سود خوری، شراب نوشی حتی کہ زنا کاری اور فحاشی کے باوجود خود کو گنہگار عند اللہ مجرم ضرور سمجھتے رہیں گے اور کسی نہ کسی وقت خدا کے سامنے گناہوں کی مغفرت کے لئے ان کے ہاتھ ضرور اٹھتے رہیں گے، بالکل ہی خدا ناشناس، درندے اور جانور نہ بنیں گے اور اس خدا شناسی اور اعتراف گناہ کی بدولت، اگرچہ صرف دل ہی سے ہو عام عذاب الٰہی، خدائی قہر اور الٰہی انتقام کا نشانہ نہ بنیں گے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الانفال: ۳۳]

اللہ سے یہ بعید ہے کہ وہ تو اللہ سے مغفرت کی دعائیں کررہے ہوں اور اللہ ان کو عذاب (آسمانی) میں گرفتار کردے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی قوت اور اسلامی روح اگرچہ فسق وفجور کی وجہ سے کتنی ہی مضمحل اور کمزور ہوجائے باقی ضرور رہتی ہے اور آڑے وقت ضرور کام آتی ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں اس کا مشاہدہ ہوچکا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ ان علماء دین اور حاملین علوم آخرت کی عمر کا وہ حصہ جو فطری طور پر دنیوی علوم

صنعت وحرفت اوران کے علاوہ دنیوی وسائل معاش کے سیکھنے اور حاصل کرنے کا ہوتا ہے انہی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور علوم دینیہ کے حاصل کرنے میں گذر جاتا ہے اس کے بعد وہ دنیوی اعتبار سے کسی مصرف کے نہیں رہتے ، اس لئے قدرتی طور پر ان کی معاشی زندگی دین اور دینی خدمات سے وابستہ ہو جاتی ہے، خواہ درس وتدریسِ علوم دینیہ کی صورت میں ہو، خواہ وعظ وتبلیغ کی صورت میں، خواہ مؤذنی امامت وخطابت کی شکل میں ہو یا مکاتبِ قرآن کریم میں حفظ یا ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم کی شکل میں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم اور اس کے معاشرہ میں ان لوگوں کی بدولت کم از کم دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس ضرور بیدار اور باقی رہتا ہے، بلکہ قوم کی اکثریت انفرادی طور پر ضرور دیندار اور احکام شرعیہ کی بڑی حد تک پابند رہتی ہے، حرام وحلال، طاعت ومعصیت، عذاب وثواب کی تمیز اور کسی نہ کسی درجہ میں خوف خدا اور خوف آخرت ضرور ظاہر ہوتے ہیں، اس کے برعکس جن اسلامی ملکوں میں ان آزاد عربی مدارس ومکاتب کا وجود حکومت کے زور سے بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور ملک کے تمام مدارس ومکاتب کو دنیوی تعلیم کی درس گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے، امامت وخطابت، وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا ہے ان ملکوں میں علومِ قرآن وحدیث وفقہ واصول فقہ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے ہیں اور اس کے نتیجہ میں نری عیش پرستی کے تسلط کی وجہ سے ایمانی قوت اور دینی روح اور خدا پرستی کا احساس اور چرچا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے یا ختم ہوتا جا رہا ہے، اسلام کی جگہ قومیت نے لے لی ہے، خدا کی جگہ مادی ترقیات پر قابض طاغوتی طاقتوں نے لے لی ہے، قانون الٰہی کی جگہ انسانی ساختہ پرداختہ استعماری یا اشتراکی قوانین نے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی جگہ مغربی تہذیب اور اس کے لوازمات موسیقی، رقص وسرود، غنا، عریانی فحاشی اور جنسی جذبات کو برانگیختہ اور مشتعل کرنے والی فلموں، ڈراموں اور نام نہاد ثقافتی پروگراموں نے لے لی ہے اور عام طور پر پوری قوم میں خصوصاً نوجوان نسلیں شب وروز ریڈیو پر موسیقی کے نغمے اور دھنیں سننے اور ٹیلیویژنوں پر عریاں مناظر دیکھنے اور پھر اپنی نجی صحبتوں مجلسوں یا خلوتوں میں قدِ آدم آئینوں کے سامنے اس فحاشی اور جنسی آوارگی کی ریہرسل (مشق) اور عملی تجربے کرنے میں مصروف ہے۔ (العیاذ باللہ)

پاکستان کے عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی وجہ

واضح رہے کہ پاکستان کی اس پاک سرزمین پر بطور استہزاء، اللہ کے پسندیدہ ''دین اسلام'' کو ''ملاازم'' اور اس کے حاملین علماء حق کو ''ملا'' کہہ کر مذاق اڑانے اور توہین کرنے والوں پر قہر خداوندی کی بجلی نہ گرنے اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کا سبب آیتِ کریمہ (وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون) کی روشنی میں صرف یہ ہے کہ پاکستان کے عوام کے دلوں میں قوتِ ایمان زندہ اور روحِ اسلام بیدار ہے اور اونچے طبقہ کو چھوڑ کر متوسط اور ادنی طبقہ کی اکثریت کسی نہ کسی حد تک کم از کم انفرادی زندگی میں احکام شرعیہ کی پابند ہے، چپہ چپہ پر

مسجدیں آباد ہیں، پنج وقتہ اذان کی آوازیں گونج رہی ہیں، عربی مدارس میں "قال اللہ قال الرسول" کی آسمان سے رحمت الٰہی کو لانے والی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی کتابیں ادنیٰ سے اعلیٰ تک باقاعدہ پڑھائی جارہی ہیں اور قانون الٰہی کو زندہ اور محفوظ رکھنے کے لیے حاملین علوم انبیاء تیار کئے جارہے ہیں، مکاتب قرآن جگہ جگہ بے شمار کھلے ہوئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے حفظ اور ناظرہ با تجوید اور بے تجوید قرآن پڑھنے میں مصروف ہیں، وعظ و تذکیر کے، خوف خدا اور خوف آخرت کو زندہ اور بیدار رکھنے والے ہفتہ وار حلقے (اجتماعات) جمعہ کے بعد نماز جمعہ کے بعد قائم ہیں تبلیغی جماعتوں کے پیار محبت سے کلمہ طیبہ اور نماز پڑھوانے وغیرہ کی غرض سے تبلیغی دورے جاری ہیں، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ بتلانے کے لئے جگہ جگہ دارالافتاء کھلے ہوئے ہیں، صرف ان دارالافتاؤں سے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق مختلف اور متنوع احکام شرعیہ کے استفتاء (سوالات) اور ان کے جوابوں کی ہزاروں لاکھوں تک پہنچنے والی تعداد ہی اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ اس ملک کا عام مزاج دینی ہے اور غالب اکثریت کے دلوں میں ہر شعبہ زندگی کے اندر احکام شرعیہ معلوم کرنے کی تڑپ ضرور موجود ہے اور جہاں تک ملکی حالات مساعدت کرتے ہیں ان پر عمل بھی کرتی ہے استفتاء (سوال کرنا) اس کی دلیل ہے۔

اور یہ بتلانے کی تو ضرورت نہیں ہر ذی ہوش سمجھتا اور مانتا ہے کہ یہ تمام تر صورتحال صرف انہی حکومت کے کنٹرول سے آزاد عربی مدارس، دینی مکاتب کے برکات اور دولت و رفاہیت پر فقر و افلاس کو ترجیح دینے والے اور اس فقر کو خدا کی رحمت باور کرنے والے حاملینِ علوم دینیہ علماء حق کی دیرینہ اور مسلسل جدوجہد اور ان کی مساعی مشکورہ (عند اللہ وعند الناس) کا نتیجہ اور خالق کائنات جل وعلا کی توفیق خدمت دین عطا فرمانے کا ثمرہ ہیں۔

اس لئے بھی خاص طور پر ان گستاخ اور دریدہ دہن ملحدوں، بے دینوں اور علوم دینیہ اور علماء دین کو گالیاں دینے والوں اور ان کے ہمنواؤں کو ان حکومت کے کنٹرول سے آزاد علوم دینیہ کی درسگاہوں اور ان سے نکلنے والے علماء و خدام دین کے پاکستان میں وجود کو مغتنم اور قہرِ خداوندی سے بچانے والی پناہ گاہیں اور پناہ دہندہ سمجھنا چاہئے، ورنہ اگر خدانا کردہ اس مسلمان ملک کے عوام و خواص پر بھی وہی عام بے دینی، خدا فراموشی، اغراض و خواہشات پرستی اور روحانیت کش مادہ پرستی مسلط ہو جاتی جو دوسرے اشتراکیت نواز مسلم ممالک پر مسلط ہے تو یہ ملک بھی آج دوسرے مسلمان اشتراکیت پسندملکوں کی طرح کسی نہ کسی صورت میں قہر خداوندی اور انتقام الٰہی کا نشانہ بنا ہوتا، ارشاد ہے۔

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ [الحشر:۱۹]

انہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ نے ان سے خود اپنے نفسوں کو فراموش کرادیا۔

یعنی خالق کائنات خدا فراموش لوگوں کو اس خدا فراموشی کے جرم کی سزا دنیا میں یہ دیتا ہے کہ انھیں خود فراموش بنا دیتا ہے تو وہ اپنے بقا و تحفظ کی تدبیریں سوچنے اور اسباب اختیار کرنے کے بجائے خود اپنی ہلاکت

وبربادی کی راہ پر چل پڑتے ہیں اور صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں، اقوام عالم کے عروج وزوال کی تاریخ اس کی شاہد ہے یہ انتہائی تباہ کن انتقامِ خداوندی ہے، ارحم الراحمین اپنے لطف وکرم سے اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو اس خدافراموشی کے جرم کے ارتکاب سے اور اس کی پاداش میں اس انتقام الٰہی سے محفوظ رکھے اور ہماری بداعمالیوں کو معاف فرمائے۔

اللهم انا نعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك ونعوذبك منك.

دین کے محافظ علماء حق ہیں

بہرحال سن لیجئے! اسلام خالقِ کائنات کا پسندیدہ اور کامل ترین دین ہے، وہی اس کا شارع اور قانون ساز ہے، اسی نے نوع انسانی کی آخری ہدایت کے طور پر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اس کو اتارا ہے اور اس کا حامل اور محافظ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے علماء حق کو بنایا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۰۴]

چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت (تیار) ہو وہ خیر (دین) کی طرف (لوگوں کو) دعوت دیں، بھلے کاموں کا حکم دیں برے کاموں سے منع کریں۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ۱۲۲]

کیوں نہ نکلا ان میں سے ہر فرقہ کا ایک گروہ تاکہ وہ دین میں سمجھ (علوم دینیہ) حاصل کرتا اور جب وہ لوٹ کر جاتا تو اپنی قوم کو باخبر کرتا۔

چنانچہ علماء امت نے اللہ جل شانہ کی توفیق واعانت سے ہر زمانہ اور ہر دور میں اس کو حاصل کیا ہے، اس کے حصول کو جاری وساری رکھنے اور اس کی حفاظت کے لئے معاون علوم کی تدوین کی ہے، تصانیف لکھی ہیں، علوم دینیہ کی درسگاہیں قائم کی ہیں اور قرآن وحدیث اور ان کے معاون علوم دینیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا ہے، یہ سلسلہ محض اللہ کی توفیق واعانت سے حکومتوں کی امداد واعانت اور کنٹرول کے بغیر صدیوں سے جاری ہے اور ایسے ہی قیامت تک جاری رہے گا، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے:

"یحمل هذاالعلم من کل خلف عدوله"(۱)

جو کوئی فرد یا قوم یا حکومت اس کو مٹانے اور نوع انسانی کے اس آخری "منارہ نور" کو گل کرنے کا قصد

---

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني ج:۱ ص:۳۶، ط: قديمي

کرے گی اس کی زندگی کا چراغ خودگل کر دیا جائے گا اور صفحۂ ہستی سے اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا اور یہ منارہ روشنی جب تک اللہ چاہے گا رشد وہدایت کی روشنی بہم پہنچا تا رہے گا، ارشاد ہے:

﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ﴾

[الصف:۸]

وہ (دشمن) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور (دین) کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور اس سلسلہ کا حقیقی محافظ خالق کائنات حق جلا وعلا ہے، ارشاد ہے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹]

بے شک ہم ہی نے اس ذکر (دین) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب اگر کوئی فرد یا جماعت، حکومت یا قوم اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنا اور بلاکو خاں، چنگیز خاں، اکبر اور اس کے ہر دو شیطانوں ابو الفضل اور فیضی، کمال اتاترک اور آخر میں مسلم اشتراکیت نواز ممالک کے زعما اور برسر اقتدار پارٹیوں کے نقشِ قدم پر چل کر خودکشی کرنا چاہتی ہے شوق سے کرے، علماء دین اور حاملینِ شرع متین بھی سر بکف، برہنہ جسم پر تازیانے کھانے دار ورسن پر چڑھنے اور دم واپسیں تک کلمہ حق کہتے رہنے کے لئے تیار ہیں، علماء کے لئے بھی یہ کھیل کوئی نیا کھیل نہ ہوگا بلکہ یہ مقاومت اور مقابلہ اور آزمائش تو ان کے اسلاف واکابر کی سنت ہے، اس کے باوجود ارحم الراحمین سے دعا کہ وہ پاکستان کے علماء حق کو اس ابتلاء سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے کر اس دینی خدمت کے سلسلہ کو جاری وساری اور قائم ودائم رکھے آمین۔

دور حاضر میں علماء وطلبا کے خلاف خطرناک سازش

نوٹ: یہ زمانہ ڈپلومیسی اور چالبازی کا ہے، جس مخالف اور بزعمِ خود دشمن طبقہ اور اس کے مراکز کے خلاف جنگ کرنی ہوتی ہے میدانِ حرب وضرب اور جبر واستبداد میں گرم جنگ لڑنے سے برسوں پہلے میدانِ صحافت میں سرد جنگ لڑی جاتی ہے یعنی پہلے اس کے خلاف اخبارات ورسائل میں مضامین ومقالات شائع ہوتے ہیں تاکہ زمین یعنی رائے عامہ کو اس کے خلاف ہموار کر لیا جائے اس کے بعد حکومت کی ''کنٹرولنگ مشینری'' حرکت میں آتی ہے اور ابتداء صرف حکومت سے ریگ نیشن یعنی الحاق کی دعوت دی جاتی ہے ساتھ ساتھ ''ایڈ'' (مالی امداد) کا لقمہ چرب وشیریں ارباب مراکز ومدارس کے منتظمین کے سامنے ڈالا جاتا ہے اگر یہ حربہ کامیاب نہیں ہوتا تو پھر قانون کے ذریعہ ریگ نیشن (الحاق) پر مجبور کیا جاتا ہے، اس کے بعد نصاب اور درسی کتابوں میں کتر بیونت کی جاتی ہے، قدیم علوم کی ٹھوس قابلیت پیدا کرنے والی کتابیں نکال کر ان کی جگہ عصری علوم وفنون کی کتابیں لائی

جاتی ہیں، اس طرح دینی علوم کی جان تو نکال ہی لی جاتی ہے، اسی کے ساتھ ان ملحقہ مدارس کی سندوں کو وزارت تعلیمات سے منظور کرا دیا جاتا ہے اور سرکاری نیم سرکاری تعلیمی اور غیر تعلیمی اداروں میں ملازمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ طلبہ کے لئے لقمہ چرب و شیریں ڈالا جاتا ہے اور پورے ملک سے ماہرین علوم دینیہ کو کھینچ لینے اور آزاد عربی مدارس کو ویران کر دینے کی غرض سے ان نیم سرکاری یا سرکاری درس گاہوں میں کام کرنے والے ماہرین و محققین علوم دینیہ کے لئے گرانقدر مشاہروں والاؤنسز کے اعلان کئے جاتے ہیں ان کی سالانہ ترقی اور آخری تنخواہ کے ''منہ میں پانی بھر لانے والے'' گریڈ مقرر کئے جاتے ہیں، یہ آزمودۂ کار علماء و محققین کے زبان و قلم کو حکومت کے خلاف بولنے اور لکھنے سے باز رکھنے کے لئے طلائی زنجیریں تیار کی جاتی ہیں، ان تدبیروں کے بعد بھی جو دین کو دنیا پر ترجیح دینے پر ایمان رکھنے والے علماء حق اور آزاد مدارس دینیہ عربیہ کے اساتذہ اور مبلغین وواعظین و خطباء اس ''دام ہمرنگ زمین'' میں گرفتار ہو کر اپنی کلمہ حق کہنے کی آزادی قربان کرنا نہیں چاہتے ان کے خلاف حکومت کا قانون حرکت میں آتا ہے، اول ان کی قدر کفاف روزی پر حملہ کیا جاتا ہے اور ڈپٹی کمشنر کی منظوری کے بغیر پبلک سے چندہ وصول کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، پھر ان کے گوشۂ عافیت پر یورش ہوتی ہے اور محکمۂ اوقاف کے ذریعہ یادگار ''صفۂ مسجد نبوی'' علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام یعنی مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ کی عمارتوں پر قبضہ کر کے انہیں خانماں برباد کر دیا جاتا ہے، خدا کے گھروں یعنی مسجدوں پر قبضہ کیا جاتا ہے اور محکمۂ اوقاف کے ذریعہ غیر سند یافتہ مؤذنین، ائمہ اور خطباء کے لئے مسجدوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اوقاف کی قائم کردہ منتظمہ کمیٹی کے سیکریٹری سے اعلان کرا دیا جاتا ہے کہ سیکریٹری کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عالم دین مسجد میں وعظ نہیں کہہ سکتا، پبلک جلسوں میں علماء کو کلمہ حق کہنے سے روکنے کے لئے ''دفعہ ۱۴۴'' لگا دی جاتی ہے، ان علماء و مبلغین وواعظین کو جن سے حکومت کے خلاف بولنے کا خطرہ ہوتا ہے کسی خاص علاقہ میں ان کی بستی میں یا گھروں میں قانونِ ''تحفظ امن عامہ'' کے تحت نظر بند کر دیا جاتا ہے یا زبان بندی کر دی جاتی ہے اور جن علماء حق کے ملک میں موجود ہونے کو ہی حکومت اپنے مفاد کے لئے مضر سمجھتی ہے ان کو جلاوطن کر دیا جاتا ہے تا اینکہ علماء حق کے لئے قانون شکنی کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا اور وہ قانون شکنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تب گرم جنگ شروع ہوتی ہے اور جیلوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اگر جیلوں کی وحشیانہ اور ننگِ انسانیت ایذا رسانیاں بھی ان کو حق بات کہنے سے نہیں روک سکتیں تو حکومتیں ان کو سولی پر چڑھا دینے میں بھی دریغ نہیں کرتیں اور علماء حق امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی سنت کو بے دریغ زندہ کرتے ہیں اور قید و بند کی تمام سختیوں بلکہ موت فی سبیل اللہ کو بھی لبیک کہتے ہیں۔

یہ ہوتے ہیں علماء حق پیدا کرنے والی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور علماء حق کے بابرکت وجود کو کسی روئے زمین سے مٹانے کے دس سالہ اور پنج سالہ منصوبے اور ان کے مختلف مرحلے، سادہ لوح عوام ان سے قطعاً ناواقف ہیں

[illegible] اب تک [illegible] حضرات [illegible] اور ہر ظلم و جور سہنے اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں مگر ان مدارس کے ذریعہ علوم دینیہ کی حفاظت کا فرض انجام دینے اور حکومت کے اثر سے آزاد دینی خدمت انجام دینے کی سعادت سے کسی قیمت پر بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

"وما توفیقنا الا باللہ ھو مولانا نعم المولیٰ ونعم النصیر"

یہ دو حقیقتیں ہیں [illegible] تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں نے آزاد علوم عربیہ دینیہ کے مدارس [illegible] اسلامی ملکوں کا نظام مدارس عربیہ کے خلاف عالمیہ سرد جنگ میں ہار دیا جا رہا ہے۔ آج یہ تمام اسلامی ممالک علوم کتاب و سنت یعنی علم تفسیر و اصول تفسیر، علم حدیث و اصول حدیث، علم فقہ و اصول فقہ اور ان کے معاون علوم کی ٹھوس اور باضابطہ تعلیم اور درس و تدریس سے یکسر محروم اور خالی ہو چکے ہیں، اس وقت برصغیر پاکستان و ہندوستان کے سوا اور کسی ملک میں حکومتوں کے اثر سے آزاد علوم دینیہ عربیہ کے مدارس کا وجود باقی نہیں رہا ہے، صرف انہی دونوں ملکوں میں علوم کتاب و سنت کی باضابطہ تعلیم و تدریس [illegible] جاری ہیں اور ان سے زندہ [illegible] فارغ ہو کر نکل رہے ہیں اور مختلف دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور انہی کی مساعی کی بدولت دینی روح کسی درجہ میں بھی ہے زندہ ہے اور ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں کا مزاج بہرحال دینی ہے جو لوگ عہد حاضر کے ممالک اسلامیہ کی [illegible] سے واقف ہیں وہ اس بیان کی تصدیق و تائید کریں گے نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ علوم شرعیہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور شیخ الفقہ جیسے خالص دینی منصبوں پر تقرر کی پہلی اور لازمی شرط یہ ہے کہ امیدوار عالم دین حقیقی معنی میں ہو یا نہ ہو مگر امریکن یا یورپین ممالک کی کسی یونیورسٹی سے اس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہو یعنی "یورپ زدہ" اور "مغرب زدہ" ضرور ہو یہودیوں اور نصرانیوں کا تریاق نما زہر جو اسلامی روح کے لئے سم قاتل ہے اس نے چار سال تک ضرور پیا ہو۔

اس لئے اب علوم دینیہ عربیہ اور علماء دین پیدا کرنے والی عربی درسگاہوں کی حفاظت ان ملکوں کے علماء حق پر فرض کفایہ نہیں رہی بلکہ فرض عین ہو گئی ہے۔

اگر فی الحقیقت حکومت کی نیت نیک ہے اور وہ واقعتاً ان مدارس عربیہ سے فارغ التحصیل طلبہ کو عصری علوم، عالمی حالات حاضرہ اور انگریزی زبان سے واقف بنا کر ان کو دینی خدمات انجام دینے کے لئے زیادہ کار آمد اور ان کی اسلامی دینی خدمات کو زیادہ مؤثر اور دور رس بنانا چاہتی ہے تو جیسا کہ اس کو اب سے تین سال پہلے "وفاق مدارس عربیہ" کی جانب سے مشورہ دیا جا چکا ہے ان مدارس عربیہ کا نصاب دینیہ اور ان کے داخلی نظم و نسق [illegible] اور [illegible] اپنے ہاں ان کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے علماء حق کے مشورہ سے صرف علوم

عصریہ اور انگریزی زبان کا ایک چہار سالہ نصاب الگ تجویز کرے اور اس کے لئے دو تین مستقل درس گاہیں مرکزی شہروں مثلاً کراچی، لاہور، راولپنڈی یا پشاور میں قائم کرے یا موجودہ بڑے بڑے مدرسوں میں ہی یہ چہار سالہ نصاب اپنے خرچ پر یا اگر ان مدارس کے فنڈ میں گنجائش ہو تو انہی کے خرچ پر قائم کرے اور صرف دینی خدمات کے مناصب کے لئے اس کی سند کو تسلیم کرے، دفتری ملازمتوں کے لئے نہیں، تو ان علماء کی دینی خدمات زیادہ مؤثر اور دوررس ہو سکیں گی اور قدیم علوم دینیہ کی باضابط اور ٹھوس تعلیم اور دینی تربیت کو نقصان پہنچائے بغیر یہ طلبہ عصری علوم، حالاتِ حاضرہ اور انگریزی زبان سے ناواقفیت کے نقص کو دور کر سکیں گے اور حقیقی معنی میں علوم عصریہ سے واقف علماءِ دین بن سکیں گے اور اندرون ملک و بیرون ملک دینی خدمات انجام دے سکیں گے۔

محکمۂ اوقاف کا ترتیب کردہ قدیم علوم دینیہ اور جدید علوم عصریہ کا مخلوط نصاب ”آدھا تیتر آدھا بٹیر“ جو اس وقت محکمہ اوقاف کی درس گاہ ”جامعہ اسلامیہ بہاول پور“ میں رائج ہے، علوم دینیہ عربیہ کے لئے تو تباہ کن ہے ہی، علوم عصریہ اور حالاتِ حاضرہ کی معتدبہ واقفیت اور انگریزی زبان کی قابلیت پیدا کرنے میں بھی ناکام ہے۔ جن ناطرفدار لوگوں نے جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے نصاب اور اس کی تعلیم و تدریس کی تفصیلات کہ، بخاری سال میں کتنی ہوتی ہے اور ہدایہ کتنا ہوتا ہے اور جلالین کتنی ہوتی ہے، کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس کے شاہد ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید
الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

[جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ]

علم اس کی اقسام اور اس کے فوائد

علم، دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا وہ بہرحال انسانیت کے لئے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل و کمال سے آراستہ ہونا اور میراثِ انسانیت کا حاصل کرنا ہے، موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں (۱) دینی علوم اور (۲) دنیاوی علوم۔

دینی علوم کے اصل ثمرات و برکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہوں گے تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت و رفعت کا دور دورہ رہا دنیا میں بھی اس کی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں، علماء دین، قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکم عدلیہ اور محاکم احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے، ملک و ملت کے لئے ان کا وجود سایہ رحمت سے کم نہیں تھا، ان کی خداترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن و عافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کے لئے علماء دین ہی کا انتخاب وتقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے اس کے کچھ نمونے موجود ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہ راست دنیا کے نظام سے تھا مثلاً فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، ہیئت، حساب، طب وجراحت وغیرہ ان کے لئے تو حکومتی مناصب بے شمار تھے۔

علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے، مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انھیں خدمتِ خلق، اصلاحِ معاش اور تدبیرِ سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں اور اس کے لئے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

"من تعلم علمًا مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه الا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة، يعنى ريحها" (۱)

جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاعِ دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"من طلب العلم ليجارى به العلماء اوليمارى به السفهاء او يصرف وجوه الناس اليه ادخله الله النار" (۲)

جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔

بہر حال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلبِ آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے، گویا اصل مدار مقاصد دنیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون ومددگار اور صنعت وحرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک

---

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى ص: ۳٤، ط: قديمى

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى ص: ۳٤، ط: قديمى

صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہیے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص جس شعبہ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدر ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو، مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو خلافت راشدہ کا تابناک دور ہے ایک قانون یہ تھا:

"لا يبع في سوقنا هذا من لم يتفقه في الدين"(۱)

جو شخص فقیہ (دینی مسائل کا ماہر) نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید وفروخت کی اجازت نہیں۔

گویا دنیا کمانے کے لئے بھی علم دین کی ضرورت ہے تاکہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز ہو سکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر وکمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آگیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں اب تو واحد مقصد صرف پیٹ رہ گیا ہے، دنیا کے ہر علم وہنر اور فضل وکمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ جہنم بھر جائے۔

جدید تعلیم اور اس کا مقصد

قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہوگئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو عالم کہا جاتا ہے اور جدید علوم کے ماہرین کو تعلیم یافتہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ وغیرہ کے جو ممالک جدید علوم کے امام ہیں وہاں آج بھی کسی تعلیم یافتہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی اسکول میں ٹیچر، کسی کالج میں پروفیسر یا سرکاری دفتر میں ملازم ہو بلکہ وہاں تعلیم کا مقصد ہنر وکمال کی تحصیل سمجھا جاتا ہے تاکہ ہر شعبہ حیات میں ہنر وکمال کے مالک افراد موجود ہوں، ان ممالک میں ٹیکسی ڈرائیور اور بسوں کے کنڈیکٹر بھی گریجویٹ ہوتے ہیں، یہ کہیں بھی نہیں سمجھا جاتا کہ بی اے یا ایم اے ہونے کے بعد دکان پر بیٹھنا یا کارخانے میں جانا یا ڈرائیور بننا باعث توہین ہے، پھر نہ معلوم ہمارے ملک میں یہ کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص تعلیم یافتہ یا گریجویٹ ہو اس کے لئے سرکاری ملازمت لازم ہے ورنہ اس کی حق تلفی اور اس کی ڈگری کی توہین متصور ہوگی۔

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھا یا گیا تھا کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس اجنبی ملک میں حکومت کی انتظامی

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب صلوة الجمعة، باب ماجاء فی فضل الصلوة الجمعة ج:۱ ص:۱۱۰، ط: قدیمی

ضرورت پوری کرنے کے لئے ان کو ایک ایسی نسل کی ضرورت تھی جس سے ان کی حکومت کا کاروبار چل سکے وہ انگلستان سے اتنے انگریز یہاں نہیں لا سکتے تھے کہ اتنے بڑے برکوچک کا تمام کام سنبھال سکیں۔ انہیں دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی حکمرانی کرنی تھی کلیدی مناصب تو خود وہ اپنوں ہی کو دیا کرتے تھے یا پھر ان کو جو سو فیصد ان سے متاثر ہو کر ان جیسے بن جائیں مگر نیچے کے درجے کے لئے انہیں یہیں سے آدمی مہیا کرنے تھے، علاوہ ازیں اس جدید تعلیم سے انگریز کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزی تہذیب و تمدن کے اتنے دلدادہ ہو جائیں کہ ظاہر و باطن میں انگریز ہی انگریز نظر آئیں اور لارڈ میکالے کی پیش گوئی پوری ہو جائے۔

الغرض یہ ذہنیت انگریزی دور کی پیداوار ہے کہ تعلیم صرف ملازمت کے لئے مطلوب ہے۔ تعلیم کی رفتار میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور سرکاری مناصب و ملازمتیں محدود ہیں، تعلیمی تناسب سے ان میں اضافے کا امکان نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ افراد کو سرکاری ملازمت مہیا کی جا سکے، اور یہ تو ظاہر و مسلم تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طالبات بھی اب تعلیم کے میدان میں اسی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں اور وہ بھی ملازمت کی خواہاں ہیں، جب نئی نسل کو مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو ان میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ اس عبرت ناک منظر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو گذشتہ دنوں کراچی یونیورسٹی میں تقسیم اسناد کے موقع پر دیکھنے میں آیا کہ عورتوں کے لئے آبرو بچانا مشکل ہو گیا، یہ ہیں جدید تعلیم کی برکات! اور یہ ہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات (ان فی ذلك لعبرة لاولی الابصار) یہ صورتِ حال تمام اہل دانش اور ارباب اقتدار کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر جدید نسل کے اس ذہنی کرب کا صحیح حل تلاش نہ کیا گیا تو اس کے نتائج اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب

ہمارے نزدیک کرب و بے چینی کے متعدد اسباب ہیں، سب سے اہم تو یہ ہے کہ جدید تعلیمی اداروں میں دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذہن و فکر کی ضرورت قطعی محسوس نہیں کی گئی بلکہ اس سے بڑھ کر نئی نسل کو دین سے بیزار کرنے کے تمام اسباب و وسائل مہیا کئے گئے، دین و ملائیت کا نام لے کر نوخیز ذہنوں کو اس سے نفرت دلائی گئی، علمائے دین کے لئے طرح طرح کے القاب تجویز کر کے انہیں تعلیم یافتہ طبقہ کی نظر میں ذلیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، ذرائع نشر و اشاعت کو تمام حدود و قیود سے آزاد کر کے انہیں بے دینی کا مبلغ بنا دیا گیا، اس پر مستزاد یہ کہ لادینی نظریات کا پرچار کرنے کے لئے مستقل ادارے قائم ہوئے اور سرکاری طور پر ان کی ہمت افزائی کی گئی۔ اب خود سوچئے کہ جس نوخیز نسل کے سامنے گھر کا پورا ماحول بے دین ہو، تعلیم گاہوں میں دینی ماحول کا فقدان ہو، گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں سے بے دینی کا غلیظ اور مسموم دھواں اٹھ رہا ہو، زندگی کے ایک ایک شعبہ سے دین کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا گیا ہو، والدین سے اساتذہ تک اور صدر سے چپڑاسی تک نئی نسل کے سامنے

دینداری، خدا ترسی اور خوف آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش و منکرات، بے حیائی و بداخلاقی اور درندگی و شیطنت کا سامان موجود ہو کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دینداری، شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کر سکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو، کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرے میں کوئی بگاڑ پیدا کر رہی ہو وہ کس درجہ تک معاشرہ کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے؟

تم لاکھ تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو، لیکن خوب یاد رکھو تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا نئی نسل کے سامنے اساتذہ اور معلموں کی شکل میں اخلاق و انسانیت اور دینداری و خدا خوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے، تعلیم میں جب تک دینی تربیت ملحوظ نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق و اعمال، جذبات و عواطف اور رجحانات و میلانات کی اصلاح نہیں ہوگی تب تک یہ حیرت روز افزوں ہوتی جائے گی، تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے، اخلاق برباد ہو جائیں، انسانی قدریں پامال ہو جائیں اور مقصد زندگی صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین پیٹ کے گرد گھومنے لگی ہے، آج کی تمام تعلیم، تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کئے جائیں، دین جاتا ہے تو جائے، اخلاق مٹتے ہیں تو مٹیں، انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو، مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہرحال پوری ہونی چاہئیں، نہ دین سے تعلق، نہ اخلاق سے واسطہ، نہ انسانیت کا شعور، نہ افکار صحیح، نہ خیالات درست، نہ خدا کا خوف، نہ آخرت کی فکر، نہ مخلوق سے حیاء، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جدید تعلیم اور اس کے چند مہلک ثمرات

اسی جدید تعلیم اور اس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اور صوبہ پرستی کی لعنت کو جنم دیا جس کی وجہ سے مشرقی بازو کٹ گیا اور اب کراچی اور سندھ میں جو شب و روز اس کے دردناک مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، نہ معلوم اس بدنصیب قوم کا انجام کیا ہوگا، انسانی اقدار اور احترام انسانیت کا شعور پیدا کرنے کے لئے دین و مذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہم بارہا ان صفحات میں صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ آخرت کی نجات اور دنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات و احکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت و کردار کی بلندی اور ظاہر و باطن کی طہارت و نظافت ہونا چاہئے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گر ہو اور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کو ختم کر رہے ہو اور دین کا مضحکہ اڑا کر اسے رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہو تو اس کے بدترین نتائج کے لئے

بھی تیار رہو۔

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم

نئی نسل کے اضطراب کا بڑا اور اہم سبب

نئی نسل کے کرب و اضطراب کا ایک بڑا سبب صنفِ نازک کے بارے میں غلط روی پر مسلسل اصرار ہے، اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا جو مقام بخشا ہے وہ نہ کسی قدیم تہذیب میں اسے حاصل ہوا تھا نہ جدید ترقی یافتہ تہذیب کو اس کی ہوا لگی ہے، اسلام نے اس کے تمام حقوق دلوائے، اسے ماں، بہن اور بیٹی کے نہایت قابل احترام القاب سے سرفراز کیا، مرد و عورت کے درمیان نہایت مقدس ازدواجی رشتہ قائم کر کے دونوں کی زندگی کو سراپا امن و سکون بنانے کی ضمانت دی، عورت کے تمام حقوق و نفقات کا بوجھ مرد کے ذمہ ڈالا، اس کو گھر کی ملکہ بنا کر گھر کا سارا نظم و نسق اس کے سپرد کیا، اولاد کے بہترین اتالیق کی حیثیت سے اسے پیش کیا، مرد و زن کے الگ الگ دائرہ کار کی حد بندی کی، دونوں کے لئے ایسے عادلانہ احکام وضع فرمائے کہ یہ رشتہ نفسیاتی طور پر محبت و خلوص کا مجسمہ بن جائے، گھر کے انتظامی معاملات عورت کے سپرد کر کے مرد کو گھر کی فکر سے یکسو کر دیا اور باہر کی تمام ضروریات کا بار مرد پر ڈال کر عورت کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا تا کہ دونوں جانب سے احسان مندی اور قدر شناسی کے جذبات پروان چڑھیں۔

ایک پُرفریب نعرہ ''آزادی نسواں''

مگر جدید تہذیب نے ان تمام مصالح و اسرار کو غارت کر کے ''آزادی نسواں'' کا ایک پرفریب نعرہ ایجاد کیا اور صنفِ نازک کو گھر کی سلطنت سے باہر نکال کر گلی کوچوں میں رسوا کیا اور زندگی کی پرخار وادیوں میں اسے مردوں کے دوش بدوش چلنے پر مجبور کیا، جو فرائض مردوں کے ذمہ تھے ان کا بوجھ بھی عورتوں پر ڈالا اس کے بعد تعلیم نسواں کے فسونِ ساحری نے عورت کو جدید تعلیم اور جدید تہذیب کے قالب میں ڈھالا اور اب عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم ایک فیشن بن گیا، ڈگری حاصل کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ ملازمتوں میں انہیں بھی برابر کا حصہ دیا جائے، پہلے مردوں کے لئے ملازمت کی جگہ کا سوال تھا اب عورتوں کے لئے ملازمت کا اس پر مزید اضافہ ہو گیا۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ جدید طبقہ کس ذہن سے سوچنے کا عادی ہو چکا ہے اس لئے ہمیں توقع نہیں کہ اس گرداب بلا میں پھنس جانے کے باوجود وہ کسی ناصح مشفق کی بات سننا گوارا کرے گا، تاہم ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ جدید تہذیب نے عورت سے بدترین مذاق کر کے شرفِ انسانیت کو بٹہ لگا دیا ہے۔

پردہ عورت کا فطری حق ہے

پردہ عورت کا فطری حق ہے، عورت گھر میں ہو یا بازار میں، کالج میں ہو یا یونیورسٹی میں یا دفتر اور عدالت میں ہو وہ اپنی فطرت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے، وہ جہاں ہوگی اس کی ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز اسے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی، وہ بے دین قومیں جو عورت کی فطرت سے اندھی اور خالقِ فطرت کے احکام سے نا آشنا ہیں وہ اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو جائے تعجب نہیں، مگر ایک مسلمان جس کی سامنے خدا ورسول کے احکام اور اس کے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو اس کا اپنی بہو بیٹیوں کو پردے سے باہر لے آنا مردہ ضمیری کا قبیح ترین مظاہرہ ہے، عورت کی ساخت وپرداخت، اس کی عادات واطوار اور اس کی گفتار ورفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔

ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت وتقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت ونزاہت سے چاند شرماتا تھا اسے پردہ سے باہر لا کر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام لیا گیا، جدید تہذیب میں عورت زینتِ خانہ نہیں شمع محفل ہے، اس کی محبت وخلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لئے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی وزیبائی وقف تماشائے عالم ہے، وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں بلکہ وہ بازاروں کی رونق ہے، آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی اس سے زیادہ نسوایت کی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا؟ کیا یہی آزادی نسواں ہے جس کے لئے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے تھے؟ اسلام کی نظر میں عورت ایک ایسا پھول ہے جو غیر محرم نظر کی گرم ہوا سے فوراً مرجھا جاتا ہے، اسے پردہ سے باہر لانا اس کی فطرت کی توہین ہے۔

ادھر عورتیں پردے سے باہر آئیں ادھر انہیں زندگی کی گاڑی میں جوت دیا گیا، تجارت کریں تو عورتیں، وکالت کریں تو عورتیں، صحافت کے شعبہ میں جائیں تو عورتیں، عدالت کی کرسی پر متمکن ہوں تو عورتیں، اسمبلی میں جائیں تو عورتیں، الغرض کاروباری زندگی کا وہ کون سا بوجھ تھا جو مظلوم عورت کے نازک کاندھوں پر نہیں ڈال دیا گیا، سوال یہ ہے کہ جب یہ تمام فرائض عورتوں کے ذمہ آئے تو مرد کس مرض کی دوا ہیں؟ اسلام نے نان ونفقہ کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی لیکن بزدل مغرب نے مردوں کے دوش بدوش چلنے کا جھانسہ دے کر یہ سارا بوجھ اٹھا کر عورت کے سر پر رکھ دیا، جدید تہذیب کے نقیبوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ عورت پر احسان ہوا یا بدترین ظلم؟ عورت گھر کے فرائض بھی انجام دے، بال بچوں کی پرورش کا ذمہ بھی لے، مرد کی خدمت بھی بجا لائے اور اسی کے ساتھ کسب معاش کی چکی میں بھی پیسا کرے؟ ظاہر ہے کہ عورت کے فطری قوی اتنے بوجھ کے متحمل نہیں

ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کا کاروبار نوکروں کے سپرد کرنا پڑا، بچوں کی تربیت و پرداخت ماماؤں کے حوالے کی گئی، روٹی ہوٹل سے منگوائی گئی، گھر کا سارا نظام تو ابتر ہوا ہی باہر کے فرائض پھر بھی عورت یکسوئی سے ادا نہ کر پائی نہ وہ کر سکتی ہے۔

پھر مردوزن کے اختلاط اور آوارہ نظروں کی آوارگی نے معاشرے میں جو طوفان برپا کیا اس کے بیان سے زبان قلم کو حیا آتی ہے۔ یہ ہے آزادیٔ نسواں اور تعلیم نسواں کا پرفریب افسوں جس نے انسانیت کو تہ و بالا اور معاشرے کو کرب و اضطراب میں مبتلا کر دیا۔

اسلام کی نظر میں جائز پیشے ذلت کے موجب نہیں

اس کرب و ہیجان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عام طور سے صنعت و حرفت اور دستکاری سے عار نوجوانوں کے مزاج میں داخل ہو گیا، وہ جب تک کوئی اچھی ملازمت یا کوئی بڑے پیمانے کا کاروبار میسر نہ ہو اس وقت تک کسی کام کا شروع کرنا'' اپنی خاندانی شان کے خلاف سمجھا گیا اور یہ بے جا تصور بیروزگاری، زبوں حالی اور ذہنی انتشار پر منتج ہوا۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حلال پیشے کو حقیر سمجھنا نہایت پست ذہنی کی علامت ہے، اسلامی نقطہ نظر سے کوئی جائز اور حلال پیشہ تحقیر و تذلیل کا مستحق نہیں، حدیث میں ہے:

”ما اکل احد طعامًا قط خیرا من عمل ید یہ،وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یا کل من عمل یدیہ“. (بخاری)(۱)

کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا جو اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود عظیم سلطنت کے) اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ: ''حضرت زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے''۔(۲)

الغرض ایک طرف تو حرفت و دستکاری کو حقیر جانا گیا اور دوسری طرف کسی صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نوجوانوں کے لئے روزگار مہیا کرنے کی نئی نئی صورتوں پر توجہ نہیں دی گئی، نتیجہ بیکاری و بیروزگاری کا سیلاب امڈ آیا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا مسئلہ پورے معاشرے کے لئے وبال بن گیا۔

تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں کے مسائل کا حل

اگر ہم اس کڑوی اور تکلیف دہ صورت حال سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے:

اولاً: ...... اوپر سے نیچے تک پورے معاشرے کی اور بالخصوص نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ ج:۱ ص:۲۷۸، ط: قدیمی

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل زکریا علیہ السلام ج:۲ ص:۲۶۸، ط: قدیمی

ہوگا اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں خالص دینی ماحول بنایا جائے، امت مسلمہ کا رشتہ مسجد سے قائم کیا جائے اور انہیں تبلیغی مراکز میں جوڑا جائے۔

ثانیا:...... غیر اسلامی نظریات کی تلقین وتبلیغ کا سلسلہ یک لخت بند کرنا ہوگا، جس قوم کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام حیات موجود ہو اور وہ اس کے مسائل کو حل نہ کر سکے تو خدا اس قوم کے کسی مسئلہ کو کبھی حل نہ کرے، ہمارے ارباب اقتدار واختیار کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو چھوڑ کر لینن وماؤ سے راہنمائی حاصل کرنے کا نتیجہ ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ﴾ [البقرۃ: ٦١]

ثالثا:...... خواتین کی بے پردگی، عریانی اور سر بازار رسوائی کا انسداد کرنا ہوگا، عورتوں کی بقدر ضرورت تعلیم پردہ میں ہو، اور باہر کی تمام ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کیا جائے اور اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی خاتون کا کوئی معاشی کفیل نہیں تو اوّل تو قوم اور قومی خزانہ کا فرض ہے کہ ان کی معاشی کفالت اپنے ذمہ لے اور اگر قوم کی بے حسی اور حکام کی غفلت اس سے مانع ہو تو ان کے لئے باپردہ گھریلو صنعتوں کا انتظام کیا جائے جس سے وہ اپنی معاش حاصل کر سکیں۔

الغرض معاشی بوجھ صرف مردوں کو اٹھانا چاہیے اور اگر شاذ ونادر یہ ذمہ داری عورتوں پر آئے تو ان کیلئے باپردہ انتظام کیا جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صرف عورتوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو آدھا انتشار اسی وقت ختم ہو جائے گا۔

رابعا:...... اس ذہنیت کو ترک کرنا ہوگا کہ تعلیم صرف ملازمت کے لئے ہے اور یہ کہ فلاں پیشہ حقیر ہے، بلکہ صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نئی نسل کی افرادی قوت کو مفید کاموں میں لگانا ہوگا، اللہ تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ۔ اگست ۱۹۷۲ء]

سائنسی علوم اور تعلیم وتربیت

آج کل سائنس کا بہت شور برپا ہے، ہر طرف سے سائنس اور علوم طبعیہ کی صدائیں گونج رہی ہیں اور خیال راسخ ہوتا ہے کہ سائنسی علوم تعلیم وتربیت کا ایک اہم جزء ہیں اس کے بغیر ہر قسم کی تعلیم بے معنی ہے اور یہی باور کیا جا رہا ہے کہ تعلیمی نظام میں علمی سائنس اور عملی سائنس دونوں کی شدید ضرورت ہے اور جس طرح سابق اسلامی ادوار میں ریاضی اور ہیئت وفلکیات کے بڑے بڑے ماہر ہوئے ہیں اور طرح طرح کی فنی رصدگاہیں مسلمانوں نے بنائی ہیں آج کیوں مسلمانوں کا دامن ان کمالات سے خالی ہو۔

اس طرح کے افکار ونظریات آج کل عام جرائد ومجلات کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں لیکن جہاں تک علمی وعملی سائنس کی اہمیت کا تعلق ہے اس انکار کرنا حماقت وجہالت ہے مگر اسی کے ساتھ سائنسی علوم کو ہر

قسم کی تعلیم وتربیت کے لئے لازمی جزء سمجھنا شاید اس کا بھی حماقت وجہالت سے کم درجہ نہ ہوگا۔

علوم کی قسمیں اور ان کا حکم

پہلی بات تو یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں: ایک وہ علوم جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے، یہ وہ علوم ہیں جن کے ذریعہ بندے کا تعلق اپنے معبود حق تعالیٰ شانہٗ سے قائم ہو اور حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق بندہ اس کی بندگی کر سکے، خیر وشر، حلال وحرام کی تمیز ممکن ہو، غرض عقیدہ صحیح ہو جائے اور عمل درست، عبادات وطاعات اور فرائض وواجبات سے ضروری واقفیت میسر آ جائے، یہ علم چاہے زبانی تعلیم سے حاصل ہو یا والدین کی صحیح تربیت سے یا مکتب میں استاد کے ذریعے سے ہو یا پھر چاہے مادری زبان میں ہو یا کسی اجنبی زبان میں ہو اسی کو حدیث میں "طلب العلم فریضة علی کل مسلم(۱)" فرمایا گیا ہے۔

دوسرے علوم وہ ہیں جن کو فقہی زبان میں فرض کفایہ کہتے ہیں، یعنی اگر امت کے چند اشخاص بھی ان کو حاصل کر لیں تو بقیہ افراد کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، جیسے نماز جنازہ میں چند افراد کے نماز پڑھ لینے سے تمام مسلمانوں کے ذمہ سے فرض ادا ہو جاتا ہے، اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کریم اور احادیث نبی کریم ﷺ، فقہ، اصول فقہ، علم توحید وکلام وغیرہ کی تعلیم اور ان میں مہارت وبصیرت حاصل کرنا یہ فرض کفایہ ہے، بلاشبہ یہ فرض کفایہ بھی دین اسلام کا اہم شعبہ ہے اور امت اسلامیہ میں اس کا باقی رکھنا فرض ہے، قرآن کریم کی آیت کریمہ ذیل میں انہی علوم کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ
إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

کہ ہر قوم کے چند افراد کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ علم دین سیکھیں اور اپنی بقیہ تمام قوم کو دین سے واقف کرائیں (آیت کریمہ کے کما حقہ تفسیری حقائق ولطائف بیان کرنے کا یہ موقع نہیں)۔

پھر ان علوم میں بھی بعض علم ایسے ہیں کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ مقصود کے حصول کے لئے وسیلہ اور ذریعہ ہیں، جیسے صرف نحو، معانی، بیان وغیرہ کہ ان علوم کے بغیر تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کو حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے یہ علوم عربیت مادری زبان کی حیثیت سے خود بخود حاصل تھے اس لئے ان کو ان علوم کے سیکھنے کی ضرورت نہ تھی، روئے زمین کے عجمی (غیر عربی) مسلمانوں اور بعد کی نسلوں کو یہ بات میسر نہ تھی اس لئے ان کو ان علوم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہوا۔

اب رہے وہ علوم طبیعیہ جن کو آج کل سائنس کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اگر چہ ان دونوں کے مفہوم

---

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ۲۰، ط: قديمي

میں کچھ فرق ہے، بہرحال یہ وہ علوم ہیں جو عقل وادراک اور فنی تجربات کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، عقلِ انسانی نسلِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم عطیہ ہے، اسی عقل کے ذریعہ حق تعالیٰ کے علم اور قدرت کے رازہائے سربستہ اس کائنات اور کارخانۂ قدرت میں ہر دور اور ہر زمانے میں جیسے جیسے وقت کے تقاضے ہوتے ہیں ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اور پھر انہی فکری اور نظری علوم کے ذریعہ ان کے اچھے برے اثرات ونتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں، انہی علوم کا ثمرہ وہ تمام صنعتیں اور ایجادات ہیں جو نسلِ آدم کے کام آتی رہتی ہیں اسی کا نام عملی سائنس ہے۔

اصلی علم کیا ہے؟

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو بآسانی واضح ہوگا کہ اصلی علوم وہی ہیں جو صرف وحیِ الٰہی کے ذریعہ اور انبیاء کرام کی تعلیمات کے واسطہ سے ظہور میں آتے ہیں، یہ وہ علوم ہیں جن کے ادراک سے عقلِ انسانی نہ صرف قاصر ہے بلکہ عقلِ انسانی کے دائرے سے ہی یہ علوم خارج ہیں، علوم وفنون کی اصطلاح میں ان کو "ماوراء الادراك" اور "ماوراء العقل" کہا جاتا ہے۔

اس لئے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا دائرۂ تعلیم وتربیت انہی علومِ الٰہیہ میں منحصر ہونا چاہئے جو عقلِ انسانی کی رسائی سے بالاتر ہیں، قرآن کریم اور تعلیمات نبویہ میں ان علومِ طبعیہ وعقلیہ اور ان کے ذریعہ وجود میں آنے والی ایجادات واختراعات کی نہ تو تعلیم دی گئی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ کی گئی ہے نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل وادراک جیسی خود کفیل نعمت اور قوتِ اختراع جیسی خودکار طاقت انسان کو عطا فرمادی جو ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ووافی ہے تو پھر کسی مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، چنانچہ اسلامی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ ہر دور میں عقلِ انسانی یہ خدمت انجام دیتی رہی ہے اور آج اس دورِ ترقی میں بھی جو کچھ نتائج سامنے آرہے ہیں اور آئندہ آتے رہیں گے وہ سب اسی کے کرشمے ہیں۔

اگر ہم ان گذشتہ اشارات اور گذارشات کا خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی دو قسم کی ضرورتیں تھیں، ایک دنیا کی اور ایک آخرت کی، یا یوں کہئے ایک روح کی اور ایک جسد کی، علومِ الٰہیہ ربانیہ کے وہ سرچشمے جن کا تعلق وحی آسمانی سے ہے ان کا تعلق آخرت اور اصلاحِ روح سے ہے اور نفس کا تزکیہ وتہذیب ہی ان سے مقصود ہے مگر ان علوم کے حقیقی ثمرات ونتائج آخرت کی زندگی میں کما حقہٗ ظاہر ہوں گے اگرچہ ان کے برکات کا قدرے ظہور اس دنیا میں بھی ہو اور علومِ عقلیہ انسانیہ کا تعلق جسم وجسمانیات اور دنیا کی زندگی سے ہے ان کے منافع کا تعلق بھی دنیوی زندگی اور عالمِ جسمانی سے وابستہ ہے۔

سائنسی علوم کا ظاہری فائدہ

البتہ ان علومِ طبعیہ سائنسی علوم وفنون کا اس زندگی میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ یہ علوم اور ان کے

ذریعہ حاصل ہونے والے نو بنو اکتشافات حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت، کمالِ علم اور حقائقِ الٰہیہ کی معرفت کا ذریعہ بنتے ہیں، اس کارخانۂ قدرت اور محیر العقول نظامِ کائنات میں حق تعالیٰ کی قدرت کے وہ رازہائے سربستہ ان کے ذریعہ منکشف ہوتے ہیں جو معجزات کا کام دیتے ہیں اور ایمانِ کامل، یقینِ محکم، طمانیت دل و دماغ اور رسوخِ ایمانی جیسے عظیم اور حیرت انگیز ثمرات ان کی بدولت میسر آتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت منکرین و کافرین پر پوری ہوجاتی ہے، لیکن تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جو حضرات پہلے سے مشرف بایمان ہیں ان کے لئے تو یہ رسوخِ ایمانی کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن جو لوگ سعادتِ ایمان سے محروم ہوتے ہیں ان کے لئے نفسِ ایمان کا ذریعہ بھی نہیں بنتے، یہی وجہ ہے کہ یہ سائنسدان حق تعالیٰ کے اس کارخانۂ ملکوت میں اس حیرت انگیز نظام کے اسرار و غوامض پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، ایمان تو کیا حقیقی معنی میں وہ انسان بنا بھی نصیب نہیں ہوتا جس کے پہلو میں دل اور دل میں رحم و عاطفۂ انسانیت ہو، یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے تمام تر سائنس دانوں کی یہ گوناگوں ایجادات آج نسل انسانی کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں، تمام دنیا کو تباہی کے کنارے لاکر کھڑا کردیا ہے، اس تفصیل سے یہ بات بھی خیال میں آگئی ہوگی کہ سب سے زیادہ مقدم روح کی اصلاح و تربیت ہے اس کے بعد ہی یہ جدید علومِ عصریہ مفید ہوسکتے ہیں۔

علوم الٰہیہ اور قدیم و جدید علوم کی ترویج کس کا فرض ہے؟

اب اس پر غور فرمائیں کہ تمام قدیم و جدید علوم کی تعلیم و تربیت اور ان علومِ الٰہی کی ترویج و اشاعت نیز علومِ انسانی کی توسیع و ہمت افزائی یہ کس کے ذمہ ہے؟ یہ ذمہ داری تمام تر اسلامی حکومتوں اور اسلامی حکمرانوں کی ہے۔

سوءِ اتفاق سے اس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام حکومتیں اور حکمران درجہ بدرجہ اس ذمہ داری کے معاملہ میں مقصر نہیں بلکہ مجرم ہیں، ظاہر ہے کہ اس تمام تعلیمی اور تجرباتی نظام سے تمام امت کو مستفید بنانے کے لئے حکومت کی سطح پر ہی کام ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے یہ مسلّم ہے کہ تعلیمی میزانیہ، فوجی میزانیہ سے زیادہ ہونا چاہیے لیکن جب حکومتیں اس طرح کی مجرمانہ غفلت برت رہی ہیں تو علوم الٰہیہ کی جو فرض عین ہیں یا فرض کفایہ حفاظت، امت کے ذمہ ہی عائد ہوتی ہے، متحدہ ہندوستان میں جب مسلمان اسلامی حکومتوں کے سایہ سے محروم ہوگئے تو علماءِ دین اور عام مسلمانوں نے اس ذمہ داری سے سبکدوشی کو اپنا فرض سمجھ کر اس کی کما حقہٗ تدبیریں کیں، دیندار اربابِ اموال سے مالی اعانتیں حاصل کر کے ان کی حفاظت کی اور آج تک الحمد للہ یہ سلسلہ ہندو پاکستان دونوں ملکوں میں قائم ہے اور آج ہزاروں مدارسِ دینیہ باوجود گوناگوں نقائص اور کمزوریوں کے کسی نہ کسی درجہ میں یہ فرض انجام دے رہے ہیں۔

عربی زبان اور اسلام

اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی محکم رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، اسلام کا قانون عربی زبان میں ہے، اسلام کا آسمانی صحیفہ قرآن حکیم عربی زبان میں ہے، اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان عربی ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر تعلیمات وہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے، اسلام کی اہم ترین عبادت صلوۃ (نماز) جس کو روئے زمین کے تمام مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں روزانہ پانچ وقت پڑھتے ہیں، وہ عربی زبان میں ہے، یہ نماز ہی توحید اسلام کا اعلیٰ ترین مظہر اور دین اسلام کی بنیادی عبادت ہے، پھر ہفتہ واری اسلام کا پیغام ''جمعہ کا خطبہ'' عربی زبان میں ہے، سال میں دو مرتبہ عمومی واجتماعی پیغام عید الفطر اور عید الاضحی کا خطبہ تمام دنیا میں عربی میں پڑھایا جاتا ہے، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی کے لئے جو عجیب وغریب اذکار اور دعائیں صبح سے شام تک ہر محل وہر موقع اور ہر کام کے لئے تلقین فرمائی، عبد ومعبود کے درمیان تعلق ورابطہ پیدا کرنے یا اس رشتہ کو مضبوط کرنے کے لئے جن سے زیادہ مؤثر اور کوئی تدبیر نہیں، وہ سب عربی میں ہے، اسلام کا حسی مرکز، بارگاہ قدس رب العالمین اور تجلیات الٰہیہ کا سرچشمہ جس سرزمین میں واقع ہے۔ مکہ مکرمہ (زادها الله شرفاً وتعظيما وتكريما ومهابة) وہ عرب ہے، اور وہاں کے باشندوں کی زبان عربی ہے، سید الکونین رسول الثقلین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ اور دار الھجرۃ جس سرزمین مقدس میں واقع ہے مدینہ منورہ (زادها الله نوراً وطيبًا) وہ عرب میں ہے، اور اس کے بسنے والوں کی زبان بھی عربی ہے۔ مکہ معظمہ جس طرح عدنانی عرب کا مرکز تھا اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ قحطانی عرب کا مرکز بن گیا ان دونوں مرکزوں کی زبان اور تہذیب عہد قدیم سے آج تک عربی ہے، دونوں قوموں عدنانی وقحطانی عربوں کا سرمایہ تاریخ وادب عربی زبان میں ہے، قرآن کریم اور اسلام کے پہلے مخاطب، جزیرۃ العرب میں بسنے والی پوری آبادی عرب ہے، جزیرۃ العرب سے باہر اسلام کے دو اہم ترین مرکز عراق وشام ہیں دونوں ملک عربی زبان وتہذیب کا گہوارہ تھے اور ہیں۔ مصر، لیبیا، سوڈان، مغربی افریقہ، الجزائر، تیونس اور مراکش وغیرہ سب عربی بولنے والوں کے مرکزی مقامات ہیں، شمالی افریقہ کی اکثریت کی زبان بھی عربی یا بگڑی ہوئی عربی ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے زمرہ میں شامل عرب فاتحین جو اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں سندھ وہند، افغانستان اور بخارا سے لے کر اسپین تک نہ صرف پھیل گئے بلکہ ان ملکوں میں بس بھی گئے تھے، ان کے ذریعہ ان ملکوں میں بھی عربی زبان پہنچ گئی اور چونکہ ان ملکوں کی تمام مسلمان قوموں کا دینی سرمایہ عربی زبان میں تھا اس لئے ان ملکوں کی بھی دینی اور مذہبی زبان عربی بن گئی، چنانچہ نہ صرف یہ کہ ان ممالک اسلامیہ میں لائق فخر عربی دان پیدا ہوئے بلکہ عجمی ممالک کے ان مراکز سے عربی کے وہ مایہ ناز ماہرین وموجدین علوم وفنون پیدا ہوئے جن

کی نظیر کا دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی، انہیں عجمی علماء کی بدولت عربی علوم میں صرف نحو، معانی، بیان، بدیع، لغت، عربی رسم الخط، علم الا شتقاق، عروض وقافیہ اور شعر وادب اور اسلامی علوم میں تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، عقائد وتوحید وکلام، اور آلی علوم میں منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی وغیرہ علوم کا سارا ذخیرہ عربی زبان میں ڈھل گیا اور نہ صرف یہ بلکہ عربی زبان کے حقائق فقہ اللغۃ کی باریکیاں اور حیرت انگیز لسانی خصوصیت عربی تلفظ کی صحت وسہولت کے قواعد وضوابط اور لسانی حسن وجمال کی نیرنگیاں وغیرہ وہ علمی سرمائے ہیں کہ عربی کے علاوہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں ان کا پتہ تک نہیں ہے۔

الغرض دینی علوم ہوں یا اسلامی تاریخ، وحی الٰہی کا منبع ہو یا تعلیم وتربیت نبوی کا سرچشمہ، اتحاد اسلامی کا عظیم مقصد ہو یا بین المملکتی سیاسی مفاد ومصالح، ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے عربی زبان کی اہمیت سے انکار جنون کے مرادف ہے۔

عصر حاضر میں بھی صحرائے عرب میں جزیرۃ العرب کے اندر اور جزیرۃ العرب کے باہر اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے جوز رسیال، پٹرول اور دوسرے معادن کے ابلتے ہوئے چشمے نمودار ہو گئے ہیں انہوں نے ان بادیہ نشینوں اور خانہ بدوشوں عرب اقوام کو عزت ومجد اور عظمت وثروت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے کہ آج روس وامریکہ، فرانس وبرطانیہ جیسے اعداء اسلام بھی اپنے اقتصادی وسیاسی مفاد ومصالح کی خاطر ان بدویوں کی خوشامد پر اور اس کے لئے عربی زبان سیکھنے اور بولنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اسی لئے تمام یورپین ممالک کے لئے عربی زبان وادب کی درسگاہیں کھولنا اور ان کو فروغ دینا ناگزیر ہو گیا ہے، کویت کا صحراء آج وہ دولت وثروت اگل رہا ہے جس کی بدولت انگلستان کی باغ وبہار قائم ہے، اگر آج کویت کی دولت انگلستان کے بینکوں سے نکال لی جائے تو برطانیہ کا دیوالیہ نکل جائے گا۔

غرض جس طرح عہد ماضی میں روحانی ہدایت کے سرچشمے صحراء عرب سے پھوٹے، بالکل اسی طرح مادی دولت وثروت کے سرچشمے بھی اسی سرزمین سے ابل رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ دین ہو یا دنیا، روحانیت ہو یا مادیت، ہر جہت اور ہر حیثیت سے عربی زبان دنیا کی تمام قوموں کے لئے اپنی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر قابل توجہ بنی ہوئی ہے۔

آج ان ممالک کو عربی داں ٹیچروں کی ضرورت ہے، جدید علوم وفنون کے عربی دان ماہرین کی احتیاج ہے، عربی دان ڈاکٹروں، طبیبوں، انجینئروں اور مہندسوں کی ضرورت ہے، اقتصادیات وتجارت کے ماہرین کی حاجت ہے، زراعت وصنعت میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

اگر ہماری عظیم ترین اسلامی مملکت پاکستان اس حقیقت اور صورتحال پر ذرا بھی غور کرتی اور ان بین المملکتی مصالح کے پیش نظر عربی زبان کی اس غیر معمولی اہمیت کو محسوس کرتی اور نہ صرف اپنے تعلیمی اداروں،

یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں میں عربی زبان وادب کو فروغ دیتی اور ابتدا سے لے کر انتہا تک عربی زبان وادب کو بحیثیت زبان کے لازمی مضمون قرار دیتی بلکہ ہر طبقہ اور شعبہ کے ماہرین کے لئے مستقل عربی زبان وادب کی تعلیم کے مراکز کھول دیتی تو آج صورت حال بالکل بدلی ہوئی ہوتی اور تمام ممالک اسلامیہ عربیہ کی تعلیمی، اقتصادی، تجارتی، صنعتی اور زراعتی ضرورتیں پاکستان پوری کرتا اور اس وسیلہ سے ان ممالک کی قیادت بھی پاکستان ہی کے ہاتھ میں ہوتی۔

صرف سعودی مملکت کے ہسپتالوں میں اس وقت ۷۵ رفیصد ڈاکٹر پاکستانی ہیں، طائف جیسی چھوٹی سی جگہ میں پندرہ پاکستانی ڈاکٹر کام کر رہے ہیں، اگر آج ہمارے گریجویٹ عربی زبان وادب کے ماہر نہ سہی صرف واقف ہی ہوتے تو ان ممالک میں سو فیصد ڈاکٹر، انجینئر، ٹیچر اور ماہرین علوم وفنون پاکستانی ہی ہوتے، اس لئے کہ مملکتِ سعودیہ عربیہ کے ہمسایہ ممالک شام ولبنان واردن میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ سعودی مملکت کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں، جمہوریہ عربیہ متحدہ مصر سے ان کے تعلقات شگفتہ نہیں ہیں، اس لئے بمجبوری اور بادل ناخواستہ یورپ وامریکہ جیسے ازلی دشمنِ اسلام ممالک سے یہ ضرورتیں پوری کی جا رہی ہیں، اس کے عواقب ونتائج کیا ہوں گے؟ یہ بالکل ظاہر ہے عرب ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے اور مختلف بلاکوں میں تقسیم کر دینے کے سلسلہ میں ان کی ریشہ دوانیاں بے نقاب ہو چکی ہیں، یہ معلوم کر کے انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومتِ سعودیہ عربیہ نے ایک سو ماہرین تعلیم امریکہ سے بلائے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ ان ماہرین تعلیم نے آتے ہی عربی ادب اور قرآن کریم کو مملکت سعودیہ عربیہ کے نصاب تعلیم سے نکال دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو:

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

کاش پاکستان کے اربابِ حل وعقد میں ذرا سی بھی اسلامی غیرت وحمیت موجود ہو اور وہ ان حقائق پر ذرا سا بھی غور وفکر کریں اور فی الفور عربی زبان وادب کی تعلیم اور ترویج وتوسیع کی کوشش شروع کر دیں اور عربی زبان جاننے والے جدید علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنے لگیں تو اس شرمناک اور غیرت سوز صورتِ حال کا تدارک باآسانی ہو سکتا ہے۔

جس طرح آج پاکستانی ڈاکٹر سرزمین مقدس حجاز میں پہنچے ہوئے ہیں اگر ہماری تمام تعلیم یافتہ (گریجویٹ) نوجوان بھی عربی زبان وادب سے واقف ہوتے تو مملکتِ سعودیہ عربیہ کے تمام سرکاری محکمے اور تعلیمی ادارے بھی پاکستانی ماہرین سے معمور ہوتے اور اس تعلیمی اور ترتیبی رشتہ اور رابطہ کے بعد دونوں اسلامی ملکوں کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوتی؟ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے، علاوہ ازیں ممالک عربیہ اسلامیہ کی یہ صحیح خدمت انجام دینے کے بعد اغیار کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے بھی جن کا راز اب طشت از بام ہو چکا ہے مملکت سعودیہ اور دوسرے عربی ممالک کو نجات مل جاتی، دین ودنیا دونوں کی وہ حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوتی جس کا تصور کرنا بھی آج مشکل ہے۔

تعلیم جیسی بنیادی واساسی خدمت کی زمام ہاتھ میں آجانے کے بعد عرب ممالک کا نوجوان طبقہ جس کے ہاتھ میں کل حکومتوں کے کلیدی عہدے ہوں گے یورپین ممالک کے بجائے پاکستان ہی کا رہین منت اور اسلامی تہذیب وتمدن سے متاثر ہوتا۔

افسوس کہ ہمارے حکمرانوں کو ملک وملت کے ان اہم ترین مفادات کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنی اغراض وخواہشات (۱) کی بنا پر پاکستان میں عربی زبان وادب اور دینی تعلیم کو کسی بھی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، فیا غربة الاسلام۔

عربی زبان سیکھنے کے لئے جہاں تک معمولی نوشت وخواند کا تعلق ہے، صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے ہاں عربی زبان وادب کی مہارت اور لسانی علوم وفنون صرف ونحو، معانی وبیان وبدیع، لغت واشتقاق ومحاضرات، قرآنی اعجاز (۲) کے حقائق تک پہنچنا اس کے لئے تو بے شک عمریں درکار ہیں اور یہ مرحلہ اتنا مشکل ہے کہ امت محمدیہ کے مخصوص افراد کے حصہ میں بھی بمشکل ہی آتا ہے مشہور ہے کہ قرآنی اعجاز کی نقاب کشائی امت میں صرف شیخ عبدالقاہر جرجانی اور علامہ زمخشری ہی کر سکے ہیں۔

چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ:

"لم يدر إعجاز القرآن إلا الأعرجان"

قرآنی اعجاز کی دقیق معرفت تک دو ہی ہستیاں پہنچیں اور اتفاق دیکھئے کہ وہ دونوں اعرج (لنگڑے) تھے۔

ہمارے شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس اللہ سرہ اس پر ذیل کا جملہ اضافہ فرماتے ہیں:

"احدهما من زمخشر والآخر من جرجان"(۳)

ایک زمخشر کا رہنے والا ہے اور دوسرا جرجان کا۔

بہرحال اگر اب بھی حکومت کے تعلیمی ادارے اور محکمے بی اے یا ایم اے پاس طلبہ کو صرف عربی زبان

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مقالہ "عربی سے معری اسلامیات" از ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب سربراہ شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی، ماہنامہ بینات بابت ماہ ذی الحجہ ۸۵ھ شمارہ: ۲ جلد: ۸۔

(۲) بدقسمتی سے ملک کا ایک مخصوص طبقہ جو "اسلام کی تعبیر نو" کے نام سے "اسلام کا جدید ایڈیشن" تیار کرنے پر تلا ہوا ہے، وہ اس کام پر مامور ہے، عربی زبان وادب اور قرآنی اعجاز پر عمریں یا چند سال یا چند ماہ یا چند ہفتے صرف کرنے تو کجا عربی کی الف، با (ابجد) سے بھی واقف نہیں ہے، اور وہ قرآن کے منصوص احکام کی تہہ میں چھپی ہوئی "علل وغایات" تراش کر قرآنی احکام میں قطع وبرید کر رہا ہے، ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان "متجددین" یا نئے "مجتہدین" کی پول کھولنے کی غرض سے مستشرقین کی ان کتابوں اور حوالوں کی نشاندہی کردیں جو ان کی "علمی تحقیق" کا ماخذ ہیں، وباللہ التوفیق۔

(۳) العرف الشذى على هامش الترمذي، ابواب الطهارة، باب ماجاء في الجنب والحائض انهما لايقرآن القرآن ج:۱ ص:۳۵، ط: قديمی

سکھانے کے لئے ایک عربی زبان کی کلاس تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں کھول دیں اور اس کی تعلیم کے لئے عرب ممالک، شام وعراق واردن ومصر وغیرہ کے ایسے اساتذہ بلائیں جو اردو وانگریزی بالکل نہ جانتے ہوں تو ہمارا تجربہ ہے کہ طلبہ چند ہفتوں میں ہی عربی سمجھنے بولنے پر قادر ہوجاتے ہیں۔

اور فصیح عربی زبان کے مقابلہ پر عوامی بول چال کی عربی تو اور بھی آسان ہے اس میں صرف ونحو کے قواعد کی پابندی نہیں کرنی پڑتی، اگر عربی کو عربی میں پڑھا جائے اور ذراسی لکھنے کی مشق کرائی جائے تو چند ہفتوں میں اچھی خاصی عربی بول چال اور نوشت وخواند کی مہارت پیدا ہوجاتی ہے، خدا کا شکر ہے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ صلاحیت واہلیت موجود ہے کہ وہ اپنے اہتمام وانتظام کے تحت ہر دو قسم کی عربی تعلیم کی خدمت انجام دے سکے اور عربی کو عربی میں پڑھانے والے عرب اساتذہ بھی میسر ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اگر دین کی ضرورت پیش نظر ہو تب بھی عربی علوم سے استغناء ممکن نہیں اور اگر دنیا کے مصالح خصوصاً اقتصادی وسیاسی مفادات پیش نظر ہوں تب بھی عربی زبان وادب سے استغناء صحیح اور معقول نہیں۔

عصری تعلیم کا منتہائے نظر پیٹ کی پرورش ہے اور گرانقدر تنخواہیں اور عہدے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا معراج کمال ہیں، اس سلسلہ میں بھی آج کل ممالک عربیہ اسلامیہ میں ہر قسم کے تعلیمی وتربیتی عہدے اور منصب بآسانی مل سکتے ہیں اور ان ممالک میں تنخواہوں کا معیار بھی کثرت زر کی بنا پر پاکستان سے کہیں اونچا ہے صرف عربی زبان سے واقفیت کی کسر ہے، الیس منکم رجل رشید۔

کیا ہے کوئی ہوشمند درست کارمرد

[محرم ١٣٨٦ھ]

عربی زبان اور اس کی اہمیت

عربی زبان کی دینی اہمیت تو ظاہر ہے کہ اسلام کا بنیادی پیغام قرآن حکیم تمام عالم کے لئے حق تعالیٰ کا آخری پیغام ہے وہ عربی زبان میں ہے، دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں توحید ونبوت کے بعد نماز جو عماد دین ہے اس کے تمام ارکان قرأت، قرآن، اذکار وادعیہ یعنی پوری نماز اول سے آخر تک عربی میں ہے، عیدین وجمعہ کے خطبے عربی زبان میں ہیں، حضرت رسالت پناہ فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات وارشادات کا عظیم الشان ذخیرہ یعنی احادیث عربی میں ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نسبتاً عربی قریشی ہاشمی ہے، بعض روایات میں عربی زبان سے محبت کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ''میں بھی عربی اللسان ہوں، قرآن بھی عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے''۔(١)

---

(١) المستدرك على الصحيحين، فضائل القبائل، فضل كافة العرب، ج: ٤ ص: ٩٧، ط: دار الكتب العلمية

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو اذکار اور دعائیں تلقین فرمائی ہیں جو بجائے خود عجیب وغریب دعائیں ہیں جن میں دین ودنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق دعا ارشاد نہ فرمائی گئی ہو بلکہ دعاؤں کی جامعیت دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کوئی بڑے سے بڑا عاقل انسان بھی اس جامعیت کا تصور تک نہیں کر سکتا جس سے ان کا الہامی ہونا ظاہر ہے اور نبوت کے اعجاز کی مستقل دلیل ہے یہ سب کچھ عربی زبان میں ہے، بزرگانِ دین، صحابہ کرام وتابعین عظام سے لے کر جنید وشبلی تک پھر شیخ عبدالقادر جیلانی اور صاحب حزب البحر وصاحب دلائل الخیرات وغیرہ بقیہ بزرگان دین کی دعائیں اوراذکار اور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے ننانوے مبارک نام بھی عربی میں ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام بھی عربی میں ہیں، غرض کیا کیا چیزیں گنوائی جائیں۔ خلاصہ یہ کہ پورا دین اور دین کے ہر ایک جز کا عربی زبان سے تعلق ہے، اس لحاظ سے ایک مسلمان کا بحیثیتِ دین جتنا تعلق بھی عربی زبان سے ہو بجا ہے، دنیاوی اور سیاسی حیثیت سے بھی اس کی اہمیت بالکل واضح ہے تمام عربی ممالک حجاز مقدس، مکہ، مدینہ، لبنان، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، تیونس، مراکش، بحرین، کویت وغیرہ وغیرہ چھوٹی بڑی بیسیوں ریاستیں عربی قوموں کی ہیں، عربی ممالک ہیں ان سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے اور ان میں اسلامی نفوذ پیدا کرنے کے لئے عربی زبان کی کتنی شدید ضرورت ہے، ان ممالک میں جو عربی لٹریچر، دینی اور سیاسی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو رہی ہیں، رسائل واخبارات کا تو ٹھکانہ ہی نہیں،، ان ممالک کو معلموں کی ضرورت ہے، انجینئروں کی حاجت ہے، ڈاکٹروں کی ضرورت ہے، ان ممالک میں تجارت کے ذرائع پیدا کرنا، کارخانے قائم کرنا، ان ممالک میں عربی زبان میں اپنے سیاسی مقاصد ومفادات کی اشاعت کرنا، انتہائی اہم وقتی تقاضے ہیں۔ ان سب کے لئے عربی زبان کی کتنی شدید ضرورت ہے، علاوہ ازیں ان ممالکِ عربیہ میں دنیا کی ثروت ودولت کا جو سیلاب آیا ہے اس سے بقیہ غیر عربی ممالک اسلامیہ کو مستفید ہونے کے لئے بھی عربی زبان کی کتنی اہمیت ہے، مشرقی دنیا میں انڈونیشیا جو مسلمانوں کی بڑی حکومت ہے وہاں عربی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے، اسی لئے امام شافعی کے مذہب میں تو کچھ نہ کچھ عربی سیکھنا فرض عین کا درجہ رکھتا ہے، بقیہ اماموں مالک وابوحنیفہ واحمد بن حنبل رحمہم اللہ کی نزدیک بھی عربی سیکھنا فرض کفایہ ہے، ادبی حیثیت سے بھی عربی کی خصوصیات بے حد لطیف مگر تفصیل طلب ہیں، کاش ہمارے ملک میں، ہماری یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں اور ان کے اربابِ اقتدار کو اس طرف توجہ ہو جائے اور اس کی اہمیت محسوس کرنے لگیں۔

ہمارے اسلافِ کرام کے علمی وفنی ذخائر، علوم ومعارف کی حیرت انگیز ذخیرے تمام کے تمام عربی زبان میں ہیں، عالم اسلام اور عالم عربی کے اتحاد کے لئے عربی زبان ایک قوی رابطہ ثابت ہو سکتی ہے، ہمارے حکمران دین کے لئے نہیں اپنی سیاسی ودنیوی اغراض کے لئے ہی عربی زبان پر توجہ دیتے تو آج پاکستان اور عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ عربی زبان کی عظمت واہمیت دینی، سیاسی، ادبی ہر جہت سے مسلّم ہے، ہم سے تقاضا ہو رہا ہے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی طرف سے کوئی عربی پرچہ بھی جاری کیا جائے بہت کچھ سوچا لیکن ہماری دینی درس گاہوں کی کم ذوقی وغفلت، ہمارے طلبہ وعلماء کی بے حسی اور عربی زبان سے بے رغبتی یا عدمِ مہارت اس کی اجازت نہیں دیتی تاہم فی الوقت یہ ارادہ کرلیا ہے کہ ''بینات'' میں چار پانچ صفحے عربی مضامین کے لئے مخصوص کئے جائیں لیکن ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی ہوتا ہے کہ عربی اور ادبی ذوق کے مالک حضرات عربی سے لطف اندوز ہوں اور عام قارئین کرام اس کے ترجمہ سے محظوظ ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ]

علماء کی صحبت کے بغیر علم آزمائش وابتلاء ہے

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ صاحب کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کر لیا جائے، معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کے لئے بھی کسی استاذ ورہنما کی ضرورت مسلم، بغیر استاد کے نری عقل وذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا، انجینئری ہو یا ڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت وحرفت کے لئے ابتداء عقل کی رہنمائی کے لئے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے، جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون وعلوم کے حاصل کرنے کے لئے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارفِ انبیاء اور حقائق شریعت کے لئے استاذ ورہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم ومعارف تو عقل وادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربّانی کے ذریعہ سے امت کو پہنچے ہیں، آسمانی تربیت اور ربانی ہدایات وارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اس لئے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی ورہنما جتنا با کمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا، پھر ان علوم نبوت کی غرض وغایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوق خدا کی رہنمائی ہے اس لئے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت واضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے، جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لئے حاصل کرنا ہوتا ہے اس پر شیطان آرام سے بیٹھا رہتا اس کو دخل کی حاجت ہی نہیں نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں آخرت وعقبیٰ اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لئے بے تاب ہوتا ہے، مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد وہدایت، ضلالت میں تبدیل ہوجائے اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے یعنی حق وباطل میں ایسا التباس ہوجائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے، پھر نفس انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں، انسانی فطرت میں کبر وعجب ہے، ریا کاری وحبّ شہرت ہے، حبّ جاہ کا مرض ہے

اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا اس لئے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لئے مدتوں کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب فضل الٰہی شامل حال ہوتو اصلاح ہوجاتی ہے ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے، دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب اذکیاء اور طباع حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدت ذکاوت کی وجہ سے جمہور امت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار ونظریات کا شکار ہوگئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحر وذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرائ کے مرض میں مبتلا ہوئے زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں اس لئے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد ہوجاتے ہیں اور ان کے امت سے مختلف شواذ اور جدید افکار ونظریات کے بھی حامی ہوجاتے ہیں اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے جو شخصیت امت کی ہدایت وارشاد کے کام آسکتی تھی وہ امت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں امام غزالیؒ نے ''مقاصد الفلاسفہ'' میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے علوم، حساب، ہندسہ، عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ ان کے تمام علوم کے معتقد ہوگئے، طبعیات والٰہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہوکر گمراہ ہوگئے۔ امام غزالیؒ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے، بہرحال جب انتہائی علمی قابلیت والے، انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہوسکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو صحبت ارباب کمال سے یکسر محروم ہوں، طباع ذہین ہوں وہ تو بہت جلد اعجاب بالرائ کی خطرناک بلا میں مبتلا ہوکر تمام امت کی تحقیر اور تمام تحقیقات امت کا استخفاف اور تمام سلف صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لے کر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ہے، جو بچپن ہی سے طباع وذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے، ابتدا میں اخبار مدینہ بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' سے وابستہ رہے، پھر چند سالوں کے بعد اخبار ''الجمعیۃ دہلی'' میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، دہلی سے نکلتا تھا غالباً سہ روزہ تھا، تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب وتاب سے نکلتے تھے اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے

ذریعہ ہوتی گئی، والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے بلکہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے، نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے، پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہوگئی اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلات و جرائد سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی، بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے، نہ جدید علم کے گریجویٹ بن سکے، نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہوسکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا، بلکہ بدنصیبی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد و زندیق کی صحبت نصیب ہوئی ان سے دوستی رہی ان کی صحبت و رفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات و میلانات پیدا ہوگئے، حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جاری کیا آب و تاب سے مضامین لکھے، بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی و قلمی چیزیں ابھرنے لگیں، ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی، تحریک آزادی ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی، ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے، مودودی صاحب نے سب سے ہٹ کر اقامتِ دین اور حکومت الٰہیہ کا نعرہ لایا اور تحریک آزادی کی تمام قوتوں پر بھرپور تنقید کی، ان کے بھولے بھالے مداح یہ سمجھے کہ شاید دین قیم کا آخری سہارا بس مودودی صاحب کی ذات رہ گئی ہے، چنانچہ بہت جلد مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور عبدالماجد دریا آبادی کے قلم سے خراج تحسین وصول ہونے لگا، ظاہر ہے کہ اس وقت مودودی صرف ایک شخص کا نام تھا نہ اس وقت اس کی دعوت تھی نہ جماعت تھی نہ تحریک تھی، ان کی تحریرات اور زوردار بیانات سے بعض اہل حق کو ان سے توقعات وابستہ ہوئیں ان کی آمادگی اور چوہدری محمد نیاز کی حوصلہ افزائی سے پٹھانکوٹ میں ''دارالاسلام'' کی بنیاد ڈالی گئی، لیگ و کانگریس کی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی ان کے قلم سے ایسے مضامین نکلے اور سیاسی کشمکش کے نام سے ایسی کتاب وجود میں آگئی کہ ہم نوا حضرات سے اس کو خراج تحسین حاصل ہوا اور سیاسی مصالح نے اس کو پروان چڑھایا لاہور میں اجتماع ہوا اور باقاعدہ امارت کی بنیاد ڈالی گئی اور ان کی ایک لکھی تقریر پڑھی گئی جس میں بتایا گیا کہ امیرِ وقت کے لئے کیا کیا امور ضرور ہیں، ارباب اجتماع میں مشہور شخصیتیں جناب مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی بھی تھے، بڑے امیر منتخب ہوگئے اور چار امراء یہ حضرات امیر ماتحت منتخب ہوگئے، جماعت اسلامی باقاعدہ وجود میں آگئی اس کا دستور آیا اس کا منشور آیا لوگوں کی نگاہیں اٹھیں ہر طرف سے امیدیں وابستہ ہوگئیں لیکن ٦/ ماہ کا عرصہ نہیں گذرا ہوگا کہ مولانا نعمانی، مولانا علی میاں مستعفی ہوگئے اور ان کو ان کی علمی کمزوریاں اور اخلاص کا فقدان نظر آیا ساتھ نہیں دے سکے لیکن ان حضرات نے پھر بھی پردہ پوشی کی اور امت کے سامنے صاف و صریح وجہ علیحدگی ظاہر نہیں فرمائی، میں اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیتا تھا میں نے ان دو بزرگوں سے جدائی کے وجوہ دریافت کئے بہت کچھ کہا لیکن کوئی صاف بات نہیں بتلائی لیکن میں سمجھ گیا مولانا

مسعود عالم مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی کو بہت کچھ معتقدات وطریقہ کار میں موافقت تھی اور یہ دونوں بزرگ عرصہ تک مودودی صاحب کے دست وبازو بنے رہے، مولانا مسعود عالم مرحوم نے عربی ادب کے ذریعہ خدمات انجام دیں اور مودودی صاحب کی تحریرات اور کتابوں کے آب وتاب سے عربی ترجمے کئے اور ادبی تربیت کر کے چند شاگردوں کو بھی تیار کر دیا، مولانا اصلاحی نے اپنے خاص علمی ذوق وانداز سے مودودی صاحب کی تحریک کو پروان چڑھایا اچھے اچھے رفقاء کار، ارباب قلم اور ارباب فن شامل ہو گئے، کمیونزم کے خلاف اور بعض دینی مسائل پر عمدہ عمدہ کتابیں لکھی گئیں، سودخوری، شراب نوشی، پردہ وغیرہ پر اچھی کتابیں آ گئیں، تفہیمات وتنقیحات میں بعض اچھے اچھے مضامین آئے، جدید نسل کی اصلاح کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں، عرب ممالک میں خصوصاً سعودی عرب کو متاثر کرنے کے لئے اور وہاں کے شیوخ کو ہم نوا بنانے کے لیے مختلف انداز سے کام کیا اور کامیاب تدبیریں اختیار کیں اور جو رفقاء کار کے قلم سے معرض اشاعت میں آیا اسے اس انداز سے پیش کیا جاتا رہا کہ یہ سب کچھ مودودی کی توجہات کا رہین منت ہیں، اس سے ان کی شخصیت بنی شروع ہوگئی اور تمام جماعت کے افراد کی تالیفات سے خود وجاہت کا فائدہ اٹھایا، خود عربی لکھنے سے معذور، انگریزی لکھنے سے معذور ہے، نہ عربی لکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے، یہی انگریزی کا حال بھی ہے لیکن جو کتابیں ترجمہ کی گئیں ان کے سرورق پر بھی لکھا گیا ''تالیفات المودودی'' کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ ترجمہ مسعود عالم کا ہے، یا عاصم حداد کا ہے، لوگ یہ سمجھے کہ اردو کا یہ ادیب کیا ٹھکانا، عربی ادب کا بھی امام ہے، لیکن چند دن گذرے تھے کہ مولانا گیلانی مرحوم اور حضرت سید سلیمان مرحوم متنبہ ہو گئے کہ یہ تحریرات جدید فتنہ انگیزی کا سامان مہیا کر رہی ہیں جو کچھ خطابات تھے اور متکلم اسلام وغیرہ القاب تھے اس کو روک دیا اور مولانا گیلانی نے ''صدق جدید'' میں ''خارجیت جدیدہ'' کے عنوان سے تنقیدی مضمون لکھا علمائے کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی، رفتہ رفتہ علماء امت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کو مطالعہ فرما کر ایک مبسوط رسالہ مرتبہ فرمایا لیکن افسوس کہ طبع نہ ہو سکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرس مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب، مودودی صاحب کی طرف مائل ہو گئے تھے ان کی اصلاح کے پیش نظر ایک مکتوب لکھا جو ''فتنہ مودودیت'' کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔

مودودی صاحب کی بہت سی چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سی ناپسند بھی، لیکن عرصہ دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید انداز بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے اگر چہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں ناقابل برداشت باتیں بھی آئیں، لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالمگیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے، صحابہ کرامؓ اور انبیاء کرام

علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے، آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آ گئیں ہیں (واثمهما اكبر من نفعهما) والی بات ہے، اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آ گیا ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کر کے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

[رجب المرجب ۱۳۹۶ھ - اگست ۱۹۷۶ء]

منصب افتاء اور اس کا تقاضہ

افتاء کا منصب بہت رفیع ہے اور جتنا رفیع ہے اتنا ہی دقیق مشکل بھی ہے اس دقیق ورفیع منصب کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مفتی جو کچھ لکھے آخرت کی مسئولیت کے پیش نظر لکھے، خارجی تاثرات، ماحول کے محرکات یا ذاتی رجحانات ومیلانات سے پاک وصاف ہو کر لکھے، صرف حق تعالیٰ کی مرضی مطلوب ہو اور ہر تحریر میں رضاء الٰہی پیش نظر ہو، اس کے بعد تلاش حق کی سعی وکوشش کرے، اور وصول الی الحق میں مطلق تقصیر نہ کرے، عباراتِ فقہاء اور ائمہ کے اقوال میں انتہائی غور وخوض کے بعد اس عزم وارادہ کے ساتھ لکھے کہ اگر غلطی یا خطا ہو گئی تو فوراً رجوع الی الصواب کر کے حق گوئی کا فرض ادا کرے گا، اپنی بات کی پچ اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے گا، الغرض انتہائی بے نفسی، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ قلم اٹھائے، نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اس کو قول فیصل سمجھے، خصوصاً ان حوادث ومسائل میں جو عہد ائمہ میں پیش نہیں آئے یا ائمہ کرام کے صریح اقوال موجود نہ ہوں، ان میں تو انتہائی کوشش ہونی چاہئے کہ فتویٰ اصول دین اور نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو، اسی طرح غیظ وغضب کی یا کسی خاص تاثر کی حالت میں فتویٰ ہرگز نہ لکھے خصوصاً جس صورت میں اختلاف آراء وافکار موجود ہو اور مسئلہ زیر بحث میں تجاذبِ جہات یا تعارض ادلہ کارفرما ہو تو انتہائی احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔

منصب افتاء کا اساسی اصول

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل غیر منصوصہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کی طرف کافی اشارات موجود ہیں اور آخر میں "الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب" (۱) نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی واضح کر دیا ہے کہ اس احتیاط وتورع کا مدار اصلاح قلب پر ہے، جب تک قلب کی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ ج:۱ ص:۱۳، ط: قدیمی

علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے، آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آگئیں ہیں (واثمهما اكبر من نفعهما) والی بات ہے، اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آگیا ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کرکے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہٗ ولی التوفیق۔

[رجب المرجب ۱۳۹۶ھ - اگست ۱۹۷۶ء]

منصب افتاء اور اس کا تقاضہ

افتاء کا منصب بہت رفیع ہے اور جتنا رفیع ہے اتنا ہی دقیق مشکل بھی ہے اس دقیق ورفیع منصب کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مفتی جو کچھ لکھے آخرت کی مسئولیت کے پیش نظر لکھے، خارجی تاثرات، ماحول کے محرکات یا ذاتی رجحانات ومیلانات سے پاک وصاف ہوکر لکھے، صرف حق تعالیٰ کی مرضی مطلوب ہو اور ہر تحریر میں رضاء الٰہی پیش نظر ہو، اس کے بعد تلاش حق کی سعی وکوشش کرے، اور وصول الی الحق میں مطلق تقصیر نہ کرے، عباراتِ فقہاء اور ائمہ کے اقوال میں انتہائی غور وخوض کے بعد اس عزم وارادہ کے ساتھ لکھے کہ اگر غلطی یا خطا ہوگئی تو فوراً رجوع الی الصواب کرکے حق گوئی کا فرض ادا کرے گا، اپنی بات کی پچ اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے گا، الغرض انتہائی بے نفسی، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ قلم اٹھائے، نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اس کو قول فیصل سمجھے، خصوصاً ان حوادث ومسائل میں جو عہد ائمہ میں پیش نہیں آئے یا ائمہ کرام کے صریح اقوال موجود نہ ہوں، ان میں تو انتہائی کوشش ہونی چاہئے کہ فتویٰ اصول دین اور نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو، اسی طرح غیظ وغضب کی یا کسی خاص تاثر کی حالت میں فتویٰ ہرگز نہ لکھے خصوصاً جس صورت میں اختلاف آراء وافکار موجود ہو اور مسئلہ زیر بحث میں تجاذبِ جہات یا تعارض ادلہ کار فرما ہو تو انتہائی احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔

منصب افتاء کا اساسی اصول

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل غیر منصوصہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کی طرف کافی اشارات موجود ہیں اور آخر میں "الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا و هی القلب"(۱) نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی واضح کر دیا ہے کہ اس احتیاط وتورع کا مدار اصلاحِ قلب پر ہے، جب تک قلب کی

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب فضل من استبرأ لدينه ج:۱ ص:۱۳، ط: قديمی

اصلاح نہ ہو، ورع وتقویٰ اور اجتناب عن الشبہات کا امکان نہیں اور در حقیقت منصب افتاء کا اساسی اصول یہی ہے کہ قلب تقی ونقی ہو اور علم کامل اور صحیح تو ان دونوں شرطوں کے متحقق ہونے کی صورت میں غلطی بھی معاف ہے اور اجر کی امید بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کی غیر شرعی تدفین

آج کل حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ کی تدفین کا مسئلہ حضرات مفتیین کے زیر بحث ہے کہ یہ تدفین شرعی ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اس کا تدارک کیا جائے یا نہیں؟ آخر فتاویٰ اور کیفیت تدفین وحقیقت قبر پر غور کرنے کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ غیر شرعی تدفین کو شرعی تدفین اور مواراۃ اور صورت قبر بنا کر اس کو شرعی قبر ثابت کرنے کے لئے تمام کوششیں ہو رہی ہیں، اور کتب فقہ کی ان عبارتوں سے استدلال کیا جا رہا ہے جن سے فتویٰ دینے والوں کے علی الرغم نقیض دعویٰ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

ابتداء میں ہم نے بھی صورت مسئولہ کا جو صاف اور سادہ تھی جواب دے دیا اصلی صورتحال پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا نہ ہی حقیقت حال معلوم کرنے کے وسائل میسر تھے اور استفتاء کے ضمن میں جو روح کارفرما ہے حضرات مفتیین کی عظمت کی بنا پر اس کی طرف خیال بھی نہیں کیا اور دوسرے استفتاء پر بھی حضرات مفتیین کی شخصیتوں کو دیکھ کر تصدیق کر دی لیکن مقتدر علماء کی مطبوعہ تحریروں سے صورت حال معلوم ہونے کے بعد ہمیں غلطی کا احساس ہوا اس لئے بلا تامل رجوع کر لیا گیا لیکن یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کراچی، لاہور، ڈھڈیاں، لائل پور سے لے کر سہارنپور، لکھنو، بجنور، مئو، شاہجہانپور تک جو فتاویٰ کا اور فتویٰ نویسی بلکہ فتویٰ سازی کا جو جال بچھایا گیا سب کو غور سے دیکھا، اقلام سے قلوب تک اور افکار سے اغراض تک جو حقائق ہیں وہ سامنے آئے بجز حیرت وافسوس کیا کیا جا سکتا ہے:

”بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است“

جی نہیں چاہتا تھا کہ ”بینات“ کے صفحات پر یہ دل خراش موضوع زیر بحث آئے بخصوص ”بصائر وعبر“ کی سرزمین میں اس کی تخم ریزی ہو لیکن صورت حال نے مجبور کیا کہ اس فتویٰ نویسی کی وجہ سے جو فضا پیدا ہو گئی ہے اس کا کچھ تدارک کیا جائے اور حضرات مفتیین کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔

کون نہیں جانتا کہ قبر کے معنی یہی ہیں کہ زمین کھود کر اس میں لحد یا شق بنائی جائے، کون نہیں جانتا کہ جہاں تک دفن شرعی اور مسنون طریقے سے ممکن ہو اس کو اختیار کیا جائے جو روز مرہ امت محمدیہ کا تعامل ہے کہ قبر کھود کر مٹی نکالی جاتی ہے اور میت کو دفنانے کے بعد وہی مٹی اوپر ڈالی جاتی ہے، کون نہیں جانتا کہ زمین کھود کر دفن کرنا فرض ہے، بقیہ تفصیلات وکیفیات کچھ واجب، کچھ سنت، کچھ مستحب ہیں، امت اسلامیہ کے علماء نہیں جاہلوں کو بھی یہ

علم حاصل ہے اور تمام امت کا اس پر عمل ہے ان حقائق کے لئے کسی فقیہ امت کی ضرورت نہیں بلکہ تمام صالحین امت اور عوام امت اسلامیہ کا روز مرہ کا یہ معمول ہے، کون نہیں جانتا کہ بلا شدید ضرورت اور مخصوص حالات کے تابوت میں میت کو رکھ کر دفنانا خلاف سنت ہے، سطح زمین پختہ یا خام پر میت کے تابوت کو رکھ کر اور چار دیواری بنا کر باہر سے مٹی لا کر بھرائی کے بعد قبر کی صورت بنا کر کوئی بھی اس کو شرعی تدفین نہیں کہتا، حضرت قطب الارشاد عارف باللہ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری کی تدفین کی جو صورت اختیار کی گئی ہے کچھ اسی طرح کی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

> ''جہاں تک معلوم ہوا زمین کے اوپر اینٹوں کا فرش کر کے اس پر تابوت رکھ کر چاروں طرف دیوار بنا کر اس پر ڈاٹ لگا دی گئی اس کے بعد چاروں طرف دور تک مٹی ڈال کر اور اس سطح کو مسجد کے برابر جو بہت اونچی ہے کر دیا گیا اور اس پر کچی قبر کا نشان بنا دیا''

جناب محترم حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدیر الفرقان رقمطراز ہیں:

> ''تابوت لحد یا شق کی شکل میں زیر زمین دفن نہیں کیا گیا بلکہ زمین کے اوپر کے حصہ میں اینٹوں کے فرش پر دیواروں کے درمیان رکھا گیا اور دیواروں کے اوپر اینٹوں ہی کی ڈاٹ لگا دی گئی اور پھر ہر طرف سے مٹی ڈال دی گئی، پھر تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت اقدس کی تدفین جس طرح ہوئی کاش اس طرح نہ ہوتی اور زیر زمین ہی شق کی شکل بنا کر دفن کیا جاتا، ظاہر ہے کہ غلطی نادانستہ ہی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی غلطیاں اور کوتاہی معاف فرمائیں اور اتباع سنت و شریعت کی توفیق دے''۔

ان دو مستند تحریروں کا مدار بھی جناب مولانا عبد الجلیل صاحب کی تحریر ہی پر ہے، اس سے بڑھ کر صورت حال کی وضاحت کیا ہو سکتی؟ فقہاء امت اور مذاہب اربعہ کی معتمد علیہ کتب کا جو حاصل ہے وہ یہی ہے:

(الف)...... زمین کھود کر قبر بنانا فرض ہے اور قبور کی یہی سنتِ متوارثہ ہے۔

(ب)...... کھودنے کے بعد لحد یا شق کی صورت ہونی چاہیے۔

(ج)...... ''وضع علی الارض'' زمین پر رکھ کر قبر کی تعمیری صورت شرعاً امر منکر اور بدعت ہے۔

(د)...... زمین کھودنے سے جو مٹی نکالی گئی وہی ڈالی جائے اور اس میں باہر کی مٹی ملا لینا بھی خلاف سنت ہے، لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ بعض حضرات نے موجودہ صورت کو شرعی ثابت کرنے کے لئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ان کی شان، ان کے علم، ان کے فہم سے بہت بعید ہے، فقہاء کی تعبیر ''سنة الحفر'' سے حفر کا مسنون ہونا مراد لینا اور ''ابقر مقر المیت'' سے جہاں میت رکھ دی جائے وہ قبر ہے مراد لینا اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ مقصود ستر میت ہے جس طرح حاصل ہو جائے اور ''کیف یواری سوءة اخیه'' سے استدلال کرنا اور نص ''یبحث فی

الارض“ سے اعراض یا اغماض کرنا یوں کہیئے کہ حکمت کو مدار حکم بنانا اور علت سے تغافل کرنا یا حکمت وعلت میں تمیز نہ کرسکنا یا نہ کرنا یا صریح نصوص فقہاء کو نظر انداز کرنا اور کسی مفتی کے قول کو بلا سند پیش کرنا یہ کہاں کا انصاف ہے؟

انا للہ وانا الیہ راجعون

حق تعالیٰ سب کو صحیح فہم اور صحیح علم اور بے لوث حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے، چونکہ اس وقت تک ایک طرف کے فتاویٰ سے تصویر کا ایک ہی رخ سامنے آیا ہے اور عوام کے دلوں میں مختلف شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی امت کے سامنے آئے لہٰذا جو فتاویٰ مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے اس سلسلہ میں لکھے گئے ہیں اس کا شائع کرنا بھی ضروری ہوا اسی شمارے کے ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول

''بینات'' کے گذشتہ شمارے میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں جو گذارش کی گئی تھی اس کے پیش نظر بطور رہنما اصول کے مزید گذارش یہ ہے کہ:

① یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام وہ آخری پیغام حیات وپیغام نجات ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے قانون ہدایت ہے اور ہر دور، ہر ملک، ہر قوم کے لئے اس میں ہدایت کے سرچشمے موجود ہیں۔ مادی وروحانی، شخصی واجتماعی، اقتصادی ومعاشی، ملکی وسیاسی غرض ہر ضرورت کی حاجت روائی کا سامان اس میں موجود ہے اور اس کا دامن ایسے بیش قیمت جواہرات سے پُر ہے کہ سارے عالم کے افلاس کا علاج اس کے خزانہ عامرہ سے ہوسکتا ہے یہی ایک ایسا صالح ترین واعلیٰ ترین نظام ہے جو نسل آدم میں عدل وانصاف ہر مشکل کو آسان کرسکتا ہے۔

② قرآن وحدیث یا کتاب وسنت اس کا بنیادی سرمایہ ہیں، خلافت راشدہ بالخصوص عہد صدیقی وعہد فاروقی اور اس کے بعد عہد اموی اور عہد عباسی میں صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ اجتہاد وائمہ اربعہ، ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رضی اللہ عنہم اور ان کے اقران میں سفیان ثوری، اوزاعی وغیرہ مجتہدین امت وفقہاء اسلام کی مساعی جمیلہ ومبارکہ سے دین اسلام کی تعمیر وتعبیر کا عجیب وغریب نقشہ کامل ترین خوشنما صورت میں محفوظ ہوگیا۔

ان اکابر امت اور فقہاء ملت میں اللہ تعالیٰ نے عظیم ترین اخلاص، اعلیٰ درجہ کا تقویٰ وخشیت الٰہی، علوم دینیہ میں تبحر، دقت نظر، تو قدو ذکاء کے جو کمالات جمع کئے تھے اس وقت کی نسل اس کا ادراک بھی نہیں کرسکتی، قرآن وحدیث کا علم صحیح اور دین اسلام کی مزاج شناسی کا ذوق جو ان کو نصیب تھا آج اس کا احساس بھی مشکل ہے اور انہی کمالات کا نتیجہ ہے کہ ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا لیکن ان کا فیض برابر جاری ہے اور قلوب میں ان کی عظمت اور قدر وقیمت ہنوز موجود ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے ان کی منت پذیری سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور نہ اس عظیم سرمایہ سے امت کسی وقت مستغنی ہوسکتی ہے۔

③فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اور جہاں اس کی حفاظت کی ضرورت ہے، ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ہمارا فرض ہے، منتفع ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو بہت سے جدید مسائل پیدا کردیئے ہیں اب اسی فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہیے، اس سرمایہ کے ہوتے امت کو نہ جدید مستقل اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اس کا امکان، اس عظیم الشان ذخیرہ میں بحث وتلاش اور غور وخوض کے بعد جدید مسائل کے حل کرنے کا بہت سامان مل جائے گا ورنہ زیادہ سے زیادہ بعض جزوی مسائل میں علماء امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر جدید اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔

④ گذشتہ شمارے میں جو معجم طبرانی کی حدیث پیش کی تھی اس سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

الف۔ جدید مسائل ایسے ضرور پیدا ہوں گے جن میں قرآن وحدیث کا صاف وصریح فیصلہ نہ ہوگا۔

ب۔ علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہے کہ اس کا حل پیش کریں۔

ج۔ علماء انفرادی رائے اور شخصی رائے سے اجتناب کریں اور باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں۔

د۔ ان علماء میں دو شرطیں ضروری ہیں، ان کے دلوں میں خوف خدا ہو اور تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

اس حدیث نبوی نے ان علماء امت کو جدید مسائل کے فیصلہ کرنے کا مکلف بنایا ہے جن میں اخلاص وتقویٰ اور عبادت گذاری کی روح موجود ہو اور غور وخوض وباہمی مشورہ کرنے کی اہلیت ہو۔

⑤اس میں شک نہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو بقول امام شمس الدین ذہبی ''فقیہ ملت'' ہیں اور بقول صفی الدین خزرجی ''فقیہ امت'' ہیں۔ (۱)

ان کی فقہ جامع ترین فقہ بلکہ فقہ اسلامی کی روح ہے کہ جس کی روشنی میں بقیہ ائمہ نے اپنی اپنی فقہ کی ترتیب وتدوین کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو مسائل اپنے اصحاب وتلامذہ کو املاء کروائے ہیں ان کی تعداد صاحب عنایہ شارح ہدایہ نے چوتھی صدی کے ایک محقق کے قول کے مطابق بارہ لاکھ ستر ہزار سے زائد بتلائی ہے۔ اگر امت کو یہ سارے مسائل پہنچ جاتے تو شاید بہت سے جدید مسائل حل ہوجاتے، فقہ حنفی کی اسی ہمہ گیری کو دیکھ کر مشہور محقق مورخ ابن خلدون باوجود مالکی المذہب ہونے کے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کی سرزمین اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھی اس لئے جو پختگی حنفی فقہ کو نصیب ہوئی وہ فقہ مالکی کو نصیب نہ ہوسکی اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام شعرانی شافعی اپنی کتاب المیزان میں اپنے اس کشف کا ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب سب مذاہب سے آخر تک رہے گا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس مذہب میں اس کی زیادہ اہلیت ہے کہ جدید نظام کے مسائل پوری طرح حل کرسکے تاہم بہت سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جن کا ذکر موجودہ فقہ حنفی

---

(۱) ملاحظہ ہو کتاب العبر للذہبی والخلاصہ للخزرجی

کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں ملتا اور فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں مل جاتا ہے، اس لئے اس سلسلہ میں جو بات فکر ناقص میں آئی ہے وہ عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں اور علماء امت کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ اگر وہ صحیح نہ ہو تو ضرور اپنی مخلصانہ تنقید سے سرفراز فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

⑥ مبسوط، بدائع، قاضی خاں سے لے کر طحطاوی، ردالمحتار اور التحریر المختار تک کتب فقہ حنفی کی ورق گردانی کرنے کے بعد بھی اگر مسئلہ ہاتھ نہ آئے تو امہات کتب مذاہب ثلاثہ کی ورق گردانی کرنی ہوگی فقہ مالکی میں مدونہ کبری سے لے کر حطاب تک۔

اور فقہ شافعی میں کتاب الام سے لے کر تحفۃ المحتاج تک کی مراجعت کرنی ہوگی، حکومت سعودی کی عنایت وتوجہ سے فقہ حنبلی کا عظیم الشان ذخیرہ طبع ہو کر امت کے سامنے آ گیا ہے اس کے لئے مغنی لابن قدامہ المحرر اور الانصاف کی ورق گردانی کافی ہوگی۔ الغرض اگر مسئولہ ومطلوبہ مسئلہ ان کتب میں مل جائے تو اس پر فتوی دے دیا جائے، جدید اجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں اور اگر مسئلہ صراحۃً نہ ملے تو ان مسائل مصرحہ پر قیاس کرنے میں مضائقہ نہ ہوگا بشرطیکہ قیاس مع الفارق نہ ہو جس کا فیصلہ خود علماء کرام فرمالیں گے کہ یہ قیاس کس درجہ میں ہے۔

⑦ اگر مسئلہ مطلوبہ سب فقہاء کے ہاں ملتا ہے لیکن حنفی مذہب میں دشواری اور بقیہ مذاہب میں نسبتاً سہولت ہے اور عوام کا عام ابتلاء ہے تو اخلاص کے ساتھ جماعت اہل علم غور کرے ان کو یقین ہو جائے کہ عموم بلوی کے پیش نظر عصر حاضر میں دینی تقاضا سہولت وآسانی کا مقتضی ہے تو پھر مذہب مالک، مذہب شافعی، مذہب احمد بن حنبل کو علی الترتیب اختیار کرکے اور اس پر فتوی دے کر فیصلہ کیا جائے۔

ہمارے عصر حاضر کے اکابر نے فسخ نکاح کی مشکلات کو اسی طرح حل کیا ہے اور متاخرین حنفیہ نے مسئلہ مفقود الخبر میں بھی ایسا ہی کیا ہے البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہوگا، اور تتبع رخص کو مقصد نہ بنایا جائے گا۔ مثلاً مسائل معاملات میں بیع قبل القبض ہے کہ آج کل تمام تاجر طبقہ اس میں مبتلا ہے اب اس کی صورت حال پر غور کر کے پوری طرح جائزہ لیا جائے کہ اگر یہ ابتلاء واقعی ہے اور موجودہ معاشرہ مضطر ہے اور بغیر اس کے چارہ کار نہیں تو مذہب مالکی پر فتوی دے دیا جائے کہ عدم جواز بیع قبل القبض مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مسئلہ میں مذہب حنبلی بھی مذہب مالکی جیسا ہے اور حدیث میں صراحۃً طعام ہی کا ذکر ہے نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام قبل ان یستوفیہ(١) (سنن) امام ابوحنیفہ وامام شافعیؒ نے طعام پر بقیہ چیزوں کو قیاس کر کے منع

---

(١) سنن الترمذی، ابواب البیوع عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع الطعام حتی یستوفیہ ج:١ ص:١٥٥، ط: فاروق کتب خانہ ملتان. سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی ج:٢ ص:٤٩٣، ط: حقانیہ پشاور. سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، النھی عن بیع الطعام قبل مالم یقبض ص:١٦١، ط: قدیمی

کر دیا ہے۔

⑧ خلافیاتِ ائمہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ اختلاف کا منشا نصوص کا تعارض ہے یا قواعد فقہیہ کا اختلاف یا یہ محض اجتہادی وجوہ کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جو الہامی رائے فیوض الحرمین میں منقول ہے کہ ائمہ احناف کے اختلافات میں ترجیح کا معیار کیسے قائم کیا جائے اس کو پیش نظر رکھنے سے موجودہ خلافیات میں رہنمائی مل سکے گی، نیز اختیارات علماء کا سلسلہ جو مختلف ادوار میں جاری رہا اسکو نظیر بنایا جا سکے گا، عرف و حالات کے اختلافات سے جو اثرات ہوں گے ان کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا مثلاً تعلیم القرآن، پھر اذان و امامت پھر تدریس حدیث علوم دینیہ پر معاوضہ یا مشاہرہ لینے میں قدماء و متاخرین کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے جو اختلاف رہا یہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

⑨ جن مطلوبہ احکام کا فیصلہ کرنا ہوگا ان میں طبقات و مراتب قائم کرنے ہوں گے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مسائل موجودہ معاشرے کے لئے کس درجہ میں مطلوب ہیں کیا ان کے بغیر نظام نہیں چل سکتا؟ یا چل تو سکتا ہے کہ لیکن کسی قدر دقت پیدا ہوگی پھر اس دقت پر غور کرنا ہوگا کہ وہ دقت کس درجہ کی ہے؟۔

⑩ معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے موجودہ ملک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا کہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے یہ ملک دارالاسلام ہے یا دارالامان یا دارالحرب ہے؟ دارالاسلام کا اصلی مدار فصل خصومات پر ہے کہ پورا قانون تعزیرات و حدود و محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں اور معاملات و عقوبات کا قانون مکمل اسلامی ہو۔ تعزیرات و حدود قانون اسلامی کے مطابق جاری ہوں۔ اسی طرح موجودہ نظام حکومت کا جائزہ لینا اور اس پر غور کرنا ہوگا کہ یہ کس قسم کی حکومت ہے۔ اسلامی قانون کے نفاذ پر صرف قدرت ہی کافی ہے یا عملی طور پر اس کی تنفیذ بھی ضروری ہے؟ عرصہ دراز تک باوجود قدرت قانون اسلامی جاری نہیں کیا گیا تو اس کے عوامل و اسباب کیا ہیں؟ اور سابقہ دارالحرب یعنی عہد برطانوی کا دارالحرب تقسیم ہو کر دو حصے بنے، ایک حصہ یقیناً اب بھی دارالحرب ہے، دوسرا حصہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی سے کیا دارالاسلام بن جائے گا؟ یعنی قانون تو نہیں بدلا مگر قانون کے چلانے والے بدل گئے تو کیا اس لئے حکم بدل جائے گا، پھر جبکہ عہد حاضر میں عائلی قانون کے نام سے صراحۃً کتاب و سنت کے خلاف قانون بنایا گیا صریح خلاف قرآن قانون بننے کے بعد بھی فقہاء اسلام کے مسائل کے مطابق یہ دارالاسلام ہی رہے گا؟ الغرض اس امر کے فیصلہ کرنے کے بعد معاملات کا شرعی فیصلہ ممکن ہو سکے گا۔ عقود فاسدہ، ربا، بیمہ ان سب مسائل کے صحیح حل کرنے کے لئے اس ملک و حکومت کے متعلق شرعی و فقہی فیصلہ کرنا ہوگا اور یہ غور کرنا ہوگا کہ موجودہ حزب اقتدار آخر اسلامی قانون کے نافذ کرنے سے گریز کیوں کرتا ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ ان کی نفسیاتی خواہشات کی تکمیل میں یہ قانون حائل ہے؟ یا وہ عقیدۃً اسلامی قانون کو موجودہ زمانے کے لئے غیر صالح اور ناکافی سمجھتا ہے ان سب گوشوں پر غور کرنا اور ان سب حالات کا جائزہ لینا ہوگا جب جا کر صحیح فیصلہ ہو

سکے گا اور جب اس حکومت یا اس ملک کی فقہی و شرعی حیثیت متعین ہو جائے گی تو پھر ان معاملات کے احکام کا صحیح فتویٰ دیا جاسکے گا جن کا حکم اختلاف دار سے مختلف ہو سکتا ہے۔

یہ چند مختصر اشارے ہیں جن کی حیثیت ایک مختصر ''متن'' کی ہے اور اس کی تشریح ایک مفصل مضمون کی محتاج ہے لیکن چونکہ اصلی مخاطب علماء کرام ہیں ان کی خدمت میں یہ اشارات بھی کافی ہوں گے۔

میری خواہش ہے کہ علماء کی خدمت میں ان موضوعات کو بھی آئندہ پیش کیا جائے جن پر ان کو غور کرنا ہوگا اور جب تک اجتماعی فیصلہ کا موقع نہ آئے اس سے پہلے انفرادی طور پر ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش انہی اصول کے پیش نظر کریں۔ مقصود تین باتیں ہیں:

الف۔ اللہ کا یہ دین کامل اور ہر معاشرے کے لئے صالح و موزوں ہے۔

ب۔ اسلام کو مشکل سمجھ کر اور ناممکن العمل خیال کر کے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

ج۔ جو فریضہ علماء امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے ان سے سبکدوش ہو جائیں نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ تتبع رخص پر قوم کو آمادہ کرنا ہے نہ ترک تقلید کی بنیاد رکھنا ہے، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ قرآن وسنت اور اس کے بعد فقہ اسلامی اور تفقہ فی الدین کے ذریعہ سارے مشکلات حل ہو سکتے ہیں اور فقہاء اسلام اور فقہ اسلامی سے بے نیاز ہو کر دین اسلام کی حفاظت کی تدبیر طفلانہ خیال ہے۔ فقہاء کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے ایک ہزار برس کے بعد بھی دنیا ان کی جلیل القدر حیرت انگیز خدمات سے مستغنی نہیں ہو سکتی بلکہ قیامت تک ان کی منت پذیر رہے گی۔ الدين النصيحة لله ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم۔ (مسلم عن تميم الداری)(۱)

[ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ۔ ستمبر ۱۹۶۳ء]

علماء امت کے لئے لمحہ فکریہ...... عصر حاضر کا اہم تقاضا

قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل

یوں تو آئے دن اتنے علمی و عملی فتنے ظاہر ہو رہے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے:

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈا چلا آ رہا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رکے گا۔ رسائل ہیں، اخبارات ہیں، ریسرچ کے انسٹی ٹیوٹ ہیں، ثقافت کے ادارے ہیں، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان ان الدين النصيحة ج: ۱ ص: ٥٤، ط: قديمی

عقائد اسلامیہ پر حملے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت پر زور ہے، کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جواز سود و تحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں رقص و سرود کو جائز کرنے کے لئے تحقیقات ہو رہی ہے، کہیں تعزیرات و حدود پر ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے، کہیں سلف صالحین سے بدظن کرانے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ الغرض کہیں مستشرقین مصروف عمل ہیں تو کہیں ملاحدہ و زنادقہ اسلام سے برسرپیکار ہیں، اندر باہر، عوام و خواص، راعی و رعیت سب ہی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اس آخری نعمت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش جاری ہے، مقصد حیات صرف مادی آسائش ہے، نہ آخرت کا تصور نہ حساب و کتاب کی فکر، سارے نظام کا محور صرف پیٹ ہے اور بس! اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ جن حضرات میں ان فتنوں کے دفاع کی صلاحیت و اہلیت ہے وہ یا تو بالکل غافل و خاموش ہیں یا ان کے وسائل اتنے محدود ہیں کہ اگر کچھ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ فانا لله وانا اليه راجعون:

مصائب شتى جمعت فى مصيبة
و لم يكفها حتى قفتها مصائب

کتنے ہی منتشر مصائب ایک مصیبت میں آ کر جمع ہو گئے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں آ رہی ہیں۔

علماء امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی ان ہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کے تمدن و تہذیب نے جو نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان پر غور کر کے ان کا حل تلاش کیا جائے۔ آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر اس خیالِ خام میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرے کی مشکلات کے حل کے لئے کافی نہیں، لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں: ایک حصہ وہ ہے جو قرآن و سنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے یہ تمامتر اس علیم و قدیر اور حکیم و خبیر رب العالمین کا ابدی اور دائمی قانون ہے، جس کا علم بھی ہر شے کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی اور اس کی قدرت بھی کامل ہے، چنانچہ اس نے اپنے علمِ محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام امراض روحانی کے لئے ایسا نسخۂ شفا اتارا ہے کہ جس میں نہ کسی ترمیم و اصلاح کی گنجائش ہے نہ کسی ادنیٰ سی تبدیلی کی۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو علماء امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم و سنت نبویہ سے استخراج و استنباط کر کے مرتب فرمایا ہے اس کے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں، معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اس عہد سے تھا، مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے پہلے ہی ایسے اصول و قواعد مرتب فرما گئے کہ قیامت تک آنے والے اہل علم کو ان سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہے گا اور انہی اصول و قواعد

کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات حل ہوسکیں گی۔ ظاہر ہے کہ جتنا تمدن ترقی کرے گا اتنے ہی جدید مسائل پیدا ہوں گے اور غیر اسلام ملکوں سے تعلقات و روابط جتنے زیادہ پیدا ہوں گے نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہے گا۔ مسلمانوں میں اب بھی ایک بہت بڑا طبقہ ایسا موجود ہے کہ اگر تجارت و معاملات میں اسلامی اصول کی روشنی میں ان کے مشکلات کو حل کردیا جائے اور فقہی قوانین سے ان کو ایسی تدابیر بتلادی جائیں کہ جن کی بنا پر وہ شرعی حدود کے دائرہ سے باہر قدم نہ ٹال سکیں تو نہایت خوشی سے اس پر لبیک کہیں گے اور بدل وجان ان تدابیر پر عمل کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانے میں اجناس واقعات اور نوازل کے عنوان سے روزمرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کو حل کیا، ٹھیک اسی طرح موجودہ فقہا بھی جدید نوازل و واقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی روشنی میں تلاش کریں جدید تمدن سے بھی فقہ کے ہر باب میں نماز روزہ سے لے کر معاملات و معاشرت تک جدید سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔

اس لئے علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض ہے کہ جلد سے جلد ان نئے پیدا ہونے والے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کرکے مسلمانوں کے دیندار طبقہ کو مطمئن فرمائیں اور جدید نسل کو باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ہماری شریعت زمان ومکان کے قیود سے بالاتر ہے۔

”بینات“ کے آئندہ شمارے میں انشاء اللہ ایک اجمالی فہرست ان مسائل کی پیش کرکے اس سلسلہ میں اہل علم کی خدمت میں چند رہنما اصول بھی پیش کروں گا تاکہ ان کی روشنی میں غور وخوض کرسکیں۔ بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا کہ وہ وقت کے جامع ترین علماء اور قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین کو جن کا تقویٰ واخلاص مسلم ہو، جن کے تدین پر امت کو اعتماد ہو جن کی زندگیاں ”قال اللہ وقال الرسول“ میں گذری ہوں جن کے ذہنوں میں توقد وذکا ہو، جن کی طبیعتوں میں استقامت واستقلال ہو، جو خواہشات وتاثرات سے بالاتر ہوں، جن کے دلوں میں مخلوق خدا کا درد ہو، جو دنیا کی مشکلات سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں اور جن میں مؤثر تعبیرات اور عام فہم تحریر کا ملکہ ہو، ان کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی اور ان کی رفاقت میں عصر حاضر کے دیندار قانون دان طبقہ کو شامل کرتی اور فقہ اسلامی کے شعبہ میں تمام ممالک اسلامیہ میں اب تک جتنا کام ہوا ہے وہ سب ان کے پیش نظر ہوتا خواہ وہ مصر وشام میں ہوا ہو یا مغرب اقصیٰ کے ممالک میں، اور پھر اس طرح قدیم وجدید سے فقہِ اسلامی کی مہارت ومعلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

افسوس کہ حکومت پاکستان ادارہ اسلامیات کراچی وغیرہ پر سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کررہی ہے مگر اس

امر پر اس کی توجہ نہیں۔ ان اداروں میں ایک بھی نہ متدین عالم ہے نہ اسلامی علوم کا ماہر خصوصی، بجائے اس کے کہ وہ کچھ کام کرتے ان کا وجود ان کی کوششیں خود دین اسلام کے لئے عظیم الشان فتنے کی صورت اختیار کرچکی ہیں۔

فیاغربة الاسلام و یاخیبة المسلمین!

موجودہ صورت حال میں جب حکومت اس طرف متوجہ نہیں تو پھر دیندار مالدار طبقہ کو چاہئے تھا کہ اس خدمت کو بجالانے کے لئے کوئی اقدام کرتا اور علماء کے مشورہ سے اس مقصد کے پیش نظر اہل افراد کا انتخاب کر کے فکر معاش سے ان کو ہر طرح مطمئن کرا کر اسی کام کے لئے فارغ کرتا اور اس طرح ایک ''مجلس الفقہاء والعلماء'' کی تشکیل ہوتی کہ جس میں محققین اہل علم باہمی مشاورت اور بحث وتمحیص سے ان مسائل کو حل کرتے شخصی رائے کتنے ہی غور وخوض کے بعد قائم ہو پھر بھی وہ شخصی رائے ہی رہے گی، ان مشکلات کے حل کے لئے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اکابر صحابہؓ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی شخصیت ہے جس نے اجتہادی مشکلات کے حل کرنے کے لئے اپنے وقت کے ممتاز ترین چالیس افراد پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل کی اور ایک طویل مدت تک فقہی مسائل کے استنباط اور اجتہادی احکام کی تدوین کی خدمت انجام دیتے رہے، اسی لئے جو پختگی اور قبول عام اس مذہب کو ہوا اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ خلافتِ عباسیہ سے لے کر خلافت عثمانیہ کے اختتام تک جو بارہ سو برس کا طویل زمانہ گذرا ہے اس میں یہی مذہب حنفی تھا جس کی روشنی میں خدا کی مخلوق کے مشکلات حل ہوتے رہے اور ان خلافتوں میں بھی فقہ حنفی ملک کا قانون بنا رہا۔

لیکن جب کہ ہماری حکومت اور ہمارے ملک کے مسلمانوں کا مالدار طبقہ بھی اس فرض سے غافل ہے تو اب خالصۃً یہ فریضہ علماء امت کے ذمہ آجاتا ہے۔ خصوصاً ان مدارس کے ارباب اہتمام کے ذمے کہ جو اپنے مدرسوں میں ہزارہا روپے سالانہ خرچ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مناسب مشاہرات پر اچھے اچھے فضلاء کو رکھ سکتے ہیں۔ اگر ان عربی مدارس میں سے ہر مدرسہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کرے اور پھر اپنا ایک نمائندہ منتخب کرے تو کیا اچھا ہو جو کام ارباب حکومت لاکھوں روپے کے صرف سے بھی انجام نہیں دے رہی وہ علماء کا یہ غریب ومفلس اور نادار طبقہ تھوڑے سے خرچ پر بآسانی کرسکتا ہے، جامعہ علوم اسلامیہ کراچی، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار، خیرالمدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ، جامعہ امدادیہ کشور گنج ڈھاکہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام، مدرسہ اسلامیہ جیری چاٹگام، جامعہ اسلامیہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ وغیرہ وغیرہ اگر یہ مدارس اس مقصد پر متفق ہوجائیں تو یہ عظیم الشان کام ان شاء اللہ بہت جلد انجام پذیر ہوسکے گا اور بآسانی یہ مشکل حل ہوجائے گی۔

آخر میں اپنی یہ مختصر گذارش حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس سے ان مشکلات کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے:

”عن علیؓ قال: قلت یارسول الله، ان نزل بنا امر لیس فیه بیان امر و لا نهی فما تأمرنی؟ قال ”شاوروا فیه الفقهاء والعابدین و لا تمضوا فیه رأی خاصة“.(١)

(رواه الطبرانی فی الا وسط ورجاله موثقون من اهل الصحیح.(مجمع الزوائد ج:١ ص:١٧٨)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقہاء و عابدین سے مشورہ کرکے فیصلہ کیا کریں شخصی رائے کو دخل نہ دیں۔

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کے شرائط بھی معلوم ہوگئے ① ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو ② صالح و متقی اور عبادت گذار ہوں، والله سبحانه هو الموفق۔

[ربیع الاول ۱۳۸۳ھ-اگست ۱۹۶۳ء]

اہل علم و اہل قلم حضرات کا فریضہ

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس میں ارباب علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کررہے ہیں اور اربابِ جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں، ہر صاحب قلم، صاحب علم بننے کا مدعی ہے، کتابوں کے اردو تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے افسوس کہ عصرِ حاضر میں ”واثمهما اکبر من نفعهما“ کا مصداق بنتے جارہے ہیں جن کا ضرر و نقصان فائدہ و نفع سے کہیں بڑھ گیا ہے، دور حاضر جہاں مختلف فتنوں کی آماجگاہ ہے، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے گوئے سبقت لے جارہا ہے۔(٢)

علمی میدان ان حضرات کا نہ صرف بہت محدود و تنگ ہے بلکہ ہے ہی نہیں۔ اردو کے تراجم سے کچھ سطحی معلومات حاصل کرکے ہر شخص دور حاضر کا مجتہد بنتا جارہا ہے اور ”اعجاب کل ذی رأی برایه“ (ہر شخص اپنی

---

(١) المعجم الاوسط للطبرانی ج:٢ ص:١٧٢، ط:دارالحرمین القاهرة. مجمع الزوائد ج:١ ص: ٢١٧، ط: دارالفکر بیروت

(٢) ایک حدیث میں جسے درمنثور (ص:۵۵ ج:۶) میں بحوالہ مسند احمد، الادب المفرد للبخاری اور مستدرک حاکم بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے کے چھ فتنوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک ”فشو القلم“ یعنی قلم کا طوفان ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں آج طوفان قلم کی فتنہ سامانی کا اندازہ ہر عاقل کرسکتا ہے۔ (مدیر)

رائے کو پسند کرتا ہے) اس فتنے نے مزید ''کریلا اور پھر نیم چڑھا'' والی مثل صادق کردی ہے اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم کرا کر فتنہ کو اور بڑھا دیا ہے، غرض کہ فتنوں کا دور ہے ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف سے فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں۔ ان فتنوں کے سدباب کے لئے مستقل اداروں کی ضرورت ہے جن کا اساسی مقصد صرف یہی ہو کہ ان تراجم کا جائزہ لیا جائے اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو، اربابِ جرائد ومجلات کا مقصد محض تجارت ہے اور اربابِ قلم کا مقصد محض شہرت ہے یا پھر کچھ مادی منفعت بھی پیشِ نظر ہے، انہی قلمی واخباری فتنوں میں سے ایک زرعی اصلاحات کے عنوان سے زرعی مشکلات کو حل کرنے کے سلسلہ کے مضامین ہیں جو آئے دن اخبارات میں نکلتے رہتے ہیں۔

بلاشبہ علمی ودینی نقطہ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اسلامی احکام کی روشنی میں اگر صحیح متفقہ حل پیش کیا جائے تو کمیونزم کا سدباب ہوسکتا ہے، دنیا کی مادی بنیادیں دو ہیں جن پر معاش ومعیشت کا دارومدار ہے، ایک زراعت اور ایک صنعت وتجارت دونوں چیزیں حیات انسانی کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں اس لئے دین اسلام نے ان کے احکام پورے طور پر بیان کردیئے۔

قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں ان کی تفصیلات موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مفکرین اربابِ دین وارباب علم جن کی علمی زندگیاں انہی بادیہ پیمائیوں میں گذری ہیں اور جن کی بے لوث زندگیاں اخلاص وتقوی سے معمور ہیں اور جن کی فکری واجتہادی صلاحیتیں مسلم ہیں جلد سے جلد کسی مرکز میں بیٹھ کر وفاقی اجماعی حل پیش کریں، شخصی طور پر اس پچاس سال میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے چند ماہ پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے چند ممتاز افراد کو جمع بھی کیا تھا لیکن تکمیل سے پہلے حضرات منتشر ہوگئے کام ادھورا رہ گیا، حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ جلد سے جلد یہ کام انجام پذیر ہو اور نہایت خوش اسلوبی سے منصۂ شہود پر امت کے سامنے آجائے، اگرچہ اربابِ اقتدار آج کل اتنے جری ہوگئے کہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہر حکم نافذ کرتے ہیں اور اسلام کے ادعاء کے باوجود ہر قید وبند سے آزاد ہوکر احکامات صادر فرماتے رہتے ہیں، ان حالات میں بے چارے اہل علم یا اربابِ دین کی باتوں کو وہ کہاں درخورِ اعتناء سمجھتے ہیں لیکن بارگاہ ربوبیت میں اپنی مسئولیت پوری کرنے کے لئے ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ- جون ۱۹۷۲ء]

تصویر سازی اور اسلام

اسلام دین قیم ہے، اس نے کفر وشرک، بدعت وضلالت اور کجراہی وگمراہی کا ایک ایک کانٹا چن چن کر صاف کردیا تمام اولادِ آدم کو ایک صاف سیدھا اور نکھرا ہوا صراط مستقیم عطا کیا جس پر چل کر وہ امن وامان اور راحت وعافیت کی زندگی بسر کرسکے اور مرنے کے بعد قرب ورضا اور جنت ونعیم کی وارث بنے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [القصص:٨٣]

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں سرکشی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

اسلام نے انسانیت کے اعمال واخلاق کے تزکیہ کے لئے شر وفساد کے تمام راستوں کو مسدود کردیا، شرک جو اسلام کی نظر میں سب سے بڑا ظلم ہے تاریخ شاہد ہے کہ وہ دنیا میں مجسموں، مورتیوں اور تصویروں اور فوٹوؤں کے راستہ سے آیا تھا اس لئے اسلام نے اس منبع کفر وشرک کو حرام اور تصویر سازوں کو ملعون اور بدترین خلق قرار دے کر اس راستہ کو بند کیا، صحیحین میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال میں ایک دفعہ ازواجِ مطہرات آپ کے پاس جمع تھیں کسی تقریب سے ''ماریہ'' نامی کنیسہ (گرجا) کا ذکر چھڑا، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کو چونکہ ہجرت حبشہ کے دوران اس کے حالات معلوم کرنے کا موقعہ ملا تھا اس لئے ان دونوں حضرات نے اس کے حسن تعمیر اور وہاں کی آراستہ تصویروں کا تذکرہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن رہے تھے بستر علالت سے سر اٹھایا اور فرمایا:

''اولئك اذامات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا به تلك الصور اولئك شرار خلق الله''.(١)

ان لوگوں میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنا لیتے پھر ان تصویروں سے اسے آراستہ کرلیتے تھے یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین قسم کے لوگ ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے گھر میں ایک طاقچہ پر کپڑے کا پردہ لٹکا دیا جس میں تصویریں بنی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو چہرہ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے اور نہایت نفرت کے لہجہ میں فرمایا:

''یا عائشة ان اشد الناس عذابًا عند الله یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله''(٢)

عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق یہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں ریس کرتے ہیں۔

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية ج:١ ص:٦١
ايضا كتاب الجنائز، باب ذكر شرار الموتى ج:١ ص:١٨٧، ط: قديمي

(٢) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ما وطى من التصاوير ج:٢ ص:٨٨٠، ط: قديمي.
الصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب تحريم صورة الحيوان ج:٢ ص:٢٠١، ط: قديمي

صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث میں ہے:

"ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون"(۱)

یقیناً سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق قیامت کے دن تصویر ساز ہوں گے۔

اور صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں بہت سی احادیث صحیحہ مبارکہ موجود ہیں جو جاندار چیزوں کی تصویر سازی کی حرمت اور ملعونیت کو بیان کرتی ہیں اور تمام فقہائے امت نے متفقہ طور پر جاندار چیزوں کی تصاویر کو حرام قرار دیا ہے۔

تصویر اور فوٹو ایک وبائی فتنہ

بدقسمتی سے عالم کی زمام قیادت کافی عرصہ سے ناخداشناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے جن کے یہاں (الا ماشاءاللہ) دین ودیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور شرم وحیا، عفت وعصمت، غیرت وحمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے، ان کے نزدیک فکر وفن اور دغا وفریب کا نام "سیاست" ہے انسانیت کشی کے اسباب ووسائل کا نام ترقی ہے، فواحش ومنکرات کا نام آرٹ ہے، مرد وزن کے غیر فطری اختلاط کا نام روشن خیالی اور خوش اخلاقی ہے، پردہ دری اور عریانی کا نام ثقافت ہے اور پس ماندہ ممالک ان کی تقلید، اندھی تقلید اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لئے آج سارے عالم میں فتنوں کا دور دورہ ہے اور شاید یہ دجال اکبر کے دجالی فتنہ کی تیاری ہورہی ہو، خصوصاً عالم اسلام ہر معصیت ہر فتنہ اور ہر برائی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آئے دن کے ان ہزاروں فتنوں میں ایک فوٹو کا فتنہ ہے جہاں دیکھیں فوٹو اگرفر موجود ہیں، دعوت وضیافت ہو یا مجلس نکاح، اجلاس عام ہو یا پرائیویٹ اجتماع، ہر جگہ فوٹو گرافر موجود ہوگا اور کیمرہ سامنے، اس معصیت نے وبائی فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے جس سے بچنا دشوار ہوگیا ہے، کوئی بالارادہ بچنا بھی چاہے تب بھی اسے معاف نہیں کیا جاتا، بے خبری میں اس کا فوٹو بھی لے لیا جاتا ہے اور دوسرے دن اخبارات کے صفحات پر دنیا کے سامنے پیش بھی کردیا جاتا ہے، آج ان فوٹو گرافروں، کیمرہ بازوں اور اخبار نویسوں کے طفیل عریاں غلاظت کے انبار ہمارے گھروں میں داخل ہورہے ہیں اور اس سے پورا معاشرہ متاثر بلکہ متعفن ہورہا ہے، مگر حیف ہے کہ اس پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں، ستم یہ کہ اس عمومی اور عالم گیر صورت نے عام طبقہ کے ذہن سے یہ خیال ہی ختم کردیا ہے کہ یہ بھی کوئی ناجائز کام یا معصیت اور گناہ ہے، کیونکہ برائی کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہوجاتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہوجاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت وحقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جاپہنچتی ہے

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورة الحیوان ج:۲ ص:۲۰۱، ط: قدیمی۔
مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود ج:۱ ص:۳۷۵، ط: عالم الکتب بیروت

کہ وہ معیار شرافت بن جاتی ہے:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مزاج

اور اسی کو کج نظر اور غلط پندار لوگ ''انسانی قدروں کی تبدیلی'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان انسان ہے اور اس کی انسانیت باقی ہے تب تک کسی انسانی قدر کے بدل جانے کا تصور ہی غلط ہے، ہاں انسان نما جانور، انسان ہی نہ رہیں کسی اور نوع میں تبدیل ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔

چند دن ہوئے ایک عالم کے یہاں خصوصی دعوت تھی وہاں دو ایک مشہور شخصیتیں بھی مدعو تھیں اور خصوصی مہمان بھی تشریف فرما تھے، راقم الحروف کو بھی شرکت کی نوبت آئی اور سوء اتفاق سے مجھے ان ہی کے ساتھ بٹھا دیا گیا، یہ تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک عالم کے مکان پر خصوصی دعوت میں فوٹو گرافر کیمرہ لے کر آ موجود ہوگا، جب فوٹو گرافر سامنے آیا تو راقم الحروف نے سختی سے روکا اور ایک دوسرے عالم نے بھی شدید نکیر فرمائی اطمینان ہوا کہ فتنہ ٹل گیا لیکن کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کسی قدر فاصلہ پر دروازہ پر کھڑا دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے ہماری بے خبری اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا ارادہ پورا کر لیا، اگلے دن جنگ کے صفحات پر تین اشخاص کا جن میں ایک راقم الحروف تھا، فوٹو آ گیا اور ستم ظریفی یہ کہ نیچے یہ عبارت لکھ دی ''گروپ فوٹو''۔ انا للہ!

تصویر سازی کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے

حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا، اس فتنۂ اباحیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا۔ چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے "اباحۃ الصور الفوتو غرافیۃ" کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اس وقت عام علماء مصر نے ان کے فتویٰ کی مخالفت کی حتی کہ ان کے ایک شاگرد رشید علامہ شیخ مصطفی حمامی نے اپنی کتاب "النہضہ الاصلاحیۃ للاسرۃ الاسلامیۃ" میں اس پر شدید تنقید کی اور اس کتاب میں ٢٦٠ / سے ٢٦٨ / پر اور ٣١٠ / سے ٣٢٨ / تک اس پر بڑا بلیغ رد لکھا ایک جگہ وہ لکھتے ہیں ''تمام امت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے تمام امت کے لئے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا''۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی

اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے ماہنامہ ''القاسم'' میں (جو دار العلوم دیوبند کا ماہنامہ تھا) اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا۔ وہ مقالہ حضرت شیخ کی راہنمائی میں مرتب ہوا جسے بعد میں "التصویر لاحکام التصاویر" کے نام سے حضرت مفتی صاحب نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں جبکہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ تک پہنچ چکی تھی جن چند مسائل سے رجوع فرمالیا تھا ان میں فوٹو کے جواز کے مسئلہ سے بھی رجوع فرمایا تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد جیسے آزاد صاحب قلم نے اگرچہ ذوالقرنین کو سائرس بنا کر اس کے مجسمہ کا فوٹو ''ترجمان القران'' میں شائع کیا تھا لیکن بعد میں اسے ''ترجمان القرآن'' کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

الغرض نہ صرف ہمارے اکابر بلکہ تمام فقہاءِ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ فوٹو حرام ہے، البتہ پاسپورٹ وغیرہ ضروریات کے لئے نصف چھوٹے فوٹو کو اس سے مستثنیٰ کرنا ہوگا، اس کا گناہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جن کی طرف سے یہ مجبوریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس لئے یہ واضح رہے کہ میرا مسلک یہی ہے کہ فوٹو بلا ان خاص ضرورتوں کے ناجائز اور حرام ہے اگر میری بے خبری میں چالاکی سے کسی نے فوٹو لے لیا تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے اگرچہ اس معلون فن سے اسلامی معاشرہ میں نفرت عام نہیں رہی، ناواقف عوام اسے معمولی اور ہلکی چیز سمجھنے لگے ہیں اور کچھ لوگ تو اس کے جواز کے لئے بھی حیلے بہانے تراشنے لگے ہیں، لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی معصیت کے عام ہونے یا عوام میں رائج ہونے سے وہ معصیت ختم نہیں ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو جب حرام قرار دے دیا تو اس کے بعد خواہ سو بہانے کئے جائیں مگر اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل سود، بیمہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں جنہیں مغربی تہذیب وتمدن کی بددینی نے جنم دیا ہے ہمارے جدید تمدن میں گھس آئی ہیں اور اب پوری طرح ان کا رواج ہے لیکن کون مسلمان ہوگا جو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ یہ سب جائز ہیں؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ گناہ میں عموم بلویٰ کی وجہ سے آخرت کی سزا میں کچھ تھوڑی بہت تخفیف ہوجائے اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسلامی سلطنت کو کیا کرنا چاہیے؟

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز پر پابندی ہے لیکن اگر آزادی ہے اور پوری آزادی ہے تو اہل الحاد کے لئے آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں لکھیں اور جو چاہیں کہیں، کوئی روکنے والا نہیں، اس سے بڑھ کر صدمے کی بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت جس سے بجا طور پر مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سچی

خادم ہوگی اور اسلامی حصار میں شگاف ڈالنے والے قزاقوں کو سرزنش کرے گی اور انہیں قرآن وسنت اور مسلمانوں کے دین سے کھیلنے کا موقعہ نہیں دے گی، مگر ہماری شامت اعمال ہے کہ ہماری خوش فہمی کے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوئے، ڈاکٹر فضل الرحمن جن کے بارے میں ہم چھ سال سے چیخ رہے تھے مگر ہماری سنی ان سنی ایک کر دی گئی تھی، عوامی مطالبہ کے پیش نظر گذشتہ دنوں ان کا استعفاء تو منظور کرلیا گیا مگر حکومت کی طرف سے ان کی لغویات کی مذمت میں ایک حرف نہیں کہا گیا بلکہ اس کی طرف سے صفائی ہی کی کوشش کی گئی اور اب وہ آزادانہ طور پر اپنے نظریات کی نشر واشاعت کریں گے۔

بعض ذرائع سے ہمیں یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ حکومت کی طرف سے فوجوں کے افسروں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا مطالعہ مسٹر پرویز کی کتابوں کی روشنی میں کریں، انا للہ وانا الیہ راجعون! اگر اس خبر میں ذرا بھی صداقت ہے تو یہ نہایت ہی افسوسناک اور روح فرسا خبر ہے، مسٹر پرویز کے نظریات ہر عام وخاص کو معلوم ہیں وہ اسلام کو ''عجمی سازش'' کہتے ہیں اور پوری امت کو گمراہ، ان کے نزدیک خدا اور رسول ''مرکز ملت'' کا نام ہے وغیرہ وغیرہ، ایسے زندیق کی کتابوں کے مطالعہ کی تحریک؟

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ہم ارباب اقتدار سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر (جن کے نام پر ہمیں یہ ملک اور حکومت ملی) گذارش کرتے ہیں کہ وہ اخلاص اور سچائی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دین اور سچے اسلام کی حفاظت کریں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم ملحدین کی حوصلہ افزائی نہ کریں، خدانخواستہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے اسلام کو یہاں ختم کر دیا گیا تو پاکستان کو نہ مسٹر پرویز کا ''طلوع اسلام'' بچا سکتا ہے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمن کا اسلام اور نہ کوئی ظلی، بروزی نبوت، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

حق تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہماری لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

[شعبان ۱۳۸۸ھ]

تصویر اور اسلام

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے قرب قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہو رہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جا رہی ہے، ایک فتنہ تنہا بذاتِ خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً فوٹوگرافی کا فتنہ شروع ہوا یہی کیا کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے، حضرت حق جل شانہٗ کا علم ہر شئ کو محیط ہے اس کے علم میں ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب وذرائع سے ابھرے گا، اس بناء پر شریعت الٰہیہ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی درجہ میں بھی معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی

ہو اس کو منع فرمائے۔ انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصور علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت و حکمت کو محسوس نہیں کر سکتی انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا، لیکن بعد میں واقعات و شواہد سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شریعت الٰہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے شریعت محمدی نے ابتدا ہی سے فرما دیا تھا:

"اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون"(۱)

یعنی سخت ترین عذاب قیامت کے دن صورت بنانے والوں کو ہوگا۔

اور کبھی یہ فرمایا کہ "ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو" اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ: "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے" اور کہیں یہ فرمایا کہ: "صورت سازی حق تعالیٰ کی خالقیت کی نقل کرنی ہے" وغیرہ وغیرہ۔

تصویر کے معاملہ میں شریعت محمدیہ کی سختی کی وجہ

تصویر کے معاملہ میں اس شدت کی بنیاد درحقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کا بدل و جان اقرار کرنا، خواہ توحید ذات الٰہی کی ہو یا توحید صفات الٰہی کی ہو یا توحید افعال الٰہی کی ہو، اسلام میں کسی قسم کا شرک قابل برداشت نہیں۔ اس لئے ابتدا ہی سے شریعت نے تمام اسباب شرک پر جن میں تصویر بھی شامل ہے، شدید پابندی لگادی، اسی لئے میں نے کہا کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہ تھا لیکن اس وقت جب کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ یہ اعلان کرایا تھا اور یہ احکام نازل فرمائے تھے خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ آئندہ چل کر یہ فتنہ کتنے عظیم الشان فتنوں کا ذریعہ بنے گا۔

تصویر اور اس کے گندے اور فتنہ انگیز نتائج

آج اسی مصوری کی وجہ سے حسن و جمال کی نمائش ہوتی ہے اور اسی تصویر سازی کی وجہ سے بے حیا قوموں کی عورتوں کے عریاں فوٹو، بد اخلاقی، بد اطواری اور خدا فراموش زندگی کا ذریعہ بن چکے ہیں، یہی لعنت شہوانی و حیوانی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے، اسی لعنت کی وجہ سے کتنے معصوموں کا خون بہہ رہا ہے اور کتنی جانیں تلف ہو رہی ہیں اور خودکشی کی کتنی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ تھیٹر اور سینما کے پردوں پر اسی مصوری کی وجہ سے بے حیائی کے مظاہر اور روح فرسا مناظر سامنے آرہے ہیں، اسی فتنہ کی وجہ سے نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، نہ تہمت تراشی سے کوئی بچ سکتا ہے، کسی کا سر اور کسی کا دھڑ لے کر جو چاہے کرشمہ سازی دکھلائے، کسی کو بدنام کرنا ہو اس کے بالائی

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان ج:۲ ص:۲۰۱، ط: قدیمی

بدن کی صورت لے کر کسی طوائف کے عریاں فوٹو میں پیوند لگا کر جو چاہے کر لیجئے، آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ایک بڑے قوی اسلامی مملکت کی تباہی و بربادی اور اس کے حکمراں کی جلاوطنی میں یہی فتنہ ایک مؤثر عامل ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کی عریاں تصویروں کے ذریعہ ملک میں ان کی بداخلاقی و بے حیائی و بے دینی کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بدنامی کی انتہا کر دی گئی اور آخر تخت وتاج سے محرومی کا باعث بنا۔ افسوس کہ واقعہ کی پوری تفصیل سے معذور ہوں، الغرض اس فتنے کے کرشموں سے نہ دین محفوظ ہے، نہ اخلاق، نہ کسی کی جان محفوظ ہے، نہ کسی کا ایمان، نہ آبرو محفوظ ہے، نہ کسی کی عصمت، فواحش ومنکرات کی اشاعت میں مصوری کا اتنا بڑا دخل ہے کہ اسی کی وجہ سے تقویٰ وطہارت و پاکیزگی زندگی کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن آج کل کی اصطلاح میں یہ ثقافت اور آرٹ ہے اور غضب یہ کہ اس کو ''اسلامی آرٹ'' کا نام دیا جاتا ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

کسی معاشرہ میں بے حیائی کا سر اٹھانا اس کے دلوں سے اسلامی روح نکلنے کی علامت ہے

تھیٹر وسنیما اور یہ فلمیں جن سے آج معاشرہ ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہے یہ تمام اسی مصوری کی بدولت ہے اور یہ فتنہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ مسجدیں جو خالص عبادت گاہیں ہیں وہ بھی اس سے محفوظ نہیں، نکاح کی محفلوں سے مقامات مقدسہ تک ہر جگہ یہ فتنہ پہنچ گیا ہے، بعض وہ حکومتیں جو اسلامی قانون جاری کرنے کی مدعی ہیں اور وہ جن کا دعویٰ اتباع سنت ہے ان کے ہاں یہ فتنہ اس قدر شباب پر ہے اور آب وتاب سے ہے کہ الامان والحفیظ۔ بہرحال یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہوگیا ہے کہ نہ مسجد بچی، نہ مدرسہ، نہ اسلامی ملک بچا نہ صالح مسلمان بچے، اور آج اس لعنت کی وجہ سے ایک فلم تیار کی جارہی ہے روزنامہ جنگ کراچی (مورخہ ۱۰؍ جنوری ۱۹۷۰ء، صفحہ ۱۵) میں اس کا مندرجہ ذیل اشتہار شائع ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخِ اسلام پر تیار کی ہوئی دنیا کی سب سے پہلی رنگین فلم جسے حکومت سعودی عرب کے تعاون سے سرزمینِ حجاز میں فلمایا گیا:

''اللہ اکبر''!

مکہ معظمہ کے وہ تمام تاریخی مقامات جن سے تاریخ محمدی کا آغاز ہوتا ہے، حجر اسود، خانہ کعبہ، مقام ابراہیم، زم زم، صفا اور مروہ، منحرِ ابراہیم، مولد نبیؐ، دولت کدہ حضرت خدیجہؓ، مولد علیؓ، مولد فاطمۃ الزہراؓ، غار حراء، دار ارقمؓ، غار مرسلات، غار ثور، جبل الرحمۃ کے علاوہ مسجد الراتیہ، مسجد الجن، مسجد الشجرۃ، مسجد الغنم، مسجد بو

قیس، مسجد طوی، مسجد عائشہؓ، مسجد العقبہ، مسجد الجعرانہ، مسجد الخیف، مسجد البیعۃ، جنت المعلی وغیرہ وغیرہ۔

مدینہ منورہ کے وہ مقدس مقامات جہاں اسلام پروان چڑھا، مسجد نبوی، روضہ مبارک سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، منبر ومحراب، اسطوانہ حنانہ، اسطوانہ جبرئیل، اسطوانہ عائشہؓ، اسطوانہ علیؓ، حجرہ مبارک حضرت فاطمہؓ، مسجد قبا، مسجد قبلتین، مسجد حضرت ابوبکرؓ، مسجد حضرت علیؓ، مسجد فاطمہؓ، جنت البقیع وغیرہ کے علاوہ وہ تمام میدان جنگ جہاں جنگ احد، جنگ بدر، جنگ خندق، جنگ خیبر جیسے مشہور غزوات ہوئے ہیں، اس رنگین فلم میں فتح مکہ کے علاوہ طائف کا وہ مقام بھی دیکھیں گے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دشمنانِ اسلام کے پتھراؤ سے بے ہوش ہوگئے تھے اس کے ساتھ ساتھ حج کے تمام مناسک تفصیل اور تسلسل کے ساتھ دکھائے گئے ہیں۔

اسلام نے غیرت وحیاء عصمت و پاک دامنی اور پردہ پر جتنا زور دیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، حیاء کو ایمان کا اہم شعبہ قرار دیا، بے غیرت اور دیوث افراد کو ملعون کہا گیا، حیاء باختہ لوگوں کو اسلامی معاشرہ سے خارج کیا گیا، صنف نازک کی بڑی خوبی اس کی طہارت ونزاہت پاکدامنی و پردہ داری بتائی گئی۔

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [النساء:٣٤]

پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے۔

بہت سی آیات واحادیث میں مستورات کے لئے پردہ وغیرہ کے خصوصی احکام صادر کئے گئے اور ان تمام راستوں کو بند کر دیا گیا جن سے بے حیائی کو در آنے کا موقع ملتا ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ [الاحزاب:۳۳]

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔

ان ساری تعلیمات کے باوجود کسی مسلم معاشرہ میں بے حیائی کے اسباب ومحرکات کا سر اٹھانا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ دلوں سے اسلامی روح نکل چکی ہے اور ان مسلمانوں کے بے جان لاشے پڑے ہیں جن پر خدا فراموش تہذیبوں کے کرگس منڈلا رہے ہیں۔

بے حد افسوس کی بات ہے کہ یہ مملکتِ خداداد پاکستان جو آج تک تمام عالم اسلام میں کم از کم انفرادی طور پر دینی فضا اور دینی کردار کے لحاظ سے ممتاز تھا، دینی درسگاہیں اعلیٰ سے اعلیٰ یہاں موجود ہیں، خانقاہیں بہتر سے بہتر یہاں موجود ہیں، محقق علماء اور صالح عوام کی کثرت سے ایک بڑی خصوصیت کا حامل رہا۔ اب بڑی سرعت سے خدا فراموش قوموں کی نقالی کر رہا ہے اور خرد باختہ تمدن کی تقلید۔ اندھی تقلید۔ میں لعنت وغضب کے راستوں پر رواں دواں ہے، معلوم ہوا ہے کہ لاہور میں مقابلہ حسن ہونے والا ہے اگر یہ خبر صحیح ہے اور ہمیں واقع کی رپورٹ غلط نہیں پہنچی ہے تو پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ یہ لیڈر جو آج کل ہر جگہ ہر تقریر میں

اسلام اور کتاب وسنت کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں کیوں خاموش ہیں؟ اور یہ حکومت جو اسلام کے تحفظ کا دعویٰ بار بار کرتی ہے اسے کیونکر برداشت کر رہی ہے؟ اگر یہ ملک بھی یورپ و امریکہ کے نقش قدم پر چلنے لگا تو یہاں کسی خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کیا پاکستان اس لئے بنایا تھا کہ یہاں بے حیائی کو فروغ دیا جائے گا؟ یہاں نمائشِ حسن کے میلے ہوں گے؟ یہاں سینما و تھیٹر اور ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے قوم کو ناچ گانے کی مشق کرائی جائے گی؟ اور شرمناک مناظر سے ہوس پرستی کی تسکین ہوگی؟ قحبہ خانوں، شراب خانوں اور کلبوں کے ذریعہ یہاں کی فضا کو گندہ اور نظر و قلب کو زہر آلود کیا جائے گا؟ ہم حکومت سے گذارش کریں گے کہ اس قسم کے فواحش کو بند کیا جائے ورنہ خطرہ ہے کہ اس عذاب الٰہی سے پٹی ہوئی قوم پر مزید عذاب اور غضب نازل نہ ہو جائے۔

یکم جنوری سے سیاسی آزادی بحال ہوتے ہی مختلف تنظیمیں اور جماعتیں میدان کارزار میں اتر آئی ہیں بیان بازی، دھینگا مشتی، مکروہ پروپیگنڈا اور تہمت طرازی کے اسلحہ سے لیس ہو کر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں، لطف یہ کہ ہر جماعت اور جماعت کا لیڈر عوام کی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ اسلام اسلام پکارتا اور کتاب وسنت کا نام لیتا ہے۔ (حالانکہ ان میں سے بعض حضرات کتاب وسنت کو سمجھنا تو درکنار نماز پڑھنا بھی نہیں جانتے ہوں گے نہ انہیں ایسا اتفاق کبھی پیش آیا ہوگا)

سوال یہ ہے کہ ہر جماعت کا جب یہی دعویٰ ہے کہ ہم یہاں اسلام لائیں گے اور کتاب وسنت کا آئین بنائیں گے تو پھر یہ سارے متحد کیوں نہیں ہوتے؟ آخر اتحاد سے کس نے روکا ہے؟ اگر اس پر اتفاق ہے کہ سوشلزم، کمیونزم اور سرمایہ داری ایک لعنت ہے، اگر اس پر سب متفق ہیں کہ یہاں کتاب وسنت کے مطابق اسلامی قانون نافذ ہونا چاہیے، اگر یہ عقیدہ ہے کہ دین اسلام ہمارے تمام امراض کے لئے نسخہ شفا ہے، اگر یہ تسلیم ہے کہ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ پوری زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور معاشرے کے ایک ایک فرد کی ضروریات کا کفیل ہے، اگر یہ ایمان ہے کہ اسلامی قانون اور شرعی احکام تمام عالم کے قوانین سے اعلیٰ وارفع ہیں تو یہ تمام جماعتیں ان روح فرسا اختلافات کو ختم کیوں نہیں کرتیں اور بے چارے عوام پر رحم کرتے ہوئے انہیں اس حیرت انگیز انتشار سے کیوں نہیں بچایا جاتا، اگر پیش نظر صرف اپنی جماعت کا وقار واقتدار نہیں تو پھر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، فضول نعروں اور دوروں سے قوم کو پریشان کرنے اور نئے نئے جرائد واخبارات پر لاکھوں روپیہ ضائع کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اگر اخلاص ہے، نیت صحیح ہے، مقصد متحد ہے تو یہ اختلاف کیوں؟ یہ تھوتھکار کیسی؟ یہ شور وغوغا کیونکر؟ ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ تمام جماعتوں کو اخلاص وعمل اور اتفاق واتحاد کی توفیق نصیب فرمائے۔

دراصل آج کی سیاست کے لئے یہ ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ عوام سے لمبے چوڑے وعدے کئے جائیں، عوامی فلاح وبہبود کے نعرے لگائے جائیں، خصوصیت سے وقت کے کسی اہم مسئلہ کو انتخابی اہمیت دی

جائے، قرآن وسنت وخدا ورسول اور دین اسلام کے نام پر لوگوں سے اپیل کی جائے۔ (خواہ داعی صاحب کی زندگی اس سے بعد المشرقین رکھتی ہو) اپنے مخالف کو نیچا دکھانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا جائے، اس کی معمولی لغزش کو مبالغہ آمیزی سے دہرایا جائے، جہاں تک بس چلے اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہے، ہنگامے کئے جائیں، فساد اور اودھم مچایا جائے، انتخابات کے موقع پر ہمیشہ یہی ہوتا آیا، بدقسمتی سے اب پھر یہی مناظر سامنے آنے لگے ہیں، بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں نے سیاست کے تالاب کو اتنا گندہ کردیا ہے کہ اس کا تعفن پوری قومی زندگی میں رچ بس گیا ہے۔ بہرحال اس اختلاف وانتشار کے نتائج کیا مرتب ہوں گے ہم تمام مسلمانوں سے کہیں گے کہ اگر ہمیں اب بھی صالح وفاسق اور نیک وبد کے درمیان تمیز نہ ہوئی، کھوکھلے نعروں پر اعتماد کرلیا، صحیح افراد کو منتخب نہیں کیا تو آئندہ یہ ملک بدترین حالات سے دوچار ہوگا اور پھر کوئی توقع اس بات کی نہیں ہوگی کہ یہاں اسلامی قانون نافذ ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقل وبصیرت نصیب فرمائے۔

اسلامی قانون کو نافذ کرنے میں ان حضرات کو دو دقتیں پیش آرہی ہیں:

اول: یہ کہ ہمارے یہاں کا ایک مخصوص طبقہ اپنی تعلیم وتربیت کی بنا پر مغرب سے بے حد مرعوب اور احساس کمتری کا شکار ہے، اس غلط نگہی اور مرعوبیت کا اثر ہے کہ اسلامی حدود وتعزیرات کے بارے میں سمجھا جارہا ہے کہ یہ عصر حاضر کے خلاف ہے اور دور حاضر کی مغربی تہذیب انہیں برداشت نہیں کرسکتی، اب اگر ہم اسلامی تعزیرات کو نافذ کردیتے ہیں تو مہذب دنیا ہمیں رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا طعنہ دے گی اور ''غیر مہذب وحشی'' کے خطاب سے نوازے گی، لیکن اگر اللہ عقل دے ذرا غور کرنے کی توفیق نصیب فرمائے تو یہ وہم دور کیا جاسکتا ہے۔

اگر یورپ وامریکہ کی عصر حاضر کی تاریخ کا سرسری مطالعہ کیا جائے اور تہذیب کے مدعی قوموں کے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو ہر انصاف پسند یہ فیصلہ آسانی سے کرسکتا ہے کہ اسلامی تعزیرات کو وحشیانہ قرار دینے والی مہذب قوموں کے دامن پارسائی پر وحشت وبربریت اور بہیمیت اور درندگی کے کتنے دھبے ہیں؟ روس نے بخارا اور سمرقند میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟ فرانس نے الجزائز میں کیا کیا؟ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں آتشیں بمباری سے خدا تعالیٰ کی بے گناہ مخلوق کے ساتھ کیا کیا اور اب ویت نام میں کیا کررہا ہے؟ برطانیہ نے اپنی پوری تاریخ میں ضعیف وناتواں مخلوق کو کس بے دردی وسنگدلی سے تباہ وبرباد کیا؟ کیا مہذب قوموں کو اور ان کی ترقی یافتہ تہذیبوں کو شرم نہیں آتی کہ اسلام ایک مجرم کو اس کے گھناؤنے جرم کے بدلے میں معقول سزا دیتا ہے تاکہ معاشرہ اس قسم کے جرائم سے پاک ہوجائے اور خدا تعالیٰ کی مخلوق آرام وراحت کی نیند سوئے وہ تو وحشیانہ سزا ٹھہرے اور ان کے سیاہ کارنامے اور وحشت وبربریت سے لبریز علم نامے، عین تہذیب اور سراپا رحم دلی قرار پائیں؟ کیا تعزیرات وحدود کے سلسلے میں اسلامی سزاؤں کے بدنام کرنے میں ذرا بھی معقولیت ہے؟ اگر انصاف ہو، بصیرت ہو تو یہ جو کچھ کیا جارہا ہے اس سے بڑھ کر خیرہ چشمی اور بے حیائی کیا ہوسکتی ہے؟ پاکستان میں بالخصوص جو روح فرسا

حالت بے اطمینانی و بدامنی کی پیدا ہوچکی ہے صحیح اسلامی سزاؤں کے بغیر اصلاح کا کوئی امکان نہیں۔

۲۔ ہمارے ان حضرات کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ اسلامی قانون بنا بنایا موجود نہیں، مرتب کرنے میں ایک بڑا عرصہ چاہئے لیکن غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہ محض دلفریب دھوکا ہے۔

اولاً...... اسلامی قانون فقہ اسلامی کی صورت میں مدون موجود ہے، جو شخص عربی میں مہارت اور قانون سے مناسبت رکھتا ہو وہ آسانی سے ہر حادثہ کا شرعی حکم معلوم کرسکتا ہے اور اسے واقعات پر تطبیق دے سکتا ہے اور اگر ہمارے قانون دانوں کی عربی سے ناواقفیت کو عذر قرار دیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ جہاں آپ ایل، ایل، بی کی شرط عائد کرتے ہیں وہاں عربی فقہ میں مہارت کو کیوں شرط قرار نہیں دیتے؟ علاوہ ازیں فقہ اسلامی کی تمام اہم کتابوں کے تراجم اردو میں موجود ہیں، کنز الدقائق، ہدایہ، شرح وقایہ، عالمگیری وغیرہ وغیرہ تمام کتابیں اردو میں منتقل ہوگئی ہیں اور بعض اہم کتابوں کے انگریزی تراجم بھی دستیاب ہیں۔

ثانیاً...... اگر مقصد یہ ہے کہ اسلامی دفعات پر مرتب شدہ موجودہ قوانین کے مرکز پر ہونا چاہیے تو اس پر بھی کسی قدر کام ہوچکا ہے۔ ترکی میں سلطان عبدالحمید خان کے دور میں ''المجلۃ العدلیۃ'' کے نام سے دفعات پر ترتیب شدہ مواد موجود ہے۔ افغانستان میں ''تمسك القضاة الامانية'' اور ''تشکیلات جزا عمومی افغانستان'' کے نام سے مجموعے موجود ہیں، ان کتابوں کو اردو یا انگریزی میں منتقل کرنے پر کتنا عرصہ لگے گا مختصر عرصہ میں یہ سب کام ہوسکتا ہے۔

ثالثاً...... اگر اسلامی فقہ کسی طرح بھی ہمارے قانون دانوں کے بس کا روگ نہیں تو کم از کم اتنا ہی کرلیا جائے کہ ہر محکمہ میں ایک مستند عالم دین کا تقرر ہو اور اس کی رائے و اعانت سے شرعی حکم معلوم کرکے نافذ کیا جائے۔ بہرحال اگر خدا کا خوف ہو اور آخرت کا محاسبہ پیش نظر ہو اور اس ملک کو صحیح اسلامی مملکت بنانا مقصود ہو تو پھر نہ اسلامی قانون نافذ کرنا مشکل ہے، نہ مرتب قانون کو اردو میں منتقل کرنا دشوار، نیت درست ہو تو سب آسان۔

[ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔ فروری ۱۹۷۰ء]

فوٹو اور تصویر کی حرمت

غالباً مارچ ۱۹۷۰ء میں راقم الحروف پاکستانی مندوب کی حیثیت سے ''مجمع البحوث الاسلامیۃ'' کی پانچویں کانفرنس میں شرکت کے لئے قاہرہ گیا تھا، کانفرنس کے اختتام پر سابق صدر جمال عبدالناصر مرحوم نے گورنمنٹ ہاؤس میں مندوبین کو ملاقات کی دعوت دی، جس شاہانہ کروفر کا مظاہرہ ہوا اور جو بظاہر مصری حکومت کا خصوصی امتیاز ہے یہاں اس کا ذکر مقصود نہیں۔ ترتیب کے مطابق ہر شخص ملاقات کے لئے جاتا مصافحہ کرتا اور اسے کچھ کہنے کی خواہش ہوتی تو دو چار باتیں بھی کرلیتا، ملاقات اور مصافحہ کے بعد صدر مرحوم نے مندوبین کے اعزاز

کے لئے فوٹوگرافروں کو حکم دیا کہ ہر مندوب کا ان کے ساتھ الگ الگ فوٹو لیا جائے۔

آج کل جلسوں، کانفرنسوں اور عام اجتماعات میں فوٹو اتارنے کا مرض وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے، یہ فتنہ اتنا عام ہوگیا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بچنا چاہے نہیں بچ سکتا، پھر یہ معصیت اتنی پھیل گئی ہے کہ لوگ اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ دورِ فتنہ نے معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا ڈالا، گناہوں کی گندگی سے قلب وذہن مسخ ہوگئے اور کتنے ہی گناہ معاشرے میں ایسے رچ بس گئے کہ لوگوں کے دلوں سے گناہ کا تصور وادراک ہی ختم ہوگیا۔

مصر تو فوٹو کی وبا میں ہم سے بھی چار قدم آگے ہے، مدت ہوئی وہاں کے ایک عالم شیخ محمد بخیت نے جو شیخ الازہر تھے، اس کے جواز میں رسالہ لکھ کر اس معصیت کو اور بھی عام کر دیا اسی رسالہ سے متاثر ہو کر حضرت مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''معارف'' میں اس کے جواز پر ایک مضمون لکھا تھا، حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کے حکم سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس پر ایک تردیدی مضمون لکھا جو ''القاسم'' میں شائع ہوا اور بعد میں ''التصویر لاحکام التصاویر'' کے نام سے مستقل رسالے کی صورت میں چھپ چکا ہے۔ الحمد للہ حضرت سید صاحب مرحوم نے اپنے مضمون سے اور فوٹو کے جواز سے رجوع فرمالیا تھا اور صاف اعلان کر دیا تھا کہ اب میں اسے حرام سمجھتا ہوں۔ خیر عرض یہ کرنا ہے کہ صدر مرحوم کی طرف سے جب اس خواہش کی تکمیل کا اظہار ہوا تو اس عزت افزائی پر عام مندوبین خصوصاً عرب مندوبین کو بڑی خوشی ہوئی کہ جمال عبدالناصر کے ساتھ ہمارا یادگار فوٹو لیا جائے گا، ہر ایک نے باری باری صدر کی بائیں جانب کھڑے ہو کر فوٹو کھنچوائے۔ میں کوئی اتنا صالح ومتقی اور پارسا نہیں ہوں کہ ایسے مواقع میں بھی ان معصیتوں سے بچ سکوں، چنانچہ عام مجمعوں میں بہر حال فوٹو گرافر فوٹو لیتے رہتے تھے لیکن صدر کے ساتھ خصوصی فوٹو اتروانے کے لئے میری باری آنے تک تو صف سے نکل کر اندر جا کر کرسی پر بیٹھ گیا اتفاق سے صدر میرے سامنے تھے اور مجھے خوب دیکھ رہے تھے، جب میری باری آئی تو صدر نے دو ازہری علماء سے جو اس وقت ان کے سامنے تھے کہا کہ جاؤ اور پاکستانی شیخ (عالم) کو بلاؤ کہ وہ آکر فوٹو کھنچوائے، الحمد للہ اس وقت میری دینی غیرت جوش میں آئی دل نے کہا آج اپنے اکابر کے مسلک پر جمے رہو اور اس اعزاز کو ٹھکرا دو آج اس حدیث نبوی پر عمل کرنا ضروری ہے:

''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق انما الطاعة فی معروف''(۱)

یعنی معصیت میں کسی امیر کی اطاعت جائز نہیں امیر کی اطاعت بس جائز امور میں ہے۔

جب ان دونوں حضرات نے مجھ سے کہا:

''سیادة الرئیس یدعوك لاخذ الصورة معه''.

جناب صدر آپ کو اپنے ساتھ فوٹو بنوانے کے لئے بلاتے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازة خبر الواحد ج: ۲ ص: ۱۰۷۸، ط: قدیمی

میں نے کہا:

"لا احب ذلك وليست للصورة عندى قيمة دينية فلااحبها".

میں اسے درست نہیں سمجھتا، نہ میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قدر و قیمت ہے۔

وہ دونوں گئے اور صدر سے میرا عذر بیان کر دیا، ان کے الفاظ میں نہیں سن سکا کہ میری ترجمانی انہوں نے کس انداز میں کی، رخصت ہوتے ہوئے دوبارہ مصافحہ کا دستور نہیں تھا لیکن میں عملی معذرت کے بجائے رخصت ہونے کے لئے دوبارہ صدر کے پاس گیا اور جی میں آئی کہ آج موقع ملا ہے، پھر خدا جانے موقع ملے گا یا نہیں، اس لئے آج ان سے کلمہ خیر کہہ دینا چاہیے، چنانچہ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے صدر سے کہا:

"جناب صدر! اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں بڑا قوی دل رکھا ہے اور یہ ایک بڑی نعمت ہے جو آپ کو عنایت ہوئی، میری آرزو اور خواہش یہ ہے کہ اس قوی دل کا قوی تعلق اس قوی ذات سے ہونا چاہیے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام قوتیں جس کے قبضہ قدرت میں ہیں، میرے عربی الفاظ یہ تھے:

"سيادة الر ئيس !ان الله سبحانه و تعالى قد منحك قلباً قو ياً بين حنايا ضلوعك ، فارجو ان يكون لهذا القب القوى رابطة قو ية مع الخالق القوى الذى بيده ملكوت كل شىء".

صدر نے مسکراتے ہوئے میرا جملہ غور سے سنا اور قدرے زور سے مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھ کو ذرا جھٹکا دیا، جیسا کہ خوشی کے موقع پر ایسا کیا جاتا ہے، یہ صدر مرحوم سے میری آخری ملاقات تھی جو اس نصیحت پر ختم ہوئی۔

عجیب اتفاق ہے کہ اس سے ایک سال قبل میں نے خواب دیکھا تھا خواب طویل تھا اس میں میں جمال عبد الناصر سے کہہ رہا تھا کہ اگر آپ نے ایسا کیا اور ایسا کیا "تكون اجمل الناس واكمل الناس" تو آپ سب لوگوں سے خوب تر اور کامل تر ہو جائیں گے، بظاہر اس خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔

مسلمانوں اور عالم اسلام کی غلامانہ ذہنیت

بحمد اللہ ہمیں نہ امراء و وزراء سے ملاقات کا شوق، نہ یہ داستان لذیذ و مرغوب، دراصل اس وقت میرے بصائر و عبر کا موضوع مندرجہ بالا فقرہ ہے اس سے قبل جو کچھ لکھا گیا وہ اس کی تمہید تھی، جی چاہا کہ یہ نصیحت جو ایک خاص موقع پر ایک خاص شخص کو کی گئی تھی پیغام عام کی شکل میں ہر عام و خاص کے گوش گذار کر دی جائے۔

عالم اسلام اور اسلامی ممالک ایک عرصہ سے زبوں حالی و پسماندگی اور زوال و اضمحلال کا شکار ہیں، مسائل پر مسائل پیدا ہوتے چلے آتے ہیں اور ہمارے ارباب اقتدار اور سربراہان مملکت ہر نئے مسئلہ پر دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے سامنے کشکول گدائی لے کر حاضر ہو جاتے ہیں، ان کی ظاہری شان و شوکت، ان کے سرمایہ و دولت، ان کی فوجی و عسکری طاقت، ان کی مادی و سائنسی برتری، ان کی سیاسی قیادت اور حربی سیادت سے عالم

اسلام اتنا عوب ہے جس کی حد نہیں۔ ہمارے حکمرانوں میں مرعوبیت اور احساس کہتری کا عارضہ وبائی صورت اختیار کر چکا ہے، کہنا چاہیے کہ جو جتنے بڑے عہدے اور منصب پر فائز ہے اور جس کی جتنی ذمہ داریاں زیادہ ہیں وہ اتنا ہی احساس مرعوبیت کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم ترقی یافتہ قوموں کے بغیر بھی حکومت کر سکتے ہیں اور یہ سوچا تک نہیں جا سکتا کہ ان کی دوستی کے بغیر بھی ہمارا نظام حکومت چل سکتا ہے۔ اسلامی ممالک جو پسماندہ اور ترقی پذیر ہیں، محض عالمی طاقتوں کے رحم وکرم پر جینے کے عادی ہو گئے۔ کروڑوں روپے کے مصارف سے اعلیٰ پیمانے پر سفارت خانوں کا تکلف کیا جاتا ہے، لاکھوں کے خرچ سے امراء ووزراء کے دورے ہوتے ہیں، وفد پر وفد بھیجے جاتے ہیں، ان طاغوتی قوتوں کے سربراہوں اور نمائندوں کو تشریف آوری کی دعوتیں دی جاتی ہیں، اس پر بڑے فراخدلی سے قومی سرمایہ صرف کیا جاتا ہے اور ان کی قدم رنجہ فرمائی کو مایۂ افتخار سمجھا جاتا ہے۔ یہ سارے پاپڑ اس لئے بیلے جاتے ہیں کہ یہ عالمی طاقتیں ہم سے خوش رہیں ان سے دوستانہ روابط قائم رہیں اور آڑے وقت میں ان سے مدد طلب کی جا سکے، گویا عالم اسلام اور اس کے سربراہوں کے نزدیک بطور اصول موضوعہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین کی نظرِ عنایت جب تک ہمارے شاملِ حال نہ ہو، نہ ہم عزت وآبرو سے زندہ رہ سکتے ہیں، نہ اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں، نہ ترقی کر سکتے ہیں۔

انا لله وانا الیه راجعون

اگر یہ دوستی برابر کی دوستی کی حد تک رہتی تو بھی ایک بات تھی، آفت تو یہ ہے کہ ہم خود اعتمادی کے وصف سے یکسر محروم ہو کر نہایت گھٹیا قسم کی مقلدانہ روش بلکہ مجھے تلخ نوائی پر معاف رکھا جائے تو عرض کروں کہ ہم غلامانہ ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ گویا ہمارے پاس نظری وفکری سرمایہ کچھ نہیں، ہم بات بات میں ان کی تقلید کرتے ہیں، بات بات پر ان کے حوالے دیتے ہیں، اور زندگی کے ایک ایک خدوخال کو ان کے نقشوں پر ڈھالنا چاہتے ہیں، قانون ہو تو ان کا، تہذیب ہو تو ان کی، معاشرہ ہو تو ان کا سا، بول چال اور لب ولہجہ ہو تو ان جیسا، نشست وبرخاست ہو تو ان کے طرز پر، خورد ونوش ہو تو ان کے ڈھب کی، لباس کی تراش خراش ہو تو ان سے پوچھ کر، سیاست ہو تو ان سے سیکھ کر، معیشت ہو تو ان سے مانگ کر، الغرض زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں ہماری غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید کارفرما نہیں؟

اپنے گھر میں خدا کا دیا سب کچھ ہے مگر عالم اسلام کی حرص وآز اور جبلتِ گداگری کا کیا کیا جائے کہ ان بددین، بے خدا اور بے تہذیب قوموں سے امداد پر امداد اور قرض پر قرض لے کر عالم اسلام مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، وہ بار بار ہمیں اپنے دروازوں سے دھتکارتے ہیں اور موقعہ بے موقعہ امداد اور قرض بند کر دینے کا اعلان کرتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ اس کے باوجود بھی صدائے فقیرانہ لگانا ضروری سمجھتے ہیں، اور اگر ایک دروازے سے دھکا مل جائے تو دوسرے دروازے پر حاضر ہو جاتے ہیں، کیونکہ اصول یہ طے ہو گیا ہے کہ ترقی پذیر قومیں، ترقی یافتہ قوموں کی خیرات کے بغیر شاہراہِ ترقی پر گامزن نہیں ہو سکتیں، مگر یہ اصول طے کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ قومیں جو

آج ترقی یافتہ کہلاتی ہیں یہ کس کی خیرات پر پل کر ترقی یافتہ ہوئیں اور کس سے قرضے لے کر انہوں نے اپنے ترقیاتی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچائے، نہ ہمیں یہ بات یاد رہتی ہے کہ جب ہم زندہ قوم تھے کس سے امداد لے کر ہم نے اقوام عالم کو فتح کیا تھا، اسی طرز فکر اور طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پورا عالم اسلامی دولت کی ریل پیل کے باوجود معاشی بحران کا شکار ہے۔ ہمارے کارخانہ معیشت کے بٹن پر ان طاغوتی طاقتوں کا ہاتھ ہے وہ جب چاہتے ہیں اس بٹن کو دبا دیتے ہیں اور ہماری معیشت کا پہیہ وہیں جام ہو کر رہ جاتا ہے۔

اقوام متحدہ اور عالم اسلام

سیاسی محاذ پر بھی ہم انہی طاغوتوں کے ہاتھ کا کھلونا ہیں، بات بات پر جمعیت الاقوام (اقوام متحدہ) کا دروازہ کھٹکھٹانا فرض سمجھتے ہیں۔ ہندو پاک کا جھگڑا ہو یا بحرین و خلیج کا، فلسطین کا مسئلہ ہو یا قبرص کا، بیت المقدس کا المیہ ہو یا نہر سویز کا، کشمیر کا تنازعہ ہو یا اسرائیل کا، ہر مسئلہ میں ہماری کامیاب سیاست یہ ہے کہ ہم اس کی رپٹ اقوام متحدہ کے تھانے میں درج کرا آئیں، اگر ان ترقی یافتہ قوموں میں اپنے مفادات سے ہٹ کر خالص انسانی بنیادوں پر عالمی مسائل حل کرنے کا جذبہ ہوتا تب بھی ہمارے اس سیاسی کارنامہ کے لئے کوئی وجہ جواز ہوتی، مگر بار بار کے تجربوں نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ منافق جن کو مادی ترقی نے اقوام عالم کا چودھری بنا دیا ہے اور یہ کفن چور جنہوں نے مظلوم اور پسماندہ قوموں کے کفن چھین چھین کر اپنی معیشت کا جامہ تیار کیا ہے، انہوں نے اپنے مفاد سے ہٹ کر کسی مظلوم کی آہ و بکا اور کسی ناتوان نیم بسمل کی سسکیوں پر کبھی کان نہیں دھرا بلکہ کمزور مظلوم کے مقابلہ میں انہوں نے ہمیشہ طاقت ور ظالم کو تھپکی دی ہے۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور عالم اسلام میں نفرت و بیزاری کے کانٹے بونا، ان شیاطین کا مستقل وطیرہ ہے۔ اقوام متحدہ کا ادارہ جب سے وجود میں آیا ہے اس نے عالم اسلام کے ایک بھی مسئلہ کو حل نہیں کیا بلکہ اس میں نئی گرہوں کا اضافہ کیا ہے، اقوام متحدہ میں جو مسئلہ گیا وہ ہمیشہ کے لئے ایسا الجھا کہ ناخنِ تدبیر اسے سلجھانے سے ہمیشہ کے لئے قاصر رہے۔

ان تمام حقائق و تجربات کے بعد بھی ہم سیٹو، سنٹو دولت مشترکہ اور اقوام متحدہ سے چمٹے رہنے کو ضروری سمجھتے ہیں، خدا معلوم وہ کون سا سحرِ سامری ہے جس سے دیکھنے سننے اور سوچنے کی صلاحیتیں جاتی رہیں، گویا عقلیں مسخ ہیں اور آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہیں۔ حدیث میں تو آتا ہے کہ:

”لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین“(۱)

مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لا یلدغ المومن من جحر مرتین ج: ۲ ص: ۹۰۵، ط: قدیمی
الصحیح لمسلم، کتاب الزهد، باب فی احادیث متفرقة ج: ۲ ص: ۴۱۳، ط: قدیمی

لیکن آج ہم دعوی ایمان کے باوجود اس سوراخ سے بار بار ڈسے جانے کی مشق کر رہے ہیں، قرآن کریم کی یہ آیات گویا آج کی صورت حال کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَا نَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَا لُوْ نَكُمْ خَبَالاً وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰ يٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۱۸]

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں، واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

﴿كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَاذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْ بُهُمْ وَاَكْثَرُ هُمْ فَا سِقُوْنَ﴾ [التو بة:۸]

کیسے؟ حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ کہیں تم پر غلبہ پائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا، یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔ (ترجمہ حکیم الامت تھانویؒ)

اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کسی کافر پر اعتماد کرنا ان کی پہلی غلطی ہے۔

عالم اسلام اور مسلم سربراہوں کو کس پر اعتماد کرنا چاہیے؟

الغرض عالم اسلام اور اس کے سربراہوں پر زبوں حالی، سراسیمگی اور احساس کمتری کی جو فضا مسلط ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے صدر ناصر مرحوم سے وہ جملہ کہا تھا کہ جن سہاروں کے بھروسے ہم آج تک جی رہے تھے وہ نہایت بودے، نکمے اور ناکارہ ثابت ہوئے۔ آج عالم اسلام کو خواب غفلت سے بیدار ہو کر انگڑائی لینے کی ضرورت ہے، آج وقت کی پکار عالم اسلام سے ایک انقلاب کا مطالبہ کر رہی ہے، یقین وایمان کا انقلاب، تعلق مع اللہ کا انقلاب، ترقی یافتہ طاغوتوں کے لات ومنات کو توڑ پھینکنے کا انقلاب، آج ضرورت ہے کہ عالم اسلام کے سربراہ اپنے قلب وذہن، سیرت وکردار، اخلاق واعمال، فکر ونظر، جذبات واحساسات اور تدبیر وسیاست کا رخ قبلہ مغرب سے بدل کر پیغام نبوت کی طرف پھیریں، طاغوتی قوتوں سے کٹ کر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات سے دلوں کا تعلق پیدا کریں، کعبۂ دل سے تین سو ساٹھ بتوں کو ہٹا کر توحید کے انوار وتجلیات سے منور کریں، یورپ کی تقلیدی سیاست چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین سے سیاست

وکامرانی کا سبق سیکھیں۔

اصلی و حقیقی ایمان و یقین

کاش ہمیں کلمۂ اسلام "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا صحیح یقین نصیب ہو جائے یعنی پوری کی پوری کائنات کا معبود اور خالق و مالک صرف ایک اللہ ہے، ہر چیز میں صرف اسی کی مشیت کارفرما ہے، آسمان و زمین کی ایک ایک چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا تابع فرمان ہے، اسی کے چاہنے سے سب کچھ ہوتا ہے وہ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہوتا، عزت و ذلت، فتح و شکست، صحت و رزق اور قوت و ناتوانائی اسی کے قبضے میں ہے۔

اور یہ کہ امت مسلمہ کی نجات صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہے، آپ ہی کا یقین، آپ ہی کا عزم، آپ ہی کا عمل، آپ ہی کی سیرت اور آپ ہی کا پیغام ہمارے لئے فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال؟ کائنات کی ساری طاقتیں ہمارے ساتھ ہوں مگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم ذلیل ہو کر رہیں گے اور کائنات کی ہر طاقت ہمارے خلاف ہو مگر خدا سے ہمارا تعلق صحیح ہو تو بھری دنیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں تو دریا ہمیں راستہ دے سکتے ہیں جنگل کے شیر ہماری راہنمائی کر سکتے ہیں، ہوا کی لہریں ہماری آواز ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچا سکتی ہیں، ہماری تاریخ میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

عالم اسلام کی کمزوری کا سبب

یہ طاغوتی طاقتیں جو آج ہم پر مسلط ہیں اور عالم اسلام کی نکیل جدھر چاہتی ہیں موڑ دیتی ہیں یہ صرف اس لئے طاقت ور ہیں کہ ہم کمزور ہیں اور ہم اس لئے کمزور ہیں کہ ہمارا اعتماد خالق کائنات کو چھوڑ کر ناکارہ اور کمزور مخلوق پر رہ گیا ہے، بخدا! اگر اس قوی ذات سے ہمارا تعلق قوی ہو تو ہم آج بھی امریکہ و روس کا غرور قیصر و کسریٰ کی طرح خاک میں ملا سکتے ہیں، ان کے ایٹم ان کی سائنسی ترقی اور ان کے تمدنی کروفر کی ساری عمارت آج بھی پیوند زمین ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی خواہشات ترک کر دیں، اس کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا عہد و پیمان کریں اور اس کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی رضامندی و ناراضگی کی پروا نہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے کوئی وصیت لکھ بھیجئے مگر زیادہ طویل نہ ہو، جواب میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے لکھا:

> ”سلام عليك! امابعد فانى سمعت رسول الله ﷺ يقول: من التمس رضى الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضى الناس بسخط

الله وكله الله الى الناس' والسلام". (۱)

السلام علیکم! امابعد: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضامندی ڈھونڈتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے اس کی خود کفایت فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انسانوں کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ (اور ان ہی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے ہیں)

الغرض اگر مسلمانوں کا ایمان پختہ اور مضبوط ہو حق تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح ہو، اس کی ذات پر کامل بھروسہ اور یقین ہو، طاغوتی طاقتوں سے بیزار ہو کر وہ اپنے وسائل پر انحصار کریں اور کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں تو حق تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پورا ہوگا۔ ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الروم:٤٧]

''اور ہمارے ذمہ ہے مومنوں کی مدد کرنا۔''

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:۱۳۹]

''اور تم ہی اونچے رہوگے بشرطیکہ تم مومن ہو۔''

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ [آل عمران:۱۲٦]

''اور مدد تو صرف اللہ عزیز وحکیم کے پاس سے ملتی ہے۔''

اگر مسلمان ان ارشادات ربانی کو سینے سے لگائیں، فسق وفجور کی متعفن زندگی چھوڑ کر توبہ وانابت کا راستہ اختیار کریں تو حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور راحت وسکون اور عزت وسربلندی کی بھی نعمتیں نصیب ہوں گی، جن کا ظہور قرون اولیٰ میں ہو چکا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ہمارے قلوب کی اصلاح فرمائیں، عالم اسلام کی حفاظت فرمائیں اور اسلام کے تمام بدخواہوں کو ذلیل وخوار کریں۔

وصلى الله تعالىٰ على صفوة البرية محمد وآله وصحبه واتباعهم اجمعين. أمين.

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ء]

محبت رسول کا تقاضہ

بدقسمتی سے ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں کہ ہر نیا آفتاب ایک نئی آفت لے کر طلوع ہوتا ہے اور ہر رات فتنہ وفساد اور ظلم وعدوان کی نئی تاریکی چھوڑ کر جاتی ہے۔ دن بدن انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں، دینی شعائر

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فی حفظ اللسان ج:۲ ص:٦٣، ط: فاروقی کتب خانه ملتان

مٹ رہے ہیں، دل و دماغ مسخ ہو رہے ہیں، جہل و عناد کی اس تاریک فضا میں دینی حقائق کو اجاگر کرنا اور دین کی بالکل واضح بدیہی اور موٹی موٹی باتوں کا سمجھنا بھی بے حد مشکل ہو چکا ہے۔ جب بدی نیکی کا روپ دھار لے، جب صریح منکر کو معروف کا نام دیا جائے، جب اپنا جہل کو علم سمجھا جانے لگے اور بے حیائی اور بے حمیتی کو شرافت و اخلاق کی منزل ہو تو دین سمجھانا مشکل ہے۔ یہ بات کہ تم دین سمجھ رہے ہو وہ بے دینی ہے اور جسے تم شرف و وقار سمجھتے ہو وہ ننگ انسانیت ہے۔ یوں تو دنیا میں حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی رسم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے اور حقائق اکثر مشتبہ رہتے ہیں، لیکن اب تو عقلوں پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی صحیح بات کا انکشاف ہی نہیں ہوتا، بلکہ باطل محض کو حق کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، شرک کو عین اسلامی شان و شوکت کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، فسق و فواحش کو تقویٰ خیال کیا جاتا ہے، آج کتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور دین اسلام کی تذلیل ہوتی ہے مگر بدفہمی کا یہ عالم ہے کہ انہی کو دین اسلام کے احترام کا ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ جن چیزوں کو کل تک اعدائے اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و نفرت کے اظہار کے لئے استعمال کرتے تھے آج انہی چیزوں کو اسلام کے نادان دوست اسلام سے عقیدت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپناتے ہیں، ذہن و قلب کے مسخ ہو جانے کا قبیح منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے!

دراصل جب کسی قوم کے اندر سے دین کی حقیقی روح نکل جاتی ہے اور صرف نمائشی ڈراموں پر اس کا مدار رہ جاتا ہے تو گھٹیا قسم کے پست اور سطحی مظاہر اس کے فکر و عمل کا محور بن جاتے ہیں، لایعنی حرکات کو حقیقی دین سمجھا جاتا ہے، فواحش و منکرات کو بزرگوں کا نام دیا جاتا ہے، سنت کی جگہ من گھڑت بدعات سے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے سرشار ہوتا، قدم قدم پر آپ کی پیروی ہوتی، آپ کے ایک ایک طریقے کو اپنانے کا ولولہ ہوتا، صورت و سیرت اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جھلک نظر آتی، آپ کی ایک ایک سنت کو زندہ کرنے اور ایک ایک حکم کو شعبۂ زندگی میں نافذ کرنے کی تڑپ ہوتی لیکن جب قلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے خالی ہو گئے، ایمان و یقین کے چراغ دلوں سے گل ہو گئے، آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کا جذبہ بالکل ختم ہو کر رہ گیا تو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح تقاضوں کی جگہ کچھ مظاہر کو عین دین و ایمان سمجھ لیا گیا تو توہین و تذلیل کو اکرام و احترام اور دشمنی اور عداوت کو اظہار محبت تصور کر لیا گیا، وا حسرتاہ!

غیر مسلموں کی نقالی اور مسلمان

کسی قوم کی دینی حس کے ماؤف ہو جانے کا جو نقشہ اوپر پیش کیا گیا اس کا سب سے پہلا مظاہرہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں ہمیں ملتا ہے جب وہ اپنی بدبختی سے اپنے نبی کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر بیٹھے تو انہیں دین کے مردہ ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کے لئے نمائشی تصویروں کا سہارا لینا پڑا، چنانچہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ حضرت مریم اور دیگر اکابر کی فرضی تصویریں بنائی گئیں اور ان کی پرستش کو جزو دین و ایمان بنالیا گیا، بعدازاں اس محرف مسیحیت کی ترویج و اشاعت کے لئے مصنوعی ڈرامے تیار کئے گئے اور ان کی فلموں کی نمائش کی گئی۔ مصر کے چند اشخاص نے سوچا کہ ہم عیسائیوں کی نقالی میں کیوں پیچھے رہیں انہوں نے اس کے مقابلہ میں جامع ازہر کی مجلس اعلیٰ کی بعض ارکان کی سرپرستی میں "فجر اسلام" کے نام سے ایک فلم تیار کی اور عرب اسلامی ممالک میں اس کا خوب چرچا ہوا، بیس بائیس ممالک میں اس کی نمائش ہوچکی ہے اور اب وہ سرزمین پاک کو ناپاک کرنے کے لئے کراچی پہنچ گئی ہے، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ اس کی ایسی تشہیر کی گئی گویا مسلمانوں کو تجدید ایمان کے اہم ذریعہ کا انکشاف ہوا ہے، اخبارات کے مطابق یہاں کے بعض نام نہاد علمائے دین نے بھی اس کی شرعی منظوری دے دی ہے اور اب فرزندانِ اسلام اسکرین کے پردے پر اسلام کا تماشہ دیکھنے کے لئے جوق درجوق تشریف لا رہے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نزادے

تصویر سازی اور اسلام

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی نظر میں تصویر سازی نہ صرف قبیح اور حرام ہے بلکہ لعنت اور غضب خداوندی کی مستوجب ہے، تصویر بنانے والے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "المصورون اشد الناس عذابا یوم القیامۃ" (۱) یعنی وہ قیامت کے دن سب سے سخت تر اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس مکان میں تصویریں ہوں اس پر خدا کی لعنت آئی ہے، فرشتوں کو تصویروں سے بھی اسی طرح نفرت آئی ہے جس طرح کتے سے نفرت ہے، کیا ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے کسی فلم کو جائز کہا جاسکتا ہے؟ کیا فلموں کی ترویج و تشہیر پوری قوم پر خدا کے غضب و لعنت کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟

پھر اس سے بڑھ کر جسارت کیا ہوسکتی ہے کہ عہد نبوت اور عہد اسلام کی پاک اور روحانی زندگیوں کو تصویروں کے ذریعہ فلمایا جائے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت قرار دیا ہو، آپؐ کے پاکیزہ دور کو اس لعنت میں ملوث کیا جائے؟ کیا اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ناپاک جسارت قابل برداشت ہوسکتی ہے؟ کیا مسلمانوں میں اتنی ایمانی حس بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کم از کم نبوت کے پاکیزہ دور کو اس

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان ج:۲ ص:۲۰۱، ط: قدیمی

نجاست سے محفوظ رکھتے؟

مزید برآں یہ کہ یہاں صورت یہ نہیں کہ جو واقعات پیش آئے ہو بہو انہی کا عکس لے لیا گیا ہو، بلکہ یہاں جو صحیح صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ دور نبوت کے واقعات کا مصنوعی سوانگ بنایا گیا ہے۔ کچھ بہروپیوں نے خاکم بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پارٹ ادا کیا، کسی نے صحابہ وصحابیات کے مقدس اشخاص کا، کسی نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا۔ پھر ان مصنوعی ڈراموں کی عکس بندی کرکے فلم تیار کی گئی اور اسے پردۂ اسکرین پر لایا گیا اب اگر کسی مسلمان میں ایمان کی کوئی رمق اور غیرت کی ادنیٰ حس موجود ہو کیا وہ ایک لمحہ کے لئے برداشت کرے گا کہ وہ لوگ جن کا وجود ہی گندگی اور بے حیائی کا نشان ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے مقدس صحابہ وصحابیات کی شبیہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ادا کردہ پارٹ کو ان مقدس ہستیوں سے منسوب کیا جائے؟ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی تذلیل وتوہین کیا ہوسکتی ہے؟ پھر جن لوگوں نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی کافرانہ حرکات کی نقل کی ہوگی اور صحابہ وصحابیات کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہوگا کیا وہ مسلمان بھی رہیں گے؟ اور ان کے وہ تماشائی جو اس تماشۂ کفر کو تفریح طبع کا سامان کرتے ہیں ان کا اسلام محفوظ رہ جائے گا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ڈراموں میں بہت سی حرکات وسکنات اور بہت سے الفاظ وکلمات ایسے آئیں گے جن کو حقیقت کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہوگا اس صورت میں ان مصنوعی واقعات کو حقیقی قرار دینا بدترین قسم کا جھوٹ اور افتراء ہوگا، جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار“(۱) کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔

امریکی اور مغربی اخبارات ورسائل میں جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصاویر شائع ہوتی ہیں آئے دن ہمارے اخبارات میں ان پر احتجاج ہوتا رہا ہے اور مسلمانوں میں ایک کہرام مچ جاتا ہے۔ کیا اس قسم کی فلموں کے بعد مسلمانوں میں یہ حمیت باقی رہے گی کہ وہ اعدائے اسلام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں؟ جب مسلمان خود دور نبوت کی فلمیں بنانے سے نہیں شرماتے تو وہ کس منہ سے غیروں کو روکنے کی جرأت کریں گے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد اعدائے اسلام نہ صرف ان مقدس ہستیوں کی فرضی تصویریں کھلے بندوں شائع کرنے لگیں گے بلکہ آپ کی حیات طیبہ پر محض فرضی فلمیں وجود میں آنا شروع ہوں گی اور جس طرح اب تک مستشرقین آپ کی سیرت طیبہ کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی جسارت کرتے رہے ہیں آئندہ نہایت گھناؤنے انداز میں آپ کو پردۂ فلم پر دکھایا جائے گا اور یہ نام نہاد مسلمان جنہوں نے خود اس بدعت کو جنم دیا ان کفار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب تک کافر قومیں صرف مسلمانوں کے احترام میں اس سے ہچکچاتی رہی ہیں۔ مسلمانوں کو شرم آنی چاہیے کہ جو کام کافر قومیں سرانجام نہیں دے سکیں اس مکروہ اور گندے کام کا آغاز خود ان کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور سب سے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی، ج:۱ ص:۲۱، ط: قدیمی

آخری بات یہ ہے کہ کیا لہو ولعب اور تفریح وتماشے کے لئے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے مقدس صحابہ کی ذات گرامی ہی رہ گئی تھی؟ کیا کوئی دیوث اور بے غیرت شخص بھی یہ گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے ماں باپ اور بہو بیٹیوں کا سوانگ بھرا جائے اور لوگ اس کا تماشہ دیکھیں؟ پھر آخر اس مشقِ ستم کے لئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وصحابیات کی ذواتِ قدسیہ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ کیا ان کا احترام ہماری ماؤں اور بہنوں سے بھی کم ہے؟ منافقین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتار کر ہنسی مذاق کیا کرتے تھے اور ان سے جب احتجاج کیا جاتا تو جواب دیتے کہ ہم تو یوں ہی دل لگی اور تفریح کر رہے تھے، قرآن کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة:٦٦]

بہانے نہ بناؤ تم نے دعویٰ ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا اسلام کی کسی بات کو ہنسی، دل لگی اور تفریح طبع کا موضوع بنانا کیسا ہے؟ اس کو وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جس کا دل دین وایمان سے خالی ہوچکا ہو۔

ان گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اول:...... اسلام میں تصویر سازی حرام اور موجب لعنت ہے۔

دوم:...... اس حرام اور ملعون چیز سے دورِ نبوت کو ملوث کرنا نہایت ناپاک جسارت اور ان بزرگوں کی توہین ہے۔

سوم:...... واقعات کے بہت سے اجزاء ومکالمات فرضی ہوں گے جو کذب وافترا علی الرسول ہے۔

چہارم:...... ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا پارٹ ادا کرنا شرمناک بات ہے۔

پنجم:...... حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی مقدس زندگی کو لہو ولعب اور تفریح کا موضوع بنانا شعبہ کفر ہے۔

ششم:...... ایسی فلموں سے غیر مسلموں کے لئے فرضی تصاویر اور من گھڑت واقعات پر مبنی فلمیں بنا کر دورِ نبوت کی جانب منسوب کرنے کا دروازہ کھل جائے گا جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے، اس لئے ہم اربابِ اقتدار کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اس قوم پر رحم فرمائیں اور اس فلم فجرِ اسلام کی نمائش پر پابندی عائد کریں اور تمام مسلمانوں سے اپیل کریں گے کہ وہ نہ صرف اس فلم کا بائیکاٹ کریں بلکہ ہر ممکن طریقہ سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں، خصوصاً تمام علماء کرام، ائمہ، خطباء اور دیگر راہنماؤں کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

ایک حرام چیز کو اگر سارا جہاں بھی حلال کہہ دے اور اس کے جائز ہونے کے چاروں طرف سے فتوے صادر ہونے لگیں تب بھی وہ چیز حلال اور جائز نہیں ہوجاتی، اس قسم کی صریح حرام چیزوں کو جائز کرنے کا انجام بد کچھ تو مسلمانوں کے سامنے آچکا ہے اور کچھ کسر باقی ہے وہ آئندہ پوری ہوجائے گی۔ ولا فعل الله ذلك.

لیجئے ابھی تک ''فجر اسلام'' ہی کا ماتم تھا لیکن ابلیس لعین نے اس سے آگے بڑھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی فلم بھی تیار کرادی، کراچی کے بعض اخبارات کی یہ خبر پڑھئے۔

''بارہ اسلامی ممالک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر فلم کی
نمائش کی جائے گی، جامعہ ازہر اور شیعہ کونسل نے مناظر کی نمائش کی منظوری دے دی''

تہران ۲۰ رجولائی (یو پی پی) پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک فلم تیار کرنے کے معاہدہ پر اس ہفتہ کے دوران دستخط کردیئے گئے اس معاہدے کی رو سے یہ فلم فارسی سمیت کئی زبانوں میں بارہ اسلامی ممالک میں نمائش کے لئے تقسیم کی جائے گی۔ یہ فلم لبنان، کویت، بحرین اور مراکش کی ٹیموں کی جانب سے مشترکہ طور پر پیش کی جارہی ہے اس کے ڈائریکٹر مصطفیٰ عقاد ہیں اور اس نمائش کے مناظر کی منظوری لبنان کی اعلیٰ شیعہ کونسل اور قاہرہ کی جامع ازہر نے دے دی''۔ (روزنامہ آغاز، ۲۱ رجولائی ۱۹۷۳ء)

اگر یہود و نصاریٰ اور منافقین اسلام کی ان مکروہ سازشوں سے اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ قلوب مسخ ہوچکے ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسوا کن عذاب میں یہ قوم مبتلا ہونے والی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وزارت اسلامی امور پاکستان اور علماء

کراچی کے ایک انگریزی اخبار ''ڈیلی نیوز'' میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

''۱۵ ردسمبر ۷۳ء۔ خوشی کی بات ہے کہ مرکزی کابینہ میں عنقریب دین اسلام کی حفاظت واشاعت کے لئے ایک اسلامی امور کی پوری وزارت قائم کی جائے گی۔ عرصہ دراز سے ایسی وزارت کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، گذشتہ دنوں مرکزی اسمبلی میں اس کے متعلق مولانا کوثر نیازی کا اعلان بڑی حد تک پاکستانی عوام کی اکثریت کو مطمئن کرے گا جو کہ ملاؤں کے کردار اور دینی امور پر ان کے تسلط سے مایوس ہوچکے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اسلامی امور کی وزارت مولانا کوثر نیازی کی سرکردگی میں قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو فروغ دے گی اور اسلام کو ان ملاؤں کے پنجوں سے چھڑائے گی جو کھلم کھلا اسے اپنے سیاسی اور معاشی اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ وزارت جو مجموعی طور پر دینی امور کی نگران ہوگی یقیناً پرانی مساجد کی دیکھ بھال، نئی مساجد کی تعمیر (جہاں مساجد نہ ہوں) اور مساجد میں روشن خیال، جدید تعلیم یافتہ اور ترقی پسند اشخاص جن کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا پورا علم ہو، کے تقرر کا کام انجام دے گی''۔

جہاں تک وزارتِ امور شرعیہ کے قیام کا تعلق ہے یہ بہت ہی مبارک اقدام ہے جو بہت پہلے ہونا چاہیے تھا، ایک اسلامی حکومت کا سب سے اہم فریضہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اسلام اور شریعت اسلامیہ کی پاسبان ہو اور اسلامی اقدار کے فروغ و ترویج میں کوشاں ہو، لیکن یہ خبر جس لب ولہجہ میں شائع ہوئی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ شاید اصلی مقصد اسلام کی پاسبانی سے زیادہ ملاؤں سے گلوخلاصی ہے، ان ملاؤں کا سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم بس یہ ہے کہ انہوں نے اس ملک میں اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دی ہے، انہیں بوریہ

نشینوں کا طفیل ہے کہ یہاں اسلام کے کچھ بچے کھچے آثار نظر آ رہے ہیں، ہمارے ترقی پسند ملحدین کی نظر میں غریب ملّا اس وجہ سے خار ہے کہ وہ جس افراتفری جس سر پھٹول اور جن لادینی خطوط پر معاشرہ کو ڈالنا چاہتے ہیں ملّا اس کے لئے سدراہ ہے، بہرحال کسی پر احسان جتانا مقصود نہیں بلکہ صرف عرض کرنا ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام کو باقی رہنا ہے تو انشاء اللہ اسلام کے یہ پاسبان جنہیں آپ بلند نظری کی بنا پر لفظ ملّا سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہی رہیں گے، سکندر مرزا اور ایوب حکومت پر بھی یہ سودا سوار ہوا تھا مگر ان کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

جہاں تک سیاسی اور معاشی اغراض کے لئے اسلام کو استعمال کرنے کا سوال ہے ہمیں معلوم نہیں کہ اس ملک میں وہ کون بڑا یا چھوٹا ہے جو اسلام کے طفیل اپنی روٹیاں سیدھی نہیں کر رہا خود اس ملک کا قیام، اس کا وجود، یہاں کی صدارتیں، امارتیں، وزارتیں سب اسلام ہی کے نام سے وابستہ ہیں۔

اسلام کسی گروہ یا کسی طبقہ کی اجارہ داری نہیں، نہ ملّا کسی خاص مخلوق کا نام ہے، بادشاہ کا لڑکا ہو یا کسی فقیر کا، تاجر کا بیٹا ہو، یا مزدور کا جو چاہے علم دین حاصل کر کے اسلام کی خدمت میں حصہ لے سکتا ہے۔ علم دین کی تحصیل کے دروازے کسی مسلمان پر بند نہیں، لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ علم دین سے جاہل رہ کر بھی اسے دین کے معاملہ میں دخل در معقولات کا حق حاصل ہے اور اسلام کو ملاؤں کے چنگل سے آزاد کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ہر شخص کو لاوارث اسلام کے پوسٹ مارٹم کا حق ہے تو انشاء اللہ قیامت تک یہ تمنا بر نہ آئے گی:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَاللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾ [الصف:۸]

[ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ-جنوری ۱۹۷۴ء]

حج بیت اللہ

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یوں تو ہر عبادت کے لئے قدم قدم پر رحمت وعنایت اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں، نماز وزکاۃ اور روزہ واعتکاف وغیرہ سب پر جنت اور جنت کی بیش بہا نعمتوں کے وعدے ہیں لیکن تمام عبادات میں حج بیت اللہ کی شان سب سے نرالی ہے، حج گویا دبستانِ عبدیت کا آخری نصاب ہے جس کی تکمیل پر بارگاہِ عالی سے رضا وخوشنودی کی آخری سند عطا کی جاتی ہے، کتنے عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے۔

"والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة"(۱)

اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہی ہے۔

گویا حج مبرور ایک ایسی عالی شان عبادت ہے کہ بجز جنت کے اس کا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے، جَ

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب المناسك، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها ج:۱ ص:۲۳۸، ط: قديمی. مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الاول ص:۲۲۱، ط: قديمی

مبرور جس کا بدلہ صرف جنت ہی ہو سکتی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس میں گناہ کی آلودگی اور ریا کاری کا شائبہ نہ ہو، یعنی تمام سفر حج میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی بچے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج کیا جائے، بلا شبہ اس شرط کا نبھانا بھی بہت مشکل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل ہی سے یہ مشکل مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔

عشق و محبت کا سفر

حج کی ظاہری صورت بھی عجیب و غریب ہے اور اس میں غضب کی جاذبیت ہے، قدم قدم پر عشق و محبت کی پُر بہار منزلیں طے ہوتی ہیں، سب سے بڑے دربار کی حاضری کا قصد ہے، دل میں دیارِ محبوب کی آرزوئیں مچلتی ہیں، سفر طویل ہے، حلال و طیب توشہ سفر کا اہتمام کیا جا رہا ہے، نیک اور صالح رفیق کی تلاش ہو رہی ہے، چشم پرنم کے ساتھ عزیز و اقارب سے رخصت ہو رہے ہیں، لین دین کا حساب باق کیا جا رہا ہے، حق حقوق کی معافی طلب کی جا رہی ہے، کوشش یہ ہے کہ اس دربار میں حاضر ہوں تو کسی کا معمولی حق بھی گردن پر نہ ہو، لیجئے روانگی کا وقت آیا، غسل کر لیجئے اور دو سفید نئی چادریں پہن لیجئے، گویا انسان خود اپنے ارادہ و اختیار سے سفر آخرت پر روانہ ہو رہا ہے، پہلے غسل سے بدن کے ظاہری میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور پھر کفن کی چادریں اوڑھ کر دوگانہ احرام ادا کرتا ہے، اس طرح گویا توبہ و انابت سے دل کے میل کچیل سے اپنے باطن کو پاک صاف کرتا ہے اور ظاہری و باطنی نظافت کے ساتھ شاہی دربار میں نذرانہ عشق و محبت پیش کرنے کا عہد کر لیتا ہے۔ ارحم الراحمین نے دعوت دے کر بلایا ہے اور شاہی دربار سے بلاوا آیا ہے، یہ فوراً بیت اللہ الحرام کے شوق دیدار میں اس دعوت پر ”لبيك اللهم لبيك“ (میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مستانہ وار سوئے منزل روانہ ہو جاتا ہے۔

یہ اس والہانہ و عاشقانہ عبادت کی ابتدا ہے، زیب و زینت کے تمام مظاہر ختم، راحت و آسائش کے تمام تقاضے فراموش، نہ سر پر ٹوپی، نہ پاؤں میں ڈھب کا جوتا، نہ بدن پر ڈھنگ کا کپڑا، دیوانہ وار رواں دواں منازل عشق طے کرتا ہوا جا رہا ہے، دیارِ محبوب کی دھن میں بادہ پیائی ہو رہی ہے۔

در بیابانہا زشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

پہنچتے ہی مرکز تجلیات (کعبہ) پر نظر پڑی تو بے ساختہ دارِ محبوب کا طواف کرتا ہے، بار بار چکر لگاتا ہے، حجر اسود جو ”یمین اللہ فی الارض“ کی حیثیت رکھتا ہے اس کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے، ملتزم سے چمٹتا ہے، زار و قطار روتا ہے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے:

نازم بچشم خود کہ روئے تو دیدہ است
افتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ زنم من دستِ خویش را
کہ بدامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس بے خود عاشق زار کو جو قلب تپاں اور جگر سوزاں لے کر آیا تھا، پہلی مہمانی کے طور پر آب زمزم کا تحفہ شیریں پیش کیا جاتا ہے، جس سے تسکین قلب بھی ہوگی اور جگر کی پیاس بھی بجھے گی اور حکم ہوتا ہے کہ جتنا پانی پیا جا سکے پی لے، خوب دل ٹھنڈا کر لے کوئی کسر نہ چھوڑ، یہاں سے فارغ ہو کر صفا و مروہ کے درمیان چکر لگاتا ہے، پھر منیٰ پہنچتا ہے پھر اس کے آگے عرفات کا رخ کرتا ہے، آج وادی عرفات سچ مچ ہنگامہ محشر کا منظر پیش کر رہی ہے، حیرت انگیز اجتماع ہے، رنگا رنگ مختلف شکلیں، مختلف زبانیں، بوقلموں مناظر، یہ سب رب العالمین کے دربار قدس کے مہمان ہیں، یہ شاہی دربار میں عبدیت و بندگی، ضعف و بے کسی، عجز و درماندگی اور ذلت و مسکنت کا نذرانہ پیش کریں گے اور رضا و مغفرت، فضل و احسان اور انعام و اکرام کے گوہر مقصود سے جھولیاں بھر کر لے جائیں گے، اپنے لئے، اپنے اعزہ و اقارب اور دوست احباب کے لئے آج جو کچھ مانگیں گے نقد ملے گا، زوال ہوا تو ہر چہار طرف سے آہ و بکا کا شور برپا ہوا، اس کی آواز بھی اس حیرت انگیز طوفان گریہ و زاری میں ڈوب گئی، شام تک کا سارا وقت اسی عالم تحیر میں گذارتا ہے، کبھی خوب رو رو کر مانگتا ہے، کبھی لبيك اللّٰهم لبيك کا نعرہ لگاتا ہے، کبھی تکبیر کی گونج سے زمزمہ آراء ہوتا، کبھی تہلیل سے نغمہ سرا ہوتا ہے، کبھی ”لا اله الا الله وحده لا شريك له“ سے وحدانیت و ربوبیت کی صدائیں بلند کرتا ہے، عابد و معبود کا یہ تعلق کتنا دلربا ہے؟ اور بندگی و سر افگندگی کا یہ منظر کس قدر حیرت افزا ہے؟

آفتاب غروب ہوا اور اس دشت پیمانے بوریا بستر باندھ مزدلفہ کا رخ کیا، شب بیداری وہاں ہوگی، مغرب وعشا کی نماز وہاں پڑھی جائے گی، اظہار آداب بندگی میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے تو وہاں نکالی جائے گی، کبھی رکوع و سجود ہے کبھی وقوف و قیام ہے، کبھی تہلیل و تکبیر ہے، کبھی تسبیح و تلبیہ ہے، گریہ و زاری، دعا و مناجات اور تضرع و ابتہال کا نصاب پورا ہوا تو کامیابی و کامرانی کی نعمت سے سرشار ہو کر وہاں سے منیٰ کو چلا، دشمنِ انسانیت، عدو مبین، راندہ بارگاہ، ابلیس لعین کی سرکوبی کے لئے جمرہ کی رمی کی، خلیل و ذبیح (علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام) کی سنتِ قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دی اور رضائے محبوب کے لئے جان و مال کے ایثار و قربانی کا عہد تازہ کر لیا، وہاں سے بارگاہِ قدس کے مرکز انوار کی زیارت کو چلا اور طواف کعبہ کے انوار و برکات سے دیدہ و دل کی تسکین کا سامان کیا۔

الغرض اس عاشقانہ و والہانہ عبادت میں دیوانہ وار ایثار قربانی اور عبدیت و فنائیت کا ریکارڈ قائم کر لیتا ہے

اور تجلیات ربانی کے انوار و برکات سے سراپا نور بن جاتا ہے اور رحمت و رضوان کے تحفوں سے مالا مال ہو کر اور استحقاق جنت کی آخری سند لے کر اپنے وطن کو واپس لوٹتا ہے۔ اس طرح بندہ بندگی کا ثبوت دے کر جنت و رضوان الٰہی کی نعمتوں سے سرفرازی کے تمغۂ وصول کر لیتا ہے "والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة"(۱) کے آخری انعام سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ دیکھئے کس انداز سے عشق و محبت کی منزلیں طے کی گئیں اور کس کس طرح شاباشوں سے نوازا گیا، یہ اس عاشقانہ و عارفانہ عبادت کا بہت ہی مختصر سا نقشہ ہے۔

سفرِ عشق میں امتحان

ظاہر ہے کہ مقصد بہت ہی اعلیٰ ہے اس لئے کبھی کبھی اس مقصد کے حصول کے لئے امتحان بھی ناگزیر ہوتا ہے، مدتوں کے جمے ہوئے تہ بر تہ زنگ و غبار کو دور کرنے کی لئے شدید تنقیہ کی ضرورت پڑتی ہے، کبھی جان پر امتحان آتا ہے، کبھی مال پر، کبھی رفقاء سے تنہا کر کے آزمایا جاتا ہے، کبھی پیدل کر دیا جاتا ہے، کبھی ہر آسائش و راحت چھین کر آخرت کی آسائش و راحت کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ بہرحال یہ راز سربستہ کسی کے بس کی بات نہیں، شانِ ربوبیت کے کریمانہ کرشمے ہیں، شانِ صمدیت کا ظہور ہے اور ارحم الراحمین کی رحمت خفیہ کے شیون ہیں۔ رحمت الٰہی کا ظہور کبھی بصورت رحمت ہوتا ہے، کبھی بشکل زحمت، کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں، یہ وہ مقام ہے کہ عارفین جو دریائے معرفت کے غوطہ زن ہیں وہ بھی سرِ حیرت جھکا کر خاموش ہیں، صبر آزما امتحان لیا جاتا ہے، کبھی جوع و خوف سے، کبھی انفس و اموال زیر امتحان ہوتے ہیں، رضا بالقضاء کے لئے مجبور کر دیا جاتا ہے اور مہربانی اور شاباش کی بارش ہوتی اور آخر میں جنت کی سند مل جاتی ہے اور " والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة"(۲) کا تحفہ عطا کیا جاتا ہے، بلاشبہ عبدیت کا ظہور اور شانِ عشق و محبت کا مظاہرہ جس طرح حج بیت اللہ احرام میں ہوتا ہے کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا۔

امسال سال گذشتہ یا گذشتہ سالوں کی بہ نسبت بے حد ہجوم تھا اور تقریباً نصف ملین (۵۰۰۰۰۰) خدا کی مخلوق زیادہ پہنچ گئی تھی، محدود مقامات اور محدود انتظامات میں غیر محدود مخلوق کا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا، قیام و طعام کی دشواریاں تھی، ٹریفک اور مواصلات کا نظام تقریباً بس سے باہر تھا۔ ایک ترکی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی جن کی دیوہیکل بسوں نے تمام حجاج کرام کو بے بس بنا دیا تھا، کہ تین بند راستے مشغول شاہ فیصل کے عہد

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناسك، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها ج:۱ ص:۲۳۸،
ط: قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناسك، ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، ج:۱ ص:۲۳۸،
ط: قدیمی

مبارک کے شاہانہ انتظامات نے بھی عجز و تقصیر کا اعتراف کیا۔ اگر چہ قدم قدم پر حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کرم فرما تھی اور شاہ فیصل کے عہد کے برکات بالکل ظاہر و باہر تھے لیکن پھر بھی حکومتوں کا حج پر کنٹرول کر کے حجاج کے کوٹے مقرر کر کے تحدید کرنے کی مصلحتیں تکوینی طرز پر واضح ہوگئیں، اس سلسلہ میں چند باتیں اور گذارشات ضروری خیال کرتا ہوں۔

حجاج کے لئے چند ضروری ہدایات

① عورتوں اور مردوں کا ناگفتہ بہ اختلاط طوافوں میں، نمازوں میں اور سلام کی حاضری میں غیر شرعی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کے طواف کے لئے رات یا دن میں کوئی وقت مخصوص کر لیا جائے اور اس طرح سلام کی حاضری کے لئے بھی وقت مخصوص ہو ان اوقات میں مردوں کو طواف یا حاضری سے روکا جائے۔

② نہ تو عورتوں پر جماعت کی پابندی ہے نہ مسجد کی حاضری کی فضلیت ہے، نہ نماز جمعہ ان پر فرض ہے، اس لئے عورتیں گھر میں نماز پڑھا کریں اور اسی طرح جمعہ میں عورتوں کی حاضری روکی جائے، موجودہ صورت حال نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً قابل برداشت ہے۔

③ رمی جمرات کے لئے عورتیں رات کو جایا کریں جس طرح بوڑھوں اور مریضوں کے لئے بھی یہی وقت مناسب ہے، بلا شبہ بغیر عذر کے یہ خلاف سنت ہے لیکن موجودہ صورت حال میں ان شاء اللہ کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

④ تمام حضرات جو حج بیت اللہ الحرام کا ارادہ کریں تمام ضروری مسائل یاد کر کے آئیں، فرائض و واجبات کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ بسا اوقات یہ دیکھا گیا کہ لوگ فرائض و واجبات میں تقصیر کرتے ہیں اور فضائل و مستحبات کا اہتمام ہوتا ہے۔

اس وقت جو صورتِ حال ہے قانونی و فقہی احکام کے پیش نظر تو یہ امید رکھنا بہت مشکل ہے کہ یہ عبادت صحیح ادا ہوئی یا یہ حج مبرور ہوگا، صحیح طواف کیسے ہو؟ اور اس میں کیا کیا باریکیاں ہیں؟ اگر ایک قدم طواف کا ایسا ادا ہو کہ بیت اللہ کی طرف سینہ ہو جائے تو سارا طواف بیکار ہو گیا اگر شروع کرنے میں حجر اسود سے تقدم ہو گیا تو طواف میں نقصان آ جاتا ہے، اگر ایک انچ ہٹ کر طواف شروع کیا تو سرے سے طواف ہوا ہی نہیں، خاص کر ازدحام و ہجوم میں صحیح طواف کرنا بے حد دشوار مرحلہ ہے، عورتیں مردوں کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہیں، ایک عورت اگر صف میں مردوں کے درمیان کھڑی ہوگئی تو تین مردوں کی نماز غارت ہوگئی، جو شخص دائیں ہو جو بائیں ہو، جو اس سیدھ میں پیچھے ہو، اگر ایک ہزار عورتیں اس طرح صفوں کے درمیان ہیں تو تین ہزار مردوں کی نماز فاسد ہوگئی۔ دوران سفر بہت سی نمازیں قضاء ہو جاتی ہیں اگر فرض نماز قضا ہوگئی تو حج مبرور کی توقع رکھنا مشکل ہے۔ الغرض اس طرح

دسیوں مسائل ہیں کہ جن سے عوام تو کیا علما بھی غافل ہیں، رمی جمرات میں تو معمولی عذر پر دوسروں کو وکیل بنایا جاتا ہے، اس طرح وہ توکیل صحیح نہیں ہوتی، دم لازم آجاتا ہے، غور کرنے سے محسوس ہوا کہ جہاں تک مسائل واحکام کا تعلق ہے مشکل سے یہ کہا جائے گا کہ یہ حج صحیح ادا ہوگیا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کے پیش نظر کوئی بعید نہیں کہ اگر نیت صحیح ہو اور جذبہ سچا ہو تو تمام کوتاہیاں اور قانونی فروگذاشتیں سب معاف ہوں اور ارحم الراحمین کی رحمت عامہ سے یہی امید ہے کہ اپنے گنہگار بندوں کی کوتاہیوں سے درگذر فرما کر اپنی رحمت ونعمت سے نوازے اور نہ معلوم کس کی کون سی ادا قبول ہو جائے اور کیا کچھ خزانہ رحمت سے ملے اور بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کی موسلا دھار بارش میں کوئی بدنصیب ہی محروم رہے گا، ہوسکتا ہے کہ چند مقبولین بارگاہ کے طفیل سب کا حج قبول ہو، اس کی شان کریمی کے سامنے سب کچھ آسان ہے۔ کاش! اگر حق تعالیٰ کی اتنی مخلوق قانون کے مطابق جذبات صادقہ سے والہانہ انداز سے یہ فریضہ ادا کرتی تو امت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور تمام عالم میں ان نمائندگان بارگاہ قدس کا فیض جاری ہوتا جس حریم قدس کو ان شاندار کلمات سے وحی ربانی میں یاد کیا ہو:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ
بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ [آل عمران:۹۷]

ان آیات بینات اور ان برکات وتجلیات کا کیا ٹھکانا؟ بہرحال کہنا یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ قانون کی رو سے بھی صحیح حج ہو اور نیت وجذبہ بھی سچا ہو اور قدم قدم پر تقصیر کا احساس ہو اور یہ تصور مستمر قائم ہو کہ اس حریم قدس میں حاضری کے آداب کی اہلیت کہاں؟ ہم جیسے ناپاکوں کو اس سرزمین میں حاضری کی دعوت دی گئی اور پہنچ گئے یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا عظیم احسان ہے کہ اس مقدس زمین اور بقعہ نور میں سراپا ظلمات والے کو جگہ عطا فرما دی، توقع ہے کہ اس احساس سے بارگاہِ قدس میں شرف قبولیت نصیب ہو۔ یہ جو کچھ بیت اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ بہت سطحی حقائق کے درجہ میں بات عرض کی گئی ورنہ جو حقائق واسرار عارفین وکبارِ صوفیاء کرام شیخ اکبر، امام ربانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شیخ سید آدم بنوری، شاہ عبدالعزیز اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعاً نے بیان فرمائے ہیں وہ ''بینات'' کے دائرہ بیان سے بالاتر ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے رسالہ ''بغية الاريب في مسائل القبلة والمحاريب'' کے آخر میں کچھ تھوڑا سا حصہ بیان کیا ہے۔ بہرحال کعبۃ اللہ اس مادی کائنات میں شعائر اللہ میں داخل ہے، نماز میں اگر حق تعالیٰ شانہٗ سے مناجات وہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو حج میں حق تعالیٰ کے گھر میں مہمانی کا شرف ومجد حاصل ہے۔ جب ہم کلامی کی عظمت بیت الحرام میں نصیب ہو اور دونوں عظمتیں جمع ہو جائیں تو جو کچھ بھی اس کا درجہ ہوگا تصور وخیال سے بالاتر ہے:

''نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز''

یہ وہ مقام ہے کہ انتہائی تعظیم وادب کی ضرورت ہے لیکن آج کل ہماری غفلت و جہالت سے جوصورت حال ہے وہ ظاہر ہے، افسوس یہ ہے کہ ہماری تمام عبادات کی صرف صورت رہ گئی روح نکل گئی ہے، تمام عبادات بے جان لاشے ہیں، اگر ان میں جان ہوتی تو آج امت محمدیہ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، حق تعالیٰ کی رحمت ہے اور اسلام کا حکیمانہ نظام ہے کہ مساجد بھی بیوت اللہ ہیں ﴿وان المساجد لله فلا تد عوا مع الله احدا﴾ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں ان میں صرف اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہئے۔ آخری سب سے بڑا مرکزی گھر وہ مسجد حرام وہ بیت الحرام ہے جس سے عالم میں بجز اس مقام کے جہاں حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں کوئی مقدس قطعہ نہیں، جہاں پر حق تعالیٰ کی طرف سے انوار کی موسلا دھار بارش برستی ہے، فرشتے طواف کے لئے آسمانوں سے اترتے ہیں، حق تعالیٰ مسلمانوں اور حجاج کرام کو توفیق نصیب فرمائے کہ اس مقام کی صحیح معرفت نصیب ہو بقدر طاقت بشری حق ادا کرسکیں۔

[محرم الحرام ۱۳۹۵ھ۔فروری ۱۹۷۵ء]

اعضائے انسانی کی تبدیلی

آئے دن اسلامی ممالک میں علمی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور سیمینار، کلوکیم اور مجلس مذاکرات ومباحثات منعقد کی جاتی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر مندوبین کو بلایا جاتا ہے پرتکلف انتظامات کئے جاتے ہیں، لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں، مگر ان کی تہ میں دیکھئے تو اکثر و بیشتر سیاسی مصالح چھپی ہوتی ہیں، کم از کم کسی مملکت کی سستی شہرت کے لئے تو کامیاب نسخہ ہے ہی، علمی مسائل اور دینی مشکلات کو سیاسی سطح پر لاکر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ووٹوں کی کثرت وقلت اور اٹھے ہوئے ہاتھوں سے فیصلے کئے جاتے ہیں، حکیم مشرق نے سچ کہا ہے:

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دوصد خر فکرِ انسانی نمی آید

ظاہر ہے کہ علمی مشکلات حل کرنے کے لئے پرسکون علمی ماحول کی اور علمی دماغوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، پارلیمانی مجلسی ہنگامہ آرائیوں سے اور سیاسی مصالح کی آمیزش سے کیا یہ مسائل طے ہوسکتے ہیں؟ پھر اکثر و بیشتر ارکان غیر علمی ہوتے ہیں ان کی نامزدگی حکومت کے رحم وکرم پر موقوف ہوتی ہے، کس کو نمائندہ بنائے اور بھیجے، بھلا غیر علمی اشخاص علمی مسائل میں کیا رائے دے سکتے ہیں اور ان کی رائے کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟

اسی سلسلہ کی کڑی یہ ہے کہ اپریل ۶۹ء کے آخری ہفتہ میں کوالالمپور، ملائشیا کے دارالخلافہ میں ایک سیمینار منعقد ہوا ہے۔ ۱۸/ اسلامی ملکوں سے نمائندے پہنچے ہیں، ہماری مملکت کی جانب سے بھی آٹھ ارکان کا ایک وفد گیا ہے جس میں ہمارے ملک کے ایک مایہ ناز اور ممتاز عالم مولانا شمس الحق صاحب افغانی بھی تھے،

مگر ”اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے“ فقہی مسائل میں جو مسئلہ طے ہوا ہے وہ اعضاء انسانی کی تبدیلی کا مسئلہ ہے۔ مثلاً ایک آدمی کی آنکھ دوسرے آدمی کے لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے اعضاء، بلاشبہ یہ مسئلہ انتہائی توجہ اور تحقیق کا محتاج ہے، مصر کے بعض علماء نے تو عرصہ ہوا جواز کا فتویٰ دے دیا تھا، سید رشید رضا وغیرہ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن یہ مسئلہ اتنا سطحی نہیں ہے۔ کراچی میں مجلس تحقیقات مسائل حاضرہ نے مختلف اور متعدد مجالس میں اس پر غور کیا۔ اور مذاہب اربعہ کی تمام کتابیں چھان ڈالی ہیں اور علماء ہند و پاک سے استفتاء بھی کیا ہے آخر میں جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ عدم جواز ہے، البتہ خون مریض کو دینے کا جواز تو ہے لیکن ایک انسان کے اعضاء دوسرے انسان کو منتقل کرنے کی گنجائش نہیں، نہ معلوم کہ ان حضرات نے کن فقہی دلائل کی بنیاد پر یہ اتفاق رائے کیا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے یہ طے شدہ مسائل شائع کئے جائیں گے، فقہی مسائل بے حد بحث و تحقیق کے محتاج ہیں۔

کہنا یہ تھا کہ اس قسم کے علمی مسائل کے لئے فقہی ذوق کے علاوہ کتب مذاہب کے وسیع مطالعہ کی شدید ضرورت ہے اور ادلہ پر ہر پہلو سے غور کرنے کی حاجت ہے، ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں یہ مسائل کیسے طے ہو سکتے ہیں اور کیا اگر گوالا لمپور میں چند حضرات نے فیصلہ کر لیا تو کیا ان کا فیصلہ تمام دنیا کے لئے حجت ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ بھی یقینی معلوم نہیں کہ طے کرنے والے کون یگانہ روزگار فقہاء ہیں؟ دراصل لادینی قوموں میں یا امریکہ و یورپ میں ایک چیز کا تعامل شروع ہو جاتا ہے مذہب سے ناآشنا حکمراں چاہتے ہیں کہ ان کی تقلید کے لئے کوئی دلیل مل جائے اور ہم بھی پیچھے نہ رہیں یہ شرمناک قسم کا احساس کمتری اور بے حمیتی ہے۔ اعاذنا الله منه.

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور جمعیۃ علماءِ اسلام

محرم ۸۹ھ کے بصائر میں حضرت بنوری مدظلہ کی شائع شدہ تقریر سے متعلق مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل نے ایک مکتوب روانہ کیا حضرت مولانا نے اس کے اور ان کے ایک سابقہ مکتوب کے پیش نظر یہ جواب لکھا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

برادر محترم زادکم اللہ مجداً، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نامۂ کرم۔ نے نوازا، وقت کے موجودہ فتن سے متعلق بینات کے تازہ شمارہ میں بصائر و عبر کے عنوان کے تحت میری شائع شدہ تقریر کے بارے میں آپ نے جن نیک جذبات کا اظہار اور اس پر جو میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے اس کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

کچھ عرصہ قبل آپ کا ایک اور طویل مکتوب بھی وصول ہوا تھا جس میں آپ نے جمعیت علمائے اسلام

کے طرز عمل اور وقت کی بعض تحریکوں سے متعلق ان کے مؤقف اور پھر اس بارے میں میری خاموشی پر سخت تنقید کی تھی، اس خط کا جو جواب میں نے فوری طور پر پیش کیا تھا اس میں میں نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ جمعیت علماء اسلام کے ساتھ میرا کوئی رسمی تعلق نہیں ہے البتہ میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور میں ان کو ان کے مؤقف اور عمل میں مخلص ضرور سمجھتا ہوں۔

آپ کا یہ خط دراصل میرے محترم دوست مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے اس بیان سے متعلق تھا جو انہوں نے ایک پریس میں دیا تھا اور اخبارات کے غلط تصرف کی وجہ سے اس کا مفہوم بظاہر وہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جو کہ اس بیان سے مولانا موصوف کی مراد ہو سکتا تھا۔ جس وقت میں آپ کے اس خط کا جواب دے رہا تھا مولانا موصوف کا تردیدی بیان ابھی اخبارات میں شائع نہیں ہوا تھا، تاہم مولانا کے تقویٰ، تدین، خلوص اور مجاہدانہ زندگی کے پیش نظر جس کا ہمیں ذاتی طور پر اچھی طرح علم ہے میں نے از خود مولانا کی طرف سے دفاع اور ان کے قول کو اچھے محمل پر حمل کرنا اپنا فریضہ سمجھا اور غالباً اس خط میں آپ کے اس رویہ پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا کہ آپ ایک شخص کے ساتھ مخالفت ہونے کی وجہ سے اس کی پوری زندگی اور اعمال کو نظر انداز کر کے اس کے متعلق اس قسم کی بے باکانہ رائے قائم کر دیتے ہیں اور جن کے ساتھ آپ کا قلبی تعلق اور محبت ہے ان کے وہ مساوی بھی محاسن نظر آتے ہیں جن کے خلاف ملک بھر کے علماء کا اجماع ہو چکا ہے۔

بہر حال آپ کے گذشتہ عتاب اور موجودہ حوصلہ افزائی کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ کسی شخص یا جماعت یا کسی نظریہ کی تائید یا تردید میں جو کچھ میرے قلم یا زبان سے نکلتا ہے وہ محض مذہبی نقطہ نگاہ سے ہوتا ہے۔ سیاسیات سے میرا کوئی تعلق یا لگاؤ نہیں اور اس لئے میرے جملہ بیانات ہر قسم کی سیاسی مصالح سے ہمیشہ بالاتر ہوتے ہیں۔

مجھے متعدد بار مصر اور بعض دوسرے عرب ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا، میں نے اپنے علم و فراست کے مطابق وہاں کے حالات کا جو جائزہ لیا وہ بالکل آزادانہ طور پر سپرد قلم کیا۔ میں نے جیسا کہ ناصر کی اشتراکیت نوازی اور عرب قومیت کی علمبرداری پر تنقید کی ایسے ہی اس کی سامراج دشمنی اور اس کے غیور و شجاع اور کیرکٹر کے مضبوط ہونے پر اس کی تعریف کی اور اس کی بعض اسلامی خدمات کو سراہا بھی، کوئی سیاست مجھے اس غلط بیانی پر آمادہ نہ کر سکی کہ میں اس کو خواہ مخواہ یہودیوں کے ایجنٹ اور اسلام کے بدترین دشمن کی شکل میں ظاہر کروں، ایسے ہی حال ہی میں جب ملک میں سوشلزم اور کمیونزم زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے جو کہ دراصل اس ملعون سرمایہ دارانہ نظام کا ردعمل تھا جو کہ مغربی سامراج نے زمانہ دراز سے ان بلاد پر مسلط کر رکھا ہے اور اس بات کا خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ملک کے عوام جو کہ اس سامراجی نظام کی پیدا کردہ معاشی مشکلات سے بری طرح دوچار ہیں، کہیں اپنی مشکلات کے حل کے طور پر اس قسم کی لادینی تحریکوں اور محض مادی بنیادوں پر استوار نظام حیات کو قبول کرنا شروع

نہ کردیں، تو میں نے ان فتن سے عوام کو آگاہ کرنا اور یہ بتلانا اپنا فریضہ سمجھا کہ ان کی مشکلات کا حل اسلام میں جو ہر اعتبار سے جامع ترین دین ہے، بطریق احسن موجودہ ہے، یہاں بھی میری یہ تنقید خالص دینی جذبہ کے تحت تھی، یمین ویسار کی کش مکش میں کسی ایک طرف جھکاؤ کبھی میری طبیعت کا تقاضا نہیں رہا، مغربی سامراج نے جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچایا ہے وہ میرے نزدیک اس نقصان سے کسی درجہ میں بھی کم نہیں جو روس اور چین کے ہاتھوں مسلمانوں کو پہنچا ہے۔

الغرض امریکہ اور چین کی اس موجودہ جنگ میں ملک کی سیاسی جماعتوں کا مؤقف مختلف ہے، بعض مذہبی سیاسی جماعتیں کمیونزم اور سوشلزم کو شکست دینے کے لئے امریکی اور برطانوی سامراج کو تقویت دینے اور ان کا آلہ کار بننے سے دریغ نہیں کرتی ہیں، جبکہ بعض دوسری جماعتیں مغربی سامراج کی بیخ کنی کے لئے اس کے ساتھ برسر پیکار تمام طاقتوں کے حق میں قدرے نرمی برتنے کو مصلحت کا تقاضا سمجھتی ہیں اور میں چونکہ کسی بھی سیاسی مکتب فکر سے وابستہ نہیں اس لئے تمام باطل قوتوں پر بے لاگ اور آزادانہ نکیر کرنے میں مجھے کوئی جھجک اور تردد نہیں ہوسکتا لیکن اپنے اس آزادانہ مؤقف کے باوجود میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ میرے اس قسم کے بیانات کو آپ یا آپ کی جماعت اپنی بعض حریف جماعتوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیں۔ (۱)

میں اگرچہ جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رسمی طور پر وابستہ نہیں ہوں اور نہ ہی اپنے مشاغل کی بنا پر ان سے کوئی خاطر خواہ تعاون کرسکا ہوں لیکن باوجود اس کے میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور میرے نزدیک یہ جماعت ہی وہ صحیح المسلک مذہبی سیاسی جماعت ہے جس سے مسلمانوں کو خیر کی توقعات وابستہ کر کے اس کو تقویت پہنچانا چاہیئے۔ جمعیت کے زعماء کو میں قریب سے جانتا ہوں ان کا سیاسی مؤقف کچھ بھی سہی لیکن ان کے متعلق اس بات کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں سوشلزم یا کسی اور باطل نظام کو ایک لمحہ کے لئے قبول کرنے پر آمادہ ہوسکتے ہیں، ان کا ماضی اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سلف صالح اور اہل سنت والجماعت کے مسلک سے دفاع کیا ہے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کسی قسم کی قربانی اور جہاد سے کبھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ اس وقت بھی اسلامی تعلیمات کے تحت ملک کے معاشی مسائل کا حل تلاش کرنے میں جمعیت مصروف ہے۔

اخیر میں ایک بار پھر آپ کے نیک جذبات پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں آپ کے مفید مشوروں پر عمل کی کوشش کی جائے گی، اللہ ہم سب کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائے۔

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

---

(۱) یعنی اس بیان کو ''جمعیت علماء اسلام'' کے اس موقف کے خلاف بطور حجت پیش کرنا کہ ''روس اور چین کے متوقع خطرات کے سدباب کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے امریکہ اور برطانیہ کی بالفعل مسلط کردہ لعنتوں کا خاتمہ از حد ضروری ہے''۔

استخارہ اور اس کا مسنون طریقہ

جن مخلصین واحباب کے خطوط آرہے ہیں ان سب کے لئے یہ لائحہ عمل پیش کیا جارہا ہے کہ مسنون استخارہ پر عمل کریں، نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں استخارہ مسنونہ کی ترکیب بھی لکھ دی جائے اور دعا بھی لکھ دی جائے۔ درحقیقت استخارہ مشکاۃ نبوت کی ایک روشنی ہے جو امت کو دکھلائی گئی ہے اور امت کے ہر پریشان حال انسان کی قیامت تک کے لئے رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ یہ پیغمبرانہ تربیت ہے جس کی برکات قیامت تک جاری رہیں گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو اس طرح استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورتیں بچوں کو یاد کرائی جاتی ہیں اور تعلیم دی جاتی ہیں۔ بزرگان دین کے تجربوں میں بہت سی صورتیں استخارہ کی آئی ہیں اور ان کے ذریعے انسان کی رہنمائی بھی ہوجاتی ہے لیکن ہادیٔ امت، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین اعلم الاولین والآخرین کے سینہ نبوت سے جو چیز نکلی ہو اس کی خیر وبرکت کا کیا کہنا۔

واضح ہو کہ استخارۂ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا وہ اس نے کرلیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرتِ کاملہ کے حوالہ کردیا، گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدور کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے۔ گویا استخارہ کیا ہے حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے، اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کردی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم کریم ہے؟ اس کا کرم بے نظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بے عدیل ہے، اب جو صورت انسان کے حق میں مفید ہوگی حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا اس کی رہنمائی فرمائی گا، پھر نہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت۔ جو اس کے حق میں خیر ہوگا وہی ہوگا، چاہے اس کے علم میں اس کی بھلائی آئی یا نہ آئے، اطمینان وسکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہوگا وہی جو خیر ہوگا۔ یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب، اسی لئے تمام امت کے لئے تاقیامت یہ دستور العمل چھوڑا گیا ہے اور اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ:

”من سعادة ابن ادم استخارته من الله ومن شقاوته ترك الاستخارة“(۱)

انسان کی سعادت ونیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بدنصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے۔

اب استخارہ کی دعا ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے:

---

(۱) مجمع الزوائد، باب الاستخارة ج: ۲ ص: ۳۳۰، ط: دارالفکر بیروت.

مشکوۃ، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، الفصل الثانی ص: ٤٥٣، ط: قدیمی

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَ یَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ. وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ.

یا اللہ! میں آپ سے خیر چاہتا ہوں بوجہ آپ کے علم کے، اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ سے بوجہ آپ کی قدرت کے اور مانگتا ہوں میں آپ سے آپ کے بڑے فضل میں سے، کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں اور آپ عالم ہیں اور میں عالم نہیں اور آپ علام الغیوب ہیں۔ یا اللہ! اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام بہتر ہے میرے لئے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو تجویز کر دیجئے۔

اور آسان کر دیجئے اس کو میرے لئے پھر برکت دیجئے میرے لئے اس میں اور اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام برا ہے میرے لئے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو ہٹا دیجئے اس کو مجھ سے اور ہٹا دیجئے مجھ کو اس سے اور نصیب کر دیجئے مجھے بھلائی جہاں کہیں بھی ہو پھر راضی رکھئے مجھ کو اس پر۔

[جولائی ۰ـ۱۹۰]

جدہ سے احرام باندھنے کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفی:

رسالہ "الیواقیت فی احکام المواقیت" مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم وزیدت حسناتہم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا اور کچھ حصہ حضرت مصنف سے زبانی بھی سنا اور بحری حجاج مسافروں کے لئے جدہ سے جواز احرام کا مسئلہ ہماری فقہی مجلس کی متعدد مجالس میں زیر بحث آیا اور کافی غور وخوض ہوا اور "تحفة المحتاج شرح المنهاج" کی عبارت اور مخدوم ہاشم سندھی وغیرہ کی عبارت وآراء پر بھی غور ہوا اور بہت عرصہ پہلے انفرادی طور پر بھی بارہا غور کیا لیکن انشراح صدر نہیں ہوا کہ جدہ سے احرام کے جواز کی صورت درست ہو سکتی ہے جو کچھ فہم قاصر میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

سرزمین حرم یا مکہ معظمہ میں آنے کے لئے دنیا کے کسی گوشہ سے آئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود مقرر فرمادی ہیں، بلا احرام ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں، بیت الحرام کے شمال سے آنے والوں کے لئے "ذو الحلیفہ" ہے، مغرب سے آنے والوں کے لئے "جحفہ" ہے (جس کا جدید نام رابغ ہے) جنوب سے آنے والوں

کے لئے ''جبل یلملم'' ہے (جس کا جدید نام جبال سعدیہ ہے) مشرق سے آنے والوں کے لئے ''قرن المنازل'' ہے اور شمالی مشرق سے آنے والوں کے لئے ''ذات العرق'' ہے (جس کا جدید نام عقیق ہے) اب یا تو انہیں مقامات پر گذر ہوگا تب تو انہیں مقامات سے احرام باندھنا ہوگا یا ان سے فاصلہ سے گزرنا ہوگا تو دائیں یا بائیں یہ مقامات واقع ہوں گے ان کی محاذات اور مسامت سے احرام باندھنا ہوگا، اگر محاذات کی جگہ متعین نہ ہو سکے اور علم یا ظن غالب سے تعین ممکن نہ ہو تو اس وقت کسی ایسے مقام سے احرام باندھنا ہوگا جس کا فاصلہ کم از کم دو مرحلہ عرفیہ یا تین مراحل شرعیہ ہوں، کیونکہ قریب ترین مواقیت کا فاصلہ اتنا ہی ہے ظاہر ہے کہ میقات یا محاذاتِ میقات سے تجاوز کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ محاذات میقات مجہول ہو، نیز جدہ تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات کے مطابق داخل میقات ہے، اب جو شخص بحر میں سفر کر رہا ہو محاذاتِ میقات سے بلا احرام گذرے گا اور داخل میقات کے مقام پر پہنچے گا، اس پر تجاوز عن المیقات بلا احرام کا حکم لگ گیا۔

رہا یہ کہ محاذات کا علم صحیح طریقہ سے ممکن نہیں ہے؟ تو یہ بات صحیح نہیں ہے آج کل کے آلات ونقشہ جات اور جہاز رانوں کی معلومات کے پیشِ نظر یہ محض خیال خام ہے، نیز آج کل پاکستان سے جو جہاز جاتے ہیں جہاز ران تمام مسلمان ہوتے ہیں اطلاع دینے والے کافر کا سوال بھی ختم ہوجاتا ہے۔ شیخ ابن حجر ہیتمی مکی کا یہ فرمانا کہ جب ''تجاوز یمنة و یسرة'' یعنی دائیں بائیں ایسے حال میں کہ مسافر کا رخ مکہ کی سمت میں نہ ہو تو تاخیر احرام جائز ہے اور جب رخ مکہ کی طرف ہو تو اس وقت محاذات میقات سے احرام باندھنا ہوگا، قابل اطمینان نہیں ہے، جب مسافروں کا قصد مکہ ہی ہے اور آگے چل کر صحیح تعین محاذات کی مشکل ہو تو اس متعین محاذات کو چھوڑنا غیر معقول ہے جبکہ میقات اور محاذاتِ میقات سے پہلے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہے اور اسی وجہ سے ابن حجر کے چند شارحین نے ان کی رائے کی مخالفت کی ہے اگرچہ مدار خلاف کچھ اور ہے، صرف اتنی بات تجاوز عن المیقات کے لئے کہ مسافت جدہ اور یلملم برابر ہے جدہ سے احرام باندھنے کے لئے کافی نہیں، یہ تو صرف اس وقت حکم ہے کہ محاذات میقات کا تعین نہ ہو سکے۔ بہرحال جو کچھ ابن حجر ہیتمیؒ نے فرمایا ہے وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے اور تعجب ہے کہ موصوف نے اپنے دعویٰ کی تائید اور تدلیل میں کوئی فقہی یا حدیثی دلیل پیش نہیں فرمائی، اس لئے موصوف کے دعوی بلا دلیل پر اتنی بڑی بنیاد قائم کرنا صحیح نہیں اور میرے نزدیک فقہی مسئلہ یہی ہے کہ بحری مسافر کو یلملم کی محاذات سے احرام باندھنا ضروری ہے ورنہ دم لازم آئے گا اور توبہ بھی لازم ہوگی۔

[شعبان ۱۳۸۸ھ]

عائلی قوانین

عائلی قوانین جو سابق حکومت نے بزور اقتدار نافذ کئے تھے، قرآن وحدیث اور اسلامی مسلمات کے

خلاف ہیں، ملک بھر میں ان پر تنقیدیں کی گئیں، تمام دانشور حلقوں کی جانب سے ان پر احتجاج اور ان کی ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ کیا گیا۔ سابق حکومت نے خود منسوخ ہونا گوارا کیا، مگر افسوس کہ ان غلط قوانین کی صلاح کے لئے آمادہ نہ ہوئی، مقامِ مسرت ہے کہ موجودہ حکومت نے ان قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے (روزنامہ جنگ ۲۷؍فروری ۱۹۷۰ء) اگر یہ کارِ خیر موجودہ حکومت کے ہاتھوں انجام پائے تو مسلمانوں پر بڑا احسان ہوگا اور یہ کارنامہ موجودہ حکومت کے حسنات میں شمار ہوگا، البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے لئے موزوں افراد کو منتخب کیا جائے جو اس کی صحیح اہلیت رکھتے ہوں۔ اسلامی شریعت کو ٹھیک سمجھتے ہوں انہیں خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو اور عام مسلمانوں کو ان کے علم و دیانت پر اعتماد ہو ورنہ ساری محنت بے کار جائے گی۔ واللہ الموفق۔

[محرم الحرام ۱۳۹۰ھ]

نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ
اسلامی اصول کی روشنی میں (۱)

حامدا و مصلیا

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ ''مقاصد الفلاسفہ'' وغیرہ میں فرماتے ہیں:

''یونانیوں کے علوم میں حساب ہندسہ اور اقلیدس یقینی علوم تھے ان کو یقینی اور صحیح پاکر ان کے بقیہ علوم الہیات، طبعیات، نجوم وغیرہ کو بھی بعض لوگ ان کی تقلید میں صحیح خیال کرنے لگے''۔

حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے، نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت، اکثر جب لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہوجاتے ہیں ان کے بعض خود ساختہ غلط نظریات و افکار کو ہی یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اس میں تاویل کے درپے ہوجاتے ہیں اور ان کی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں۔ آج کل یہی وبا پھیل رہی ہے، بعض مشاہیر جن کے بعض کمالات و خصائل عوام میں مسلم ہوگئے ہیں اکثر لوگ ان کی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہوکر ان کے بقیہ خیالات و افکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کرکے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں۔ اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز خود دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے، ایک طرف اکابر امت اور اساطین اسلام، عمائدین اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی، رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام کی تحقیر کی جاتی ہے، کبار فقہاء امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر استبعاد دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف قرن حاضر کے بعض اربابِ قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر یا ان کی شخصیت سے مرعوب ہوکر ان کے ہر فکر اور ہر خیال کو

---

(۱) یہ مقالہ سہ روزہ ''صدق'' لکھنؤ کی چھ اشاعتوں (۱۸؍شعبان لغایۃ ۱۲؍رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ) میں شائع ہوا تھا۔

قطعی خیال کرنے لگتے ہیں۔ کچھ دنوں سے ہندوستان کے مؤقر جریدہ ''صدق'' میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ اور جو فتنہ قادیانیت کی وجہ سے پھر تقریباً چالیس سال زیر بحث رہا اور جس پر متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مولوی ابو الکلام صاحب، مولوی جار اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی اور مولانا آزاد نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ ''اگر یہ عقیدہ نجات کے لئے ضروری ہوتا تو قرآن میں کم سے کم (واقیموا الصلاۃ) جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں'' الخ۔ اس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شائع نہ ہو سکا اور نہ اس کا مسودہ میرے پاس ہے، غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصل داعیہ اس قسم کے خیالات میں عقلی استبداد ہے اور بدقسمتی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دے دیا گیا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے بعض نیک دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں۔

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ایک مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا اس کے جواب میں جے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا جس کی تنقیح حسب ذیل امور میں ہو سکتی ہے:۔

① نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں۔

② نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہنچیں۔

③ نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے، غیب کے آئندہ امور میں اجماع محل نظر ہے، ممکن ہے کچھ اور اجزاء بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصلی مدار ان تین چیزوں پر ہے اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں۔ اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آ رہی ہیں ان کا تصفیہ مقصود ہے۔ جے پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں نہ ان کے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے، نہ طالبعلمانہ بحثوں میں الجھنا مقصود ہے، نہ ان کی نیت پر حملہ ہے، صرف طالب حق کے لئے چند اصولی اساسی امور بیان کرنے ہیں۔ باقی جحود وعناد کا تو کوئی علاج نہیں، والسلام علی من اتبع الھدی.

① دین اسلام کے مہمات عقائد واعمال یا اصول وفروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے اسی طرح اعتقادی وعملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ بھی پہنچتے رہے ہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اس کی کل ضروریات ہم کو اس توارث کے ذریعہ پہنچی ہیں، لاکھوں کروڑوں مسلمان جن کو نہ تو قرآن تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبویہ کا علم ہے لیکن باوجود اس کے وہ دین کی مہمات وضروریات سے واقف رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان

اجمالی ہوتا ہے تفصیلات کے وہ اس وقت مکلف ہوتے ہیں جب ان کے علم میں آجائے۔ یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قرآن کریم وحدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دے دیا کہ اگر کسی وقت مدتوں کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہوجائیں تو تجدید واحیاء کے لئے ایک مکمل اساسی قانون اور علمی ذخیرہ بھی محفوظ رہے، تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت نہ آئے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے اور ظاہر ہے جب ''کتاب الٰہی'' خاتم الکتب الالٰہیہ ہو اور نبی کریم خاتم الانبیاء ہوں اور دین خاتم الادیان اور امت خیر الامم ہو تو اس کے لئے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لئے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لئے عملی نمونوں کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہے گی تاکہ علمی وعملی دونوں طرح حق وباطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جائے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لئے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کردیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱- ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹]

ترجمہ: ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''لا تزال طائفة من امتي قائمين على الحق لايضر هم من خالفهم ولا من خذ لهم حتى يأتي امر الله وهم على ذلك''(۱)

ترجمہ: یعنی ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ کے لئے دین حق پر قائم رہے گا کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا۔

اور میرے خیال ناقص میں تو ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ (اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دور میں کچھ اہل حق ضرور ہوں گے۔

بہر حال اتنی بات واضح ہوئی کہ محافظین حق اور قائمین علی الحق کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مہمات دین کے لئے صرف علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ ایک علمی نمونہ بھی موجود رہے گا اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا اگر بالفرض وہ علمی ودفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہوجائے تو حصول مقصود کے لئے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا۔

دین اسلام کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید وفروخت

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ج:۲ ص:۵۱٤، ایضاً کتاب العلم، باب من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین ج:۱ ص:۱٦، ط: قدیمی۔

صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب لاتزال طائفة من امتی ج:۲ ص:۱٤۳، ط: قدیمی

کی اجازت، شراب خوری، زنا کاری، قتل وقتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچتی رہی ہیں، بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں نہ اس بارے میں احادیث اصطلاحی متواتر ہیں لیکن باوجود اس کے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں۔

② ''ادلہ سمعیہ'' یعنی عقائد واحکام کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص چار قسم کی ہوتی ہیں:

الف: ثبوت ودلالت دونوں قطعی ہوں۔
ب: ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو۔
ج: دلالت قطعی ہو ثبوت ظنی ہو۔
د: ثبوت ودلالت دونوں ظنی ہوں۔

ثبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ورسول کا کلام ہے، دلالت کے معنی یہ کہ اس کے کلام کی مراد یہ ہے۔

قرآن واحادیث متواتر ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں البتہ دلالت کے اعتبار سے کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت۔

اخبار آحاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے، مزید تفصیل کے لئے عبدالعزیز بخاریؒ کی کتاب کشف الاسرار شرح اصولِ فخر الاسلام اور شرح تحریر الاصول ابن امیر حاج وغیرہ ملاحظہ ہوں، پہلی قسم سے انکار کفر ہے، دوسری تیسری قسم کی انکار سے کفر تک نوبت نہیں پہنچتی۔

③ تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو دل قبول کرے اور تسلیم کرے، قرآن میں (و صدق به) اور (و یسلموا تسلیما) سے یہی مراد ہے، صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطقی ومعقول تصدیق ہے قطعاً کافی نہیں ہے ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کی لئے اور نجات کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوئی۔

④ احادیث متواترہ کا افادہ قطعیت اہل حق بلکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

⑤ اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی اور شبہ کی گنجائش نہ رہے، نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں، بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہوتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے علماء اصول نے تصریح کردی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑ جاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہوسکتا ہے۔ دیکھئے ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' (ج: ۲ ص: ۱۱۰، مطبوعہ مصر)۔

⑥ بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق ومخارج کی تعداد پر نہیں

بلکہ دارو مدار تلقی بالقبول پر ہے، جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہ کے عہد ہی میں امت نے قبول کرلیا ہے وہی متواتر ہیں۔ اس تعریف کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے، بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرت رواۃ سے کہیں زیادہ مؤثر اور قوی ہے اسی کو ہم نے توارث وتعامل سے تعبیر کیا ہے۔ عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہوجائے گی۔

⑦ قرن اوّل میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی وثالث میں کمی آجائے یہ محض عقلی احتمال ہے، ذخیرہ حدیث میں اس کی مثال نہیں ملتی بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ یہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی وثالث میں اخبار آحاد کے راوی بھی اس کثرت کو پہنچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے۔

جے پوری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے اگرچہ آخری جزو کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کر گئے ہیں۔

⑧ احادیث متواترہ کا ذخیرہ حدیث میں نہ ہونا یا نہایت کم ہونا دونوں دعوے تحقیق اور واقعیت کے خلاف ہیں، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محققین اس خیال کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خیالات کا منشاء احوال رواۃ وکثرت طرق پر قلت اطلاع کے سوا اور کچھ نہیں، بلکہ فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تو دو مستقل رسالے تصنیف کئے ہیں جن میں احادیث متواترہ کو جمع کیا ہے (۱) الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة یہ رسالہ چھپ چکا ہے (۲) تدریب الراوی (ص:۱۹۱) فتح المغیث للعراق (ج:۱ ص:۲۷) فتح المغیث للسخاوی (ص:۹۵)

⑨ محدثین میں کبار محدثین کی رائے یہ ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ احادیث صحیحہ جو درجہ تواتر کو نہیں بھی پہنچیں وہ بھی قطعی ہیں اور ان سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ استاذ ابو منصور بغدادی، امام ابو اسحٰق اسفرائینی، امام الحرمین، امام ابو حامد اسفرائینی، قاضی ابو طیب طبری، امام ابو اسحٰق شیرازی، شمس الائمہ سرخسی حنفی، قاضی عبد الوہاب مالکی، ابو یعلی حنبلی، ابو خطاب حنبلی، ابن فورک، ابن طاہر مقدسی، ابو نصر عبد الرحیم شافعی، ابن صلاح وغیرہ محققین مذاہب اربعہ کا یہی مذہب ہے، بلکہ اکثر اشاعرہ اور عام محدثین کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی رائے ہے، متاخرین میں سے ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر مکی، سیوطی کا یہی دعویٰ ہے، نووی وغیرہ نے جو خلاف کیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کو بھی نزاع لفظی بتایا ہے "الانصاح فی المحاكمة بين النووی وابن الصلاح" ابو علی غانی کی جو اس موضوع پر مستقل کتاب ہے وہ بھی نزاع لفظی ٹھہراتے ہیں، فرماتے ہیں کہ علم قطعی نظری کا افادہ سب کے یہاں مسلم ہے۔ امام ابن طاہر مقدسی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو صحیحین کی روایتیں نہیں ہیں لیکن صحیحین کی شرط پر ہوں وہ بھی مفید قطع ہیں۔ مکہ کے کبار تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں:

"ان ما اجمعت عليه الا مة اقوى من الا سناد".

ترجمہ: جس حدیث پر امت کا اتفاق ہو کہ یہ صحیح ہے نفس اسناد کے تواتر سے یہ زیادہ قوی چیز ہے۔

امام ابواسحٰق اسفرائینی فرماتے ہیں:

> "اهل الصنعة مجمعون على ان الا خبار التى اشتمل عليها الصحيحان مقطوع بصحة اصو لها ومتو نها فمن خالف حكمه خبرا منها وليس له تاو يل سائغ للخبر نقضنا حكمه ، لان هذه الاخبار تلقتها الامة بالقبول". اه(۱)

محدثین سب اس پر متفق ہیں کہ بخاری ومسلم کی احادیث سب قطعی ہیں، اگر بغیر صحیح تاویل کوئی ایک حدیث کی بھی مخالفت کرے گا تو اس کے حکم کو ہم توڑیں گے کیونکہ امت محمدیہ نے ان حادیث کو قبول کرلیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

> "الاجماع على القول بصحة الخبر اقوى فى افادة العلم من مجرد كثرة الطرق"(۲)

کسی حدیث کی صحت پر علماء کا متفق ہونا افادہ علم (قطعیت) میں کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے۔

⑩ متواتر لفظی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ بعینہ ایک ہی لفظ سے وہ احادیث مروی ہوں بلکہ جس لفظ سے بھی ہوں مضمون ایک ہونا چاہیے اور ایک یا دو محدثین نے جو نفی تواتر حدیث کا دعویٰ کیا تھا یا صرف ایک ہی مثال بتلائی تھی بعض محققین کے نزدیک ان کی مراد بھی یہی ہے کہ ایک لفظ سے متواتر کی مثال نہیں ملتی، عزیز الوجود ہے، گویا ان کے نزدیک بھی احادیث متواترہ بہت ہیں لیکن ایک لفظ سے نہیں ہیں، صرف حدیث "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" کو ایسا بتلایا گیا ہے۔ اس بنا پر نزاع بھی لفظی ہوجاتا ہے، متواتر معنوی کے یہ معنی نہیں کہ لفظ مختلف ہوں اور مضمون سب میں ایک ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہر ایک حدیث میں مضمون الگ الگ ہو اور ایک بات قدر مشترک نکل آئے، جیسے احادیث معجزات کہ ہر ایک اگرچہ اخبار آحاد میں سے ہے لیکن نفس ثبوت معجزہ سب میں قدر مشترک ہے، اسی کو اصطلاح میں تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک کہتے ہیں۔ ملاحظ ہو: مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت۔

⑪ ادلہ شرعیہ میں ایک دلیل اجماع امت ہے، اگر اس اجماع کا ثبوت قطعی ہو تو اجماع قطعی ہوگا اور اس کا منکر بھی کافر ہوگا جیسے دوسری قطعیات شرعیہ کا منکر، بعض عقائد اگرچہ اخبار آحاد سے ثابت ہوں لیکن ان پر

---

(۱) فتح المغيث للسخاوى، حكم الصحيحين الماضى ذكرهما فيما اسند فيهماوغيره والتعليق ج:۱ ص:۵۱، ط: دار الكتب العلمية بيروت

(۲) فتح المغيث للسخاوى، حكم الصحيحين الماضى ذكرهما فيما اسند فيهما وغيره والتعليق ج:۱ ص:۵۱، ط. دار الكتب العلمية بيروت

امت کا اجماع ہوجائے وہ بھی قطعی ہوجاتے ہیں، کمافی التلویح وشرح التحریر (ج: ٣ص:١١٦) آئندہ غیبی امور کے متعلق علامات قیامت کے بارے میں اگر اجماع ہوتو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بارے میں مخبر صادق سے جو نقل ہے وہ صحیح ہے، ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے "فواتح الرحموت شرح مسلم (٢۔٢٩٦) شرح تحریر الاصول لابن امیر الحاج (ج: ٣ص:٢٩٦) حدوث عالم پر اجماع کے معنی بھی یہی ہیں جیسے فتح الباری (ج:١٢ص:١٧٧) میں تقی الدین ابن دقیق العید سے منقول ہے۔ جے پوری صاحب نے اس بارے میں کس قدر تلبیس سے کام لیا ہے۔ فليتنبه۔

⑫ جو چیز قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو یا اجماع امت سے اور دلالت بھی قطعی ہوتو وہ سب ضروریات دین میں داخل ہیں، ضروریات دین کے معنی یہ ہیں کہ ان کا دین اسلام سے ہونا بالکل بدیہی ہو، خواص سے گذر کر عوام تک اس کا علم پہنچ گیا ہو، یہ نہیں کہ ہر عامی کو اس کا علم ہو کیونکہ بسا اوقات تعلیم دین نہ ہونے سے بعض ضروریات دین کا علم عوام کو نہیں ہوتا لیکن تعلیم کے بعد اور جان لینے کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ بعض متواترات شرعیہ کے جہل سے تو کفر نہیں لازم آتا لیکن معلوم ہونے کے بعد جحود وانکار سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو "جواہر التوحید" کی شرح (ص:٥١) وحاشیہ الموافقات للشاطبی (ج: ٣ص:٥٦) واکفار الملحدین (ص:٢)

⑬ ضروریات دین کا انکار کرنا یا اس میں خلاف مقصود تاویل کرنا دونوں کو علماء کرام نے موجب کفر بتلایا ہے۔ حجۃ الاسلام غزالی نے اس موضوع میں "التفرقه بين الاسلام والز ندقة" مستقل کتاب لکھی ہے اور فیصلہ کن بحث فرمائی ہے۔ مدت ہوئی مصر سے چھپ کر آ گئی ہے اور غالباً ہندوستان میں بھی طبع ہوئی ہے اور امام العصر محدث وقت حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہؒ کی کتاب "اكفار الملحدين فى ضروريات الدين" اس موضوع پر نہایت ہی جامع اور بے مثل کتاب ہے۔

⑭ جو چیز متواتر ہوجائے وہ دین میں ضروری ہوجاتی ہے کیونکہ متواتر کا افادہ علم ضروری قطعی مسلمات سے ہے، پس اگر کسی کو اس کا علم ہوجائے کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے یا یہ بات حدیث متواتر سے ثابت ہے تو اس پر ایمان لانا ضروری ہوجاتا ہے خواہ اس کا تعلق کائنات ماضیہ سے ہو یا مغیبات مستقبلہ سے ہو، خواہ عقائد کے متعلق ہو خواہ احکام کے بارے میں ہو، تصدیق رسالت کے لئے اس سے چارہ نہیں ورنہ تکذیب رسول کا کفر ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بہرحال تصدیق رسول کا ایمان کے لئے ضروری ہونا اور تکذیب سے کفر کا لازم آنا یہ خود دین کی ضروریات میں داخل ہے، کتب کلامیہ اور کتب اصول فقہ میں یہ قواعد کلیہ مفصل مل جاتے ہیں بطور نمونہ ہم اس سمندر سے چند قطرے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

١-ومن اعترف بكون شيء من الشرع ثم جحده كان منكرًا للشرع وانكارجزء من الشرع كانكار كله. (شرح التحریر ج:٣ص.١٣٠)

جو شخص یہ مانے کہ یہ چیز شریعت میں ہے باوجود اس کے اس کا انکار کرے تو یہ کل شریعت کا انکار ہے۔

۲- وصح الاجماع على ان كل من جحد شيئا صح عندنا بالاجماع ان رسول الله ﷺ اتى به فقد كفر، او جحد شيئا صح عنده بان النبى ﷺ قاله فهو كافر. (الملل لابن حزم ج:۱ ص۲۵ و۲۲۶)(۱)

اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے متعلق یہ اتفاق ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کا انکار کفر ہے یا یہ مانتا ہو کہ آپ فرما چکے ہیں باوجود اس کے نہ مانے یہ کفر ہے۔

۳- من انكر الاخبار المتواترة فى الشريعة مثل حرمة لبس الحرير على الرجال كفر. (۲) (شرح فقه اكبر نقلاً عن المحيط)

کسی شرعی حکم کی حدیث متواتر ہو اور اس سے انکار کیا جاوے تو کافر ہوگا جیسے ریشمی لباس مردوں کے لئے۔

٤- فصار المنكر المتواتر ومخالفه كافرا. (۳)

متواتر کا انکار یا مخالفت دونوں کفر ہیں۔

۵- والصحيح ان كل قطعى من الشرع فهو ضرورى. (۴)

دین میں جو چیز قطعیات کو پہنچ چکی ہو وہ ضروریات دین میں داخل ہے۔

(المحصول للرازى بحواله اكفار الملحدين ص:٦٧)

٦- شروط القطع فى النقليات التواتر الضرورى فى النقل والتجلى الضرورى فى المعنى. (۵) (ايضاً ص:٦٩)

شرعی امور جب تواتر سے ثابت ہوں اور معنی بھی واضح ہوں یہی قطعیت ہے۔

۷- كل مالم يحتمل التاويل فى نفسه وتواتر نقله ولم يتصور ان يقوم برهان على خلافه فمخالفته تكذيب محض. (التفرقة للغزالى ص:١٤)

جس چیز کی نقل متواتر ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو اور کوئی دلیل خلاف پر قائم نہ ہو تو ایسی چیز کی مخالفت

---

(۱) بحواله اكفار الملحدين ص:٦٤، ط:المجلس العلمى كراچى

(۲) شرح الفقه الاكبر للملا على القارى ص:٢٧٦، ط:دار الكتب العلمية بيروت

(۳) اصول فخر الاسلام البزدوى، باب المتواتر ج:۱ ص:۱۵۱، ط:جاويد پريس كراچى، اكفار الملحدين ص:٦٥، ط:المجلس العلمى كراچى

(۴) اكفار الملحدين ص:٨٤، ط:المجلس العلمى كراچى

(۵) اكفار الملحدين ص:٨٥، ط:المجلس العلمى كراچى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

٨- بل انکار المتواتر عدم قبول اطاعة الشارع.... و رد علی الشريعة وان لم يكذب وهو كفر بواح نفسه.

(شرح الاشباه للحموی، ردالمحتار، طحطاوی بحواله اكفارالملحدين)

بلکہ حقیقت میں تو متواتر کا انکار شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی عدم اطاعت ہے اور شریعت اسلام کا رد ہے جو خود کھلا ہوا کفر ہے اگرچہ تکذیب نہ کرے۔

٩-ومن انكر شيئا من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا اله الا الله

(السير الكبير للامام محمد بحواله اكفارالملحدين)

شریعت اسلامیہ کی کسی چیز سے انکار کرنا کلمہ اسلام سے انکار کرنا ہے۔

١٠- فلا خلاف بين المسلمين ان الرجل لو اظهر انكار الواجبات الظاهرة المتواترة ونحو ذلك فانه يستتاب فان تاب والا قتل كافرًا مرتدًا. اھ.

(شرح عقيده طحاوية، مطبوعه حجاز ص: ٢٤٦)

امت مسلمہ میں کوئی خلاف اس بارے میں نہیں کہ جو کوئی متواترات سے انکار کرے چاہے اس کا کرنا فرض ہو یا ترکِ حرام ہو اس سے توبہ نہ کرے تو کافر ہے اور واجب القتل ہے۔

١١-لا يكفر اهل القبلة الا فيما فيه انكار ما علم مجيئه بالضرورة او اجمع عليه كا ستحلال المحرمات. (١) (المواقف ومثله فی العضدية)

اہل قبلہ کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جاتی جب تک ضروریات دین کا یا کسی ایسی چیز کا جس پر اجماع منعقد ہوا انکار نہ کرے، مثلاً حرام کو حلال سمجھنا۔

١٢-وكذلك يقطع بتكفير من كذب او انكر قاعدة من قواعد الشريعة وما عرف يقينًا بالنقل المتواتر من فعل رسول الله ﷺ. (٢)

جو شخص تکذیب کرے یا کلیات شریعت میں سے کسی قاعدہ سے انکار کرے یا جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ثابت ہے اس سے انکار کرے اس کی تکفیر قطعی و یقینی ہے۔

---

(١) كتاب المواقف، الفرقة السابعة المشبهة ج:٣ ص:٧١٩، ط: دارالجيل بيروت
اكفارالملحدين ص:٥٦، ط: المجلس العلمی كراچی

(٢) اكفارالملحدين ص:٥٦، ط: المجلس العلمی كراچی

۱۳- وخرق الاجماع القطعی الذی صار من ضروریات الدین کفر(۱)

(کلیات ابی البقاء بحوالہ اکفار الملحدین)

قطعی اجماع جو ضروریات دین میں داخل ہے اس کا خلاف کرنا کفر ہے۔

④ ضروریات دین کی مثال میں علماء امت اپنی اپنی کتابوں میں دو چار مثالیں ذکر کر دیتے ہیں ناظرین کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ضروریات دین بس یہی ہیں آگے سلسلہ ختم ہو گیا، یہ چیز جج پوری صاحب کو بھی پیش آ رہی ہے حالانکہ ان اکابر کا مقصود محض مثال پیش کرنا ہے نہ استقصاء، نہ حصر، نہ تخصیص، اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ذیل میں ہم ان مثالوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جو سرسری محنت سے مل سکیں تا کہ اس مختصر فہرست سے خود بخود یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مقصود تمثیل تھی نہ پوری فہرست، کتب فقہ، اصول فقہ، کتب کلام، اصول حدیث میں ذیل کی مثالیں ملتی ہیں۔

اثبات علم الٰہی، قدرتِ محیط، ارادۂ کاملہ، صفتِ کلام، قرآن کریم، قدم قرآن، قدم صفات باری، حدوثِ عالم، حشر اجساد، عذابِ قبر، جزاء وسزا، رؤیت باری قیامت میں، شفاعت کبریٰ، حوض کوثر، وجود ملائکہ، وجود کراما کاتبین، ختم نبوت، نبوت کا وہبی ہونا، مہاجرین و انصار کی اہانت کا عدم جواز، اہل بیت کی محبت، خلافت شیخین، پانچ نمازیں، فرض رکعات کی تعداد، تعداد سجدات، رمضان کے روزے، زکاۃ، مقادیر زکاۃ، حج، وقوف عرفات، تعداد طواف، جہاد، نماز میں استقبال کعبہ، جمعہ، جماعت، اذان، عیدین، جواز مسح خفین، عدم جواز سبِ رسول، عدم جواز سب شیخین، انکار جسم، انکار حلول اللہ، عدم استحلال محرمات، رجم زانی محض، حرمت لبسِ حریر (ریشم پہننا) جواز بیع، غسل جنابت، تحریم نکاح امہات، تحریم نکاح بنات، تحریم نکاح ذوی المحارم، حرمت خمر، حرمت قمار

اس وقت یہ اکیاون مثالیں پیش کی گئی ہیں، اب تو خیال مبارک میں آ گیا ہوگا کہ بعض وہ امور جس کی طرف التفات بھی نہ ہوگا وہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں۔ اب ہم اس بحث کے آخر میں محقق ہند حضرت عبدالعزیزؒ صاحب کی عبارت کا اقتباس پیش کرتے ہیں پوری عبارت اکفار الملحدین میں منقول ہے اس سے انشاء اللہ یہ بات بالکل بدیہی ہو جائے گی کہ ضروریات دین کے لئے ضابطہ کلیہ کیا ہے اور جو چیزیں بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں ان کا دائرہ صرف تمثیل ہی کی حد تک محدود ہے، فرماتے ہیں:

> "ضروریات الدین منحصرة عندهم فی ثلاثة : مدلول الکتاب بشرط ان یکون نصا صریحا لا یمکن تاویله کتحریم البنات والامهات ، و مدلول السنة المتواترة لفظا اومعنی سواء کان من الاعتقادیات او من العملیات وسواء کان فرضاً او نفلاً والمجمع علیه اجماعاً قطعیاکخلافة الصدیق

---

(۱) اکفار الملحدین ص:۷۵، ط: المجلس العلمی کراچی

والفاروق ونحوذلك ولا شبهة ان من انكر امثال هذه الا مور لم يصح ايمانه بالكتاب والنبيين. (إكفار الملحدين ص۱۲۲ ط المجلس العلمی)

ضروریاتِ دین تین قسم کے ہیں: پہلی قسم یہ کہ تصریح نص قرآنی سے ثابت ہوں جیسے ماں، بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا، دوسری قسم یہ کہ سنت متواترہ سے ثابت ہوں تواتر خواہ لفظی ہو، خواہ معنوی، عقائد میں ہو یا اعمال میں ہو، فرض ہو یا نفل ہو، تیسری قسم یہ ہے کہ اجماع قطعی سے ثابت ہوں جیسے صدیق اکبرؓ وفاروق اعظمؓ کی خلافت وغیرہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے امور سے اگر انکار کیا جائے تو اس شخص کا ایمان قرآن اور انبیاء پر صحیح نہیں ہے۔

امام العصر محدث حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہ مزید توضیح کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''ضروری کے معنی یہ ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ضروری ہو، دین سے ہونا یقینی ہو اور جو بھی اس کا شرعی مرتبہ ہو اسی درجہ کا عقیدہ اس کا ضروری ہوگا۔ مثلاً نماز فرض ہے اور فرضیت کا عقیدہ بھی فرض ہے اور اس کا سیکھنا بھی فرض ہے اور انکار کفر ہے۔ اسی طرح مسواک کرنا سنت ہے اور سنت ہونے کا عقیدہ فرض ہے اور سیکھنا سنت اور انکار کرنا کفر ہے اور عملاً ترک کر دینا باعث عتاب یا عقاب ہے''۔ اب امید ہے کہ اس تشریح سے ضروریات دین کی حقیقت واضح ہوگئی ہوگی۔ بات تو بہت لمبی ہوگئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگی اور آج کل جو عام طور سے ایمان وکفر کے قواعد یا مسائل میں عوام کو یا عالم نما جاہلوں کو شبہات وشکوک یا وساوس پیش آرہے ہیں ان کا بھی اس سے تصفیہ ہوجائے گا۔ اس طولانی تمہید کے بعد ان ہی اصول مذکورہ کی روشنی میں ہم نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو پرکھتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا اصلی مقصد تو پورا ہوگیا اب طالب حق خود ہی ان اصول اسلامیہ اور قواعد مسلمہ کی روشنی میں تفتیش کرکے مزید ضروریات دین کا سراغ بھی لگا سکے گا، لیکن تبرعاً چند مختصر گذارشات بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں: نزول مسیح علیہ السلام کے تین پہلو ہیں:

① قرآنی حیثیت اس کی کیا ہے؟ ② حدیثی مرتبہ کیا ہے؟ ③ اور اجماع امت کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟ تینوں امور واضح ہونے کے بعد خود بخود یہ چیز اظہر من الشمس ہوجائے گی کہ عقیدہ نزول ضروریات دین میں سے ہے یا نہیں!!

نزول مسیح اور قرآن کریم

۱ – ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ [الزخرف:٦١]

اور بے شک وہ نشانی ہے قیامت کی پس نہ شک کرو اس میں۔

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے، تابعین میں سے ابوالعالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، مجاہد وغیرہ سے آیت کریمہ کی صحیح تفسیر یہ منقول ہے کہ: ''انہ'' کی ضمیر عیسیٰ علیہ

السلام کی طرف راجع ہے، قرآنی سیاق کا تقاضا بھی یہی ہے اور علم کے معنی نشانی کے ہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر درمنثور میں مجاہد سے مروی ہے:

”قال آیة للساعة خروج عیسی ابن مریم قبل یوم القیامة“

فرمایا: قیامت کی نشانی ہے حضرت عیسیٰ بن مریم کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔

حافظ ابن کثیر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے، ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں حبرامت اور بحرامت ترجمان القرآن ابن عباسؓ کی تفسیر سے زیادہ راجح کون سی تفسیر ہوسکتی ہے۔ اب ترجمہ آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ ”یقینی یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے پس اس میں شک نہ کرو“ تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر۔ (٢٥۔ ٥٤) مطبوعہ میریہ، تفسیر ابن کثیر (٩۔ ١٤٦) مطبوعہ میریہ، الدرالمنثور (٦۔ ٢٠) طبع مصر، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام (ص: ٣) ملاحظہ ہو۔ اس لئے عقیدۃ الاسلام (ص: ٥) میں حضرت امام العصرؒ فرماتے ہیں:

> اذا تواترت الاحادیث بنزوله وتواترت الاثاروهو المتبادرمن نظم الآیة فلا یجوز تفسیر بغیره .الخ

جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث وآثار متواتر ہیں اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔

٣- ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْ مِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ [النساء:١٥٩]

کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

”موته“ کی ضمیر میں نزاع ہے، ابن جریر نے ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح وترجیح فرمائی ہے ”موته“ کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئیں گے اور اسی قول کو ابن جریر اپنی تفسیر میں ”اولی هذه الاقوال بالصحة“(١) قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> وهذا القول هوالحق کما سنبینه بالدلیل القاطع ان شاء الله ...... ولا شك ان هذا الذی قاله ابن جریر هوالصحیح لانه المقصود من سیاق الآیة(٢)

---

(١) جامع البیان فی تأویل القرآن المعروف بہ تفسیر الطبری، ج٩، ص٣٨٦، ط: مؤسسة الرسالة.

(٢) تفسیرابن کثیر تحت قوله﴿وان من اهل الکتاب الالیؤمنن به قبل موته﴾ ج:١ ص:٥٧٧، ط: قدیمی

یہی قول حق ہے جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے، انشاء اللہ۔۔۔۔ لاریب کہ یہ جو کچھ ابن جریرؒ نے فرمایا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ سیاق آیت سے یہی مقصود ہے۔

عمدۃ القاری (۷۔ ۲۵۲) میں اس تفسیر کو اہل العلم کی تفسیر بتلایا ہے۔(۱)

بہرحال قرآن کریم کی راجح تفسیر کی بنا پر ان دو آیتوں میں نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ہاں یہ دو آیتیں اس مقصود میں ظاہر الدلالۃ ہیں قطعی الدلالۃ نہیں، لیکن چونکہ احادیث صحیحہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور تواتر مفید قطعیت ہے اس حیثیت سے یہ آیتیں مفید قطعیت ہوں گی اگرچہ مقطوع لغیرہ ہوں۔

بہرحال یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس موضوع کی تفصیل وتحقیق نکات ولطائف کو دیکھنے کا اگر شوق ہو تو عقیدۃ الاسلام اور تحیۃ الاسلام کی مراجعت کی جائے، جو امام العصر مولانا انور شاہ قدس سرہٗ کی اس موضوع پر بے نظیر کتابیں ہیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تواتر حدیث

اب رہا دوسرا پہلو: حدیثی اعتبار سے تو یہ پہلے ذہن نشین ہونا چاہئے کہ تواتر حدیث یا تواتر احادیث دونوں ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک متن مثلاً دس صحابہ سے مروی ہو تو یہ دس حدیثیں کہلائیں گی اگر عدد صحابہ درجہ تواتر کو پہنچ گیا تو یہی حدیث متن کے اعتبار سے حدیث متواتر ہوگی، رواۃ اور کثرت طرق کے اعتبار سے احادیث متواترہ کی تعبیر زیادہ انسب ہوگی، بظاہر جے پوری صاحب اس سے بھی غافل ہیں۔ اب سنیے! اگر کسی حدیث کے رواۃ اور طرق بحث وتفتیش کے بعد درجہ تواتر کو پہنچ گئے ہیں تو ہر محدث کو اس حدیث کے متواتر کہنے کا حق حاصل ہوگا اگرچہ امت میں سے کسی نے تصریح نہ کی ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ محدث نے بغیر بحث وتحقیق کے کسی حدیث کے متعلق فرمادیا ہو کہ یہ خبر واحد ہے بعد میں تتبع طرق اور کثرۃ رواۃ سے کسی کو معلوم ہو کہ متواتر ہے تو وہ متواتر اور مفید للعلم القطعی ہوگی، نیز یہ معلوم رہے کہ ہر فن کا مسئلہ اس فن والوں سے لیا جاتا ہے کسی حدیث کی تصحیح یا تحسین یا تضعیف یا خبر واحد یا مشہور ومتواتر ہونے کے لئے محدث کی شہادت پیش کی جائے گی صرف فقیہ کا یہ منصب نہیں اور نہ صرف متکلم یا معقولی کا یہ وظیفہ ہے۔ ایک موقعہ پر جے پوری صاحب نے نزول مسیح کی احادیث کو اخبار آحاد کہنے کے لئے تفتازانی کی عبارت پیش فرمائی ہے، یہ فن تفتازانی کا نہیں وہ معانی وبیان یا منطق وکلام میں ہزار درجہ محقق ہوں تو ہوں حدیث ان کا فن نہیں ہے۔ یہاں تو غزالی، امام الحرمین، رازی، آمدی جیسے اکابر کے اقوال بھی قابل اعتبار نہیں چہ جائیکہ تفتازانی؟ ایسے موقع پر تو مغلطائی، ماردینی، مزی، ذہبی، عراقی، ابن حجر، عینی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر وغیرہ وغیرہ محدثین امت اور حفاظ حدیث کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے۔

---

(۱) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم علیہما السلام ج:١٦ ص:٥٤، ط: رشیدیہ کوئٹہ

سید جرجانی اور تفتازانی کی احادیث دانی جاننے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ چھ ماہ تک "حب الھرۃ من الایمان" میں مناظرہ کرتے رہے کہ یہ حدیث ہے اور "من" ابتدائیہ ہے یا تبعیضہ؟ بے چاروں کو اتنی بھی خبر نہیں ہوئی کہ حدیث موضوع ہے۔ خیر اس بحث کو رہنے دیجئے، احادیث نزول مسیح صحاح کی حدیثیں ہیں اور صحاح ہی میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، حذیفہ، ابن اسید، ابوامامہ باہلی، جابر بن عبداللہ، نواس بن سمعان رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ان میں سے ابوہریرہ، جابر، حذیفہ، ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں تو صحیحین کی ہیں اگر اس بات میں صرف شیخین ہی کی حدیثیں ہوتیں تو نمبر (۹) کے مطابق محققین اہل حدیث و کبار محدثین کے نزدیک ان کے افادہ یقین میں ذرا بھی شبہ نہیں اور صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد، سنن اربعہ وغیرہ کی حدیثیں ملا کر مرفوعات کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہے، کیا ستر کبار صحابہ جن کی فضلیت میں وحی متلو نازل ہوئی اور روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد صدق شعار قوم ان سے زیادہ نہیں گذری، اگر لسان نبوت سے ان کی حکایت مفید للعلم نہیں ہوگی تو کس قوم کی ہوگی؟ اگر ہمیں کسی کے صلاح وتقوے اور صداقت کا یقین ہو اور بیس بائیس ایسے آدمی آ کر ہم سے کوئی بات بیان کریں تو انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے لئے مفید للعلم الیقینی ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ ایک صحابی ایک ہزار راویوں پر بھاری ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری امت پر بھاری ہے تو شاید مستبعد نہ ہوگا، پھر ان ستر صحابہ کی مرفوع احادیث کے علاوہ تقریبا تیس صحابہ وتابعین سے آثار موقوفہ مروی ہیں اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر قیاسی وغیر عقلی امور میں موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہے، گویا سو مرفوع روایتیں باسانید صحیحہ وحسنہ جمع ہوگئی ہیں، کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ جن محدثین نے جن احادیث کے متعلق تواتر اصطلاحی کا دعوی کیا ہے وہ کثرت رواۃ و کثرت طرق اور کثرت مخارج میں اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں؟ حدیث "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار"(۱)۔ جو سب سے اعلیٰ ترین متواتر حدیث کی نظیر پیش کی گئی ہے اس کے رواۃ بھی تقریبا سو ہی تک پہنچے ہیں حالانکہ مشکل ہے کہ سو کی سو روایتوں کے تمام رجال صحیح یا حسن تک پہنچیں، حدیث مسح خفین باتفاق محدثین حدیث متواتر ہے، کتب اصول فقہ و کتب فقہ وشروح حدیث میں متعدد مواضع میں امام ابوحنیفہ کا یہ مشہور قول نقل چلا آتا ہے:

> ما قلت بالمسح علی الخفین الا اذا جاء فی مثل ضوء النهار و انی اخاف
> الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین(۲)

میں مسح خفین کا اس وقت قائل ہوا جب کہ دن کی روشنی کی طرح یہ مسئلہ میرے سامنے واضح ہو گیا اور جو

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ج:۱ ص:۲۱، ط: قدیمی

(۲) المبسوط للسرخسی، باب المسح علی الخفین ج:۱ ص:۲۲۹، ط: دار الکتب العلمیه بیروت.

عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین ج:۳ ص:۱۴۴، ط: رشیدیه.

فتح القدیر، کتاب الطهارات، باب المسح علی الخفین ج:۱ ص:۱۴۴، ط: دار الفکر بیروت

شخص مسح خفین کا قائل نہیں مجھے اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔

تو مسح خفین کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے ان کا مسلک پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"افضل الشیخین واحب الختنین واری المسح علی الخفین"(۱)

میں حضرت ابوبکر وعمر کو سب (صحابہ) سے افضل سمجھتا ہوں، عثمان وعلی سے محبت رکھتا ہوں، مسح خفین کا قائل ہوں۔

گویا سنی ہونے کے لئے مسح خفین کے ماننے کو ضروری معیار قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں نہ خارجی ہوں بلکہ سنی ہوں۔ تو اس لئے کہ امامؒ کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید للعلم القطعی ہیں، حالانکہ غسل رجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسل رجلین بھی متواترہ ہیں دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غسل رجلین ثابت ہو چکی تھی پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی دلیل سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہوگئی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین بتصریح امام احمد بن حنبلؒ مرفوع حدیثیں کل چالیس ہیں حالانکہ صحابہ میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے پھر یہ بھی مشکل ہے کہ یہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں اس کے باوجود اتنی مقدار تواتر قطعی کے لئے کافی ہوئی۔

احادیث غسل رجلین کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ بمشکل اکتیس حدیثیں منقول ہیں، احادیث معراج جسمانی کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہنچتے ہیں۔ احادیث حوض کوثر کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہنچتی ہیں۔ احادیث رفع یدین عند التحریمہ کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہنچیں گی۔

حدیث "من بنی مسجد للہ الخ" متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے والے بیس سے متجاوز نہیں، ایسے ہی حدیث شفاعت، حدیث عذاب قبر، حدیث سوال منکر نکیر، حدیث المرء مع من احب، حدیث کل میسر لما خلق لہ، حدیث بدأ الاسلام غریبا الخ وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر کے اعتبار سے متواتر کہا گیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنت متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ ان کے رواۃ وطرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہنچتے۔

اب نہیں معلوم جے پوری صاحب کے یہاں وہ کون سی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لئے

---

(۱) عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین ج:۳ ص:۱۴۴، ط: رشیدیہ۔

موجود ہونی چاہیے، محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ کہ لغوی، نہ معلوم جے پوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں ”تواترت الاخبار“ کا لفظ دیکھ لیا فرمانے لگے: یہ تواتر لغوی ہے مراد کثرت ہے نہ معلوم یہ ''ججی'' کا منصب آپ کو کس نے دیا ہے، ہاں! یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے لیکن خارجی قرائن اور بحث و تحقیق سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ تواتر اصطلاحی ہے یا لغوی؟ جن کا یہ فن ہے اور شب و روز اس کی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث ان کی صفت نفس بن گئی ہے وہ ہی اپنی بصیرت سے اس کا فیصلہ کرتے ہیں، ہر عمرو و زید کا یہ منصب نہیں۔ اب سوچئے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کو اتنے روایت کرنے والے اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے کہیں زائد ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے، اسی وجہ سے متواترات کی مشہور احادیث کی تعداد بھی بڑھ گئی کہ قرنِ ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرنِ ثالث میں تو اخبار آحاد بھی مشہور و متواتر کی کثرت طرق اور کثرت رواۃ کو پہنچ جاتی ہیں جو جے پوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے اب ایسی صورت میں اگر کوئی محدث بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔

لیکن باوجود اس کے جب حافظ ابن کثیر ان کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی ان کو متواتر کہتے ہیں، قدماء محدثین میں سے ”ابو الحسن السجزی الآبری“ اس کو متواتر مانتے ہیں اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی تو خدارا انصاف کیجئے کہ ایسی صورت میں کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی تواتر مراد ہے۔

ابوالحسن آبری قدماءِ محدثین میں سے ہیں، ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں ۳۶۳ھ میں وفات پا چکے ہیں ان کا قول حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۶۔۳۵۸) مطبوعہ میریہ میں یوں نقل کیا ہے:

وقال ابو الحسن الخسعی الآبری

یہ ناسخین کی تصحیف ہے صحیح ”السجزی الآبری“ ہے ''سجستانی'' کی نسبت غیر قیاسی ''سجزی'' آیا کرتی ہے کما فی القاموس، ''السجستی'' نہیں آتی جیسا جے پوری صاحب فرماتے ہیں۔

فی مناقب الشافعیؒ وتواتر الاخبار بان المهدی من هذه الامة وان عیسٰی یصلی خلفه.

مناقب شافعیؒ میں ہے کہ اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ مہدی اس امت سے ہوں گے اور عیسٰی علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

اصل غرض اس عبارت سے چاہے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو جس میں ”ولا مهدی الا عیسی“ آیا ہے لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں:

الف: احادیث مہدی متواتر ہیں۔

ب: احادیث نزول مسیح متواتر ہیں۔

ج: مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے امام ہونا متواتر ہے۔

لیجئے بجائے ایک دعویٰ کے اب تین دعوے ہو گئے۔ جے پوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض یہ تو نہ تھی۔ بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ لازم بین ہے لزوم صریح ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد بالاولی ہے اور اس کا التزام ہے تو گویا یہ لازم ہونا ان کے خلاف مقصود ہے، گویا دلالۃ النص اور دلالۃ بالاولی یا ظاہر النص کی بحث اصولِ فقہ میں محض بیکار ہے، حقیقت میں خروج مہدی، نزول مسیح، خروج دجال تینوں متشاکل ومتقارب امور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں تلازم ہے اس لئے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ فرحم اللہ من انصف۔

اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود کیسے قابل وثوق ہوسکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے، اثبات متواترات کی یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے ان کے قول کو قبول بھی کیا۔

احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج، بہر حال حدیثی ابحاث میں محض اٹکل سے یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا نہ اس قسم کے وساوس سے خدا کے ہاں نجات ہوسکتی ہے، محدثین میں سے جن محدثین نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہیں وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم کی اخبار آحاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو ان کے یہاں تو ضرورت دین کے لئے صحیحین کی اخبار آحاد بھی کافی ہیں، آپ بتلایئے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ضروریات دین کے لئے کیا ثبوت رہ جاتا ہے؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ قطعیت کے لئے سوا قرآن کے متواتر حدیث ہونی چاہیے اور وہ ہے نہیں؟ اللہ اللہ کیسے کام ہلکا ہو گیا یہی تو فرقہ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور تقریباً کل منکرین حدیث کا منشا بھی یہی نکلتا ہے، بہر حال بقیہ ضروریات دین کے لئے یا تو صحیحین کی اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کر ان کو قطعی ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کر کے ان ضروریات دین پر ایمان لانا ہوگا۔ تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو، مرکب باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم وانصاف عطا فرمائے یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے، گویا آج کل اس فتنہ کی تجدید ہو رہی ہے، کیونکہ عقائد قطعیہ کے لئے ان دلائل کی ضرورت ہوگی جن کا مفید علم ہونا قطعی طور پر مسلم ہو اور وہ صرف قرآن کریم کی وہ نصوص ہوں گی جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو اور وہ ہے نہیں، یہی تو حمدان قرمطی اور ان کے اتباع ''قرامطہ'' کا مسلک ہے۔ اب بتلایئے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی؟

پس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزولِ مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں، محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادہ علم ویقین کے لئے یہ بھی کافی ہے اور اگر مدار تواتر پر بھی ہو تو قرنِ اول میں ان احادیث کی تلقی بالقبول ہو چکی ہے تو یہ چیز بھی ان احادیث میں موجود ہے، اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بنا پر متواتر احادیث چاہئیں تو لیجئے گذشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ بات بھی بحمد اللہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ احادیث نزولِ مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ ہیں احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدہ نزولِ مسیح کی فرضیت وقطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے اور جحود وانکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے، یقین واذعان کی ان مختلف جہات اور حیثیات کے بعد بھی اس کے ضروریاتِ دین ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے۔؟ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

نزولِ مسیح علیہ السلام اور اجماعِ امت

نمبر (۱۳) میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں وہ تو علام الغیوب ہی کا خاصہ ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مخبر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے اگر وہ نقل بذریعہ آحاد ہو جب بھی اجماع کے بعد قطعی ویقینی ہو جاتی ہے، اب غور کیجئے کہ کتبِ حدیث میں جو امہات واصول ہیں مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ سے لے کر مستدرک حاکم وسنن کبریٰ بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں، سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں اور نفس نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علت قادحہ نہیں بیان کرتے۔

پھر ان ہی کتبِ حدیث وکتبِ تفسیر میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام وغیرہ کے سب سے نزول مسیح کے بارے میں نقول موجود ہیں، پھر کسی صحابی، کسی تابعی سے نہیں بلکہ کسی امامِ دین، کسی محدث، کسی مصنف سے بھی اس کا خلاف کسی کتاب میں کسی دور میں کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا، کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی واتفاقی ہے۔ پھر کتب عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتب عقیدہ ہیں ان سب میں اس کا ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اس وقت ہم ذیل میں دو اہم ترین ماخذ پیش کرتے ہیں:

① عقیدہ طحاویہ: جو امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد وغیرہ حنفیہ کے عقائد میں موثوق ترین چیز ہے، اس کی عبارت ملاحظہ ہو:

> ونؤمن باشراط الساعة من خروج الدجال ونزول عیسیٰ ابن مریم علیه السلام من السماء.(۱)

خروجِ دجال اور آسمان سے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔

(۲) فقہ اکبر: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے، ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے امام ابو منصور ماتریدی جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:

> ونزول عیسیٰ علیه السلام من السماء وسائر علامات القیامة علی ما وردت به الاحادیث الصحیحه حق کائن. اھ.(۲)

آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اس کے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں بالکل حق ہیں۔

ان عبارتوں میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی کیا تصریح ہوگی! کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی منصف کے لئے کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ توارث امت محمدیہ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ بیان سابق کی تصدیق و تائید میں کسی طالب حق کے لئے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابو اسحاق کلاآبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین سے ہیں اور اپنی اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں، اپنی کتاب ''معانی الاخبار'' میں فرماتے ہیں:

> قد اجمع اهل الاثر وکثیر من اهل النظر علی ان عیسیٰ علیه السلام ینزل من السماء فیقتل الدجال و یکسر الصلیب. اھ. (تحیة الاسلام ص:۱۳۵)

کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

یہ خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف بھی ہوگیا ہو تو اجماع سابق کو مضر نہیں، نہ یہ خلاف اتفاق ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے جس کی تحقیق کتب اصول فقہ میں موجود ہے، نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے، صحیح نہیں، جیسا کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

---

(۱) شرح العقیدة الطحاویة، اشراط الساعة ص:٥٦٤، ط: المکتب الاسلامی بیروت

(۲) شرح الفقه الاکبر للملا علی القاری ص:۱۱۲، ط: قدیمی

بہرحال یہ تو ہوئی نقل اجماع کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح، اب متاخرین اہل حدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظ ہو:

> واما الاجماع فقد اجتمعت الامة على نزوله ولم يخالف فيه احد من اهل الشريعة وانما انكر ذلك الفلاسفة والملاحدة مما لا يعتد بخلافه وقد انعقد اجماع الامة على انه ينزل ويحكم بهذه الشريعة المحمدية .اھ.

(شرح عقیده سفارینی ج:۲ ص:۹۰)

رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام میں اجماع: تو امت محمدیہ کے کل اہل شرع کا ان کے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہوں گے اور شرع محمدی پر عمل کریں گے، بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا اور ان کا خلاف قابل اعتبار نہیں۔

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں، حنبلی المذہب ہیں، نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں، نام محمد بن احمد، شمس الدین لقب، ابوالعون کنیت ہے، بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ "سلك الدرر فى اعيان القرن الثانى عشر" "السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة" وغیرہ میں ان کا مفصل ترجمہ اور حالات مذکور ہیں "سلک الدرر" میں ان کو الشیخ، الامام، العلام، الحبر، البحر، النحر وغیرہ جلیل القدر القاب سے ذکر کیا ہے اور بہت سے مفاخر و مآثر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

> وبالجمله فقد كان غرة عصره، وشامة مصره، لم يظهر فى بلده بعد مثله(۱)

صاحب الضرائح لکھتے ہیں:

> شمس الدين العلامة المسند الحافظ المتقن. "وبالجمله فتآليفه نافعة مفيدة مقبولة سارت به الركبان وانتشرت فى البلدان ، كان اماما متقنا جليل القدر، زينة اهل عصره ونقاوة اهل مصره .

سید مرتضی زبیدی بلگرای صاحب "تاج العروس شرح القاموس" اور صاحب "اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين" حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

اب تو جے پوری صاحب نے سفارینی کو پہچان لیا ہوگا کہ وہ کون ہیں اور کس پایہ کے ہیں، سفارینی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کل محدثین اور سب متکلمین، ماتریدیہ، اشاعرہ، معتزلہ سب کے سب کا نزول مسیح علیہ السلام پر اجماع ہے، صرف ملحدین و فلاسفہ اس کے منکر ہیں، اس قسم کے مواضع میں جب اجماع کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے اس سے اجماع ناطق ہی مراد ہوتا ہے اجماع سکوتی کو کبھی بھی اس طرح تعبیر نہیں کرتے۔ جے پوری صاحب کو جیسے

---

(۱) سلك الدرر فى اعيان القرن الثانى عشر، ذكر محمد السفارينى ج:ص:۸۲، ط:بيروت

تواتر کے لفظ سے چڑ ہے ایسے ہی اجماع کے لفظ سے بھی ضد ہے جہاں اجماع کا لفظ دیکھا جھٹ فرمائیں گے کہ یہ کوئی سکوتی اجماع ہوگا محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے بے انصافی کر کے بے دلیل ایسی بات کہنا کسی عالم کا شعار نہیں، جب تک کوئی صریح دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو اجماع سے یہی اجماع صریح اجماع ناطق مراد ہوگا اگر ان کو اس پر اصرار ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے تو لائیں کوئی دلیل پیش کریں، هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

نیز واضح رہے کہ تالیفی دور کے بعد اجماع کا نقل انہی تالیفات کے ذریعہ سے ہوتا ہے، جتنے مسائل اصول کے ہوں یا فروع کے جن میں اجماع نقل کیا جاتا ہے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، آج تک تالیفی دور میں کل ارباب تالیف کا سلف میں بھی اور خلف میں بھی یہی معمول چلا آرہا ہے۔ یہ کبھی نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ چودھویں صدی میں کسی زید وعمرو کو اسنادی اجماع پہنچ گیا ہو، اس قسم کے خیالات محض طفلانہ ہیں اگر بات لمبی نہ ہوتی تو ہم یہاں پر اس کے نظائر پیش کرتے کہ جن امور میں اجماع نقل ہوا ہے اور امت کے نزدیک اجماع سے وہ درجہ قطعیت کو پہنچ گئے ہیں ان میں بھی اس سے زیادہ اجماع کا ثبوت نہیں کہ فلاں کتاب میں فلاں شخص نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ناقل ثقہ ہے، اب تک امت محمدیہ نے اپنی تالیفات میں اس علمی امانت کو اچھے طریقہ سے ادا کر دیا ہے اب آگے اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

خلاصہ بحث

اس طویل بحث کا خلاصہ حسب ذیل امور میں پیش کیا جاتا ہے:

① نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ امت محمدیہ میں قرن بہ قرن، طبقہ بہ طبقہ متوارث چلا آرہا ہے اور اس کو تواتر طبقی حاصل ہے، قطعیت کے لئے یہ توارث خود بخود مستقل دلیل ہے جس کی تفصیل نمبر (۱) میں گذر چکی ہے۔

② باوجود اس توارث کے قران مجید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اکثر اہل علم اور صحابہ وتابعین کی تفسیر کی بناء پر نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

③ نزول مسیح کی احادیث باتفاق امت صحیح ہیں اور باتفاق امت ان کی تلقی بالقبول ہو چکی ہے اور بہ تصریح حفاظ حدیث وہ اصطلاح متواتر ہیں اور خارجی بحث وتحقیق سے بھی ان تینوں باتوں کی قطعیت میں کوئی شبہ نہیں۔

④ نزول مسیح کے بارے میں امت محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے قدماء محدثین اور متاخرین اس اجماع کو نقل کرتے ہیں اور آج تک کسی کتاب میں کسی کا اہل حق میں سے انکار یا خلاف منقول نہیں۔

⑤ غرض یہ کہ عقیدہ نزول مسیح مختلف جہات، مختلف اعتبارات سے قطعی ہے اور ضروریات دین میں داخل ہے اور معلوم ہونے کے بعد صرف باطنی زیغ یا قلبی وساوس یا عقلی استبعاد کی بنا پر انکار کرنا اور انکار کے لئے حیلے تلاش کرنا اور چارہ جوئی کرنا مومن قانت کا شیوہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ضروریات دین کا اہم ترین جز ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرما چکے ہوں اور قطعی ذرائع سے ہم تک پہنچ جائے پھر اس کا ضروریات دین میں داخل نہ ہونا، ایمان کا جز نہ بننا بالکل غلط ومتناقص دعویٰ ہے اور پیغمبر اسلام کی تکذیب ہے، اگر تصدیق رسول ضرورت دین میں داخل ہے تو کوئی راستہ ماننے کے سوانہیں، اس کی کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر فرشتہ آسمان سے اتر سکتا ہے اور بصورت دحیہ کلبیؓ متمثل ہوسکتا ہے تو ایک نبی کا آسمان پر چلا جانا اس میں کون سا عقلی استبعاد ہے ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم:۱۷] ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ [ھود:۶۹] وغیرہ آیات قرآنیہ میں بشکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے، انبیاء علیہم السلام کی روحانیت ان کی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے اس لئے ان کے اجساد مبارکہ پر روحانی کیفیات بآسانی طاری ہوسکتی ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج بنص قرآن مکہ سے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود وعروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے یہاں صعودونزول آناً فاناً قابل انکار نہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی پھر حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ارادہ کی مقناطیسی جذب نے ان کو آسمان پر اٹھالیا ہو تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔ آج کل مسمریزم اور اسپر چولیزم کے عجائبات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الٰہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کرسکتا۔

تہ' یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ ورسول کوئی بات ارشاد فرمائیں ہمیں بجز تسلیم کی کوئی مخلص نہیں، قولہ تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ [الاحزاب:۳۶] اللہ ورسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

عقیدہ کی تنقیح کے دو جز ہیں: عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفع اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول، یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں، جب نزول مانا جائے گا تو رفع جسمانی خود بخود ماننا پڑے گا، اس لئے اس مضمون میں اس جز کو نہیں لیا گیا باقی یہ تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں؟ تھوڑی دیر کے لئے یا زیادہ کے لئے؟ رفع بحالت حیات ہو، وغیرہ وغیرہ ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں منقح فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا اس وقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا اتنا عرض کر دیا گیا اسی پر کفایت کی جاتی ہے توقع ہے کہ طالب حق کے لئے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

[شعبان ۱۳۹۱ھ]

عقیدہ ختم نبوت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله الطاهرين وصحبه اجمعين.

امابعد: دین اسلام کی اساسی خشت ختم نبوت کا عقیدہ ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کائنات کی ہدایت کے لئے رشد وہدایت کا جو سلسلہ جاری فرمایا وہ نبوت ورسالت کا سلسلہ ہے، اس کی ابتداء حضرت آدم (علیہ صلوات اللہ وسلامہ) سے ہوتی ہے اور اس عمارت کی تکمیل کی آخری خشت حضرت سید العالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اور ظہور پرنور ہے۔

اللهم صل عليه صلاة تكرم بها مثوه وتشرف بها عقباه وتبلغ بها يوم القيامة مُناه ورضاه وبارك وسلم.

ختم نبوت کے اس عقیدہ پر خدا تعالیٰ کی سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی بے شمار تصریحات موجود ہیں اور جس طرح یہ ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے اسی طرح دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی اور ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ بھی اگر قطعی الدلالۃ ہو تو مضمون کی قطعیت کے لئے کافی ہے، چہ جائیکہ قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس قطعیت کی نظیر قرآن کریم میں بھی کم ملے گی۔

اسی طرح عقیدہ ختم نبوت پر احادیث نبویہ بھی تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور تواتر بھی ایسا ہے کہ جس کی نظیر احادیث متواترہ کے ذخیرہ میں نہیں، دوصد احادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے، گویا قرآن واحادیث میں اس قطعیت کی نظیر کسی اور مسئلہ میں نہیں ملے گی۔ پھر امت محمدیہ کا اس پر اجماع بھی ہے اور نہ صرف امت محمدیہ کا اجماع! بلکہ تمام کتب سماویہ کا اس پر اجماع ہے اور تمام انبیاء کرام کا اس پر اجماع ہے، عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہ کا یہ عہد و پیمان ہے۔

پس جس طرح توحید الٰہی تمام ادیان کا اجماعی عقیدہ ہے، اسی طرح ختم نبوت کا عقیدہ بھی تمام کتب الہیہ تمام انبیاء کرام اور تمام ادیان سماویہ کا متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ ہے، آغاز انسانیت سے لے کر آج تک اس پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے اور سلسلہ نبوت ورسالت آپؐ کی ذات گرامی پر ختم ہو جائے گا۔ اصولی واعتقادی مسائل میں انبیاء کرام کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ وہ ہر دور میں متفق علیہ رہے ہیں۔ پس جس طرح دیگر عقائد دینیہ تمام نبوتوں میں مشترک ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کا آخری نبی ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت پر دنیا کا خاتمہ ہونا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں اور آسمانی کتابوں کے مسلمات میں سے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سماویہ میں اس کی ان

گنت پیش گوئیاں کی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، آپ کے القاب، آپ کا خاندان، آپ کا ملک، آپ کی جائے ولادت، آپ کے دارِ ہجرت وغیرہ کی خبریں دی گئیں، غرض اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اور تمام اقوام عالم پر اپنی حجت پوری کردی، اور اسلام کی پوری تاریخ میں اس اجماعی عقیدے کا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ جب کبھی کوئی مدعی نبوت کھڑا ہوا اس کا سر قلم کر دیا گیا یہ اس عقیدے کا عملی ثبوت تھا جو اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا اور جس پر امت کا تعامل مسلسل جاری رہا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں اسلامی جہاد کا آغاز ہی مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں جنگ یمامہ سے ہوا جس میں سات سو صرف حفاظ قرآن شہید ہوئے، جو صحابہ کرام میں اہل القرآن کے لقب سے مشہور تھے۔ گویا اسی عقیدے کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ صحابہؓ شہید ہوئے اور اسی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کی قربانیاں پیش کیں، معرکہ حق و باطل سب سے پہلے اسی عقیدہ کی خاطر برپا ہوا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خون سے اس باغیچہ کو سیراب کیا گیا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی سرکوبی کر کے قیامت تک آنے والی امت کو دوٹوک اور غیر مبہم انداز میں بتادیا گیا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ دعوائے نبوت کے ساتھ اٹھیں امت کو ان سے کیا سلوک کرنا ہوگا۔

قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا

الغرض یہ عقیدہ اتنا بنیادی اور اتنا اہم ہے کہ اسے عالم ارواح سے لے کر آج تک ہر آسمانی دین میں مسلسل دہرایا جاتا رہا اور قولاً، عملاً، اعتقاداً اس کی مسلسل تاکید و تلقین کی جاتی رہی، بدقسمتی سے برطانوی اقتدار میں جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کیا گیا اور یہ سمجھ کر کہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے متزلزل ہوجانے سے اسلام کی عمارت منہدم ہوجائے گی، اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کا انتخاب کیا گیا، متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت کے سائے سے محروم تھا ورنہ مرزا کا حشر بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا، اس لئے مسلمان سوائے دینی بحثوں اور مناظروں کے کچھ نہیں کرسکتے تھے، برطانوی حکومت اپنے تمام لامحدود وسائل سے اس فتنہ کی پرورش اور اپنے خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی کی حفاظت کرتی رہی۔

قادیانیت کے خلاف علامہ کشمیریؒ کا جہاد

امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی ادر دینی مرکز انہی کے انفاس مبارَ۔ ـــ اس شجرہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی

وساوس اور زندیقانہ دسائس کا جس طرح حضرت امام العصرؒ نے تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی اس کی نظیر تمام عالم اسلام میں نہیں ملتی، حضرت مرحوم نے خود بھی گراں قدر علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ، مدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی واعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سنا کہ جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دین محمدی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے، فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنے پر اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصرؒ کو، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہو گیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے لعین ابن اللعین، لعین قادیان اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی، فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی دردِ دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں ورنہ محض تردید وتنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔ مرض موت میں جب تمام قوتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے ایک دن (یہ جمعہ کا دن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہل دیوبند کو آخری وصیت فرمائی کہ دین اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے پوری کوشش کریں اور فرمایا میرے تلامذہ کی تعداد جنہوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے دو ہزار ہوگی، ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنہ کے خلاف پوری جدوجہد کریں۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہ وصیت ''دعوتِ حفظ ایمان'' کے نام سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہو گئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے اپنی آخری زندگی میں مسلمانانِ کشمیر کو اس فتنے سے بچانے کے لئے آخری تصنیف فارسی زبان میں تالیف فرمائی، کشمیر میں فارسی زبان عام تھی اور وہاں کی علمی زبان فارسی ہی تھی اس لئے آیت خاتم النبیین کی شرح فرمائی، حضرت مرحوم کا دل ودماغ جس طرح علوم ومعارف سے بھرا ہوا تھا ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم وحقائق نکلیں گے، زبان فارسی ہو یا اردو، علوم انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے، ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اس کے قبضہ میں آ سکتے تھے اس کے لئے حسب ذیل امور کی ضرورت تھی:

① عام فہم شستہ اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

② مترجم ذکی ومحقق عالم ہو کہ علمی اشارات ولطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔

③ حضرت امام العصر رحمہ اللہ کے طرز تحریر سے مناسبت رکھتا ہو اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

④ قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

⑤ علمی دقائق کی تشریح پر اردو میں قادر ہو اور قلمی افادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

⑥ تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو، تاکہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکے۔

⑦ حضرت امام العصر رحمہ اللہ سے انتہائی عقیدت و محبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے اور غور و خوض سے اکتا نہ جائے۔

⑧ محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

⑨ اپنے علمی کاموں میں محض رضاء حق کا طالب ہو حب جاہ و ثناء سے بالاتر ہو۔

⑩ عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور معانی بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس امور تھے جو ارتجالاً زبان قلم پر آ گئے "عشرہ کاملہ" کے بعد اب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پا سکتا ہے مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا، میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق و دق صحراء میں قدم رکھوں اگرچہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس نے ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی دماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت توجہ نہ کر سکا اور اس سعادت سے محروم رہا، حالانکہ "نفحۃ العنبر" میں ۴۵ ربرس پہلے لکھ چکا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ و بہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ خاتم النبیین ملاحظہ کیا جائے۔(۱)

---

(۱) نفحة العنبر کا متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے:

"اودع الشيخ فيها نكات واسرارًا وهبيةً ما يرهف الالباب والبصائر و يروح القلوب والخواطر، احتوت على حقائق سامية ربانية و بدائع حكم الٰهية ، يبهت لها الخيال وتحار لها العقول، ستحسّ اوان مطالعتها ان المزنة السحاء يهطل بديمها، اوان البحر الذاخر يسمح بعبه، وايم الله، ان محاسنها الجلية تاخذ بالقلوب، لاادرى بایّ وصف اصفها، دررفاق بهاؤها، وغرر شاع ضوئها و سناؤها، وزهر فاح اريجها وراق زها ؤ ها، لله من حكم يما نيةٍ سمح بها صدره ولله من معارف عالية نثرت من سنى قلمه". [نفحة العنبر فى حياة امام العصر الشيخ انور ص:۱۲۹، ط: المكتبة البنورية]

ترجمہ: حضرت شیخ نے اس میں وہ وہبی اسرار و نکات درج کئے ہیں جن سے فہم بصیرت کو جلا ملتی ہے اور روح و قلب کو وجد آ جاتا ہے یہ رسالہ ان بلند پایہ حقائق ربانیہ اور حکمت الٰہیہ کے نوادر پر مشتمل ہے جن سے خیال مبہوت اور عقل ششدر رہ جاتی ہے، اس کے مطالعہ کے وقت ایسا محسوس ہوگا گویا ابر باراں موسلا دھار برس رہا ہے یا بحر محیط ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ خدا کی قسم! اس کے محاسن دلوں کو پکڑ لیتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ سے اس کی تعریف و توصیف کروں۔ یہ وہ موتی ہیں جن کی رونق سب پر فائق ہے۔ یہ وہ گوہر ہیں جن کی تابانی و درخشانی شہرۂ آفاق ہے۔ یہ وہ کلیاں ہیں جن کی خوشبو مہلک رہی ہے، سبحان اللہ! کیا یمانی حکمتیں ہیں جو سینہ انور سے نکلیں اور ماشاء اللہ کیا ہی اعلیٰ معارف ہیں جو آپ کی نوک قلم سے بکھرے۔

الحمدللہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو اس عشرہ کاملہ سے متصف تھے باکمال تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کہ وہ اس کے ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور اس علمی و دینی خدمت کا حق ادا کردیا، اللہ تعالیٰ بارگاہ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی شفاعت مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

هدية المهديين فى آية خاتم النبيين

حال ہی میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ (بانی دارالعلوم کراچی) کا عربی رسالہ "هدية المهديين فى آية خاتم النبيين" شائع کیا گیا جو موصوف نے حضرت الاستاذ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حکم سے اور انہی کی نگرانی میں مرتب فرمایا تھا، اس میں مسئلہ ختم نبوت پر ۳۳/ آیات، ۱۶۵/ احادیث، صحابہ تابعین کے آثار، علماء امت کے ارشادات اور کتب سابقہ کی شہادتوں کا بے نظیر ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عربی میں اپنے موضوع پر جامع ترین کتاب ہے جس پر حضرت امام العصرؒ نے حضرت مؤلف کو بہت داد دی تھی۔

"مجلس تحفظ ختم نبوت" کی جانب سے اس کی اشاعت اس مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے کہ نہ صرف اندرون ملک ہر عالم اور عربی داں اس سے مستفید ہو بلکہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے ان تمام ممالک کے اہل علم تک یہ کتاب پہنچائی جائے جہاں قادیانی فتنہ ارتداد کے اثرات ہیں اور جہاں عالمی زبانوں میں مستند اور ٹھوس لٹریچر کا تقاضا شدت سے ہورہا ہے، ارادہ ہے کہ سردست اس کتاب کا ایک لاکھ نسخہ بھجوانے کا بندوبست کیا جائے اور اس کی شکل یہ تجویز کی گئی ہے کہ وہ تمام اہل خیر جنہیں دین اور اس کے عالمی تقاضوں کا احساس ہے انہیں اس صدقہ جاریہ کی طرف توجہ دلائی جائے کہ وہ حسب استطاعت اس کے سوسو، ہزار ہزار نسخے خرید کر خود بھجوائیں یا یہ کام مجلس تحفظ ختم نبوت کے سپرد کردیں، جو حضرات اس صدقہ جاریہ کی تحریک میں حصہ لیں گے انہیں کتاب اصل لاگت پر مہیا کی جارہی ہے، یعنی فی سینکڑہ ۳۰۰/ تین صد روپے اور فی ہزار ۲۴۰۰/ چوبیس سو روپے، اس چھوٹی سی کتاب کے ایک لاکھ نسخے بھجوادینا قومی سطح پر معمولی بات ہے مگر اس کے اثرات انشاء اللہ دنیا و آخرت میں خیر وبرکات کا موجب ہوں گے، میں تمام احباب ومخلصین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قومی وملی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس تحریک میں بیش از بیش حصہ لیں۔ والله الموفق لكل خير وسعادة.

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۷ھ - جون ۱۹۷۷ء]

دین اسلام کا سب سے بڑا شعار عقیدہ ختم نبوت

''ختم نبوت'' کا عقیدہ دین اسلام کا وہ بنیادی عقیدہ ہے کہ تمام عمارت اسی عقیدہ پر قائم ہے یعنی یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں اور سلسلۂ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا آپؐ پر ختم ہوا ہے۔

اوّلِ انبیاء حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اب کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں، یہ قطعی اعلان آسمانی وحی نے قرآن کریم میں سورۃ احزاب میں کیا ہے اور واضح رہے کہ وحی آسمانی کا یہ اعلان ۵ ھ ہجری میں حضرت ام المومنین زینب بنت جحشؓ کے آسمانی نکاح کے موقع پر ہوا ہے، لیکن اس آیت کریمہ کے نزول سے قبل بھی یہ عقیدہ اٹھارہ سال پہلے اسلام کا اساسی عقیدہ تھا، اسی طرح تمام اسلامی عقائد کو قرآن کریم کے نزول سے پہلے ہی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر امت نے تسلیم کیا ہے اور ان پر ایمان لائی ہے بعد میں قرآن کریم میں موقع بہ موقع ان کا ذکر و اعلان ہوتا رہا تاکہ اسلامی دستور و اسلامی آئین دین اسلام کے مہمات سے خالی نہ ہو، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، وضو، غسل وغیرہ وغیرہ تمام اسلامی فرائض کو امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر تسلیم کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم امت کے لئے واجب الاطاعت اور واجب الایمان ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو اور یہ عقائد اور یہ شریعت اور اس کے تمام بنیادی احکام امت محمدیہ کو تعامل و توارث و تواتر کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اساسی ہے اور قطعی ہے اور ہر دور میں امت محمدیہ کا اس پر اجماع رہا ہے، جس طرح یہ عقیدہ بنیادی اور اہم ترین عقیدہ ہے اسی طرح اس عقیدہ کے مخالف عقیدہ امت میں سب سے بڑا فتنہ ہوگا اور سب سے بڑا کفر ہوگا، چنانچہ شیطان نے سب سے پہلے حملہ اسی عقیدہ پر کیا ہے تاکہ اسلامی بنیاد متزلزل ہو سکے۔ یمامہ کا مسیلمہ کذاب، یمن کا ''اسود عنسی'' یمامہ کی سجاح، یہ کذابین و دجالین کے سرفہرست ہیں اور اسی لئے جھوٹی نبوت کے مدعی کو ہر دور میں کافر سمجھا گیا اور اس دعوے کو دین محمدی کے خلاف بغاوت کے مترادف سمجھا گیا اور اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرمایا کہ:

''میری اس امت میں تیس دجال و کذاب پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا اور یہ سب جھوٹے ہیں اور میری بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور میں آخری نبی ہوں''۔ (۱)

جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں تصریح کی گئی ہے، بہر حال عقیدہ ختم نبوت دین اسلامی کا قطعی عقیدہ ہے، قرآن کریم اس پر ناطق ہے، احادیث نبویہ کا اس پر تواتر ہے اور امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے، اگر غور کیا

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب المناقب، بابب علامات النبوة فی الاسلام ج:۱ ص:۵۰۹، ط: قديمی

جائے تو واضح ہوگا کہ امت محمدیہ کی تمام کوششیں اور علماء اسلام کی تمام محنتیں اور یہ تمام اسلامی ادارے، دینی درس گاہیں اور اسلامی انجمنیں اور احادیث نبویہ کی تدریس اور کتب حدیث کی تالیف وتصنیف واشاعت یہ سب اسی عقیدے کی حفاظت وصیانت کی مختلف صورتیں ہیں اور متعدد مظاہر ہیں، اگر یہ عقیدہ درمیان سے ختم ہوجائے تو یہ تمام دینی جدوجہد بالکل لایعنی ہے، نہ قرآن کی عظمت واہمیت باقی رہتی ہے، نہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ احادیث نبویہ کی حاجت باقی رہتی ہے، جب دوسرا نبی ورسول آسکتا ہے اور وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہے نئی شریعت بھی آسکتی ہے جدید احکام بھی نازل ہوسکتے ہیں، جہاد اسلامی بھی منسوخ ہوسکتا ہے، حج وزکوۃ اور تمام عبادات میں جو ترمیم چاہیں ہوسکتی ہے تو قرآن وحدیث کی وقعت واہمیت کیا باقی رہ جاتی ہے، گویا حفاظت اسلام کا قوی ترین ومستحکم قلعہ یہی ختم نبوت ہے، اس لئے شیاطین الانس وشیاطین الجن کا سب سے پہلا حملہ اس قلعہ پر ہوا اس لئے کہ اس مورچہ کو ختم کر کے تمام معاملات حسب خواہش طے ہوسکتے ہیں، لہذا کسی بھی اسلامی حکومت کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ اس قلعہ کی حفاظت کرے اسلامی دستور اسلامی آئین کی بنیاد بھی یہی عقیدہ ہے۔

اسلام کے خلاف برطانوی سازش

الغرض دین اسلام کا سب سے بڑا شعار عقیدہ ختم نبوت ہے، بدقسمتی سے متحدہ ہندوستان پر جب فرنگی استعمار کا پنجہ مضبوط ہوگیا اور ۱۸۵۷ء میں روح فرسا مظالم کر کے لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کردیا گیا لیکن اس کے باوجود انگریز اسلام کو ختم نہ کرسکا تب اسلام کے خلاف جن مؤثر تدابیر کو انگریز نے اختیار کیا ان میں سب سے مؤثر نسخہ یہی ہاتھ آیا کہ اسلام کے اس عقیدہ پر کاری ضرب لگائے۔ انگریزی نفسیات کے بارے میں مسولینی کا مقولہ مشہور ہے کہ یہ قوم صدیوں پہلے انجام کار کا اندازہ لگالیتی ہے، بلاشبہ شیطنت وتلبیس میں یہ قوم اعداء اسلام میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے شیخ المشائخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں کہیں اسلام کے خلاف سازش نظر آئے اگر کھوج لگاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ اس کا سرچشمہ انگریز ہے۔ اس لئے انگریزی حکمراں کی نگاہ نے ایک صوبے پنجاب کے ضلع گورداسپور کے گاؤں قادیان میں ایک وکیل مرزا غلام احمد کا انتخاب کرلیا، مسلمانوں میں ''مہدیت'' کے دعوے دار بہت سے مختلف ادوار میں پیدا ہوچکے تھے لہذا یہ دعویٰ زیادہ انوکھا نہ تھا اس لئے اول مرزا غلام احمد نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تاکہ آسانی سے ہضم ہوسکے رفتہ رفتہ ''مثیل مسیح موعود'' کا دعویٰ کیا اس کو بھی چند لوگوں نے قبول کرلیا پھر ''مسیح موعود'' ہونے کا دعویٰ کیا پھر نبی غیر تشریعی (یعنی بلاشریعت پیغمبر) ہونے کا مدعی ہوا، آخر صراحۃً نبوت کا دعویٰ کرڈالا اور یہ بھی ساتھ دعویٰ کیا کہ ان کی شریعت میں امر ونہی بھی ہے، جدید احکام بھی ہیں اور بالآخر جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کردیا۔ الغرض ترتیب وتدریج کے ساتھ جو پہلے مرحلہ پر سوچ چکا تھا اسی مرحلے پر آخرکار پہنچ گیا، تمام اطراف ہند میں شور وغوغا ہوا اور تکفیر

پر مضامین آئے، کتابیں لکھی گئیں لیکن برطانیہ نے بہت ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ اس کی ترویج وتقویت اور پشت پناہی میں پورا زور صرف کر دیا اور آج اسی کے نتیجہ میں دنیا کا کوئی گوشہ باقی نہیں رہا کہ انگریز کے اس خود کاشتہ پودے کے ثمرات وہاں نہ پہنچے ہوں، لندن میں تو اس کا مرکز ہی ہے، امریکہ کینیڈا سے لے کر فلسطین تک بلکہ اسرائیل کی نام نہاد حکومت میں بھی اس کا مرکز ہے، اگر پاکستان کی موجود حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ اسلامی حکومت ہے اور دستور کے اندر بھی یہ دفعہ آ گئی ہے کہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ رکھے تو اس کو فوراً قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دینا چاہیے کہ یہ ایک اسلامی حکومت کا ادنیٰ ترین فرض ہے، مقامِ مسرت ہے کہ مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر تمام اسلامی ممالک کی اسلامی جماعتوں کا اجتماع ہوا اور بالاتفاق یہ قرارداد پاس ہوئی کہ: مرزائی قادیانی جہاں بھی ہوں غیر مسلم اقلیت ہیں صرف پاکستان کے ایک نمائندے نے اتفاق نہیں کیا، انا للہ۔

جس حکومت کے نمائندے کو سب سے پہلے سبقت لے جانی چاہئے تھی وہی مخالف رہا، کہنا یہ ہے کہ حکومت پاکستان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اس عقیدہ کی حفاظت کرے اور ملک کے جو باشندے اس عقیدہ کے خلاف ہیں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کے ساتھ بقیہ غیر مسلم اقلیتوں کا معاملہ کرے، حق تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور اس پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں تاکہ قیامت کے روز سرخروئی نصیب ہو اور دنیا میں بھی ہم مسلمانوں اور مسلمان حکومتوں کے سامنے رسوا نہ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کر کے آپ کی شفاعت کبریٰ کے مستحق ہوں۔

تخلیق کائنات کا مقصد

قرآن مجید میں بہت سی جگہ عقیدہ آخرت کے اثبات کے لئے یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ اگر اس کائنات کی تخلیق کا منشا صرف یہی ہوتا کہ اس دنیا کا نقشہ وجود میں آ جائے اور اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو تو یہ محض ایک فعل عبث اور کھیل تماشا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدسی صفات کھیل تماشے سے بلند و بالا اور عبث و لایعنی سے پاک اور منزہ ہے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۱۱۵]

پس کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

یہ کارخانہ عالم بے نتیجہ و بے مقصد نہیں بلکہ ذریعہ و وسیلہ ہے ایک بڑے مقصد کا، یہ عبوری و عارضی اور امتحانی و ابتلائی زندگی خود مقصد نہیں بلکہ یہ تمہید ہے آخرت کی، جہاں کی زندگی ابدالآباد کی زندگی ہوگی۔ سورہ فاتحہ سے سورہ الناس تک بے شمار مقامات پر محیر العقول معجزانہ اسلوب اور عجیب مؤثر انداز میں یہ حقیقت بار بار ذہن نشین کرائی گئی ہے۔ سورہ فاتحہ میں جسے ایک مسلمان کم از کم ۳۲/ مرتبہ روزانہ پڑھتا یا سنتا ہے حق تعالیٰ کی ربوبیت

اور رحمت عامہ کے فوراً بعد ''یوم الدین'' کی مالکیت اور بادشاہی کا اعلان کیا گیا ہے تا کہ ہر لحظہ یہ عقیدہ پیش نظر رہے کہ دنیا خود مقصد نہیں اصل منزل مقصود آخرت اور صرف آخرت ہے۔

پاکستان کا مقصد

ٹھیک اسی طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ مملکت خداداد پاکستان جسے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کی طویل اور صبر آزما جنگ آزادی کے بعد حاصل کیا گیا، جس کے لئے جان ومال اور عزت وآبرو کی بے مثال قربانیاں دی گئیں، جس کی خاطر لاکھوں خاندانوں کو ترک وطن کی وہ صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ شرمندہ ہے اور جس کو خدا اور رسول کے مقدس نام پر اور ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا واسطہ دے کر حاصل کیا گیا اگر اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ آزادی مل جائے، کافروں کی جگہ بڑے بڑے مسلمان سرمایہ دار وجود میں آجائیں، بڑے بڑے کارخانے ہوں، فلک بوس عمارتیں اور خوشنما بلڈنگیں ہوں، فراخ سڑکیں اور عمدہ کاریں ہوں، سینما اور تھیٹر ہوں، ریڈیو اور ٹیلیویژن ہوں، شاندار ہوٹل اور کلب گھر ہوں، رقص وسرور کی محفلیں مخلوط دعوتیں اور حیا سوز مناظر ہوں، سود اور رشوت کا بازار گرم ہو، ظلم وناانصافی کا دور دورہ ہو، لاقانونیت کی فضا ہو، نہ خدا کا خوف ہو نہ قانون کا ڈر، نہ حاکم کو احساس فرض ہو نہ محکوم کو، نہ کسی کی جان محفوظ ہو نہ مال، نہ پولیس اپنے منصب کی پروا کرے نہ عدالت سے دادخواہی غریب آدمی کے لئے ممکن ہو، ایک طرف کارخانوں پر کارخانے کھلتے جائیں اور دوسری طرف ملک کا نادار طبقہ نانِ جویں کا محتاج ہو، الحاد و دہریت کی کھلی چھٹی ہو، کوئی کسی کے ایمان پر ڈاکہ ڈالے، ایمانی عقائد پر حملہ کرے، اخلاق کو تباہ کرے، معاشرہ کو متعفن کرے، مگر قانون اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو۔ الغرض یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اگر یہ ملک اسی کے لئے بنا تھا آزادی اسی کے لئے حاصل کی گئی تھی، خدا اور رسول کے مقدس نام کا استعمال انہی مقاصد کے لئے ہوا تھا، پاکستان کی تفسیر کلمہ طیبہ (۱) سے اسی کے لئے کی گئی تھی تو ہم نے خود اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کیا اور بھری دنیا کو کتنا بڑا دھوکا دیا؟ یہ سارے کام تو امریکہ ویورپ اور بے دین ممالک میں بھی بڑے وسیع پیمانے پر انجام دیئے جارہے تھے۔

الغرض حق تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر تخلیق دنیا کا منشاء آخرت نہ ہو، روز جزا میں میزانِ عدل قائم نہ ہو، جزا وسزا کا دفتر نہ کھلے، مجرمین کو سزا اور صالحین کو جنت نہ ملے تو عالم کا تمام نقشہ بے کار ہے، محض کھیل اور تماشا ہے، اسی طرح اگر پاکستان کا مقصد اسلامی حکومت، اسلامی دستور اور اسلامی قانون نہ ہو تو یہ تمام نقشہ بے کار ہے اور کھیل تماشے سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

---

(۱) پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ! تحریک پاکستان کے دوران بچے بچے کی زبان پر تھا، ان بچوں کو جو اب پیرانہ سالی میں قدم رکھ رہے ہیں یہ نعرہ اب بھی یاد ہوگا۔

تاسیس پاکستان کا اصل مقصد

پاکستان کی تاسیس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس ملک میں اسلام کا قانون رائج ہو، ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہو، فواحش ومنکرات کا قلع قمع کیا جائے، بے حیائی وعریانی کا جو سیلاب خدا فراموش ملکوں سے آرہا ہے اس سے محفوظ رہا جائے، ظلم وعدوان کو مٹایا جائے، اسلام کے عدل وانصاف کے سائے میں ہر شخص اطمینان وسکون کی زندگی بسر کر سکے، قوم کے نادار افراد کی دستگیری کی جائے، کس قدر حیرت وافسوس کا مقام ہے کہ تیس سال کے طویل عرصہ کے بعد بھی ہم اسلامی قانون کے سایہ رحمت سے محروم ہیں، ملک اسلام اور مسلمانوں کا ہے، حکومت مسلمانوں ہی کی ہے، حکومت کا سرکاری مذہب اسلام ہے، مگر نہ اسلامی دستور ہے، نہ اسلامی قانون، قوم بار بار مارشل لاء کے سائے میں زندگی گذارنے پر مجبور ہے، اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں کوئی اسلامی حکومت آج تک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سرکاری طور پر کوئی حد فاصل قائم نہیں کرسکی، گذشتہ دور حکومت میں یہ سستا اصول بنالیا گیا تھا کہ جو شخص بھی اسلام کا ادعا کرے وہ مسلمان ہے، ایک شخص حکومت کے سرکاری مذہب سے بغاوت کر کے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کرے، ارشادات نبوت کو جھٹلائے، الحاد وتحریف کے ذریعہ دین کی ساری جڑوں کو کھوکھلا کردے، مرزائی بنے، پرویزی بنے، ملحد بنے، نماز، روزہ کا مذاق اڑائے، انبیاء کرام کی توہین کرے، مگر یہاں اس کے اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی اور وہ جوں کا توں مسلمان رہتا ہے اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک مسلمان ملک میں اسلام کے حقوق محفوظ نہ ہوں۔

قادیانیوں کے بارے میں عدالت کے فیصلے

تاہم اس پر آشوب اور تاریک فضا میں بھی روشنی کی کرن کبھی کبھار پھوٹ نکلتی ہے۔ مرزائی امت کی شرعی اور قانونی حیثیت کیا ہے؟ اس نکتہ پر سابق ریاست بہاول پور کے جج جناب محمد اکبر صاحب (۱) کا تاریخی فیصلہ ایک مسلمان جج کے ایمان کا شاہکار تھا قیام پاکستان کے بعد جناب شیخ محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی نے ان کے کفر کا فیصلہ دیا (۲) اور اب یہ تیسرا فیصلہ ہے جو جیمس آباد کے سول جج جناب محمد رفیق گوریجہ پی، سی، ایس نے

---

(۱) بمقدمہ مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش۔ بنام عبد الرزاق ولد مولوی جان محمد، یہ مقدمہ دو سال تک زیر سماعت رہا اور فاضل جج نے فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ کو فیصلہ سنایا فیصلہ مقدمہ بہاول پور کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور نہایت قیمتی دستاویز ہے۔

(۲) بمقدمہ امۃ الکریم بنت کرم الٰہی بنام لیفٹیننٹ نذیر الدین پسر ماسٹر محمد دین، یہ فیصلہ ۳ جون ۱۹۵۵ء میں ہوا، مجلس تحفظ ختم نبوت تغلق روڈ ملتان سے شائع ہو چکا ہے۔

جنہیں فیملی کورٹ کورٹ جج کے اختیارات بھی حاصل ہیں ایک احمدی مرد کے ساتھ مسلمان لڑکی کے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہوئے صادر فرمایا ہے(۱)، یہ فیصلہ بے حد لائق تحسین اور قابل مبارک باد ہے، جہاں ہم محترم جج کو مبارک باد پیش کرتے ہیں وہاں موجودہ مارشل لا حکومت کے دور میں عدلیہ کی آزادی بھی قابل صد تبریک ہے جس کی وجہ سے ایک سول جج اس جرأت ایمانی کا مظاہرہ کر سکتا ہے کہ وہ شرعی اور اسلامی قانون کے مطابق مدلل اور مفصل فیصلہ کر سکے کہ چونکہ قادیانی مسلمان نہیں اس لئے کسی مسلمان عورت اور قادیانی مرد کے درمیان عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

فیصلے کا پورا متن ملک کے بہت سے اخبارات وجرائد میں شائع ہو چکا ہے یہاں ہم اس فیصلے کے چند اہم نکات کا مطالعہ کرانا چاہتے ہیں:

فیصلہ جیمس آباد کے اہم نکات

نکتہ اول: مسلمان کسے کہتے ہیں؟

سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام کی تعریف کیا ہے؟ اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل کیا ہے؟ اور وہ کون سی چیز ہے جو ایک مسلمان کو غیر مسلم سے ممیز کرتی ہے؟ اس نکتہ پر بحث کرتے ہوئے فاضل جج امیر علی کی کتاب ''محمڈن لا'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کوئی شخص جو اسلام لانے کا اعلان کرتا یا دوسرے لفظوں میں خدا کی وحدانیت اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغمبر ہونے کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمان اور مسلم لاء کے تابع ہے۔''

ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں: ''ہر وہ شخص جو خدا کی وحدانیت اور رسول عربی کی پیغمبری پر ایمان رکھتا ہے دائرہ اسلام میں آجاتا ہے۔''

نیز سر عبدالرحیم کی کتاب ''محمڈن جوریسپروڈنس'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اسلامی عقیدہ خدائے واحد کی حاکمیت اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی کی حیثیت سے مشن کی صداقت پر مشتمل ہے''۔

یہ دونوں تعریفیں جو اپنے مفہوم میں متحد ہیں اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں مگر تشریح طلب ہیں۔ اسلام دراصل انسان کے اس عہد کا نام ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اس پورے دین کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) بمقدمہ امۃ الہادی بنت سردار خاں بنام حکیم نذیر احمد برق قادیانی، یہ فیصلہ ۱۳/ جولائی ۱۹۷۰ء کو پڑھ کر سنایا گیا۔

ذریعہ بھیجا گیا دل وجان سے تسلیم کرتا ہے۔ اس عہد میں چند اصولی چیزیں آپ سے آپ آجاتی ہیں۔

اوّل: اس عہد کی رو سے لازم ہوگا کہ دین کے تمام اجزاء کو ایک ایک کر کے تسلیم کیا جائے اگر کوئی شخص دین کی کسی ایسی بات کو جس کا ثبوت قطعی ہے(۱) نہیں مانتا تو چاہے باقی سارے دین کو مانتا ہو تب بھی وہ مسلمان نہیں کہلائے گا، کیونکہ معاہدہ کی ایک شق سے انحراف معاہدہ کی پوری دستاویز سے انحراف سمجھا جاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِكَ مِنكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [البقرة:۸۵]

پھر کیا (ایسا نہیں کہ) تم کتاب کے ایک حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور اس کے ایک حصے سے مکر جاتے ہو؟ تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا اس کا بدلہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے دنیا میں رسوائی نصیب ہو اور قیامت کے دن انہیں سخت ترین عذاب کے حوالے کیا جائے گا اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

دوم: اس عہد کا دوسرا تقاضا ہے کہ تمام دینی حقائق کو من وعن تسلیم کیا جائے اور ان کے معنی ومفہوم وہی لئے جائیں جو خدا اور رسول کی مراد ہیں، جو صحابہؓ کے دور سے آج تک اپنے صحیح تسلسل کے ساتھ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں، اگر ایک شخص الفاظ کی حد تک تو دین کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ دین کے بنیادی حقائق کی من مانی تاویل کر کے ان کی اصل روح کو کچل دیتا ہے اور انہیں ایسے من گھڑت اور عجیب وغریب معنی پہناتا ہے جو نہ خدا اور رسول کی مراد ہیں نہ صحابہؓ وتابعین کے زمانہ میں ان کا کبھی تصور کیا گیا، نہ اسلام کی بعد کی صدیوں کے علماء ان سے آشنا ہوئے تو یہ شریعت کی اصطلاح میں تحریف الحاد اور زندقہ ہوگا اور یہ کفر کی خبیث ترین قسم ہے، یہ شخص دین کو مانتا نہیں بلکہ دین سے کھیلتا ہے اسی قماش کے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

---

(۱) دین کی ایسی باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے اور جن کا دین محمدی میں داخل ہونا ہر عام وخاص کو معلوم ہے، ضروریات دین کہلاتی ہیں۔ ''ضروریات'' ''ضروری'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بدیہی، واضح، بالکل ظاہر، ضرورت دین کے معنی ہوئے: وہ امور جن کا جزو دین ہونا بالکل ظاہر واضح اور قطعی ہو ان کے ثبوت میں کوئی خفا نہیں، نہ شک وشبہ کی گنجائش ہے۔

''ضروریات دین'' کے ذیل میں وہ ساری چیزیں آجاتی ہیں جن کا ثبوت قرآن مجید، حدیث متواتر اور اجماع امت سے ہو ان تمام امور کا ماننا ایمان کہلاتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دینا بھی صریح کفر ہے اور ان کو توڑ مروڑ کر غلط معنی پر محمول کرنا الحاد اور زندقہ کہلاتا ہے جو کفر کی بدترین صورت ہے۔ اس موضوع پر جامع ترین تحقیقی کتاب امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کی تصنیف اکفار المحلدین ہے جس کا اردو ترجمہ بھی مجلس علمی کراچی نے شائع کر دیا ہے قابل دید ہے خصوصاً علماء ومحققین کے استفادہ کے لائق ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

[حم السجدة: ٤٠]

یقینا جو لوگ ہمارے احکام میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں رہ سکتے، پس کیا وہ شخص جسے دوزخ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا؟ تم جو چاہو کرلو، وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تمہارے کرتوتوں کو یقینا دیکھ رہا ہے۔

سوم: اس عہد کا تیسرا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس عہد و پیمان کے بعد اس سے کوئی ایسا قول و فعل سرزد نہ ہو جو اس عہد کی نفی کرتا ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسلام کا عہد باندھ لینے کے بعد دوسرے تمام مذاہب و ملل کے عقائد و افکار اور نظریۂ حیات سے کنارہ کشی کرے، اگر ایک شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہے مگر عملاً بت کو سجدہ کرتا ہے، ہندوؤں کے مذہبی مراسم بجالاتا ہے، عیسائیوں کی صلیب لٹکاتا ہے، یا معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرتا ہے، کسی نبی کی تنقیص کرتا ہے، قرآن مجید سے ہتک آمیز سلوک کرتا ہے، شعائرِ دین کی بے ادبی کرتا ہے، کسی حکم شرعی کا مذاق اڑاتا ہے، ایسا شخص اپنے دعوائے ایمان میں مخلص نہیں بلکہ منافق ہے اور محض اسلام اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا ادعاء کرتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [البقرة: ٨،٩]

اور بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، حالانکہ وہ قطعاً مومن نہیں وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ:

① دین کے وہ تمام حقائق جن کا علم ہمیں یقینی ذرائع سے پہنچا ہے ان سب کو تسلیم کرے۔

② ان کو بغیر کسی تاویل و تحریف کے من و عن قبول کرے۔

③ اور اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے اس کے دعوائے ایمان کی نفی ہوتی ہو، کلمہ طیبہ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اس معاہدہ ایمان کا مختصر متن ہے جو دین کی تمام تفصیلات کو شامل ہے، یہ ہے اسلام کی میزانِ عدل! جس سے کسی کے اسلام اور کفر کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

نکتہ دوم: مسلمان اور غیر مسلم کے الگ الگ دائرۂ عمل

فاضل جج نے اس نکتہ پر بھی بحث کی ہے کہ آیا عدالت یہ تعین کرسکتی ہے کہ احمدی (مرزائی) مسلمان

ہیں یا نہیں؟ انہوں نے عدالت عالیہ کے فاضل ججوں کے مشاہدات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ بعض صورتوں میں عدالت کے لئے یہ تصفیہ ناگزیر ہے، مثلاً وراثت، جائداد، منصب، کسی خانقاہ کی سجادہ نشینی، کسی مذہبی ادارے کی سربراہی یا پاکستان کے صدارتی انتخاب کی امیدواری کا سوال ہو وغیرہ تو عدالت کو یہ تعین کرنا ہوگا کہ احمدی (مرزائی) مسلمان ہیں یا نہیں۔

جہاں تک ہماری عدالتوں کے دائرہ اختیار کا تعلق ہے اس کی تشریح تو عدالت عالیہ ہی بہتر کرسکتی ہے لیکن جہاں تک شریعت اسلامیہ کے فیصلے کا سوال ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور کفر کی لائنیں اپنے نقطہ آغاز ہی سے جدا ہوجاتی ہیں، ہماری شریعت میں ایک لمحہ کے لئے نہ کسی مسلمان سے غیر مسلم کا سا سلوک کیا جاسکتا ہے نہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کے حقوق دیئے جاسکتے ہیں۔

کوئی غیر مسلم (۱) سلام، ودعا اور مسلمانوں کی دوستی اور موالات کا مستحق نہیں، وہ مر جائے تو اسلامی طریقہ کے مطابق اس کا کفن دفن اور جنازہ جائز نہیں، وہ کسی عزت وتکریم کا مستحق نہیں، وہ کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، نہ مسلمان اس کا وارث ہوسکتا ہے، وہ اسلامی عدالت کا جج نہیں بن سکتا، نہ اسلامی آئین کی تدوین میں اسے شریک کیا جاسکتا ہے، نہ اسے کسی کلیدی آسامی پر مسلط کیا جاسکتا ہے، نہ وہ مسلمانوں کے کسی مذہبی ادارے کے لئے موزوں ہے، نہ کسی مسلمان عورت سے نکاح کرسکتا ہے، نہ کسی مسلمان لڑکی کا ولی بن کر اس کا نکاح کراسکتا ہے نہ کسی مسلمان یتیم بچے کا متولی ہوسکتا ہے وغیرہ ذلک۔

ظاہر ہے کہ یہ وہ احکام ہیں جن کی قدم قدم پر ضرورت واقع ہوگی اور ایک مسلمان کو خدا اور سول کے حکم کے مطابق ان احکام کا ہر لمحہ خیال رکھنا ہوگا اس لئے ایک مسلمان کے لئے یہ تعین ہر وقت ضروری ہے کہ فلاں شخص اپنے نظریات وعقائد کے ساتھ مسلمان ہے یا نہیں؟

اور یہ تو خیر عام غیر مسلموں کا حکم ہے، مرتد کی نوعیت اس سے زیادہ سنگین ہے، اسلام لانے کے بعد اس سے پھر جانا یا اسلام کے کسی قطعی حکم کا انکار کردینا یا ضروریات دین کو توڑ موڑ کر ان کو من گھڑت معنی پہنانا شروع کردینا، یا شریعت کے کسی حکم کو طنز وتعریض کا نشانہ بنانا ''ارتداد'' کہلاتا ہے، ارتداد اسلام کی نظر میں کفر اور شرک سے کہیں بڑھ کر انتہائی درجے کا سنگین جرم ہے، اسلام نے جرائم کی جو فہرست مرتب کی ہے ان میں صرف تین جرائم ایسے ہیں جن کے لئے سزائے موت تجویز کی ہے۔

معاشرتی جرائم میں قتل عمد سب سے بدتر جرم ہے اور سزائے موت کا موجب، اخلاقی جرائم میں زنا سب

---

(۱) غیر مسلم سے مراد یہاں وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے نکتہ اولی کی تشریح کے مطابق اسلام قبول نہیں کیا ایسے لوگ خواہ اپنے آپ کو ہزار بار مسلمان کہیں لیکن جب تک وہ اپنے غلط نظریات سے توبہ کرکے سیدھے طریقے سے اسلام کو قبول نہیں کرتے شریعت کی نظر میں وہ مسلمان نہیں نہ ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ جائز ہے۔

سے گھناؤنی چیز ہے اور اس کے لئے رجم (سنگساری) کی سزا ہے اور نظریاتی جرائم میں ارتداد کفر و طغیان کی آخری حد ہے اور اس کے لئے سزائے موت کا حکم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من بدّل دينه فا قتلوه"(۱)

جو شخص بھی اپنے دین کو بدل کر مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام صلح و جزیہ کے شرائط پر کفر و شرک سے تو مصالحت کر سکتا ہے لیکن ارتداد سے مصالحت کرنے کے لئے کسی قیمت پر آمادہ نہیں، مرتد کے بارے میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے اس کے شبہات کے ازالہ کی کوشش کی جائے اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی ورنہ اس پر سزائے موت جاری کر دی جائے گی (۲)۔

مرتد کو مہلت کے ان تین دنوں میں بھی آزاد نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ نظر بند رکھا جائے گا اور اس سے مکمل معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) ضروری ہوگا اور اسے آزادانہ تصرفات کی اجازت نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کا کفر یا ارتداد معروف ہو شریعت اسلام کے مطابق اس کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ نہیں کیا جا سکتا، اسے مسلمانوں کی جماعت میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے، نہ اسے اسلامی برادری کے حقوق سے نفع اندوزی کا موقعہ دیا جا سکتا ہے۔

نکتہ سوم: قادیانی کافر و مرتد ہیں اس کے وجوہ واسباب

فاضل جج نے قرآن مجید، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، مرزا غلام احمد اور ان کے پیروؤں کے جو عقائد و نظریات ان ہی کے لٹریچر سے پیش کئے ہیں اور جن کو سامنے رکھ کر فاضل جج نے مرزائیوں کے کفر و ارتداد کا فیصلہ کیا ہے، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

① مرزا غلام احمد نے ختم نبوت کے اسلامی عقیدہ سے انحراف کیا ہے۔

② انہوں نے بہت سے مقامات پر خود نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

③ انہوں نے بہت سی ان آیات کو جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے خود اپنی ذات پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

④ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين، باب حكم المرتد والمرتدة ج: ٢ ص: ١٠٢٣، ط: قديمی

(۲) امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مرتد مرد یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صرف مرد کا حکم ہے، عورت کے لئے حبس دوام کا حکم ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔

⑤انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے نسب پر طعن کیا ہے اور انکی دادیوں اور نانیوں کے خلاف غیر شائستہ زبان استعمال کی ہے۔

⑥انہوں نے آنحضرت ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہے ہیں۔

⑦انہوں نے اپنے لئے نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے۔

⑧انہوں نے قرآن مجید کی آیات کو دیدہ و دانستہ مسخ کیا ہے۔

⑨انہوں نے نزول عیسیٰ کے اسلامی عقیدہ کا انکار کیا ہے اور اس کی من مانی تاویلیں کی ہیں۔

⑩انہوں نے ان تمام مسلمانوں کو جوان پر ایمان نہیں لائے کافر قرار دیا ہے۔

⑪انہوں نے اپنے پیروؤں کو مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

⑫انہوں نے مرزائیوں کو مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔

⑬انہوں نے مرزائیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے نکاح میں اپنی بیٹیاں نہ دیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔

⑭انہوں نے اپنے ایک خواب کے حوالے سے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور آسمانوں کی تخلیق کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

⑮ مرزائیوں نے ''الفضل'' (۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء) میں دعویٰ کیا ہے کہ ہر شخص بڑے سے بڑا مرتبہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

⑯ مرزائیوں کا دعوی ہے کہ مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کا وہی مرتبہ ہے جو صحابۂ رسول کا تھا۔

⑰مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت پر ظل و بروز کا پردہ ڈالا ہے اور یہ بقول علامہ اقبال مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔

⑱انہوں نے تنسیخ جہاد کا دعویٰ کیا ہے۔

فاضل جج نے مرزائی لٹریچر کے ان اقتباسات سے جو ''مشتے نمونہ از خروارے'' کا مصداق ہیں، یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد اور ان کے پیروؤں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، فاضل جج نے اس سلسلے میں جو ریمارکس دیئے ہیں، ان کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں موصوف لکھتے ہیں:

''قران پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادات کے بعد یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ مدعا علیہ (مرزائی) نے خود کو نعوذ باللہ پیغمبر کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور اس کے ممدوح مرزا غلام احمد نے بھی اپنے پیغمبر اور نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد دونوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بالکل مختلف تصور

پیش کیا ہے جو مسلمانوں کے مسلمہ عقائد کے یکسر منافی ہے اور قران پاک کی تعلیمات سے متصادم ہے۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"لیگل اتھارٹی کے پورے احترام کے ساتھ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں نہ صرف یہ کہ بنیادی اور نظریاتی اختلاف موجود ہے بلکہ ان میں عقیدے اور اعلان نبوت کے بارے میں بھی اختلافات موجود ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول قرآن پاک کی آیات کو مسخ کرنا میری رائے میں کسی شخص کو بھی مرتد قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"رسول پاک (ﷺ) کی اس سے زیادہ اور کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ مرزا غلام احمد جیسا شخص یا مدعا علیہ یا کوئی اور خود کو پیغمبران کرام (علیہم السلام) کی صف میں کھڑا کرنے کی جسارت کرے، کوئی مسلمان کسی شخص کی طرف سے ایسا دعویٰ برداشت نہیں کر سکتا اور نہ قرآن وحدیث سے اس طرح کے دعوے کی تائید لائی جا سکتی ہے۔"

مرزا غلام احمد نے دانستہ طور پر قران پاک کی آیات خود سے منسوب کی ہیں اور انہیں خود ساختہ معنی پہنائے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو گمراہ کر سکیں اور یہ بے خبر اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی ایسی سنگین غلط بیانی ہے جو جان بوجھ کر روا رکھی گئی ہے اور جو اسلام کی نظر میں گناہ کبیرہ ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"پیغمبرانِ کرام کے بارے میں غیر شائستہ زبان کا استعمال ہی کسی کے ارتداد کے رجحان کی غمازی کرنے کے لئے کافی ہے۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"مرزا غلام احمد یا مدعا علیہ کی نام نہاد نبوت پر ایمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کھلی تنقیص ہے جس کی وضاحت خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کر دی ہے، مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد نے امتی نبی یا رسول یا ظلی اور بروزی نبی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اس کی کوئی سند قرآن اور حدیث سے نہیں ملتی اور نہ مدعا علیہ اور مرزا غلام احمد کے تصور کی تائید کسی اور ذریعہ سے ہوتی ہے، امتی نبی کا تصور انتہائی غیر اسلامی ہے اور یہ مرزا غلام احمد اور مدعا علیہ کی من گھڑت تصنیف ہے۔"

فاضل جج آگے چل کر اپنے فیصلے میں مزید لکھتے ہیں:

"مندرجہ بالا امور کے پیش نظر میں یہ قرار دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ مدعا علیہ اور ان کے ممدوح مرزا غلام احمد نبوت کے جھوٹے مدعی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات وصول کرنے کے متعلق بھی ان

کے دعوے باطل اور مسلمانوں کے اس متفقہ عقیدے کے منافی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔''

مسلمانوں میں اس بارے میں اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور اگر کوئی اس کے برعکس یقین رکھتا ہے تو وہ صریحاً کافر اور مرتد ہے۔''

''مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیات مقدسہ کو توڑ مروڑ کر اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے اور اس طرح انہوں نے ناواقف اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے اور شریعت محمدی میں تحریف کی ہے، اس لئے مدعا علیہ کو جس نے خود اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے نیز مرزا غلام احمد اور ان کی نبوت پر اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے بلا کسی تردد کے کافر اور مرتد قرار دیا جاسکتا ہے۔''

قادیانی مسئلہ میں فاضل عدالت کا فیصلہ اتنا واضح ہے کہ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یہ فیصلہ جو قرآن مجید، احادیث نبویہ اور اجماع امت کی روشنی میں کیا گیا ہے پوری ملت اسلامیہ کے احساسات وعقائد کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی ہے، اس فیصلے کا اطلاق جس طرح قادیانی مرزائیوں پر ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح لاہوری مرزائیوں کے مؤقف کو بھی واضح کر دیتا ہے۔

بعض ناواقف اور جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ مرزائیوں کی قادیانی پارٹی تو بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتی ہے لیکن لاہوری پارٹی مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتی اس لئے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا مشکل ہے، یہ مؤقف شریعتِ اسلام اور لاہوری پارٹی دونوں کی حقیقت سے یک وقت جہالت اور ناواقفی کی دلیل ہے۔

اولاً: لاہوری پارٹی جس کی قیادت مسٹر محمد علی (مرید مرزا غلام احمد قادیانی) کے ہاتھ میں تھی مرزا غلام احمد اور ان کے خلیفہ اول حکیم نورالدین کے زمانہ تک ٹھیک ان ہی عقائد ونظریات کی حامل تھی جو دوسرے قادیانیوں کے ہیں۔ مسٹر محمد علی اور ان کے ہمنواؤں کی اس وقت کی تحریریں شاہد ہیں کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے تھے اور اس کا برملا اعلان کرتے تھے، مرزا صاحب کے خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین سے ذاتی اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انہوں نے اپنی الگ پارٹی بنالی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ مرزا غلام احمد نبی نہیں تھے بلکہ مجدد اعظم تھے، پھر مجدد مان کر تمام انبیاء کرام سے ان کو افضل مانتے ہیں اب جب تک یہ پارٹی اپنے سابق مؤقف سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے تجدید اسلام کا اعلان نہیں کرتی اسے مسلمان تصور نہیں کیا جاسکتا، فقہائے امت کی تصریح کے مطابق کسی مرتد کا اسلام اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ اپنے سابق نظریات سے مکمل برأت کا اعلان کرے۔

ثانیاً: لاہوری پارٹی اگرچہ مرزا غلام احمد کو بظاہر نبی نہیں مانتی، لیکن انہیں مسیح موعود اور مہدی موعود کے خطاب سے مشرف کرتی ہے، مسیح موعود کا خطاب نبوت ہی کی ایک تعبیر ہے اس لئے مرزا غلام احمد جیسے لوگوں کو مسیح

موعود کہنا یقیناً کفر ہے۔

ثالثاً: جیسا کہ فاضل عدالت نے لکھا ہے مرزا غلام احمد کا جھوٹا دعوائے نبوت کرنا، خود کو انبیاء کرام کی صف میں لاکھڑا کرنا، قرآنی آیات کو مسخ کرنا، انبیاء کرام کی توہین کرنا، عیسیٰ علیہ السلام کی دادیوں اور نانیوں کے بارے میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا اظہر من الشمس ہے اور کسی تاویل کا متحمل نہیں، لاہوری پارٹی ان دعاوی باطلہ کے باوجود مرزا صاحب کو نہ صرف یہ کہ کافر و مرتد نہیں سمجھتی بلکہ مہدی اور مجدد تسلیم کرتی ہے اور یہ خود کفر ہے، اگر اسلام میں ایسے مہدی اور مجددوں کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو یہ دین ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے اسی بنا پر ہمارے شیخ امام العصر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وَمَنْ ذَبَّ عَنْهُ اَوْ تَاَوَّلَ قَوْلَهٗ
يُكَفَّرْ قَطْعًا لَيْسَ فِيْهِ تَوَانِ

ترجمہ: اور جو شخص (کھلے کفر کے باوجود) مرزا صاحب کی جناب سے مدافعت کرے گا یا اس کے اقوال کی تاویل کرے گا بغیر کسی جھجک کے اسے بھی قطعی کافر قرار دیا جائے گا۔

فَشَأْنِيءُ شَانِ الْاَنْبِيَاءِ مُكَفَّرٌ
وَمَنْ شَكَّ قُلْ هٰذَا الِاَوَّلِ ثَانِ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی اور جو اس میں شک کرے وہ بھی اسی کے پیچھے ہے۔ (اور کافر و مرتد ہے)

رابعاً: ان تمام امور سے قطع نظر لاہوری پارٹی کے سربراہ مسٹر محمد علی ایم اے نے اپنی تصانیف میں جن نظریات کا اظہار کیا ہے اور قرآن کریم کی آیات کی جس انداز سے کھلی تحریف کی ہے اور نصوص شریعہ کو جس طرح مسخ کیا ہے وہ ان کے الحاد و زندقہ کی کافی دلیل ہے، لاہوری پارٹی اپنے سربراہ کے نظریات سے متفق ہے اس لئے بھی اس کا حکم مسلمانوں کا نہیں ہوسکتا۔

نکتہ چہارم: قادیانیوں کو ایک علیحدہ امت قرار دینے کا مطالبہ

فاضل جج مرزا غلام احمد کی ان تصریحات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس سے ظاہر ہے کہ احمدی (مرزائی) مسلمانوں سے ایک الگ مذہب کے پیرو ہیں اور علامہ اقبال نے اس وقت کی حکومت ہند کو بالکل درست مشورہ دیا تھا کہ اس طبقے (احمدیوں) کو مسلمانوں سے یکسر مختلف تصور کیا جائے اور اگر انہیں علیحدہ حیثیت دے دی گئی تو مسلمان ان کے ساتھ اسی رواداری سے پیش آئیں گے جس کا مظاہرہ وہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے کرتے ہیں، لیکن ایک الگ طبقے کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا حق

احمدیوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ احمدیوں کو بھی صرف اس لئے اسلام کا ایک فرقہ تسلیم کرلیں کہ انہوں نے اپنے اوپر احمدی مسلم کا لیبل لگا رکھا ہے۔''

فاضل جج کا یہ ریمارک اور علامہ اقبال کا اس وقت کی انگلش گورنمنٹ کو مشورہ دینا کہ وہ مرزائی امت کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے، دراصل ان عقائد ونظریات اور طرز عمل کا فطری اور منطقی نتیجہ ہے جو مرزا غلام احمد اور ان کی امت نے اختیار کیا، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے انہوں نے اسلام کے قطعی اور مسلمہ عقیدہ ختم نبوت پر تاویل وتحریف کی ضرب لگا کر اپنے دعوائے نبوت کے لئے راستہ پیدا کیا، پھر قرآن مجید کی بے شمار آیات کی تحریف کر کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اس نئی نبوت کے نتیجہ میں ان تمام مسلمانوں کو جو اس نئی نبوت پر ایمان نہیں لائے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور ان سے تمام مذہبی ومعاشرتی تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کیا اور پھر یہ خالی دھمکی ہی نہیں بلکہ اس وقت سے آج تک مرزائی امت عملی طور پر بھی مذہب ومعاشرت میں مسلمانوں سے کٹی ہوئی ہے۔

اب جبکہ مرزائی امت کے بقول:

''ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے''۔ (الفضل ۲۱۔ اگست ۱۹۱۷ء تقریر میاں محمود)

''یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض آپ نے تفصیل سے بتایا ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے۔ (الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء تقریر مرزا محمود)

ان کا اور مسلمانوں کا جب ہر چیز میں اختلاف ہے مذہب ان کا الگ، نبی ان کا الگ، نماز، روزہ ان کا الگ، عقائد ان کے الگ، معاشرت ان کی الگ تو آخر کیا وجہ ہے کہ سیاسی طور پر ان کی مردم شماری مسلمانوں سے الگ نہ کی جائے، اور ان کو مسلمانوں سے ایک الگ اقلیت قرار نہ دیا جائے۔

علامہ اقبال نے برٹش گورنمنٹ کو یہ حقیقت پسندانہ مشورہ دیا تھا کہ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک الگ اقلیت قرار دے، مگر برٹش گورنمنٹ کا مفاد اسی میں تھا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں میں گھل مل کر انہیں دسیسہ کاریوں کا موقعہ دیا جائے۔ کیونکہ بقول فاضل جج:

''مرزا غلام احمد نے محض اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں میں انتشار وافتراق پھیلانے کا کھلا لائسنس حاصل کرلیا تھا''۔

اس لئے انگریز کسی قیمت پر بھی اپنے اس بنے بنائے کھیل کو بگاڑنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا تھا، مگر سوال یہ ہے کہ اب جب کہ انگریز کو رخصت ہوئے ربع صدی کا عرصہ گذر چکا ہے، پاکستان کی مسلمان حکومت سے کیوں

توقع نہ رکھی جائے کہ وہ مرزائی امت کو مسلمانوں سے ایک الگ ملت قرار دے، ہماری مسلمان حکومت کو مسلمانوں اور مرزائیوں میں کون سی چیز قدر مشترک نظر آتی ہے اور ملک وملت کی وہ کون سی مصلحت ہے جس کی بنا پر مرزائیوں کے مسلمان ہونے پر اصرار کیا جائے؟ اور ملت اسلامیہ کا یہ معقول مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے؟ خدا اور رسول کا وہ کون سا حکم ہے جو ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے باغیوں کو ہم اپنی سر آنکھوں پر جگہ دیں؟ حقائق مفروضات کے تابع نہیں ہوتے، کوئی مانے نہ مانے مگر وہ اپنا وجود منوا کر چھوڑتے ہیں، مرزائی مسلمانوں سے ایک الگ امت ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ آفتاب نصف النہار کا انکار کیا جا سکتا ہے مگر اس کا انکار ممکن نہیں ۔ ملت اسلامیہ کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ایک اور نبی لا کر کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر اصرار کیا جائے کہ ہم انہیں مسلمان بھی کہیں ۔

نکتہ پنجم: قادیانیوں کے غیر مسلم قرار پانے کے نتائج

فاضل عدالت نے قادیانی مدعا علیہ کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے جو آخری نتیجہ قلمبند کیا ہے وہ یہ ہے:

''اندریں حالت میں قرار دیتا ہوں کہ اس مقدمے کے فریقین کے درمیان شادی اسلامی شادی نہیں بلکہ یہ سترہ سال کی ایک مسلمان لڑکی کی ساٹھ سال کے ایک غیر مسلم کے ساتھ شادی ہے، لہٰذا یہ شادی غیر قانونی اور غیر مؤثر ہے ۔''

''مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدعیہ جو ایک مسلمان عورت ہے، کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ جس نے شادی کے وقت خود اپنا قادیانی ہونا تسلیم کیا ہے اور اس طرح جو غیر مسلم قرار پاتا ہے غیر مؤثر ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ۔''

عدالت کے زیر غور چونکہ صرف ایک شادی کا مقدمہ تھا اس لئے فاضل عدالت نے ایک قادیانی کو غیر مسلم (مرتد) قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ مسلمان لڑکی کے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا مگر اسی فیصلہ کی روشنی میں مسلمان یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ۔

الف: قادیانی چونکہ غیر مسلم (مرتد) ہیں اس لئے انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے ۔

ب: انہیں کلیدی آسامیوں پر فائز کر کے مسلمانوں کے سر پر مسلط نہ کیا جائے ۔

ج: انہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے سیاسی حقوق سے متمتع ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے ۔

د: انہیں تبلیغ اسلام کے ڈھونگ سے غیر ممالک میں مرزائیت پھیلانے کے لئے زر مبادلہ نہ دیا جائے ۔

ہ: انہیں آئندہ مسلمانوں کو گمراہ اور مرتد کرنے کی اجازت نہ دی جائے ۔

و: انہیں اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ مسلمانوں کے بھیس میں حج کو جائیں اور مکہ، مدینہ اور

مقامات مقدسہ کو اپنے قدموں سے ملوث کریں۔

آخر میں ایک بات ہم مسلمانوں سے بھی کہنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین کے عقائد ونظریات سے تمام مسلمان باخبر ہیں ہمارے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ پنجاب کے بعض وکیل اور سیاستدان مرزائیوں کی پیروی اور حمایت کر رہے ہیں، تمام مسلمانوں کی دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی ایسے سیاسی لیڈر اور بیرسٹر کو منہ نہ لگائیں جو مرزائیوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہو اور نہ اس قسم کے شقی کو ووٹ دیں، رضا بالکفر کفر ہے جو دل سے اس کفر کی تائید کرے اور دنیوی منافع کے لیئے اس کو مسلمان ثابت کرے ایسا شخص خود اسلام کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں مسلمان حق بجانب ہوں گے کہ یہ اعلان کریں کہ اس قسم کے وکلاء کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه
صفوة البریة سیدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین

[شعبان ۱۳۹۰ھ-اکتوبر ۱۹۷۰ء]

تسخیر کائنات اور اسلام (۱)

دین اسلام اور دین اسلام کی آسمانی کتاب قرآن کریم کا بنیادی مقصد انسانیت کی تکمیل ہے، یعنی انسان کو درندوں اور حیوانات کی صف سے نکالا جائے اور اس کی ایسی تربیت کی جائے اور ایسے اعلیٰ مکارم اخلاق سے آراستہ کیا جائے کہ دنیا میں وہ باعزت اور پرسکون زندگی سے سرفراز ہو سکے اور عظیم الشان محیر العقول کارخانۂ قدرت کے خالق ومالک کی خوشنودی حاصل کر سکے۔

وحی آسمانی اور تعلیمات نبوی کا مرکزی نقطہ

وحی آسمانی اور ہدایات وتعلیمات نبوی کا مرکزی نقطہ یہ ہوتا ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی (جو اس کائنات کا خالق ومالک ہے) معرفت تک رسائی حاصل کر سکے اور اس تخلیقی نظام کے نتائج پر غور کرے اور اس کے فوائد ومنافع اور آثار وثمرات کو سمجھے اور ان سے فائدہ اٹھا کر شکر بجا لائے اور آفاقی وانفسی آیات بینات میں غور وخوض کر کے خالق ومالک کی عظمت وجلال کا گرویدہ ہو جائے اور انسان اپنی قیمت بھی سمجھ لے کہ اس کائناتی نظام کا مقصد انسان کی تکمیل حیات اور خدمت ہے اور اس منعم حقیقی کی ان حیرت انگیز نعمتوں کا بدل وجان شکر ادا کرے۔ نیز حقائق ومعارف کی گہرائیوں تک پہنچ جائے کہ یہ تمام کارخانہ جو اس ملکوتی عجائب قدرت پر مشتمل ہے،

---

(۱) ۲۴ر تا ۲۷ر اگست ۶۹ء کو لاہور میں چار روزہ سیمینار محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام ہوا، مندرجہ بالا مقالہ اس میں پڑھا گیا۔

بے مقصد تخلیق نہیں بلکہ کوئی اہم مقصد پیش نظر ہے اوران دل کی گہرائیوں سے حقیقت کا اعتراف کرے کہ یہ جو انسان کی فانی حیات ہے اس کے لئے ربوبیت کا یہ حیرت افزا نظام وجود میں آیا ہے تا آنکہ وحی الٰہی کا وہ پیغام خداوندی جو حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء ورسل جس کی خبر دیتے ہیں یہ دور عبوری دور ہے اور یہ حیات فانی ہے اوراس کے بعد ایک جاودانی زندگی کا دور ضرور آنے والا ہے اس پیغام کا بدل وجان اعتراف کرلے اور یہ کہ ان تمام مظاہر قدرت میں قدم قدم پر اس جاودانی زندگی کے روشن دلائل موجود ہیں تا کہ کسی طرح بھی عقل انسانی اس کا انکار نہ کرسکے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے انسان کو عقل وادراک جیسی نعمت عطا فرمائی اور ملکوتی روح سے سرفراز فرمایا جس کے اسرار سربستہ کی عقدہ کشائی سے بیالوجیا (علم الحیاۃ) والے بھی حیران اور عاجز ہیں، خصوصاً آج کے دور میں کہ عقل کی ایجادات واختراعات نے کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے ہیں تا کہ عقلی پرواز کے ان فوق العادۃ کمالات کو دیکھ کر اس کے خالق کی عظمت کا اعتراف کیا جائے۔

بلاشبہ عقل کی جتنی پختگی ہوگی اور نسل انسانی اس سے فائدہ اٹھائے گی جدید سے جدید اختراعات وجود میں آئیں گی، بجلی، ٹیلیویژن، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیگراف، لاسلکی نظام، ہوائی جہاز وغیرہ سینکڑوں عجائبات جو آج کل سامنے آرہے ہیں تمام عقلی کمالات کے آثار ومظاہر ہیں:

”ہر کہ بیشتر راہ رفت آں راہ دید“

ایک سے ایک بڑھ کر عجائبات سامنے آرہے ہیں، عقلی ادراکات وایجادات ہی نے آلات تلسکوبیہ اور آلات میکروسبیہ کی اختراعات کے بعد اسرار وتخلیق کے کتنے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کی ہے، سبحان اللہ العظیم.

خلاصہ یوں سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ نے اس دنیا میں جہاں عقلاء، حکماء، فلاسفہ وسائنسدان پیدا کئے ساتھ ہی ساتھ انبیاء ورسل کا سلسلہ بھی جاری فرمادیا تا کہ عقل کی طغیانی حد سے نہ بڑھ جائے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد ہی سے حکماء وعقلا کا سلسلہ جاری ہوگیا، حضرت ادریس علیہ السلام کا عہد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے ہے اس لحاظ سے وہ تاریخی دور سے بہت پہلے کی شخصیت ہیں، تو گویا حکماء کا دور بھی اسی وقت سے شروع ہے اور کچھ بعید نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی رہنمائی میں ابتداء یہ حکماء کام کرتے ہوں گے لیکن انبیاء کی رہنمائی سے استغنا کیا ہوگا تو ٹھوکریں کھانا شروع کی ہوں گی، فیثاغورث وبطلیموس پھر وادیٔ بابل ونینوی میں حکماء، صائبین پھر ہندوستان میں ارجھد سے لے کر روما ویونان کے سقراط وبقراط، افلاطون وارسطو، ابرخس، وارسطراطیس وغیرہ وغیرہ سینکڑوں حکماء عالم کے گوشے گوشے میں پیدا کئے تا کہ ملکوت کے مشاہدات سے کائنات کے اسرار کا انکشاف ہوتا رہے لیکن حیات بعد الممات کے حقائق کے ادراک سے یہ حکماء وعقلاء عاجز رہے، اگرچہ یونان کے حکماء نے

الہیات کی طرف بڑی توجہ دی لیکن ظاہر ہے کہ یہ حقائق عقل کے دائرہ ادراک وامکان سے باہر تھیں اس لئے ٹھوکریں کھائیں اور ناکام رہے۔

اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کا منصب ان ہی حقائق کو بیان کرنا ہوتا ہے جس کے ادراک سے حکماء وعقلاء عاجز رہے ہوں، عقل کا دائرہ تحقیقات مشاہدات وتجربات تک محدود ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے عقل کی تخلیق ضرور فرمائی اور اس میں یہ حیرت انگیز صلاحیت بھی رکھی کہ وہ اسرار عالم مادی کی عقدہ کشائی کر سکے لیکن وحی الٰہی کا منصب اور نبوت کا مقام یعنی الہیات اور مابعد الطبعیات نیز عقل وادراک سے بالاتر حقائق الہیہ کا دائرہ حکماء کی دسترس سے بالا تجویز فرما دیا۔

دین اسلام کیا ہے؟

بہرحال دین اسلام یا شریعت اسلامیہ نام ہے اس عالمگیر نظام انسانیت کا جس میں تکمیل انسانیت کے کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کیا گیا، خالق کائنات سے رشتہ ہو یا مخلوق سے اور وہ بھی شخصی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے، غرض عبادات ہوں یا معاملات، معیشت ومعاشرت ہو یا احوال واخلاق واعمال ان سب کے لئے ایک علمی دستور اور مقصد ونصب العین ہے۔ دین اسلام کا علمی دستور قرآن کریم اور مقصود رضائے الٰہی ہے اور دنیا کے عبوری دور میں رضائے الٰہی اور تکمیل انسانیت کی جلیل القدر خدمات انجام دے کر ابدالآباد کی نعمتوں اور لازوال حیات طیبہ کا مستحق ہو جائے۔

قرآن کریم کیا ہے؟

قران حکیم انسانیت کی تکمیل چاہتا ہے اور اس کے لئے اس نے اسلام کے بنیادی اصول واحکام ادراساسی اغراض ومقاصد انتہائی محیر العقول اور معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ واضح کر دیئے ہیں ان مقاصد وسلسلہ بیان میں وہ مظاہر قدرت اور آثار قدرت کو بھی اگر بیان کرتا ہے تو اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ انسان کے فکری اور اعتقادی پہلوؤں کی تکمیل کی جائے اگر وہ تاریخی حقائق بیان کرتا ہے تو اس کی غرض بھی یہی ہے کہ ان عبرت انگیز وقائع تکوینی اور آیات الہیہ سے انسانی بصیرت واعتبار کی تربیت وتکمیل کی جائے، اگر احکام الہیہ کا ذکر ہوگا تو اس سے مراد بھی یہی ہوگی کہ اشرف المخلوقات بنانے کی تدبیر ہو جائے، ذات وصفات کی توحید وکمال کا بیان ہو یا اصول واحکام کی تمہید وانضباط، ان سب ہی سے انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچا دینا مقصود ہے۔

قرآن کریم نہ تاریخی کتاب ہے کہ محض واقعات کی تفصیل ہی بیان کرتا رہے اور نہ ہی طبعی نوامیس کی تفصیل وبیان پر مشتمل کتاب طبعیات ہے کہ محض علمی اور ذہنی عیاشی کے افسانوں میں وقت ضائع کرے۔ وہ تاریخ کی روح پیش کرتا ہے اور طبعیات کے فکر وعمل کے نتائج بیان کرتا ہے جس سے توحید الٰہی، خلق وربوبیت کے

حقائق انسان کے دل ودماغ میں پیوست ہوں اور روح کو پاکیزگی حاصل ہو، تاکہ وہ نظام عالم میں خلیفۃ اللہ کے منصب اعلیٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بن جائے، قرآن اگر کائنات میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اس کی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ انسانی ذہن وفکر کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا راستہ کھل جائے اور اس غور وفکر کے بصیرت آموز نتائج سے ایمان بالغیب کی تائید اور پرورش ہو، اس لئے کہ ان حقائق کونیہ اور حقائق الٰہیہ میں غور وخوض سے ایمان قوی ہوگا وہ ان کی طرف محض علم وفن کی حیثیت سے کبھی دعوت نہیں دیتا کہ محض فن ہی کو مقصد بنالیا جائے یا دنیا میں محض برتری یا عالم انسانیت پر پنجۂ استبداد مضبوط کرے۔

قرآنِ کریم کے بعض جدید مفسرین کو اس سلسلہ میں بڑے غلط فہمی ہوئی ہے انہوں نے ان موضوعات میں محض قرآنی مباحث کی تفسیر اور ان مباحث کی غرض وغایت بیان کرنے میں بڑے غلو سے کام لیا ہے اور یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے کہ قرآن اگر طبعیات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تو اس کا مقصد بھی معرفت الٰہی تک پہنچنا ہے اور کسی جگہ ان طبعی مسائل کو خدمت خلق کا ذریعہ بنایا جائے، نہ یہ کہ صرف مال ودولت اور ثروت کا ذریعہ بنایا جائے، ظاہر ہے کہ ذات وصفات الٰہی کے بحر بیکراں میں شناوری کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ انسان ان حقائق میں غور کرے تاکہ اس وادی میں ان کے فکر ونظر کی صلاحیتیں زیادہ وسیع ہوں اور ان کے سامنے معرفت الٰہیہ کے نئے نئے باب کھلیں اور جب اس طرح قلب وروح کی تربیت ہوجائے اور انسانیت کا صحیح شعور بیدار ہوجائے تو عملی دائرہ کا صحیح مقصد بھی خود بخود متعین ہوجاتا ہے۔

اس تمام بحث وتفصیل کا حاصل یہ ہے کہ الغرض کائنات اور کونیات حق تعالیٰ کی کمالات قدرت اور صفات جلال وجمال کا ایک صحیفہ ہے جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور وفکر کرنے سے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور اس حیثیت سے طبعیات کے جدید علوم ان اصحاب کے لئے بلاشبہ بصیرت افزاء اور بے حد بصیرت افروز ہیں جن کو وحی والہام اور مکاشفہ کی راہ سے وصول الی اللہ حاصل نہ ہو، معرفت الٰہیہ ان علوم پر منحصر نہیں ہے بلکہ ظاہر بین اصحاب کے لئے حصولِ معرفت کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔

عملی معارف کے بعد عملی نتائج ہیں اور اس علم وعمل سے حقیقی فوائد حاصل کرنے کے لئے صحت مقصد اور تصحیح مقصد کی ضرورت ہے اور تصحیح مقصد کے لئے ایمان باللہ، ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرت کے سوائے کوئی دوسری راہ نہیں ہے، ایمان ویقین سے محرومی اور بے مقصد علم وعمل ہی کی وجہ ہے کہ روس، امریکہ اور یورپ کی قومیں ان سائنسی ترقیات اور محیر العقول ایجادات واختراعات کے باوجود انسانیت کی صفوں سے نکل کر پوری درندگی کی حدوں تک پہنچ چکی ہیں، نبوت ختم ہوچکی ہے اس لئے معجزات نبوت اور انبیاء کے خوارق کی جگہ اللہ تعالیٰ ان علمی راہوں سے ان پر اپنی حجت پوری کر رہا ہے اور خود ان ہی کے ایجاد کردہ علوم سے ان حقائق کو اس نے واشگاف کردیا ہے کہ بے شعور طبیعت اور اس کے ان حیرت انگیز مظاہر اور حیرت افزا خواص ومنافع ہیں، کرشمہ الٰہیہ کے

اعتراف کے سوائے اور کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

ایک طرف سائنس کی موجودہ ترقیات اور حیرت انگیز ایجادات واختراعات کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل میں کیا کیا صلاحیتیں دے رکھی ہیں اور جب ان صلاحیتوں سے کام لیا گیا ہے تو عقل نے کہاں تک رسائی حاصل کر لی ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر سائنس دانوں کے کمالات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے لیکن یہ صورت کمال کا صرف ایک ہی رخ ہے، اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے کہ ان آیاتِ قدرت اور عجائباتِ خلق وتکوین کو دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور ایمان باللہ کی دولت سے محروم ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ عقلاء فکر ونظر کے اس رخ پر اس قدر جاہل کیسے رہ گئے لیکن حق تعالیٰ ان کے اس کفر وانکار کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھاتا ہے، ارشاد ہے۔

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

[الروم:٧]

وہ حیات دنیا کے ظاہر ہی میں سے کچھ جانتے ہیں اور یہی لوگ آخرت سے تو بالکل ہی غافل ہیں۔

دنیا کا بھی ظاہر اور وہ بھی ہم بہت محدود مقدار میں جانتے ہیں ان کا ذہن اور ان کی فکر ونظر اس طرف بالکل نہیں جاتی کہ اس حیرت انگیز کائنات اور پر اسرار حقائق مخلوقات کے خالق پر ایمان لائیں ایک طرف یہ ذہانت اور حیرت انگیز ذہانت اور دوسری طرف اس قدر غباوت اور غیر معمولی غباوت بجائے خود کس قدر عجیب اور حیرت ناک ہے اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی صداقت کتنی کتنی سچی گواہی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [النور:٤٠]

اللہ تو جس کو روشنی نہ دے تو اس کے لئے کہیں روشنی نہیں ہے۔

اس بحر محیط کے چند قطرے ہی مناسب ہیں اس مختصری تمہید کے بعد ہم وحی ربانی قرآن کریم کی زبانی پیش کرتے ہیں، ارشاد ہے:

١- ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران:١٩١،١٩٠]

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی

پیدا نہیں کیا ہم آپ کو پاک سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لے۔

۲- ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَاهُمْ مُّظْلِمُوْنَ. وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ. وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ. لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ. وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ [یٰس:۳۷تا٤۰]

اور ایک اور نشانی ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

۳- ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِىَ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ. وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ [ابراهیم:۳۲،۳۳]

اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان میں سے پانی برسایا پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے لئے رزق پیدا کیا اور تمہارے نفع کے لئے کشتی کو مسخر بنایا تاکہ وہ خدا کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے نفع کے واسطے نہروں کو مسخر بنایا اور تمہارے نفع کے واسطے چاند اور سورج کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا۔

٤- ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ [الرعد:۲]

اللہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدون ستون کے اونچا کھڑا کر دیا چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے ہو، پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب اور مہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک ایک وقت معین پر چلتا رہتا ہے وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کرلو۔

۵- ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ [النحل:۱۲]

اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں بیشک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔

٦-﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [العنكبوت:٦١]

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔

٧- ﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّافِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ﴾ [لقمان:٢٠]

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔

٨- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

[لقمان:٢٩]

اے مخاطب! کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔

٩-﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ [فاطر:١٣]

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے۔

١٠-﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ
النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الاعراف:٥٤]

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آ لیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے

اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں بیشک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں۔

٦-﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ فَاَنّٰى يُؤْ فَكُوْنَ﴾ [العنكبوت:٦١]

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔

٧- ﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّافِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ﴾ [لقمان:٢٠]

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔

٨- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَفِى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

[لقمان:٢٩]

اے مخاطب! کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔

٩-﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ [فاطر:١٣]

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے۔

١٠-﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَ رْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الاعراف:٥٤]

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آ لیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے

ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے لئے پروردگار ہیں۔

١١ - ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ
وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾

[حمٓ السجدة:٣٧]

اور منجملہ اس کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو کرو اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔

١٢ - ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ
يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [حمٓ سجدہ:٥٣]

ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گردونواح میں بھی دکھائیں گے اور ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ قرآن حق ہے، کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔

١٣ - ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾

[البقرہ:١٨٩]

آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند ایک آلہ شناخت اوقات ہے لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔

١٤ - ﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّابِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ اِنَّ فِى اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ. اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ﴾ [یونس:٥تا٨]

وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں، بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو ڈر مانتے ہیں، جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری

آیتوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

پہلے اس سے کہ ہم لفظ کلمہ ''تسخیر'' کے معنی بیان کریں قرآن کریم کی ان آیاتِ ربانی سے سرسری طور پر جن حقائق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے ان کو اجمالاً پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

① یہ تمام کارخانہ قدرت جس میں آسمان زمین، چاند، سورج، سمندر اور دریاؤں کا حیرت انگیز نظام جسے نظام شمسی کہا جاتا ہے قائم ہے یہ پورا نظام عالم انسان کی خدمت وآسائش کے لئے ہے۔

② یہ تمام عالم ملکوت حق تعالیٰ کی تخلیق کا نتیجہ ہے، اسی کے تصرف میں ہے، اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ سب کچھ اس کی عظمت وجلال کی نشانیاں ہیں۔

③ ان ملکوتی عجائبات میں غور کرنے والے یقیناً خالق کائنات کی عظمت کے قائل ہوں گے اور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ کارخانہ کسی عظیم ترین مقصد کا پیش خیمہ ہے اور اس کا نتیجہ فوق العادت نکلنے والا ہے، نہ از خود وجود میں آیا ہے نہ ہی بے مقصد ہے، یہ تخلیق بھی اس کی ہے اس پر اقتدار تصرف بھی اسی کا ہے۔

④ چاند، سورج اور رات دن کا یہ چکر اس دنیا کے نظام سے وابستہ ہے اور ایک وقت آئے گا کہ یہ پورا نظام ختم ہوگا جب تک وہ وقت نہیں آئے گا اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔

⑤ چاند، سورج کے جہاں اور منافع ہیں مہینوں اور برسوں کا حساب اور اوقات کار کا تعلق بھی ان سے وابستہ ہے تاکہ دنیا کے کاروبار کے اوقات اور عبادات کے اوقات خصوصاً حج کا موسم معلوم ہوتا رہے۔

⑥ چاند کی منزلیں مقرر کی گئی ہیں تاکہ ان سے پورے مہینہ کے دنوں کا حساب معلوم ہو سکے اور سورج سے برسوں اور موسموں کا حساب معلوم ہوتا رہے۔

⑦ ان آسمانی اور ذہنی حقائق پر غور کرو اور ان کی تخلیق کے رازوں سے زیادہ توجہ اس طرف کرو کہ کتنے عظیم فوائد اور منافع ان سے وابستہ ہیں۔

⑧ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت اور سبب کو دریافت کیا جواب میں سبب بتلانے کی بجائے مقصد سے آگاہ کیا گیا کہ یہی معلوم کرنا اہم اور کارآمد ہے، باقی سبب وعلت یہ تو عقلی چیز ہے خود مشاہدات وتجربات سے سمجھ جائیں گے۔ اصلی مقصد اس نظام کے منشاء قدرت کو سمجھنا ہونا چاہیے سو اس کو بتلا دیا۔

تسخیر کے معنی

عربی لغات میں تسخیر کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنے ارادہ کے تابع کر لینا یا کام میں لگا لینا اور اس طرح مجبور کرنا کہ وہ خلاف نہ کر سکے۔ چاند، سورج، رات، دن اور کائنات کے تمام سیاروں اور تاروں کی تسخیر کی حقیقت یہ ہے کہ ان سب کو حق تعالیٰ نے ایک ایسے نظام میں منسلک کر دیا ہے، کیا مجال ہے کہ اس میں مقرر کردہ نظام سے

سے متجاوز کرسکیں، حق تعالیٰ کے تکوینی اور تخلیق نظام کے مطابق یہ سب اپنے اپنے مدارت پر معلق ہیں اور ایک نظام کے تحت چل رہے ہیں یعنی اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں اور یہ تسخیر محض حق تعالیٰ کے ارادہ واختیار اور تصرف واقتدار کا کرشمہ ہے، انسانی دسترس سے بالاتر ہیں۔ یہ تسخیر شدہ کائناتی اشیاء کونیہ ہیں اور ان کو مسخر کرنے والی صرف حق تعالیٰ کی ذات جلّ ذکرہٗ ہے اور جس کے لئے ان کو تسخیر کیا گیا وہ حضرتِ انسان ہیں۔

نظام کائنات میں انسان کی پرواز

ظاہر ہے کہ اس حقیقت کی رو سے انسانی ارادہ واختیار اور تصرف واقتدار کو اس نظام کائنات میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں، نہ اس نظام کو روک سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے، انسان کی پرواز زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے فوائد منافع کا علم ہوجائے اور ان سے فائدہ اٹھائے، باقی فائدہ اٹھانے کی صلاحیت واہلیت ہر زمانہ اور ہر دور میں عقل وفہم اور آلات ووسائل کی توانائی پر موقوف ہے۔ فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ دیکھئے ایک بچہ بہت کم بوجھ اٹھا سکتا ہے، ایک نوجوان بہت زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے، جس طرح یہ مادی اور جسمانی کیفیت جو حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں ٹھیک اسی طرح عقل وادراک کی قوتیں بھی حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں، حق تعالیٰ کی کائنات سے سابقہ حکماء کی عقلیں محدود فائدے حاصل کرتی رہیں، آج کے سائنس دانوں کی عقول نے دقیق سائنسی آلات کے ذریعہ ایسے بے شمار فوائد منافع حاصل کر لئے ہیں جن کا تصور بھی حکماء سابقین کو نہ تھا۔ لباس پوشاک، زراعت تجارت، صنعت وحرفت، نو بنو ایجادات واختراعات وغیرہ یہ تمام اشیاء جس مرحلے پر آج پہنچ گئی ہیں اس کے عشر عشیر کا ذکر بھی ماضی بعید میں تو کیا ماضی قریب میں بھی افسانے معلوم ہوتے تھے، اس دریافت کا نام تسخیر رکھنا صحیح نہیں ہوسکتا، یہ تو عقلی ترقی ہے یا تمدن کی ترقیات ہیں، یہ تمام مادی اشیاء تو حق تعالیٰ نے انسان کے انتفاع کے لئے تسخیر وتخلیق فرمائی ہیں وہی ان کا خالق وہی ان کا تسخیر کنندہ ہے، رہے حضرتِ انسان تو ہر دور، ہر زمانہ میں انسانی عقول اپنے اپنے محدود دائرے میں ان سے انتفاع کرتی اور فائدے اٹھاتی رہی ہیں۔

قدرت الٰہی اور انسانی قوت کے دائرے

انسان نے اپنی فکری اور تجرباتی کاوش سے یہ تو کرلیا کہ انسان کے جسم سے خون نکال کر اسے محفوظ کرلیا اور بوقت ضرورت دوسرے آدمی کے جسم میں چڑھادیا اور مان لیجئے اس کی جان بچ گئی، لیکن آج تک انسان سے یہ نہ ہوسکا اور نہ ہوسکے گا کہ کسی لیبارٹری میں پھلوں اور غذاؤں سے خون تیار کرسکیں، قدرت الٰہی کے کرشموں کا دائرہ اور ہے اور انسانی قدرت تصرفات کا دائرہ اور، یہ تو ہوا کہ انسان چاند پر پہنچ گیا اور ہوسکتا ہے کہ کل مریخ یا کسی اور کرہ کی زیارت بھی کرلے لیکن چاند سورج کے نظام سے رات اور دن کا جو نظام قائم ہے اس میں تصرف یا کسی قدر تبدیلی کرسکے ناممکن ہے۔ مثلاً جہاں رات ۱۲ گھنٹہ کی ہے اسے ۱۳ گھنٹہ کی کردیں اور رات کا وقت کچھ کم کردیں۔

تسخیر کائنات کا مطلب

تسخیر کائنات کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کائنات کا نظام مقرر فرمایا ہے اس میں انسان تصرف کر سکتا یا وہ نظام انسان کے اختیار و اقتدار میں آجائے اور حسب منشاء جب چاہیں چھوٹے بڑے کر سکیں، زیادہ سے زیادہ بات اتنی ہے کہ جو ماضی میں اس کائنات سے فائدہ نہ اٹھا سکے آج عقلی ترقی کے مراحل اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ اتنے عظیم فوائد حاصل کئے جارہے ہیں جن کا تصور بھی کچھ عرصہ پہلے نہ کر سکتے تھے ان قرآنی تعبیرات پر ذرا بھی کوئی غور کرے تو بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وسخر لكم الشمس والقمر" تمہارے لئے یا تمہارے فائدے کے لئے یا تمہارے کاموں کے لئے چاند اور سورج کی تسخیر فرمادی، یہ نہیں فرمایا "سخرتم الشمس والقمر" کہ تم نے چاند اور سورج کو مسخر کر دیا، دراصل تسخیر کرنے والی حق تعالیٰ کی ذات قدسی صفات ہے، یہ موجودہ کائنات جس مقصد کے لئے تسخیر کی گئی ہے موجودہ انسانی معلومات کا قرآنی تعبیرات وکلمات کا واضح مفہوم بھی یہی ہے۔

عقل انسانی قدرت خداوندی کی حیرت انگیز تخلیق

بلاشبہ عقل کی یہ ترقی اور کائناتی فضا میں رسائی فوق العادة ترقی ہے کہ ایک مشینی ایجاد یعنی خلائی جہاز اور قمری گاڑی کو لاکھوں میل فضا پر پہنچا دینا اور پھر لاکھوں میل کے فاصلے سے زمین کے ساتھ اس کا ربط قائم رکھنا اور زمین پر سائنس دانوں کا اس پر کنٹرول کرنا، ہر خرابی کی اصلاح کرنا اور ہر سیکنڈ پر اس کی کیفیت سے باخبر رہنا اور زمین پر اس کی مختلف کیفیات کی تصویروں کا پہنچتے رہنا وغیرہ وغیرہ نہایت ہی حیرت افزاء انسانی ترقی ہے لیکن یہ سب کچھ کارفرمائی اس عقل انسانی کی ہے جو حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور قدرت الٰہی کی حیرت انگیز تخلیق ہے کہ انسانی عقل میں کتنی بڑی اور حیرت انگیز ترقی کی صلاحیت واہلیت ودیعت فرمائی ہے اسی سلسلہ میں ماہنامہ ''بینات'' کے ۶۵ء کے ایک شمارے میں راقم الحروف لکھا تھا:

''خبر آئی ہے اور دنیا میں اس خبر کا چرچا ہے کہ روس کا راکٹ کرہ قمر پر پہنچ گیا، ٹیلی ویژن سے تصویریں لے لی گئی ہیں اور اب یہ کوشش جاری ہے کہ آئندہ ان خودکار راکٹوں کے ذریعہ انسان کو چاند تک پہنچایا جائے، بلاشبہ یہ حیرت انگیز کارنامہ ہے اور سائنس کی قابل فخر ترقی ہے، لیکن کرہ ارض کے سب سے زیادہ قریب کرہ تک جہاز بھیجنا رب العالمین کی اس حیرت افزاء اور وسعت کائنات کی نسبت سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ باقی سیاروں کے کرات تک انسان کب تک پہنچ جائے گا اور ان سے بھی دور ستاروں پر کب تک؟ جن کی روشنی بھی (فی سیکنڈ روشنی کی رفتار سے ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے) ہزاروں سال بلکہ بعض ستاروں کی لاکھوں برس تک پہنچتی، سبحان الله العظیم! کیا ٹھکانا ہے؟

ہیئت افلاک اور سیارات کے بارے میں سابقہ تحقیق

جدید طبعیات کی تحقیقات میں بطلیموس کے قدیم نظاماتِ فلکیات مشاہدہ سے غلط ثابت ہو چکے ہیں ان نظاموں کی بنیاد اس نظریہ پر تھی کہ سبعِ سیارات سات آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اسی نظریہ پر ان کی تفصیلات مرتب کی گئی ہیں، قران کریم نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ اس عالم سے قریب تر آسمان کی زینت ان ستاروں سے کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستارے آسمان کے نیچے ہیں عوام یا خواص نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید اسلام بھی وہی کچھ کہتا ہی جو ہیئت افلاک کے قدیم نظریات میں بیان کیا گیا ہے، جب یہ قدیم نظریات غلط ثابت ہوئے تو لوگوں کے اعتقاد ڈگمگانے لگے، جیسے طبعیات کی ان جدید تحقیقات نے اسلام کے پیش کردہ حقائق کو غلط ثابت کر دیا ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نظامات سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں تھا، الحمد للہ اسلام اپنی جگہ قائم ہے، قدیم نظریہ ہیئت غلط ثابت ہو یا جدید تحقیقات، کائنات کے متعلق اسلام نے قرآن حکیم میں جتنی جگہ بھی تفصیل کی ہے وہ اپنی جگہ اٹل ہے، سائنس کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہے کہ آسمان کا وجود نہیں ہے، اس دعویٰ پر اس کے سوائے کوئی دلیل نہیں کہ ان فلکی کرات کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علوم کی پرواز ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی کہ آسمانوں تک رسائی ہوجائے، ماہرین سائنس کی عقل و تحقیق اور ان کے علوم ابھی ان کرات ہی کے گرد گھوم رہے ہیں، ان جدید تحقیقات سے اگر کوئی حقیقت بے نقاب ہوئی ہے تو وہ صرف اس قدر کہ ہیئت افلاک اور سیارات کا پرانا نقشہ غلط تھا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس کا اسلام اور قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآنِ کریم اور وحی الٰہی کا منصب ان حقائق کو بیان کرنا ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوتی، عقل کی سرحد جہاں ختم ہوجاتی ہے وہاں سے نبوت اور وحی کی حد شروع ہوتی ہے، قرآن کریم اگر ان حقائق کائنات کی طرف کبھی کبھی اشارہ کرتا ہے تو اس کا مقصد محض تذکیر و موعظت ہے یا صرف ان عقدوں کی گرہ کشائی ہے جہاں عقل انسانی کو ٹھوکر لگتی ہے۔

اسی لئے وہ سلسلۂ بیان میں ضرورت اور موقع کی نسبت سے ان اسرار و حقائق کے تذکرہ اور ان کی طرف اشارہ بھی کسی تکوینی حقیقت کی پوری تفصیل پیش کرنے کے بجائے ان کے صرف ان ہی پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جہاں سے تذکیر و موعظت اور انسان کی عبرت پذیری اور بصیرت اندوزی کا مقصد حاصل ہو، ذات الٰہی کا عرفان اور اس کی صفات و کمال کی معرفت حاصل کرنے کے لئے عقل و فکر کی راہ ہموار ہوجائے۔

اسی لئے علمِ کائنات اور اس کے اسرار انکشافات ہی کو جو درحقیقت ایمان و معرفت کا وسیلہ ہیں حیات انسانی کا مقصد وحید بنالینا اور اصل مقصد کو نظر انداز کر کے وسیلہ ہی کو مقصدی حیثیت دے دینا نہ انسان کے لئے مفید ہے نہ صحت و عقل کے مطابق ہے اور نہ اسلام ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ انسان کی بقاء اور اس کی ضروریات کا

نہ ان علوم وفنون پر انحصار ہے اس لئے کہ وہ ان کے بغیر بھی زندہ رہ رہا ہے اور معاشرتی آسودگی حاصل کرتا رہا ہے اور نہ قرین عقل ودانش ہی ہے کہ وہ اشرف واکرم مخلوق جس کے لئے یہ کائنات مسخر کی گئی ہے جس میں قدرت کی بخشی ہوئی تسخیر وتصرف کائنات کی صلاحیتیں ظاہر ہو کر اس کے اشرف خلائق ہونے کی شہادت دیتی رہی ہیں اپنے سے فروتر اور مسخر مخلوق کے احوال وخواص کے علم ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالے، اس لئے اسلام نے اس کو یہ نصب العین دیا ہے کہ وہ کائنات کی مخلوق کو اپنے فکر ونظر کا مرکز ومحور بنانے کی بجائے خالق کائنات سے ربطِ قرب کو مطلوب ومقصود بنائے اور تکوینیات کے ان علوم کو بھی انسانی زندگی کے اسی اعلیٰ ترین نصیب العین تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے۔

[شوال المکرم ۱۳۸۹ھ - دسمبر ۱۹۶۹ء]

انسان کا چاند پر پہنچنا

خبر آئی ہے اور دنیا میں اس خبر کا چرچا ہے کہ روس کا راکٹ کرۂ قمر پر پہنچ گیا ہے، ٹیلیویژن سے تصویریں لے لی گئی ہیں اور اب یہ کوشش جاری ہے کہ آئندہ ان خودکار راکٹوں کے ذریعہ انسان کو بھی چاند تک پہنچایا جائے، بلاشبہ یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے اور سائنس کی قابل فخر ترقی ہے، لیکن کرہ ارض کے سب سے زیادہ قریب کرہ تک خلائی جہاز بھیجنا رب العالمین کی اس حیرت افزاء وسعت کائنات کی نسبت سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ باقی سیاروں کے کرات تک انسان کب تک پہنچ جائے گا اور ان سے بھی دور ستاروں پر کب تک؟ جن کی روشنی بھی (فی سیکنڈ روشنی کی رفتار سے ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے) ہزاروں سال بلکہ بعض ستاروں کی لاکھوں برس میں پہنچتی ہے:

"العظمة لله العظيم وله الكبرياء في السموات والارض"

عظمت خدائے عظیم ہی کے لئے ہے اور اسی کے لئے ہے ساری بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔

جدید طبیعیات کی تحقیقات میں بطلیموس اور فیثاغورث کے قدیم نظاماتِ فلکیات مشاہدہ سے غلط ثابت ہو چکے ہیں، ان نظاموں کی بنیاد اس نظریہ پر تھی کہ سبع سیارات سات آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اسی نظریہ پر ان کی خاص خاص تفصیلات مرتب کی گئی تھیں قرآن حکیم نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ اس عالم سے قریب تر آسمان کی زینت ان ستاروں سے کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں، عوام یا خواص نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاید اسلام بھی وہی کچھ کہتا ہے جو ہیئت افلاک کے قدیم نظریات میں بیان کیا گیا ہے اور جب یہ قدیم نظریات غلط ثابت ہوئے تو لوگوں کے اعتقاد ڈگمگانے لگے جیسے طبیعیات کی ان جدید تحقیقات نے اسلام کے پیش کردہ حقائق کو غلط ثابت کر دیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نظامات سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

الحمدللہ! اسلام اپنی جگہ قائم ہے قدیم نظریہ ہیئت غلط ثابت ہو یا جدید، تحقیقات کائنات کے متعلق اسلام

نے قرآن حکیم میں جتنی تفصیل بھی کی ہے وہ اپنی جگہ بالکل اٹل ہے، سائنس کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں کہ آسمان کا وجود نہیں ہے اس دعویٰ پر ان کے سوائے کوئی دلیل نہیں کہ ان فلکی کرات کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ان علوم کی پرواز ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی کہ آسمانوں تک رسائی ہوجائے، ماہرین سائنس کی عقل وتحقیق اور ان کے علوم ابھی ان کرات ہی کے گرد گھوم رہے ہیں۔

ان جدید تحقیقات سے اگر کوئی بے نقاب ہوئی ہے تو وہ صرف اس قدر ہے کہ ہیئت افلاک اور سیارات کا پرانا نقشہ غلط تھا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اسلام اور قرآن حکیم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن حکیم اور وحی الٰہی کا منصب ان حقائق کو بیان کرنا ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوتی، عقل کی سرحد جہاں ختم ہوجاتی ہے وہاں سے نبوت اور وحی کی حد شروع ہوتی ہے۔ قرآن کریم اگر ان حقائق کائنات کی طرف کبھی کبھی اشارہ کرتا ہے تو اس کا مقصد محض تذکیر وموعظت ہے یا صرف ان عقدوں کی گرہ کشائی جہاں عقل انسانی کو ٹھوکر لگتی ہے اور اس کی بصیرت گم ہوجاتی ہے۔

اسی لئے وہ سلسلۂ بیان میں ضرورت اور موقع کی مناسبت سے ان اسرار وحقائق کے تذکرہ اور ان کی طرف اشارہ میں بھی کسی تکوینی حقیقت کی پوری تفصیل پیش کرنے کے بجائے اس کے صرف انہیں پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جن سے تذکیر وموعظت اور انسان کی عبرت پذیری اور بصیرت اندوزی کا مقصد حاصل ہو، ذات الٰہی کا عرفان اور اس کی صفات کمال کی معرفت حاصل کرنے کے لئے عقل وفکر کی راہ ہموار ہوجائے۔

اس لئے علم کائنات اور اس کے اسرار کے انکشاف ہی کو، جو درحقیقت ایمان ومعرفت کا وسیلہ ہیں، حیات انسانی کا مقصد وحید بنالینا اور اصل مقصد کو نظر انداز کرکے وسیلہ ہی کو مقصدی حیثیت دے دینا نہ انسان کے لئے مفید ہے نہ صحت عقل کے مطابق ہے اور نہ اسلام ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ انسان کی بقا اور اس کی ضروریات کا نہ ان علوم وفنون پر انحصار ہے اس لئے کہ وہ ان کے بغیر بھی زندہ رہا ہے اور معاشرتی آسودگی حاصل کرتا رہا ہے اور نہ قرین عقل ودانش ہی ہے کہ وہ اشرف واکرم مخلوق جس کے لئے یہ کائنات مسخر کی گئی ہے جس میں قدرت کی بخشی ہوئی تسخیر وتصرف کائنات کی صلاحیتیں ظاہر ہوکر اس کے اشرف خلائق ہونے کی شہادت دیتی رہتی ہیں اپنے سے فروتر اور مسخر مخلوق کے احوال وخواص کے علم ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالے اس لئے اسلام نے اس کو یہ نصب العین دیا ہے کہ وہ کائنات مخلوق کو اپنے فکر ونظر کا مرکز ومحور بنانے کے بجائے خالق کائنات سے ربط وقرب کو مطلوب ومقصود بنائے اور تکوینیات کے ان علوم کو بھی انسانی زندگی کے اسی اعلیٰ ترین نصب العین تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے۔ کبھی فرصت ہوئی تو ان شاء اللہ ان مجمل اشارات کی تفصیل سپرد قلم کی جائے گی۔

والله سبحانه هو الموفق والمعين.

[ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ - مارچ ۱۹٦٦ء]

تسخیر قمر و تسخیر کائنات

تمام عالم میں ایک شور برپا ہے کہ چاند کی تسخیر ہوگئی، تمام فضائی عالم کے لئے راستہ ہموار ہوگیا، انسان چاند پر پہنچ گیا، امریکہ نے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا اور کچھ سادہ لوح انسانوں کا مذہبی عقیدہ متزلزل ہونے لگا کہ یہ مخلوق آسمانوں پر کیسے پہنچ گئی۔ ہمیں ان حضرات کے تعجب پر تعجب اور حیرت پر حیرت ہے، اعلیٰ ترین دماغوں نے فیثاغورس اور بطلیموس، افلاطون اور ارسطو کے عہد سے ہی اللہ تعالیٰ کی اس کائنات اور فضائے محیر العقول نظام کے حقائق و معلومات حاصل کرنے کی لئے لگاتار کوششیں کی ہیں اور موجودہ دور میں بڑی حد تک ان قدیم فلاسفہ کی خوشہ چینی کرکے ہی عملی تجارب آگے بڑھ جاتے ہیں، اسلامی ادوار میں بھی رصدگاہیں بنیں اور بہت کچھ ان نظریات کی تحقیقات ہوئیں غرض یہ کہ ہزاروں برس سے ان فضائی معلومات و تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

یہاں ہمیں سب سے پہلے تو عقل کی پرواز پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان عقل و دماغ کو کتنی بڑی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا، یہ تمام خالق عقل حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں اس کے بعد کائنات کی وسعت، آسمانی کائنات تمام کی وسعت پر غور کیا جائے، لاکھوں برس سے یہ حیرت ناک نظام جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات ثناء و صفت کے لائق جس نے یہ عظیم الشان کارخانہ قائم کیا ہے، مزید غور کیجئے کہ فضاء فوقانی میں سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں نہیں اربوں کھربوں کرے ہیں جو آسمانی نظام میں معلق جگمگا رہے ہیں اور زمین والوں سے بعض اتنے دور ہیں کہ ان کی روشنی، روشنی کی رفتار سے جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا ۳۰۰ ہزار کیلومیٹر ہے، زمین پر لاکھوں نوری سالوں کے بعد پہنچتی ہے، سبحان الله العظيم .

پھر اس فضا کے اندر کتنے نظام شمسی ہیں، بعض سورج تو ایسے ہیں کہ ان میں نور تو ہے لیکن بجائے حرارت کے برودت ہے، اگر زمین والوں پر ان کی تاثیر پہنچ جائے تو تمام مخلوق جو کرۂ ارض پر آباد ہے منجمد ہوجائے اور اس کرۂ ارض کا نظام شمسی جس میں روشنی اور حرارت دونوں ہیں اگر ہواؤں اور بادلوں سے ان کی حرارت کم نہ ہو تو دنیا جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی، پھر یہ اربوں کرے، جن میں چاند، سورج، زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری، زحل اور جوزا، سرطان، اسد وغیرہ شامل ہیں سب کے سب اس فضا میں معلق ہیں ان میں سے بعض کا حجم زمین سے لاکھوں گنا بڑا ہے، ایک جوزا کا حجم ہی سورج سے لاکھوں گنا بڑا کہا جاتا ہے، یہ سب ان گنت کرے پہلے آسمان کے نیچے نیچے فضا میں موجود ہیں، اس خدائے قادر لایزال، عزیز و علیم کا یہ حیرت انگیز نظام ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ابھی نسل انسانی کو کروڑوں سال کا عرصہ چاہیے جس کا سائنسدان بھی اعتراف کرتے ہیں۔

چاند سورج اور آسمان

قرآن و حدیث نے کہیں بھی یہ تصریح نہیں کی کہ یہ چاند سورج افلاک میں جڑے ہوئے ہیں یہ تو صرف بطلیموسی ہیئت کی پیداوار ہے کہ سبع سیارات آسمانوں میں ہیں لیکن جدید ہیئات نے اس بطلیموسی نظام کی غلط بینی ثابت کر دی ہے کہ یہ فضا میں معلق ہیں، فیثاغورس کا نظریہ بطلیموس کے خلاف تھا وہ ان سب کو فضا میں مانتے تھے اور یہ بھی کہیں نظر سے گذرا ہے کہ فیثاغورس زمین کی حرکت کے بھی قائل تھے اور کچھ بعید بھی نہیں، اس لئے کہ کہتے ہیں فیثاغورس حضرت ادریس علیہ السلام کے شاگرد تھے اور ان سے ہی مستفید تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وحی آسمانی کی برکت سے ان کا نظریہ صحیح ہو گیا ہو، علماء اسلام میں سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ زمین کی حرکت کے قائل تھے، قرآن حکیم کی تعبیر "ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح" کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ تمام نجوم اور سیارے چاند و سورج آسمان دنیا کے نیچے ہیں اور اس نیلگوں آسمان کے لئے آرائش و زینت کا کام کرتے ہیں۔

آسمان اور افلاک میں فرق

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ آسمان اور ہیں اور افلاک اور شئی ہیں، نیز یہ کہ آسمان کا اطلاق ہر فوقانی چیز پر کیا جاتا ہے، جدید سائنس میں آسمانوں کی نفی کی کوئی دلیل نہیں صرف اتنا ثابت ہے کہ یہ کرے آسمان میں جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ بہر حال ان مختصر اشاروں سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کی وسعت کس قدر حیرت انگیز ہے اور آسمانوں تک تو ابھی ان کی عقل و مشاہدہ اور رصد گاہوں کی پرواز پہنچی ہی نہیں۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ اربوں کھربوں تاروں میں زمین سے قریب تر چاند تھا جس کی دوری دو لاکھ اڑتیس ہزار میل بتائی جاتی ہے، اس تک پہنچنے کے لئے ڈرتے ڈرتے کھربوں روپیہ خرچ کیا، سالہا سال تک اعلیٰ ترین دماغوں نے عرق ریزی کی تب کہیں جا کر انسان چاند پر پہنچ کر کچھ ریت اور پتھر لے آیا اگر یہ رقم تمام عالم کے محتاجوں میں تقسیم کی جاتی تو شاید دنیا میں کوئی فقیر نہ رہتا۔ شاید اللہ تعالیٰ کی تکوینی مصلحت اس میں یہ ہو کہ ان کی دولت اور ان کی دماغی توانائی ان عبث و بیکار باتوں میں صرف کر دی جائے اور دنیا کو ان کے ظلم و عدوان سے بچایا جائے، اگر یہ پوری دولت اور طاقت صرف دنیا اور زمینی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی تو نہ معلوم یہ کیا کیا ستم ڈھاتے۔ علاوہ ازیں کہ اللہ تعالیٰ کی حجت ان کفار پر پوری ہو رہی ہے کہ اب بھی حق تعالیٰ کی عظمت، کمال قدرت، کمال جبروت، خلاقیت، اور حیرت انگیز محیر العقول نظام پر ایمان لے آئیں کوئی معذرت قیامت کے دن ان کے پاس باقی نہ رہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ
بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [حٰمٓ سجدہ: ۵۳]

ان آفاقی و انفسی دلائل قدرت اور تکوینی معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اگر حق تعالیٰ کی وحدانیت

اور قدرت پر ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر بدنصیب قوم کون ہوگی؟ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الروم:۷]

غور کرنے کی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے کرہ کا جو فضا میں معلق ہے جس میں پہاڑ اور ریگستان اور غار ہی ہیں اور خود بالکل سیاہ ہے سورج کے ساتھ کیسا ربط وتناسب قائم کیا ہے کہ اس کی روشنی سے تمام عالم میں قمر کی روشنی مدوجزر اور دوسرے منافع کا اور مہینوں کے حساب کا نظام قائم فرمادیا ہے، اسی قمر سے سمندروں اور دریاؤں کے مدوجزر کا تعلق، رات کے اندھیروں میں سمندروں کے اندر کشتی بانوں اور جہاز رانوں کو اسی سے جہات معلوم ہوتی ہیں، پھلوں اور اناج کے پکنے اور لذت میں چاند کی شعاعوں کی تاثیر ہی کارفرما ہے، پھر قمری مہینہ کا پورا حساب چاند نکلنے اور بڑھنے گھٹنے کے ساتھ اور سال کے بارہ مہینوں کا حساب اور موسموں فصلوں کا نظام سورج کے ساتھ، کس حیرت انگیز طریق پر قائم ہے کہ جس سے ایک فلسفی، ایک دیہاتی، ایک حکیم اور ایک بدو یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ چاند کیوں بڑھتا گھٹتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی حکمت اور علت کو چھوڑ و اس کے منافع پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نظام اوقات اور حج بیت اللہ کے وقت معلوم کرنے کے لئے یہ سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ آیت کریمہ: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾۔ [البقرہ:۱۸۹] کا مفہوم یہی ہے، صحابہ کرامؓ کو آپ کی صحبت سے جو ایمانی قوت وبصیرت نصیب تھی اس کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہ تھی کہ شمس وقمر کے فلسفیانہ اسباب وعلل کو معلوم کر کے ایمان بڑھائیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تخلیقی منشاء کو واضح فرمادیا کہ ان کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اسباب واسرار تخلیق سے توجہ ہٹا کر مقصد تخلیق واضح فرمادیا تا کہ احکام شرعیہ کی تعمیل کریں اور حکمتوں کے در پے نہ ہوں۔

سائنسی کارنامے انبیاء علیہم السلام کے معجزات سمجھنے کا ذریعہ ہیں

اسی طرح اس وقت بھی اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم بخشی ہو تو اس کے لئے ان سائنسی کارناموں سے انبیاء علیہم السلام کے معجزات وکمالات سمجھنے کا راستہ کھل سکتا ہے، دنیا نے ہزاروں سال محنت کی، طرح طرح کے پاپڑ بیلے، اربوں کھربوں دولت ضائع کی، قیمتی جانوں کو خطرے میں ڈالا اور اس کے نتیجہ میں صرف قریب ترین کرّے چاند تک رسائی حاصل کی، اب حق تعالیٰ کا معاملہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دیکھئے اور ان کی بلندیٔ مراتب کا تصور کیجئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسباب وتدابیر، آلات ووسائل کے بغیر جب چاہا آسمانوں کی سیر کرادی، فضائے بسیط کا سارا فاصلہ چند لمحوں میں طے کرادیا، اور آناً فاناً تمام آسمانوں سے اوپر پہنچا دیا، رفعت انسانی کی تمام حدیں پست رہ گئیں اور ملکوت الٰہیہ کے وہ عجائبات دکھلا دیئے کہ نسل انسانی اسباب کے

دائرے میں کروڑوں برس تک تحقیقات پر محنت کرے مگر ناممکن ہے کہ اس کا لاکھواں حصہ بھی حاصل کر سکے، سلیمان علیہ السلام کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ ان کے لئے ہوا مسخر کر دی، چنانچہ ان کا ہوائی تخت محض ہوا کے دوش پر مہینوں کی مسافت صبح و شام کے چند لمحات میں طے کر لیتا تھا، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براق کے ذریعہ برق رفتاری کا جو ریکارڈ قائم کیا گیا، کیا بجلی کی رفتار اور ایٹمی رفتار اس کی گرد کو بھی پہنچ سکتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وادئ عرفات میں ایک لاکھ انسانوں کے جم غفیر سے خطاب فرما رہے ہیں، تمام سامعین تک آپ کی آواز بغیر مشین کے پہنچائی جا رہی ہے، وادی منیٰ میں خدا کے آخری پیغمبر کا خطبہ ہو رہا ہے، تمام حجاج کرام جو تقریباً آٹھ مربع میل وادی میں پھیلے ہوئے اپنے اپنے خیموں میں قیام پذیر تھے آپ کی آواز بلا کم و کاست سن رہے ہیں، سنن ابی داؤد کی حدیث ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں ہم اتنی دور کی آواز اتنی آسانی سے سن رہے تھے کہ گویا آج ہماری قوت سامع بڑھا دی گئی ہے۔ نہ مائیکروفون ہے، نہ لاؤڈ اسپیکر، نہ ریڈیو اسٹیشن ہے نہ بجلی کے آلات، لیکن پوری وادی میں پھیلا ہوا مجمع آپ کی آواز مبارک کی لذت اندوزی سے سرشار ہے۔ آج ٹیلی ویژن کی ایجاد پر دنیا محو حیرت ہے اور اسے سائنسی معجزہ کہا جاتا ہے، لیکن نبوت ٹیلی ویژن اور اسکی نظام کی رہین منت نہ تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان اسباب کے بغیر عالم غیب لا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور مسجد نبوی کی دیوار قبلہ میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بحالت نماز کسوف کرا دیا جاتا ہے۔ آج دنیا زمین پر بیٹھ کر دوربینوں سے چاند کی سطح کا مشاہدہ کرنے پر پھولی نہیں سماتی لیکن نبوت کی آنکھ دوربینوں کی منت کشی کے بغیر خندق کھودتے ہوئے بصرہ کے محلات کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ آج آلات کے ذریعہ زمین والے چاند والوں کو ہدایت دیتے ہیں اور بڑا کرشمہ سمجھا جاتا ہے لیکن نبوت کی انگشتِ شہادت براہ راست چاند کو ہدایات جاری کرتی ہے اور دیکھنے والے چاند کو تعمیل حکم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

خیر یہ تو پیغمبرانہ معجزات ہیں آپ کے فیض صحبت سے فیض یافتہ اصحابِ کرام ہی کی کرامت پر ایک نظر ڈالئے، فاروق اعظمؓ مدینہ طیبہ میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے ملک شام میں ایک جنگ کا مشاہدہ کر رہے ہیں، فوجی قائد پیچھے پہاڑی کے حملے سے بے خوف ہے عین اسی وقت اسے ہدایت دیتے ہیں "یا سارية ! الجبل الجبل" (اے ساریہ پہاڑ کی طرف کا خیال رکھو کہ اس طرف سے دشمن حملہ نہ کرے) حضرت ساریہ نہ صرف فاروق اعظمؓ کی گونجتی ہوئی آواز کو پوری طرح سنتے ہیں بلکہ اس کے مطابق عمل کر کے میدان جنگ کا نقشہ پلٹ دیتے ہیں، کیا ریڈیو اور ٹیلیویژن کی اختراع اس سے زیادہ عجیب ہے؟

ہمارے استاذِ محترم امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنے ایک فصیح وبلیغ قصیدہ میں اس حقیقت کا پہلی بار انکشاف فرمایا ہے کہ عالم اسباب میں عقل انسانی کی اختراعات کے ذریعہ جتنی حیرت انگیز ایجادات ہوئی ہیں اور ہوں گی ان سب کا نمونہ انبیاء کرام کے معجزات میں موجود ہے، درحقیقت انبیاء

کرام علیہم السلام کے معجزات پیش خیمہ ہیں اس بات کا کہ آئندہ چل کر نسل انسانی اسباب کے ذریعہ یہاں تک ترقی کرے گی، فرماتے ہیں:

وقد قیل ان المعجز ات تقدم
بما یر تقی فیه الخلیفة فی مدیٰ

۱۳۴۷ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کشمیر سے واپسی پر لاہور میں آسٹریلین بلڈنگ میں بطور مہمان قیام پذیر تھے، میزبان نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کو بھی دعوت دی تھی مجھے خوب یاد ہے کہ حضرتؒ نے ڈاکٹر صاحب کے سامنے بیان فرمانا شروع کیا، ڈاکٹر صاحب انتہائی حیرت وتعجب سے ہمہ تن گوش تھے اور خوب خوب مستفید ہورہے تھے، مجھے ارشاد فرمایا: ڈاکٹر صاحب کو میرے قصیدے کے وہ اشعار جو اس مضمون سے متعلق ہیں سناؤ اتفاق سے مجھے وہ تمام قصیدہ اس وقت محفوظ تھا میں نے سنانا شروع کر دیا، ڈاکٹر صاحب مرحوم بہت ہی تعجب سے میری طرف دیکھنے لگے۔

اصلی تسخیر کائنات

خیر کہنا یہ ہے کہ ایک معمولی کرے تک پہنچ جانا کیا اس کا نام ”کائنات کی تسخیر“ ہے؟ جس کا چاردانگ عالم میں ڈنکا بجایا جارہا ہے۔

”کے آمدی کے پیر شدی“ اصل تسخیر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کرے کو تمام دنیا کے لئے پیغام رحمت بنایا ہے اور حیات انسانی اس کی رہین منت ہے، ان سائنسی کارناموں سے ایک مسلمان کو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا زیادہ سے زیادہ مشاہدہ ہونا چاہیے اور اس کا ایمان قوی تر ہونا چاہیے کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا فوائد مخلوق کے لئے مقدر کئے ہیں، اگر فضا میں خلائی اسٹیشن قائم ہوجائے اور نسل انسانی کی آبادی وہاں شروع ہوجائے تو ”ربنا ما خلقت هذا باطلاً سبحانك فقنا عذاب النار“ کی تفسیر کے تحت آجائے گی۔

بہر حال ان سائنسی کارناموں سے کسی اسلامی عقیدہ پر زد نہیں آتی، یہ امریکہ، یہ روس اور یہ سائنسدان ان ہی کروں کی تحقیقات میں رہیں گے جو آسمان سے نیچے معلق ہیں، آسمانی دروازے ان شیاطین پر بند ہیں، اللہ تعالیٰ نے انس وجن دونوں قسم کے شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہاں تک پرواز کرسکیں، البتہ ان سائنسی کرشموں سے یہ فائدہ ہوا کہ جو چیز انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں کارفرما تھی اور عقل انسانی اپنی کوتاہ نظری کی بنا پر اس کو محال وممتنع سمجھتی تھی اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کردی اور اس کا امکان ثابت ہوگیا اور ایک چھوٹے سے نمونے میں اس کا وقوع دکھلا دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خوارق ومعجزات سے انکار نہ کرسکیں، تفصیلات تو بہت ہیں تاہم امید ہے کہ ان ہی اشارات سے بہت کچھ رہنمائی ہوجائے گی، مسلمانوں کے ایک صوفی شاعر حضرت فریدالدین

عطارؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ہست عالم ذرہ از ندرتش
باز ذرّہ عالمے از حکمتش
کار عالم خیر است وحیرت است
حیرت اندر حیرت اندر حیرتست
واللہ ولی التوفیق والهدایة

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ - ستمبر ۱۹۶۹ء]

حدیث اِفتراق امت

حدیث افتراق امت مختلف الفاظ اور مختلف طرق سے چودہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، محدثین کی اصطلاح کے مطابق یہ چودہ حدیثیں ہوتی ہیں، طرق اس سے زیادہ ہیں ان صحابہ کرامؓ کی حدیثیں مندرجہ ذیل امہات حدیث میں ملتی ہیں:

مسند احمد، سنن ابی داؤد جامع ترمذی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی، مسند بزار وغیرہ۔

مسند احمد کی روایت سے کم از کم اتنا ثابت ہوا کہ حدیث بے اصل نہیں جیسا کہ محدثین کی تصریحات اس بارے میں موجود ہیں، بلکہ بعض اسانید بالکل صحیح ہیں، سنن ابی داؤد کی روایت اور اس پر سکوت سے کم سے کم اتنا پایہ ثبوت کو پہنچا کہ حدیث مذکور قابل احتجاج ہے، ترمذی، ابن حبان، حاکم نے صحیح ہونے کی تصریح کی، حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج احادیث کشاف میں اور حافظ شمس الدین سخاوی نے کتاب الفرق میں اس حدیث کے متون اور ان کی اسانید وطرق پر سیر حاصل بحث کی ہے، افسوس کہ یہ دونوں کتابیں غیر مطبوع ہیں اور عوام ان سے مستفید نہیں ہو سکتے ان کے اقتباسات ہمارے پیش نظر ہیں۔

ان سب احادیث میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت صحیح اور بالکل صحیح ہے۔ محدثانہ نقطۂ نگاہ سے اس کی نفس صحت میں کوئی کلام نہیں۔ ترمذی وابن حبان وحاکم سے لے کر زیلعی، ابن حجر، سخاوی، سیوطی اور محمد بن اسماعیل عجلونی تک محدثین اس کی تصحیح کے قائل ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر اسناد کے اعتبار سے عدم صحت کا حکم ساری امت میں سوائے ابن حزم کے اور کسی نے نہیں لگایا اگرچہ ابن حزم بھی نفس ثبوت سے گو باسنادِ ضعیف ہو منکر نہیں ہیں، فیروز آبادی کا قول جس پر ان کی کتاب سفر السعادۃ ختم ہوئی ہے یہ ہے:

"وباب افتراق الامة الی اثنتین وسبعین فرقة لم یثبت فیه شیء"

لیکن اتنی بات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بھی موضوع ہونے کا حکم لگاتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ

واضح کر دیں گے کہ ان دونوں بزرگوں کی اس جرح کی فنی قیمت کتنی ہے اور فیروز آبادی کا رتبہ اس بارے میں کیا ہے، لیکن یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ "لم يصح من جهة الاسناد" یا "لم يثبت" سے کسی روایت کا بالکل بے اصل یا موضوع ہونا محدثانہ اصول سے ثابت نہیں ہوسکتا، بہر حال ہم اگر ان دونوں کی بات کو بھی حدیثی اعتبار سے وقعت دیں تو اس بات میں یہ بھی ایک قول ہوگا اور یہاں ایک تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اصل حدیث بالکل صحیح ہے لیکن اس میں یہ زیادتی:

"كلها فى النار الا واحدة"

کہ تہتر فرقوں میں سے بہتر دوزخ میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

صحیح نہیں۔ محدثانہ نقطہ نگاہ سے غور کرنے پر یہ معلوم ہوگا کہ یہ قول زیادہ اقرب الی التحقیق ہے۔ اور حسن اتفاق یہ ہے کہ امام ترمذی و حاکم وغیرہ نے جس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اس میں یہ زیادتی سرے سے ہے ہی نہیں، چنانچہ حدیث ابو ہریرہؓ جو مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "افترقت النصارى على احدى او قال اثنتين وسبعين فرقة وتفترق امتى على ثلاث وسبعين فرقة"(١)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہود اکہتر فرقوں میں اور نصاری بھی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی۔

اب رہی وہ زیادتی جو ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے، اس کے متن میں حسب ذیل اضطراب ہے:

الف: ثنتان وسبعون فى النار وواحدة فى الجنة: یا اس کے ہم معنی لفظ۔

ب: اثنتان وسبعون فى الجنة وواحدة فى النار: بعض محدثین نے اسنادی اعتبار سے اس کو زیادہ واضح کیا ہے۔ شمس الدین محمد بن احمد المقدسی ''احسن التقاسیم'' میں اسی کے قائل ہیں۔

ج: بعضه فى الجنة وبعضه فى النار الا هذه الامة فانها كلها فى الجنة.

د: كلها فى الجنة الا الزنادقة، اب ظاہر ہے کہ اس اضطراب میں اگر صحیح ترجیح کا معیار قائم ہوسکے تو ترجیح دی جائے گی ورنہ سقوط متعین ہے۔ اگر چہ جمہور محدثین کے نزدیک آخری تین صورتیں مرجوح اور پہلی صورت راجح ہے تاہم اس اضطراب سے اس کی وہ قوت نہیں رہی جو اصل متن کے بقیہ حصہ کی ہے۔

---

(١) سنن ابى داؤد، كتاب السنة، باب فى شرح السنة ج:٢ ص:٦٣١، ط: قديمى. سنن الترمذى، ابواب الايمان، باب افتراق هذه الامة ج:٢ ص٨٨، ط: فاروقى كتب خانه ملتان. المستدرك، كتاب الايمان ج:١ ص:٤٧، ط: دار الكتب العلمية بيروت. مسنداحمدبن حنبل ج:٤ ص:١٠٢، ط: عالم الكتب بيروت

علامہ ابن حزمؒ اور حدیث افتراق

حدیث میں امام ابن حزم کی جلالت قدر اور تبحر و وسعت علم سے کوئی انکار نہیں لیکن ان سارے کمالات اور خصائص کے باوجود یہ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کا ہر قول صحیح ہے، یہ عصمت تو صرف نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ان کا قول ایک حد تک جرح وتعدیل میں مسلم ہے، محدثین میں مشہور ہے کہ ابن حزم کو باوجود جلیل القدر، حافظ حدیث ہونے کے جامع ترمذی ان تک نہیں پہنچی بلکہ وہ اس کے مصنف امام ترمذی کے مرتبہ اور حالت سے بھی ناواقف تھے اور اسی لئے انہوں نے ابوعیسیٰ ترمذی کو مجہول کہا ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب ج:٩ ص: ٢٨٨) اس سے اتنا تو بالکل صاف ہو گیا کہ امام ترمذی کی تصحیح اور ان کی خاص روایت کا تو ان کو علم نہیں ہوا، ورنہ شاید اتنی صفائی کے ساتھ "لا يصح من جهة الاسناد" نہ فرماتے، پھر ابن حزم نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ وہ کس اسناد کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں اور کس راوی کی وجہ سے ایسا فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں عبدالرحمن بن زیاد افریقی ہے اور بعض میں کثیر بن عبداللہ نخعی ہے اور بعض میں عباد بن یوسف یا رشدین بن سعد ہے اور کسی میں ولید بن مسلم ہے اور ان سب میں ان کے علاوہ بھی کوئی مجہول یا مجروح ضرور ہے، بہت ممکن ہے کہ ابن ماجہ اور بیہقی و بزار کی یہ روایتیں ان کے پیش نظر ہوں اور ان اسانید کے اعتبار سے حکم عدم صحت کا لگایا ہو۔

کچھ بھی ہو اس قسم کے مواقع پر مثبت کے قول کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ منکر کے قول کو، یا نافی کے قول کو۔ رہا یہ فرمانا کہ "جرح تعدیل پر مقدم ہے" پہلے تو یہ کہ علی الاطلاق نہیں، ورنہ دنیا میں کوئی محدث کوئی حافظ حدیث اور کوئی امام ثقہ نہیں ہو سکے گا اور امام احمد، مالک، شافعی، بخاری، مسلم، داود ظاہری اور خود ابن حزم سب ختم ہو جائیں گے، بلکہ محدثین نے تصریح فرمادی ہے کہ جس کی شخصیت مشتبہ ہو اور اس کی قدر و منزلت مشہور نہ ہو اس وقت جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔

دوسرے یہ کہ یہ اصول اس وقت مسلم ہوگا کہ کسی شخص کے متعلق اس قسم کے متعارض اقوال ملیں تو یہ ہرگز مراد نہیں کہ کسی حدیث کے اسناد کو اجمالاً کسی نے مجروح کر دیا اور دوسرے نے تصحیح کی تو جرح مقدم سمجھی جائے گی۔

بہرحال ابن حزم نے "ملل ونحل" کی کتاب الایمان میں اس حدیث کی صحت سے انکار فرمایا۔

لیکن حیرت ہے کہ اپنی کتاب "محلی" کی پہلی جلد اور "کتاب الاحکام" کی آخری جلد میں عوف بن مالک کی حدیث:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تفترق امتى على بضع وسبعين فرقة
اعظمها فتنة على امتى قوم يقيسون الامور برأيهم"

کی روایت لا کر اس کی تصحیح کی کوشش کی ہے اور اپنے خیال میں ابطال قیاس کی لئے دلیل پیش فرمائی ہے، حالانکہ ابن حزم سے پہلے اور ابن حزم کے بعد اندلس سے لے کر خراسان تک کے محدثین اس حدیث کی تضعیف میں ہم زبان ہیں۔ گو یا علامہ ابن حزم احادیث افتراق امت میں ابو ہریرہؓ کی صحیح حدیث کی تو تضعیف فرماتے ہیں اور عوف بن مالک کی ضعیف حدیث کی یہاں توثیق فرماتے ہیں، خیر یہ توثیق صحیح ہو یا غلط لیکن بہر حال ابن حزم کے قلم سے بھی حدیث افتراق امت کی توثیق کا ایک طریق ظہور میں آ گیا۔ اگر ابن حزم ہی کے قول پر مدار ہے تو لیجئے یہ بھی حاضر ہے اور سنیے! ابن حزم کی کتاب ''الفصل'' جس کے حوالے سے حدیث کی تضعیف نقل ہوئی ہے وہ ''کتاب الاحکام'' سے پہلے کی تالیف ہے اور ''کتاب الاحکام'' اس کے بعد کی لکھی ہوئی ہے، چنانچہ ''کتاب الاحکام'' کی پہلی جلد میں خود ابن حزم اس کی تصریح فرماتے ہیں، اب ابن حزم کے اگر دو متعارض قولوں میں کسی ایک کو ترجیح دے سکتے ہیں تو وہ ان کا آخری قول ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث کی صحت سے انکار اب ابن حزم بھی نہیں کر سکتے۔ نہ ابن حزم کی سابق تضعیف و انکار قابل قبول ہوسکتا ہے جب کہ ان کے آخری قول خود اس کے خلاف موجود ہے۔ فرحم الله من انصف واذعن للحق۔

مجدالدین فیروز آبادیؒ اور حدیث افتراق امت

اب لے دے کے صرف مجدالدین فیروز آبادی رہ جاتے ہیں، پہلے تو یہ عرض ہے کہ فیروز آبادی کا شمار نہ تو حفاظت میں ہے نہ کبار محدثین میں، جرح وتعدیل اور نقد حدیث کے باب میں ان کے قول کا کیا مرتبہ ہوسکتا ہے، بالخصوص جبکہ جہابذہ امت کے اقوال ان کے مخالف موجود ہوں؟۔

رفع یدین کے بارے میں ان کا یہ قول:

> ''فقد صح فی هذا الباب اربعمائة خبر و اثر، و رواه العشرة المبشرة ولم يزل على هذه الكيفية حتى رحل من هذا العالم ولم يثبت شیء غيرها.''

ان کی مبالغہ آمیزی اور معرفت حدیث میں ان کا کیا مرتبہ ہے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور محدثین کے نزدیک اس بات میں ہر ہر جز وخبر غلط ہے اور تحقیق وواقعیت سے کہیں بعید ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کی ''سفر السعادۃ'' میں اس قسم کے جتنے دعوے ہیں تحقیق کے بعد بہت کم صحیح ثابت ہو سکے۔ اس لئے شارحین ''سفر السعادۃ'' وغیرہ محققین نے تصریح فرمادی ہے کہ اس قسم کے مبالغہ آمیز دعاوی تحقیق کے خلاف ہیں۔ اگر مضمون کی طوالت کا خطرہ نہ ہوتا تو یہاں اس کے چند نمونے بھی پیش کرتا، فیروز آبادی کی تفسیر ''تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس'' ان کی حدیث دانی کی تردید کے لئے کافی ہے جس کو علماء نے ''اکذب التفاسیر'' کا لقب دیا ہے، اس لئے فیروز آبادی ایک طرف تصحیح میں انتہائی متساہل اور دوسری طرف تضعیف میں انتہائی متشدد واقع ہوئے ہیں، اس لئے

نہ ان کی تصحیح قابل اعتماد ہے نہ تضعیف قابل وثوق ہے۔ امہات حدیث ہمارے سامنے ہیں، محدثین کے اقوال کا ذخیرہ سامنے موجود ہے، رجال واسانید کی تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے ان حقائق ثابتہ کے سامنے فیروز آبادی کے محض ایک دعوے کی کیا وقعت رہ جاتی ہے:

فی طلعة الشمس ما يغنيك عن زحل

ابن جوزی جیسے جلیل القدر محدث جنہوں نے سب سے پہلی تنقید حدیث کے لئے اصول درایت بھی مفصل مرتب فرمائے ہیں انہوں نے اس حدیث پر کوئی عقلی جرح نہیں فرمائی اور نہ اپنی کتاب ''موضوعات'' میں اسے ذکر فرمایا ہے۔ حدیث کی اسنادی صحت کے بعد اس کے مقصد کی تعیین میں گو علماء امت کا کچھ معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا یہ عدد بہتر وتہتر تحدید کے لئے ہے یا محض تکثیر کے لئے اور اس اختلاف وتفرق سے مراد اصولی تفرق واختلاف ہے یا فروعی اور امت سے مراد امت اجابت ہے یا امت دعوت وغیرہ وغیرہ۔ اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ مراد تعداد سے محض تکثیر ہے اور جس طرح قرآن کریم میں ''سبعون ذراعا'' اور ''سبعين مرة'' وغیرہ کے عدد تکثیر ہی کے لئے مستعمل ہیں اسی طرح یہاں بھی ہے، افتراق واختلاف سے مراد عام اختلاف ہے، فروعی ہو یا اصولی اور مقصد اھل اھواء اور اھل بدع کا افتراق ہے، اہل سنت محدثین وفقہاء، ظاہریہ وغیرہ سب فرقہ ناجیہ میں شمار ہیں اور حدیث کا خلاصہ صرف اتنا ہوا کہ یہود ونصاریٰ میں بہت سے فرقے پیدا ہوئے ہیں اور میری امت میں ان سے زیادہ فرقے پیدا ہوں گے نجات کا انحصار صرف میری اتباع اور میرے اصحاب کے اتباع میں ہے، تو بتلایئے کہ اس حدیث میں عقلی کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ کیا تاریخی شہادت اس کے اثبات میں ہے یا نفی میں، بہرحال یہ چیز تو بطور نمونہ ومثال کے عرض کردی ہے ورنہ بہت کچھ تفصیل وتحقیق کی گنجائش ہے۔ معنوی حیثیت سے اس حدیث کی تحقیق وتشریح مطالب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ابواسحاق شاطبی نے ''کتاب الاعتصام'' میں کافی وشافی بحث فرمائی ہے جو ایک منصف کے لئے باعث طمانینت ہوسکتی ہے۔ مضمون باوجود بہت اختصار کچھ طویل سا ہوگیا لیکن توقع ہے کہ نفع سے خالی نہ ہوگا۔

[محرم ۱۳۸۳ھ]

حدیث اختلاف امت

حدیث ''اختلاف امتي رحمة'' کے بارے میں عرصے سے بحث کا میدان گرم ہے، کسی کو مضمون سے اختلاف ہے اور کسی کو اس کے لفظ حدیث ہونے میں اشتباہ وتردد ہے اور ایک حد تک اتنی بات تو معقول ہے کہ تشتت وافتراق کو عذاب بتلایا گیا ہے۔ اس سے نجات وپناہ مانگی گئی ہے۔ نصوص کتاب وسنت میں افتراق واختلاف کی مذمت بیان ہوئی ہے، قرآن وحدیث کی نصوص کے پیش نظر یہ شبہ درست ہے کہ جو چیز سراسر عذاب

وزحمت ہے وہ رحمت کیوں کر بنی؟ الغرض اکثر ارباب فکر ونظر کے لئے یہ موضوع مرکز توجہ بنا ہوا ہے اس لئے خیال آیا کہ اس کے اسنادی پہلو کو بھی روشن کیا جائے اور اس کی معنوی حیثیت سے بھی پردہ اٹھایا جائے اور جس طرح کہ حدیث افتراق امت پر ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور ایک طویل مضمون کا نچوڑ نکالا گیا ہے۔ اسی انداز سے اس پر بھی چند سطریں لکھ کر ناظرین ”بینات“ کی خدمت میں تحفہ پیش کیا جائے۔ نیز دور حاضر کے بعض ارباب فکر پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فروعی اختلاف کی بنا پر ان کی دینی منزلت وشرعی منصب مشتبہ ہو گیا ہے اور وہ ان کی حیثیت کو قابل تنقید سمجھ کر ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک حد تک ان کے شبہات کا بھی ازالہ ہو جائے، گو اصل مسئلہ مستقل توجہ و بحث کا محتاج ہے اور اس کے سب پہلوؤں پر سیر حاصل بحث اور نتیجہ خیز تنقیح کی ضرورت ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ میں جو افراط وتفریط ہو رہی ہے اس کے سد باب کے لئے دوبارہ کچھ لکھا جائے گا لیکن اس وقت تو اس مضمون سے ضمناً موضوع کے ایک رخ سے نقاب کشائی ہو جائے گی۔ واللہ سبحانہ ہو الموفق۔

حدیث اختلاف امت کے رواۃ اور اس کے الفاظ

حدیث ”اختلاف امت“ کا یہ مضمون مجموعی طور پر مندرجہ ذیل صحابہؓ سے مرفوعاً وموقوفاً روایت کیا گیا ہے:

① حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
② حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

نیز حسب ذیل تابعین سے بھی مروی ہے:

① قاسم بن محمد بن ابی بکر، جن کا شمار مدینہ کے فقہاء سبعہ میں ہے۔
② عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ راشد۔
③ یحییٰ بن سعید الانصاری۔

اور مندرجہ ذیل کتب حدیث وغیرہ میں مختلف الفاظ سے مذکورۃ الصدر حدیث کسی صحابی یا تابعی سے روایت کی گئی ہے:

مسند عبد بن حميد ، مسند دارمی ، سنن ابن ماجه ، الجمع بين الصحاح للعبدری ، مستدرك حاكم ، تاريخ ابن عساكر ، فضائل الصحابه للدارقطنی ، المدخل للبيهقی ، طبقات ابن سعد ، معجم طبرانی ، مسند الفردوس للديلمی ، كتاب الحجة فی اثبات المحجة لنصر بن ابراهيم المقدسی ، كتاب العلم والحلم لآدم بن ابی اياس ، الرسالة الاشعريه للبيهقی ، المختصر فی اصول الفقه لابن حاجب المالكی ، غريب

الحديث للامام الخطابی ، مشکوة المصابیح للخطیب ، جمع الفوائد لمحمد بن سلیمان المغربی وغیره.(١)

جن کبار محدثین اور محققین نے اپنی اپنی تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

امام خطابی، ابوعبد اللہ الحسین بن الحسن الحلیمی الشافعی، قاضی حسین الشافعی، امام الحرمین ابو اسعد بن ابو اسعد الشافعی، ابو العباس القرطبی المالکی، حافظ حدیث برہان الدین زرکشی، حافظ ولی الدین العراقی، علامہ عبد الرؤف مناوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کو صراحت کے ساتھ حدیث کہا ہے۔ (دیکھو فیض القدیر ج:١ص:٢١)

اب نہایت اختصار کے ساتھ چند منتخب روایات پیش کی جاتی ہیں:

١-عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ سالت ربی عن اختلاف اصحابی. قال الله یا محمد ، ان اصحابك عندی كالنجوم بعضها اقوی من بعض وفی روایة بعضها اضوء من بعض ولکل نور فمن اخذ بشیء مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی.

حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے صحابہ کے اختلافات کے بارے میں حق تعالیٰ سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ آپ کے صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے، بعض زیادہ روشن ہیں بعض سے اور ہر ایک کے لئے نور ہے ان میں سے کسی کے قول کا بھی اتباع کیا گیا تو وہ ہدایت پر ہے۔

یہ روایت مسند عبد بن حمید و مسند دارمی و ابن ماجہ، رزین عبدری، حاکم وغیرہ کی ہے (بحوالہ تفسیر مظہری ج:٢ص:١١٦ مطبوعہ دہلی)

٢-یہی حدیث امام حدیث دارقطنی نے اپنی کتاب ''فضائل الصحابہ'' میں اور حافظ ابن عبد البر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ (بحوالہ مذکورہ)

٣-یہی حدیث امام بیہقی نے ''کتاب المدخل'' میں بروایت ابن عباس نقل کی ہے (بحوالہ مذکورہ)

محدثین کی اصطلاح میں یہ تین حدیثیں ہوگئیں۔

---

(١) ملاحظہ ہو: تفسیر مظہری ج:٢ص:١١٦ مطبوعہ دهلی جید برقی پریس ، المقاصد الحسنه للسخاوی ص:٢٦،٢٧ طبع مصر، فیض القدیر للمناوی ج:١ص:٢٠٩ تا ٢١١ طبع مصر، کتاب الموضوعات الکبیر للقاری ص:٢٠، مطبع محمدی لاهور، طبقات ابن سعد ج:٥ص:١٨٩ مطبوعه قاهره.

٤- عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ مهما اوتيتم من كتاب الله فالعمل به ولا عذر لاحد فى تركه ، فان لم يكن فى كتاب الله فسنة ماضية ، فان لم يكن فى سنة نبى فما قال اصحابى. ان اصحابى بمنز لة النجوم فى السماء فايهاا خذ تم به اهتد يتم واختلاف اصحابى لكم رحمة.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کتاب اللہ میں ہے اس پر عمل ضروری ہے اور کسی کا بھی ترک کرنے میں عذر قبول نہیں اور کتاب اللہ میں نہیں تو پھر سنت میں ہوگا اور اگر میری سنت میں نہیں تو پھر جو میرے صحابہ کہیں اور میرا صحابہ کی مثال آسمان کے تاروں جیسی ہے کسی کے قول پر بھی عمل کروگے تو ہدایت پر چلوگے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

یہ حدیث بیہقی نے ''المدخل'' میں روایت کی ہے اور طبرانی نے ''معجم'' میں اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں اور بدرالدین زرکشی نے بحوالہ ''کتاب الحجۃ للنصر المقدسی'' ذکر کی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں جو جویبر بن معبد ضعیف ہے اور انقطاع بھی ہے لیکن واضح رہے کہ یہ ابن ماجہ کا راوی ہے اور حماد بن زید وابن المبارک ویزید بن ہارون جیسے اکابر محدثین نے اس سے روایت کی ہے (دیکھو ''میزان الاعتدال للذہبی'' ج:۱ص:۱۹۸) اور انقطاع امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے یہاں علت قادحہ نہیں، منقطع روایت ان ائمہ کے نزدیک احکام میں بھی قابل عمل ہے۔

٥- اختلاف اصحابى رحمة لامتى

- میرے صحابہ (ساتھیوں) کا اختلاف میری امت کے لئے رحمت ہے۔

امام بیہقی نے اس کو ''رسالہ اشعریہ'' میں بغیر سند نقل کیا ہے، یہی روایت حافظ عراقی نے بحوالہ آدم بن ابی ایاس نقل کی ہے سند کا ذکر نہیں کیا جس کی تفصیل حافظ سخاوی نے ''المقاصد الحسنہ'' میں کی ہے۔

٦- عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد رحمة لعباد الله

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔

یہ روایت تفسیر مظہری میں بحوالہ ''کتاب المدخل للبیہقی'' وطبقات ابن سعد مذکور ہے۔ طبقات ابن سعد (ج:۵ص:۱۸۹ مطبوعہ قاہرہ) کے الفاظ سند کے ساتھ یہ ہیں:

اخبر نا قبيصة بن عقبة حد ثنا افلح بن حميد عن القاسم بن محمد قال كان اختلاف اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رحمة للناس.

قبیصہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ افلح بن حمید، قاسم بن محمد سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے باعث رحمت ہے۔

٧- عن عمر بن عبد العزیز قال ما سرنی لو ان اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم لم یختلفوا لانهم لو لم یختلفوا لم یکن رخصة .

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں مجھے اس کی خوشی نہ ہوتی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا اگر اختلاف نہ ہوتا تو رخصت کہاں سے نکلتی۔

یہ روایت بیہقی نے کتاب المدخل میں نقل کی ہے۔ (بحوالہ سخاوی ومظہری)

الغرض ان مختلف روایات اور مختلف الفاظ اور متعدد طرق ومخارج سے قدر مشترک یہی نکلی کہ حدیث کا مضمون محدثانہ نقطہ نگاہ سے قابل اعتبار ہے اور ایک حدیث کا صحیح ہونا بقیہ روایات کی تصحیح کی دلیل ہے۔ نیز ان مختلف الفاظ سے مقصود بھی واضح ہوگیا کہ اصلی مقصد یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے حکم کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے اور گنجائش نکل آتی ہے۔ چنانچہ حافظ شمس الدین سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں یحییٰ بن سعید انصاری سے نقل کیا ہے "اهل العلم اهل تو سعة" یعنی علماء توسع کیا کرتے ہیں، پھر خود سخاوی فرماتے ہیں کہ مفتیان کرام میں ہمیشہ اختلاف رہا ایک جائز کہتا ہے ایک ناجائز لیکن ایک دوسرے کی عیب جوئی نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ منصوص حکم کے خلاف کرنا یا قطعی حکم کی نافرمانی کرنا یا اجماعی فیصلہ کی خلاف ورزی کرنا جتنا بڑا جرم ہوگا کسی اختلافی مسئلہ کی مخالفت کرنا اتنا بڑا جرم ہرگز نہ ہوگا۔ بہرحال گذشتہ روایات والفاظ سے جو نتائج نکلے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے آئندہ اختلاف سے اندیشہ ہوا کہ غیر منصوص مسائل میں ضرور اختلاف ہوگا ایسا نہ ہو کہ یہ اختلاف قلوب میں اختلاف وتفرق وتحزب وتشیع کا ذریعہ بنے۔

② اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلا دیا کہ صحابہ حق پر ہیں، ان کے مراتب علم وفقہ میں ضرور تفاوت ہوگا لیکن کوئی مضائقہ نہیں ان میں ہر ایک کا اتباع رہنمائی کے لئے کافی ہوگا۔

③ صحابہ کی متابعت کا موقع اس وقت آئے گا جب کتاب وسنت میں صاف وصریح حکم نہ ہو تو پھر صحابہ کے اتباع میں دین ہوگا اس سے خروج دین سے خروج سمجھا جائے گا۔

④ جس طرح عام انسانوں کے مزاجوں میں تفاوت ہوتا ہے، کوئی عزیمت کو پسند کرتا ہے کوئی رخصت وآسانی کا متلاشی رہتا ہے، کوئی احتیاط وورع کے پہلو کو ترجیح دیتا ہے، کوئی عام نظام کے پیش نظر تیسیر وسہولت کو پسند کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح سے صحابہ کے مزاجوں میں بھی تفاوت ہوگا اور تابعین کی آئندہ نسلیں اپنے اپنے مزاج کے مطابق اپنے لئے ہیرو منتخب کرلیں گی۔

⑤ دین اسلام کے فطری نظام کا بھی فطری تقاضا تھا کہ مسائل اجتہادیہ میں اتنی لچک رہے کہ ہر شخص اپنے ماحول اور طبعی افتاد کے مطابق انتخاب کا فیصلہ کرسکے۔

⑥ قلوب میں اتنی وسعت ہونی چاہیے کہ اجتہادی امور میں تنگ نظری وتعصب سے کام نہ لیا جائے اور اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھے۔ دیکھئے اس مضمون کو کتنی صراحت کے ساتھ حضرت خلیفہ راشد امیر المومنین عمر ثانیؒ نے بیان فرمایا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں ممتاز ترین شخص حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر نے کس صراحت کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت بتلایا۔ چنانچہ الشیخ عبد الرؤف المناوی نے فیض القدیر میں بڑے شرح وبسط کے ساتھ فرمایا کہ حدیث مذکورہ کا مصداق فروعی احکام اجتہادیہ ہیں اور مذاہب امت کا فروعی اختلاف اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور بڑا فضل وکرم ہے، ہاں اصول وعقائد میں اختلاف کرنا یہ گمراہی وضلالت ہے۔ حافظ ابو عمرو بن الصلاح سے بھی یہی مضمون موصوف نے نقل کیا ہے، اس لئے امام الخطابی نے بڑے زور وشور سے فرمایا ہے کہ اس حدیث پر صرف دو شخصوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ یہ کہنے والا ایک اسحاق موصلی ہے جو بے دین ہے اور دوسرا جاحظ ہے جو ملحد ہے، موصوف کے الفاظ ہیں:

> اعترض على هذا الحديث رجلان، احد هما ماجن والآخر ملحد، وهما اسحاق المو صلى وعمر وبن بحر الجا حظ (ملا حظه هو "المقاصد الحسنه للسخاوى" ص :۲۷)

بہر حال امام خطابی اور بہت سے محققین نے یہی سمجھا ہے کہ حدیث کا تعلق اور اس اختلاف کا محل فروعی اجتہادی مظنون مسائل شرعیہ ہیں، دین اسلام کے منصوص مسائل وآیات بینات جو قرآن وسنت میں فیصلہ شدہ ہیں وہ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ ان نصوص کی دلالت اگر قطعی نہیں یا تعارض ہے اور اجماع وغیرہ اس بات میں نہ ہو تو نصوص شریعہ اور احادیث نبویہ کے محامل ومعانی ومقاصد میں اختلاف کا درجہ یہی ہوگا جو فروعی مسائل اجتہادیہ کا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی محدث وقت اپنی بے نظیر تفسیر ''المظہری'' (ج:۲ ص:۱۱۵) میں آیت کریمہ ذیل کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

> "ولا تکونوا کالذین تفرقوا" یعنی الیهود ، تفرقوا علی ثنتین وسبعین فرقة "واختلفوا من بعد ما جاءهم البینات" الدلائل الواضحة القاطعة من الآیات المحکمة والاخبار المتواترة المحکمة من الانبیاء ونحو ذلك کاجماع هذه الامة سواء کان ذلك الاختلاف فی اصول الدین کاختلاف اهل الاهواء مع اهل السنة وفی الفروع المجمع علیها کمسالة غسل الرجلین ومسح الخفین فی الوضوء وخلافة الخلفاء الاربعة، واحترز بهذا

القيد عن اختلاف بالاجتهاد فى مائبت بالادلة الظنية فان الاختلاف فيها ضرورى ضرورة خطا بعض المجتهدين ، فذلك الاختلاف بعد بذل الجهد بلا مكابرة وتعصب معفو بل هو رحمة وسعة للناس .

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ یہود کا کام ہے بینات آنے کے بعد تفرق واختلاف کرتے ہیں بینات سے مراد قرآن کریم کی آیات محکمہ یا احادیث متواترہ قطعیہ اور اجماع امت ہے، الغرض مضر اختلاف وہ ہے جو اصول دین میں ہو یا ان فروع دین میں ہو جو اجماع امت سے ثابت ہیں جیسے وضو میں پاؤں کا دھونا یا موزوں پر مسح کرنا یا خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت۔ رہا مجتہدین امت کا وہ اختلاف جو سعی وکوشش کے باوجود ادلہ ظنیہ کی وجہ سے باقی رہا تو یہ معاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پھر قاضی صاحب نے اس کی تائید میں گذشتہ روایات ذکر فرمائی ہیں، تابعین کے ان آثار سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث "اختلاف امتی رحمة" سے مراد یہی فروعی اختلاف ہے۔ دین کے مسائل شرعیہ میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ایک مسلمہ حقیقت ہے، نقل کے علاوہ عقل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور ائمہ دین کے اجتہادی دور کی پوری تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر کسی کو مجال انکار باقی نہیں رہ سکتا اور حدیث کا مقصد بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ مزید غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں وہی حقیقت جلوہ گر ہے جو فضائل صحابہ اور مناقب امت محمدیہ میں آئی ہے کہ یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور حق ان کے اندر دائر سائر رہے گا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری درخواست قبول فرمائی۔ وغیرہ وغیرہ مختلف روایات جو متعدد صحابہ کرام سے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

دراصل اختلاف امت کا سب سے پہلے ظہور عہد صحابہ میں ہوا ہے، صحابہ کرام کے دور میں جتنا بھی مسائل دین اور فرعی اجتہادی احکامِ شرعیہ میں اختلاف ہوا ہے وہ سب دین کے دائرے کے اندر ہوا ہے، یہ ممکن نہیں کہ صحابہ میں سنت نبویہ کے خلاف کوئی جدید بدعت راستہ نکالے، اگر کوئی اختلاف بھی پیش آئے گا تو غور کرنے کے بعد ہر ہر بات کی سند یا کسی حدیث قولی یا فعلی سے مل جائے گی یا قرآن کریم سے صاف وصریح استنباط ہوگا، اس کا کوئی امکان نہیں کہ بلا سند وحجت اپنی خواہش پر کوئی بات کہے یا اس پر اصرار کرے، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا دینی منصب بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرات شیخین یعنی سیدنا ابی بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا دینی منصب متعین فرمایا ارشاد ہے:

"اقتدوا بالذين بعدى ابى بكر وعمر"(۱)

میرے بعد ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتدا کرو۔

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی بکر الصدیق ج:۲ ص:۲۰۶، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

"ان الله جعل الحق علی لسان عمر" (۱)

اللہ نے عمرؓ کی بات میں حق رکھا ہے۔

پھر خلفاء راشدین کے مرتبہ کا تعین فرمایا:

"علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ ، و ایاکم و محدثات الامور". (۲)

تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو۔ اس کو دانتوں سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو۔ (احمد والسنن من حدیث العرباض بن ساریۃ)

پھر عام صحابہ کے بارے میں ارشاد ہے:

"واصحابی أمنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون" (۳)

میرے صحابہ میری امت کے امین ہیں جب میرے صحابی چلے جائیں گے تو میری امت پر پھر وہ حالات آئیں گے جن سے ان کو ڈرایا جارہا ہے۔

بلکہ حدیث "خیر القرون قرنی" الخ میں تابعین کے دور کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے (۴)۔

بہرحال اس قسم کی روایات کا ایک وسیع باب ہے جن سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ سنت نبوی کے بعد صحابہ کرام کا درجہ ہے اگر سنت نبوی میں دین کی کوئی بات نہ ملے تو تعلیم صحابہ میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر بلا اختلاف عہد صحابہ میں کوئی بات طے ہوجاتی ہے تو پھر کسی کو اس کی مخالفت کا حق نہیں پہنچتا اور اگر ان میں اختلاف پایا گیا تو ان کے اقوال میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوگا، جدید اجتہاد کی نہ ضرورت ہے نہ اس کی اجازت، اس کا کوئی امکان نہیں کہ صحابہ بدعت یا احداث فی الدین اختیار کریں۔ اس لئے کہ ان کے دینی منصب کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کی پیروی کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اب اگر قرآن وحدیث میں کسی امر کا کوئی فیصلہ نہ ملے تو اسے صحابہ کے اقوال اور ان کی سنت میں تلاش کرنا چاہیے جو شخص ان کی سنت ہوتے ہوئے جدید اجتہاد کرے گا یا اس سے انکار کرے گا وہ مبتدع ہوگا بلکہ ان احادیث کا مخالف ومنکر ہوجائے گا جو آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے حق

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ج:۲ ص:۲۰۹، ط: فاروق کتب خانه ملتان. سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة ج:۲ ص:٦٣٥، ط: قدیمی

(۲) سنن الترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنة ج:۲ ص:۹۲، ط: فاروق کتب خانه ملتان.
سنن ابن ماجه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین ص:۵، ط: قدیمی.
مسند احمد بن حنبل، حدیث عرباض بن ساریة ج:٤ ص:١٢٦، ط: عالم الکتب بیروت

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب بیان ان بقاء النبي امان لاصحابه ج:۲ ص:۳۰۸، ط، قدیمی

(۴) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، ج:۲ ص:۳۰۹، ط: قدیمی

میں ارشاد فرمائی ہیں، حضرات صحابہ سے بھی اس سلسلہ میں متعدد تصریحات ملتی ہیں۔

(۱) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

"کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها و خذو ابطر یق من کان قبلکم". [الاعتصام للشاطبی ج۲، ص۱۳۲]

یعنی جو عبادت صحابہ نے نہیں کی تو تم بھی وہ عبادت مت کرو اور سلف کا طریقہ اختیار کرو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"من کان منکم مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا یؤمن علیه الفتنة"(۱)

جو کوئی تم میں سے کسی کی اقتدا کرنی چاہے تو اس کی اقتدا کرے جس کا انتقال ہو چکا ہے۔ کیونکہ زندہ آدمی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) یا فرمایا: اتبعوا آثارنا و لا تبتدعوا(۲)

ہمارے آثار واقوال کا اتباع کرو اپنی طرف سے نئی باتیں مت نکالو۔ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ وتابعین کے اتنے کثرت سے آثار واقوال اس سلسلہ میں ملتے ہیں کہ جمع کرنے سے ایک دفتر تیار ہوجائے گا اور جب کہ قرآن کریم میں صحابہ کے فضائل ومناقب اتنی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں تو پھر ان کے ہوتے ہوئے ان کے اس دینی منصب کو سمجھنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ غالباً اس وقت یہ چند اشارے کافی ہوں گے۔

بہر حال حدیث "افتراق امت" جس کے متعلق گذشتہ بینات کے شمارے میں تفصیل آ چکی ہے، اس کا تعلق اس افتراق وشقاق سے ہے جو اصول دین میں ہے اور انتہائی مذموم ہے۔ نصوص قرآن وحدیث میں اس کی مذمت وقباحت بیان کی گئی ہے۔ امت اسلامیہ اور امت اجابت میں جو فرقے اصولی پیدا ہوئے جن کو اہل اہوا، اور اہل بدع کہا جاتا ہے، ان میں خوارج وقدریہ، رافضہ مرجئہ، جہمیہ، کرامیہ، حشویہ وغیرہ شامل ہیں ان سب کا تعلق حدیث افتراق امت سے ہے جس کے لئے معیار اتباع سنت "ما انا علیه و اصحابی" کا جادۂ مستقیمہ بتلایا گیا اور جو اس معیار پر صحیح نہ اترے وہ اس دائرہ سے خارج ہوں گے اور حدیث اختلاف امت کا دائرہ فروعی اجتہادی مسائل تک منحصر ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، توقیر صحابہ، اجماع امت واجتہاد واستنباط کے اصولی طرق میں سب اہل سنت متفق ہیں ان کے جزوی اختلافات کو قابل گرفت نہیں سمجھا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اس قسم کے اختلاف کو افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اس اختلاف کو تکوینی مصالح واسرار اور فطری اختلاف سمجھ کر اس کو سراسر حکمت ومصلحت سمجھا جائے۔ اس دائرے میں تحزب وتشیع کو برسر کار نہ

---

(۱) مشکوة، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث ج: ص: ۳۲، ط: قدیمی

(۲) سنن الدارمی، باب فی کراهیة اخذ الرأی ج: ۱ ص: ۸۰، ط: دار الکتاب العربی بیروت

لایا جائے اور قلوب کے نفاق وشقاق کا ذریعہ بننے نہ دیا جائے۔ دونوں حدیثوں کے مضمون جدا جدا ہیں ان کو ایک ہی مصداق پر حمل کرنا یہ سراسر خلط مبحث ہے۔ اگر قرون متاخرہ میں چند افراد نے تصلب مذہبی میں غلو کر کے تعصب وفرقہ بندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں شقاق ونفاق کا راستہ کھول دیا تو یہ اتباع مذاہب کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ ان کا جرم ہے کہ ایک صحیح ومفید چیز سے ناجائز وغلط فائدہ اٹھایا گیا۔ کچھ ظاہر بین اور عواقب ناشناس حضرات نے غلو کر کے اتباع کے اس غلط طریقۂ عمل سے متاثر ہو کر اصل اختلاف فکری کو غیر اسلامی نظریہ قرار دے دیا اور حنفیہ ومالکیہ، شافعیہ وحنابلہ کی گروہ بندیوں کو بیچ میں لا کر انہیں قدریہ وجہمیہ بلکہ کفار ومشرکین کی صف میں کھڑا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ صاف بات ہے کہ جن مسائل واحکام میں کوئی قرآنی وحدیثی فیصلہ موجود نہ ہو اور صحابہ کے دور میں ان کا فیصلہ نہ ہو سکا ہو تو چونکہ انسانی دماغ کے مراتب مختلف ہیں اور ہر دماغ کا زاویہ نگاہ فطری طور پر ضروری نہیں ہے کہ دوسرے سے متفق ہو جائے اور ہر صاحب فکر وصاحب اجتہاد اس کا مکلف ہے کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے منشا کو سمجھنے کی کوشش کرے اور وحی الٰہی کے اصل سرچشمہ سے سیراب ہو اس لئے اختلاف تو ناگزیر تھا، لہٰذا شریعت نے اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا اور پابندی نہیں لگائی اور فطری ضرورتوں کی تکمیل میں توسع سے کام لیا اور اس کو رحمت کہا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اصولی دائرہ سے باہر نہ جائے اور نیت بخیر ہو اور علم وتقوی وبحث وتحقیق کی اہلیت موجود ہو۔ یہ موضوع زیادہ وضاحت وتشریح کا محتاج ہے اس وقت حدیث "اختلاف امتی رحمة" کے مضمون کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ سمجھنے کی صحیح توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

[ربیع الاول ۸۳ ۱۳ھ]

حدیث "بدء الاسلام غریبا" کی تشریح

"بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبی للغرباء"(۱)

"صحیح مسلم شریف" کی ایک صحیح حدیث ہے کہ اسلام کا ابتدائی دور غربت کا تھا اور آخری دور بھی غربت کا ہوگا جو لوگ اسلام کی غربت کے باوجود اسلام پر قائم رہیں گے وہ خوش قسمت ہیں۔

غریب کے معنی

عربی زبان میں "غریب" کے معنی مسافر کے ہیں جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو، کوئی اجنبی مسافر جب کسی ملک میں جاتا ہے تو لوگ اس کو تعجب سے دیکھتے ہیں نہ اس کا کوئی ہمدرد ہوتا ہے، نہ غمگسار، نہ کوئی پرسان حال،

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا وسیعود ج: ۱ ص: ۸٤، ط: قدیمی

تاریخ اسلام میں ابتدائی دور کے حالات و واقعات تو پڑھے ہوں گے، حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سمیہ، حضرت ابوفکیہہ، حضرت خباب بن الارت وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دردناک داستانیں تو زبان زد خلائق ہیں، آپ نے کبھی سنی یا پڑھی ہوں گی یہ ہے غریب الدیار اسلام کا دور غربت۔ اگر غور فرمائیں تو زیادہ تر عقیدے کا دور تھا تمدن ومعیشت کا نہ تھا، پوشاک وخوراک کا نہ تھا، رنگ وصورت کا نہ تھا، صرف ایک عقیدۂ توحید کا دور تھا اور اسی کی دعوت پر کہا جاتا تھا:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص:٥]

بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

مسلمان مملکتوں میں اسلام کی غربت

حق تعالیٰ کی توحید اور ذات وصفات وکمالات میں یکتائی کا عقیدہ مسلمانوں کا خصوصی وصف تھا اسی وجہ سے دین اسلام کو ایک غریب الدیار مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن آیئے اور اسلام کی آج کی غربت پر نظر ڈالئے، اس وقت تمام تر اسلام کا مدار صرف زبان پر ہے زبان سے بے شک اسلام اور مسلمان کا نام لیا جاتا ہے لیکن نہ عقیدہ اسلام کا، نہ عمل مسلمانوں کا، نہ صورت مسلمانوں کی، نہ سیرت اسلام کی، نام ''اسلامی مملکت'' اور ''المملکۃ الاسلامیۃ'' اور قانون ہے رومن لاء یا کمیونزم یا سوشلزم، نام ہے اسلام کا عمل ہے نیشنلزم کا، شراب خانے آباد ہیں، جوئے اور قمار کے اڈے عروج پر ہیں، رقص وسرود کی محفلیں گرم ہیں، مرد وزن کے روح فرسا نیم عریاں مناظر قدم قدم پر سامنے ہیں، شراب خانوں کے اشتہارات ہیں، سینما اور تھیٹروں کے اشتہارات ہیں، اخبارات، دیواریں بورڈ ان اشتہارات سے پٹے پڑے ہیں، سگریٹ یا سگار منہ میں ہے، ننگا سر ہے یا سر پر ہیٹ لگا ہے، گردن میں ٹائی بندھی ہے، درحقیقت عیسائیت کا امتیازی نشان اور صلیب کی علامت ہے۔ ہیں کون؟ مسلمان! نت نئی دعوتوں کے نام ہیں، لنچ اور ڈنر ہیں، کھڑے کھڑے اچھلتے کودتے کھا رہے ہیں، عجیب عجیب انداز سے بولیاں بول رہے اور قہقہے لگا رہے ہیں، سر سے پیر تک، صورت سے سیرت تک، صاحب بہادر بنے ہوئے، غرض کیا کیا ادائیں آج کے مسلمانوں کی شمار کی جائیں۔

اور سب سے زیادہ روح فرسا طرز عمل یہ ہے کہ تھیٹروں کے اسٹیج پر فلموں کے دوش بدوش میلاد النبی کے جلسے ہیں اور حج وزیارت کی فلمیں ہیں، غزوۂ بدر کے ڈرامے ہیں تھوڑی بہت جو کسر باقی تھی وہ ٹیلیویژن نے پوری کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کے ساتھ شر انگیز اور مضحکہ خیز صورت حال

اور ان سب سے جانکاہ صورت یہ ہے کہ اسلام اور دین اسلام کے ساتھ یہ مضحکہ خیز اور شر انگیز حرکات

عین اسلام اور خدمت اسلام ہیں، عبادت وطاعت سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے، اس پرفریب صورت حال نے اوران شیطانی وطاغوتی کارناموں نے پردہ پوش عورتوں کو، شریف زادیوں کو، پابند شرم وحیا لڑکیوں کو بھی زاویہ عفت وعصمت سے نکال کر فسق وفجور کے ان حیا سوز مرکزوں میں پہنچادیا، "فیاغربة الا سلام" قران وحدیث اور فقہ اسلامی کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، ہر کافرانہ عقیدے کے اظہار اور اشاعت کی آزادی ہے، جو جس کو چاہے کافر بنا دے، مرتد بنادے، کوئی پرسان حال نہیں، محاسبہ نہیں، کوئی جرم نہیں، سادہ لوح مسلمان اور عیسائی مشنریاں، بھیڑوں میں بھیڑیوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے کہ جو چاہے کریں نہ اسلامی حمیت ہے نہ اسلامی غیرت ہے۔

سب سے بڑی صدمے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہورہا ہے۔ آہ! دین اسلام سر سے پیر تک غریب ہی غریب ہے، کسمپرسی کی حالت میں کراہ رہا ہے نہ کوئی تیماردار ہے نہ کوئی غم خوار۔

اگر آج کوئی صحابی زندہ ہوجائے اور ہمارے اسلامی ملکوں کا یہ نقشہ دیکھے کیا وہ باور کر سکے گا کہ یہ اسلامی مملکت ہے اور یہ اس کے مسلمان باشندے ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے:

"والذی لا اله الا هو، ما أذكر ما غبر من الدنيا الا كالثغب شرب صفوة وبقی كدرة". (۱)

خدا کی قسم! میں کیا کہوں کہ دنیا کیا رہ گئی ہے، اس کی مثال اس حوض کی ہے جس کا نتھرا اور صاف پانی تو پی لیا گیا ہو اور گدلا و گندا پانی باقی رہ گیا ہو۔

یہ خلافت راشدہ کا دور ہے، اس زمانہ کی بات فرمارہے ہیں حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت سے پہلے وفات پاچکے ہیں اگر آج کے دور کو دیکھیں تو آپ ہی سوچیے کیا کہیں گے؟ حضرت ابن عمرؓ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے تشریف لے گئے اذان کے بعد مؤذن نے اتفاق سے دوبارہ نماز کا اعلان کردیا چونکہ حدیث میں اذان کے بعد دوبارہ نماز کا اعلان ثابت نہیں، ناراض ہوکر فوراً مسجد سے نکلے اور اپنے ساتھی مجاہدؒ سے فرمایا:

" اخرج بنا من عند هذا المبتدع"(۲)

چلو اس بدعتی کے یہاں سے نکلو۔

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الجهاد، باب عزم الامام على الناس فيما يطيقون ج: ۱ ص: ۴۱۶، ط: قديمی

(۲) سنن الترمذی، ابواب الصلوة، باب ماجاء فی التثويب فی الفجر ج: ۱ ص: ۲۸، ط: فاروقی کتب خانه ملتان

آج کوئی صحابی ان ممالک اسلامیہ میں آنکلیں وہ اسلام کا نقشہ دیکھ کر کیا فیصلہ فرمائیں گے؟

عملی اسلام کی حفاظت کے لئے خوش نصیب افراد کا وجود

اسی سلسلہ میں حضرت امام حسن بصریؒ کا ایک مقولہ بینات کے کسی شمارے میں گزر چکا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ جل وعلیٰ کا آخری پیغام جس طرح قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ جل جلالہ کی حجت تمام مخلوقات پر پوری ہورہی ہے اور اسلام کی علمی سرمایہ کی حفاظت کی گئی ہے ٹھیک اسی طرح سے عملی اسلام کے خدوخال بھی آج محفوظ ہیں اور ہر دور میں حق تعالیٰ امت محمدیہ کی ایک جماعت کو حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہتا ہے تاکہ عملی نقشہ بھی سامنے رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں بروایت حضرت امیر معاویہؓ صاف اعلان فرمایا گیا ہے:

" لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم ، من خذلهم ، حتى ياتي امر الله وهم على ذلك اوكما قال".(۱)

یعنی قیامت تک ایک جماعت ہمیشہ حق پر عمل کرنے والی موجود رہے گی، مخالفین ودشمنان اسلام کی تدبیروں سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا۔

بہرحال یہ جو کچھ بھی ہے صرف شخصی اسلامی زندگی کا نقشہ ہے، افرادِ امت میں ہمیشہ ایسے ملیں گے، لیکن جہاں تک تعلق پورے معاشرے اور مسلمان حکومتوں کا ہے افسوس! کہ ان میں تمام اسلامی آثار ونشانات مٹتے جارہے ہیں، مراکش والجزائر وتیونس سے لے کر انڈونیشیا تک تمام ممالک اسلامیہ میں اسلام کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی ہے۔ صحیح قانون اسلام ہر حکومت میں تقریباً ختم ہے، دو ملک البتہ ایسے ہیں جہاں کچھ کچھ آثار باقی ہیں، مملکت عربیہ سعودیہ اور مملکت افغانستان اور کسی قدر مملکت لیبیا، لیکن معاشرے کا حلیہ ان ممالک میں بھی بگڑتا جارہا ہے، اس مغربی تمدن وتہذیب کا پنجہ اتنا شدید ہے کہ کوئی مملکت بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔

خیر ہمیں تو اپنے وطن اور اپنی مملکت کی فکر ہونی چاہیے، انتہائی افسوس ہے کہ جو توقعات تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں اور دشمنان اسلام کی تدبیریں پورے طور پر کارگر ہوگئیں، صدمہ صرف اس کا ہے کہ یہ تمام تخریب اسلام کے نام پر کی جارہی ہے۔

حکومتوں کی اصلاح کے لئے صحیح راستہ

تجربہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ حکومتوں کی اصلاح کے سیاسی راستے بیکار ہیں، انتخابات میں حصہ، جلسے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین ج:۱ ص:۱۶، ایضاً کتاب الجہاد، باب قول اللہ فان للہ خمسہ وللرسول ج:۱ ص۴۳۹، ط: قدیمی

جلوس، مظاہرے، پروپیگنڈے، اخبارات کے ذریعہ اصلاح کی توقع، یہ حربے بے اثر اور بے نتیجہ ہیں، ان کے اثرات اگر ہوتے بھی ہیں تو دیرپا نہیں ہوتے سطحی اور وقتی ہوتے ہیں، چند افراد اگر اسمبلی میں شدید جدوجہد کے بعد پہنچ بھی گئے تو نقارہ خانے میں طوطی کی آواز سے ان کی حیثیت زیادہ نہیں ہوتی بارہا یہ تجربہ ہو چکا ہے:

من جزب المجرب حلّت به الندامة

یعنی تجربہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہ کرنا ندامت کا باعث ہے۔

اب تو تمامتر مرکز توجہ عوام کی انفرادی اصلاح ہونی چاہیئے، اس کے بعد معاشرے کی اصلاح پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اگر عوام کی اصلاح ہوجاتی ہے تو ظاہر ہے کہ انہی میں سے ارباب اقتدار آئیں گے، انہی میں سے ارکان اسمبلی ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اگر جمہور امت کے رجحانات صحیح ہوں گے تو اقتدار کے خواہاں اور کرسی کے خواہش مند مجبور ہوں گے کہ وہ ایسے طریقے اور لائحہ عمل اختیار کریں جس پر عوام سے خراج تحسین مل سکے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اسلام کے علمبرداروں کی پوری جدوجہد افراد اور معاشرے کی اصلاح کے رخ پر ہونی چاہیے، بلاشبہ راستہ طویل ہے وقت زیادہ لگے گا لیکن اگر کوئی امید اصلاح کی ہوسکتی ہے تو اسی صورت میں:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند

اب ضرورت اس کی ہے کہ پرسکون طریقے پر دعوت الی اللہ کا پیغام ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا جائے اور بازاروں، دکانوں، دفتروں سے لے کر اسکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں تک اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ]

حدیث "النکاح من سنتی" کی تحقیق

"کراچی کے ایک اہل حدیث عالم کا جنہیں مولانا بنوریؒ سے مخلصانہ تعلق ہے، خیال ہے کہ خطبہ نکاح میں جو حدیث "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی" پڑھی جاتی ہے نہ یہ حدیث صحیح ہے، نہ اس کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے اس کا پڑھنا بدعت ہے، ان کے استفسار پر مولانا مدظلہ نے جو تحقیق فرمائی ہے وہ اہل علم کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے"

بخدمت گرامی حضرت مولانا .... صاحب، زیدت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دونامے مسلسل پہنچے، میں انتہائی مشغول تھا اور ہوں اس لئے جواب میں تاخیر وتقصیر ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، اب اختصار کے ساتھ جواب عرض کرتا ہوں:

سوال: "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی" یہ حدیث باسناد صحیح کہاں مروی ہے؟ (خلاصہ)

جواب: یہ ایک حدیث نہیں بلکہ دو حدیثیں ہیں: "**النکاح من سنتی**" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے(۱)، اس کی اسناد اگرچہ متکلم فیہ ہے مگر شواہد کثرت سے موجود ہیں(۲)، بنابریں اگرچہ اس کی مخصوص اسناد صحیح نہیں لیکن معنی بالکل صحیح ہیں اور شواہد صحیحہ کی بنا پر یہ حدیث بسند مخصوص "صحیح لغیرہ" کے حکم میں ہوگی۔

"فمن رغب عن سنتی فلیس منی" یہ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً صحیح بخاری شریف میں موجود ہے(۳)، ظاہر ہے کہ اس کی صحت میں کلام نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی "التلخیص الحبیر" میں اس پر تنبیہ کی ہے اور اسی طرح ذکر کیا ہے۔ نیز کسی حدیث کے حدیث ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صحیح اصطلاحی ہو، حسن بھی حدیث ہے، ضعیف بھی حدیث ہے اور ہر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوتی بھی نہیں، نہ کبھی علماء وفقہاء اور محدثین نے اسے شرط قرار دیا ہے بلکہ بسا اوقات حسن وغیرہ سے بھی تمام محدثین امت استدلال کرتے چلے آرہے ہیں(۴)۔

بہرحال جب یہ دو حدیثیں ہوئیں تو پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ شروع میں "قال رسول اللہ

---

(۱) باب ماجاء فی فضل النکاح (ص:۱۳٤) حدثنا احمد بن الا زھر ثنا آدم ثنا عیسی بن میمون عن القاسم عن عائشہ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی. الحدیث.

(۲) فمنھا: قولہ تعالی: ﴿ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ﴾[الرعد:۳۸]

ومنھا: حدیث ثلاثۃ رھط جاء والی بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئلون عن عبادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما اخبروا کانھم تقالوھا (رواہ الشیخان وغیرھما من حدیث انس)

ومنھا: حدیث ابی ایوب: اربع من سنن المرسلین: الحیاء والتعطر والسواک والنکاح (رواہ الترمذی)

ومنھا: حدیث عبید بن سعد یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من احب فطرتی فلیستن بسنتی ومن سنتی النکاح. (رواہ ابو یعلی ورجالہ ثقات ان کان عبید بن سعد صحابیا والا فھو مرسل قالہ الھیثمی (ج:٤ ص:۲۵۲) وما الی ذلک من الاحادیث والآثار.

(۳) رواہ البخاری عنہ فی النکاح (ج:۲ص:۷۵۷)

(۴) حدیث حسن بالاتفاق حجت ہے اسی لئے حسن کو کبھی محدثین نے مانا اور جہاں صحیح اصطلاحی کا مقابل ہے تو یہ فرق لفظی ہے، البتہ حدیث ضعیف حلال وحرام میں حجت نہیں اور فضائل کے باب میں تمام ائمہ کے ہاں اس پر عمل جائز ہے جب کہ تین شرطیں اس میں پائی جائیں: (۱) شدید نوعیت نہ رکھتی ہو بلکہ اس کا ضعف قابل تحمل ہو (۲) قواعد شرعیہ سنت ثابتہ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو (۳) اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی حیثیت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔ واللہ اعلم۔

صلى الله عليه وسلم" کہہ کر حدیث "النکاح من سنتی" پڑھی جائے پھر دوبارہ "وقال رسول الله صلى الله عليه و سلم" کہہ کر دوسری حدیث "فمن رغب عن سنتي فليس مني" کو پڑھا جائے اور میں ہمیشہ اسی طرح ہی پڑھتا ہوں یہ سب کچھ یاد سے لکھ رہا ہوں اس لئے ابن ماجہ، صحیح البخاری اور "التخليص الحبير" کا صفحہ نمبر نہیں لکھا اگر ضرورت ہوئی لکھ دیا جائے گا۔

سوال: اس کا ثبوت دیا جائے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خطبہ میں پڑھی تھی؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا ضروری نہیں حدیث ہونا کافی ہے، خطبہ حاجت وخطبہ نکاح جو ترمذی وغیرہ کی احادیث میں آیا ہے اس کا مطلب اتنا ہے کہ حمد وشہادتین سے خطبہ شروع ہونا چاہیئے، آیت تقوی والی حدیث جامع ترمذی کی اسناد محدثین کے اصول پر صحیح نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ حسن کا درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ وہ روایت "ابو عبيدة عن عبد الله بن مسعود" کی سند سے مروی ہے اور ابوعبیدہ کا سماع عبداللہ سے ثابت نہیں اس لئے محدثین کے نزدیک منقطع ہے اور منقطع حدیث صحیح نہیں ہوتی بلکہ ضعیف ہوتی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن مسعود کی جو حدیث روایت کی ہے اس میں آیت تقوی کا ذکر نہیں (١)، اس لئے بھی محل نظر ہو گیا اگر مثبت کو ترجیح دی جائے تب بھی اتنا ثبوت تو مل گیا ہے کہ خطبہ نکاح میں اگر یہی مضمون ضروری ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا التزام فرماتے حالانکہ ابودرداء کی روایت میں حمد وثنا شہادتین کے الفاظ بھی اور ہیں، نیز حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہما کے عقد نکاح کا خطبہ مرفوعاً ثابت ہے وہ بالکل اور خطبہ ہے (٢)، ان تمام شواہد سے معلوم ہوا کہ خطبہ نکاح میں صرف آیات واحادیث کا ذکر ضروری یا مندوب ہے کوئی خاص قسم کے الفاظ مطلوب نہیں اور تمام امت کے نزدیک حکم ہے کہ نفس خطبہ نکاح بھی مندوب اور مستحب ہے واجب نہیں۔ (٣)

اس لئے ان ماثورہ خطبوں میں سے کوئی بھی ہو اس کا التزام مستحب تو ہے مگر واجب یا سنت مؤکدہ نہیں، پھر جب حمد وثناء شہادتین اور آیات تقوی پڑھ لی گئیں تو اصل سنت ادا ہو گئی اس کے بعد مزید ترغیب وتذکیر کی نیت سے احادیث ماثورہ کا پڑھنا مجتہدانہ ذوق کے پیش نظر عین منشاء حدیث ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف خطبات پڑھنا اور فرمانا اس کی دلیل ہے کہ خطبۂ نکاح میں اصل مقصود حمد وثنا شہادتین اور نکاح سے متعلقہ آیات واحادیث کا ذکر ہے۔ پھر جب اصلی سنت ادا ہو گئی اور مسنون اور مستحب درجہ پورا ہو گیا تو اس پر آیات

---

(١) قال الحافظ فى التلخيص الحبير (ج:٣ص:١٥٢) وقد رواه الحاكم من طريق آخر عن قتادة عن عبد ربه عن ابى عياض عن ابن مسعود، وليس فيه الآيات، وذكره الشوكانى فى "النيل".

(٢) اس خطبہ کا پورا متن علامہ قسطلانی نے "مواہب لدنیہ" میں نقل کیا ہے۔

(٣) اخرج ابوداؤد عن رجل من بنى سليم قال خطبت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم امامة بنت عبد المطلب فانكحنى من غير ان يتشهد.

واحادیث تذکیر کے اضافہ کو خلاف سنت کہنا بہت بے انصافی ہے یہ سطحی قسم کا غیر مفتیانہ ذوق ہے۔ اور اگر بالفرض خطبۂ نکاح میں الفاظ ماثورہ پر اقتصار ہی کو مستحب تسلیم کر لیا جائے تب بھی آیات واحادیث مناسبہ کے اضافہ کو زیادہ سے زیادہ ترک مستحب کا درجہ دیا جا سکے گا اب اگر کوئی مستحب کو کرتا ہے تو ترک مستحب پر اعتراض دے کر کرنا بالخصوص جب کہ وہ فتنہ کا باعث ہو کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اور کسی مستحب کے ترک پر اعتراض کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعتراض کنندہ اس مستحب کو واجب سمجھتا ہے اور جس مستحب کو واجب سمجھ لیا گیا خود اس کا ترک از روئے حدیث واجب ہے، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف خطبے قولاً وعملاً ثابت ہیں اور قدر مشترک حمد وثنا، وشہادتین اور متعلقات نکاح کا ذکر کرنا ہے اور بس۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ - جولائی ۱۹۷۰ء]

عدل وانصاف کی اہمیت

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان سات اشخاص کا ذکر آیا ہے جو قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے ان میں سرفہرست امام عادل کا نام آتا ہے:

> ”عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال“سبعة یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ ۔ امام عادل وشاب نشاء فی عبادة اللہ و رجل معلق قبلہ فی المساجد و رجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ و تفرقا علیہ و رجل دعتہ امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ و رجل تصدق بصدقةٍ فا خفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ ورجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ“.(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (عرش) کے سائے میں جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، عادل بادشاہ، وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پلا بڑھا ہو، وہ آدمی جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا رہتا ہے، ایسے دو آدمی جن کی محبت محض اللہ کی خاطر تھی اسی کے لئے جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، وہ آدمی جس کو کسی صاحب حسب و جمال عورت نے دعوت دی تو اس نے کہا مجھے خدا کا خوف ہے، وہ آدمی جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے

( ) صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوة و فضل المساجد ج:۱ ص:۹۱، ایضًا کتاب الزکوة، باب الصدقة بالیمین ج:۱ ص:۱۹۱، ط: قدیمی

بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی، اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو آنکھیں ابل پڑیں۔

عدل درحقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظیم الشان صفت ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿"شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [آل عمران:۱۸]

اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، وہی حاکم انصاف کا ہے کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا۔

حق تعالیٰ شانہٗ خود عادل ہے اس کا نازل کردہ قانون (شریعت محمدیہ) سراپا عدل ہے، اس لئے بے شمار آیتوں میں بندوں کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں ایسی باریکیوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ عقل حیران ہے۔

قرابت کے موقعہ پر بڑے سے بڑے انصاف پرور کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ جنبہ داری کی خاطر عدل وانصاف کا دامن چھوڑ دیتا ہے مگر فرزندان اسلام سے ایسی نازک صورت حال میں بھی عدل وانصاف قائم رکھنے کا عہد لیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ [النساء:۱۳۵]

اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیرخواہ تم سے زیادہ ہے، سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی، انصاف کرنے میں۔

اسی طرح جب کسی سے بغض وعداوت ہو تو عدل وانصاف کے تقاضے عموماً بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں اور اپنے حریف کو نیچا دکھانے کے لئے آدمی ہر جائز وناجائز حربہ تلاش کرتا ہے، لیکن احکم الحاکمین کی جانب سے مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی عدل وانصاف کا ترازو ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ ہر حال میں عدل وانصاف کو قائم رکھیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدة:۸]

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ کو خوب خبر ہے

جو تم کرتے ہو۔

نظام عالم اور عدل وانصاف

دراصل کائنات کا نظام ہی عدل وانصاف سے وابستہ ہے، نظام عالم کے لئے عدل وانصاف سے بڑھ کر اور کوئی چیز ضروری نہیں، بلاشبہ حاکم عادل کا وجود اس عالم کے لئے سایہ رحمت الٰہی اور کسی عدل کش حاکم کا تسلط عذاب الٰہی ہے جو بندوں کی نافرمانیوں کی پاداش میں ان پر نازل کیا جاتا ہے:

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

کسی زمانے میں مطلق العنان بادشاہ کو "من لمن الملك" بجاتے تھے اور آئین وقانون ان کے اشاروں پر رقص کرتا تھا لیکن دور جدید نے ملوکیت کو جمہوریت میں بدل ڈالا، آئین ودستور وضع کئے گئے، بادشاہت کی جگہ کہیں صدارتی نظام رائج ہوا اور کہیں وزراتی نظام نافذ کیا گیا، گویا دور قدیم کے شہنشاہ کا منصب دور جدید کے صدر مملکت یا وزیر اعظم کو تفویض ہوا، فرق یہ پڑا کہ دور قدیم میں بادشاہ اوپر سے آتے تھے اور دور جدید میں نیچے سے جاتے ہیں، لیکن عدل وانصاف محض ملوکیت یا آج کی جمہوریت کا نام نہیں بلکہ اس کا مدار خداترس اور عدل پرور ارباب اقتدار پر ہے۔ حاکم اعلیٰ عدل وانصاف کے جوہر سے مالا مال ہو تو ملوکیت بھی رحمت ہے، یہ نہ ہو تو جمہوریت بھی چنگیزی کا روپ دھار لیتی ہے، جس طرح مملکت کی آبادی وشادابی عدل وانصاف سے وابستہ ہے اسی طرح اشخاص کی بقاء وفلاح عدل وانصاف کی رہین منت ہے۔

قوموں اور ملکوں کی تباہی کے اسباب

کسی مملکت کی تباہی وبربادی کے عوامل جائزہ لیجئے تو دو بنیادی چیزیں سامنے آئیں گی، قوم کا فسق وفجور اور حکمرانوں کا ظلم وعدوان، جب کوئی قوم خدافراموشی کی روش اختیار کرتی ہے، الٰہی قوانین سے سرکشی کرتی ہے اور فسق ومعصیت کے نشہ میں بدمست ہوکر حلال وحرام اور جائز وناجائز کے حدود علانیہ توڑنے لگتی ہے تو ان پر جفا کیش اور جابر وظالم حاکم مسلط کردیئے جاتے ہیں، قرآن کریم میں کسی قوم کی تباہی وبربادی کے بارے میں ایک قانون عام بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل:١٦]

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے، پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کرڈالتے ہیں۔

قوم کا فسق وفجور اور ملوک وسلاطین کا ظلم ہی سب سے پہلے اس عالم کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بنتا ہے،

ظلم واستبداد کی چکی میں پہلے سرکش قوم پستی ہے بالآخر یہی چکی ظالم وجابر کو بھی پیس ڈالتی ہے، اہل دانش کا قول ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت رہ سکتی ہے مگر ظلم واستبداد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

درحقیقت کائنات کا حقیقی تصرف واقتدار اللہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو چندے مہلت دیتا ہے لیکن جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم حکمران زیادہ دیر تک مسند اقتدار پر نہیں رہ سکتا بلکہ دوسروں کے لئے درس عبرت بن کر بہت جلد رخصت ہوجاتا ہے، تاریک دور کے فرعون وہامان اور شداد ونمرود کو جانے دو، ماضی قریب میں اسٹالن، ہٹلر اور مسولینی وغیرہ کا عبرت ناک حشر کس نے نہیں دیکھا اور برطانیہ کا حشر بھی سب کے سامنے ہے، وہ ظالم جس کی بادشاہی میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا آج سمٹ سمٹا کر ایک چھوٹے سے جزیرے میں پناہ گزین ہے، خود ہماری مملکت خداداد پاکستان کی چھوٹی سی عمر میں جابر حکمرانوں کی بے بسی کے عبرتناک مظاہر سامنے آتے رہے ہیں، کیا سکندر مرزا، غلام محمد، ایوب خاں اور یحییٰ خاں کے قصوں کو دنیا بھول جائے گی۔

حکومت کی بقاء کے لئے عدل وانصاف ضروری ہے

بہر حال بقائے مملکت اور بقائے حکومت کے لئے بے حد ضروری ہے کہ ارباب اقتدار عدل وانصاف کو قائم کریں اور قوم فسق ومعصیت کا راستہ ترک کر کے انابت اور رجوع الی اللہ کا راستہ اختیار کرے، دنیا کی تاریخ بالعموم اور اسلامی تاریخ بالخصوص اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم کو من حیث القوم نا ؤنوش، فسق وفجور اور فحاشی وبدکاری کبھی راس نہیں آئی اور اس کا انجام ہمیشہ ہولناک ہوا، پاکستان کی پاک سرزمین جو حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں عدل وانصاف کا دور دورہ ہوتا، پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا، تقویٰ وطہارت کی فضا قائم ہوتی، راعی اور رعایا اسلام کا سچا نمونہ پیش کرتے اور یہ مملکت خداداد دورِ جدید میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی علمبردار ہوتی لیکن افسوس صد افسوس کہ:

''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم''

یہاں نہ صرف یہ کہ دورِ غلامی کے تمام آثارِ کفر کو جوں کا توں باقی رہنے دیا گیا بلکہ آزادی کے بعد یہ فرض کرلیا گیا کہ ہم خدا اور رسول سے بھی آزاد ہیں، سود، قمار اور دیگر صریح محرمات کو حلال کرنے کی کوشش کی گئی، فواحش ومنکرات کی ترویج کی گئی، سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن کو بے حیائی کا منبع بنادیا گیا، رہی سہی کسر اخبارات نے پوری کردی، شعائرِ دین کا مذاق اڑایا گیا، اسلامی قوانین کو مسخ کیا گیا، دین کے قزاقوں کو کھیلنے کا موقع دیا گیا، بے خدا قوموں کی تقلید میں آزادیٔ نسواں کا پرچار کیا گیا، اسلام کے مقابلہ میں نئے نئے ازموں کے نعرے لگائے گئے اور اب تو خدا فراموشی کی حالت ایسی ناگفتہ بہ صورت اختیار کرچکی کہ اس کے انجام کا تصور کر کے بھی رونگٹے کھڑے

ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک فطری اصول ہے کہ جرم انفرادی ہو تو اس کی سزا بھی افراد تک محدود رہتی ہے اور جب قوم کی قوم ہی جرم و بغاوت کا راستہ اختیار کرے تو اس کی سزا بھی عام ہوتی ہے، یہ سزا ہمیں ایک بار سقوط مشرق کی صورت میں مل چکی اور ابھی یہ زخم مندمل نہیں ہو پایا تھا کہ سزا کی دوسری قسط کے خطرات سر پر منڈلانے لگے۔

مسلمان قوم سے اسلام کی روح نکلنے کا نتیجہ

جس طرح روح نکل جانے کے بعد لاشہ بے جان اپنے وجود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا، بلکہ اس کے اعضاء میں انحلال وانفصال کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر سڑ گل کر منتشر ہو جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح مسلمان قوم سے اسلام کی روح نکل جائے تو نتیجہ انحلال وانتشار کے سوا کیا ہو سکتا ہے، شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح امریکہ، روس اور ہندوستان کی سازش سے ہم اپنے ملک کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہو بیٹھے ہیں اسی طرح خاکم بدہن مزید تباہی و بربادی سے دو چار نہ ہوئیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عقلوں پر کیسے پردے آ جاتے ہیں اور ان حقائق سے کیوں عبرت نہیں لی جاتی، ایک طرف پورا ملک بے چینی و بے قراری کا شکار ہے، بیم و یاس کی کیفیت طاری ہے، ہوشربا گرانی سے کمر ٹوٹ رہی ہے، خیر و برکت اٹھ چکی ہے، یہی خطۂ زمین جو دوسرے علاقوں کو غلہ فراہم کرتا تھ خود دانے دانے کے لئے دریوزہ گر ہے، ہر چیز کا قحط ہے، باہمی الفت ومحبت اور اتحاد واعتماد نصیب دشمناں ہے، رشوت، لالچ، چور بازاری، سٹہ بازی جیسے امراض دق کی طرح چمٹے ہوئے ہیں، چوری اور ڈاکے کی وارداتیں روز مرہ کا معمول بن چکی ہیں، کیا یہ سب عذاب الٰہی کی شکلیں نہیں؟ صد حیف کہ ان تنبیہات سے سبق نہیں لیا جاتا بلکہ فواحش ومنکرات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، کلبوں اور ناچ گھروں میں عریانی بے حیائی کے دردناک مظاہر ہیں، ظلم و بربریت کی آخری حدوں کو چھویا جا رہا ہے، غفلت و خدا فراموشی کا نشہ دن بدن تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے، آخر حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی کب تک برداشت کی جائے گی؟ اور انتقام الٰہی کی بے آواز لاٹھی کب تک تھمی رہے گی؟ گذشتہ بے خدا قوموں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [الفجر: ١١تا١٤]

یہ سب وہ تھے جنہوں نے زمین میں سرکشی کی، پس اس میں بہت اودھم مچایا، پھر برسایا ان پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا، بلاشبہ تیرا رب گھات میں ہے۔

ان تمام دردناک صورت حال سے نجات حاصل کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے کہ راعی اور رعایا بارگاہِ ربوبیت میں توبہ وانابت اختیار کریں، اجتماعی معاصی سے یکسر پرہیز کریں اور گذشتہ گناہوں پر بارگاہ رحمت

میں توبہ واستغفار کریں، اسلامی شعائر کو بلند کریں اور غیر اسلامی نشانات کو پامال کریں، سورۂ نوح میں اس قسم کے معاصی کی کثرت سے قحط وتنگ سالی جیسے عذاب کا نازل ہونا اور اس کا علاج توبہ واستغفار بتایا گیا ہے:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾

[نوح: ١٠ تا ١٢]

(نوح علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ قوم سے خطاب کرتے ہوئے) میں نے کہا: گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بے شک وہ ہے بخشنے والا، چھوڑ دے گا تم پر آسمان کی دھاریں اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے گا تمہارے واسطے باغ اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔

مقصد یہ کہ توبہ وانابت کی برکت سے نہ صرف آخرت کی کامیابی وکامرانی نصیب ہوگی بلکہ دنیا کے عیش وآرام کی صورتیں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے مہیا فرمادیں گے، دلوں کو سکون واطمینان نصیب ہوگا، اموال میں خیر وبرکت ہوگی، اولاد صالح اور خدمت گار ہوگی، آسمان سے ابرِ رحمت کا نزول ہوگا، پھلوں اور غلوں کی کثرت اور بہتات ہوگی، فرصت کے لمحات بہت مختصر ہیں اور فیصلے کی گھڑی سر پر آئی کھڑی ہے، اس لئے ہمیں موجودہ حالات کا صحیح علاج فوراً کرلینا چاہیے ورنہ ہماری ظاہری اور سطحی تدبیریں سب ناکام ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائے، ہماری قوم کو فسق وفجور اور حکمرانوں کو ظلم وعدوان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا محمدٍ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ الی یوم الدین

[ربیع الاول ١٣٩٥ھ - اپریل ١٩٧٥ء]

دنیا وآخرت

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی یہ تقریر اسلامیہ کالج پشاور کی جامع مسجد میں ١٣٨٧ھ میں ہوئی تھی، جسے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کرلیا گیا تھا، چونکہ سفر حج کی وجہ سے حضرت مولانا رحمہ اللہ محرم ١٣٨٨ھ کے لئے بصائر وعبر نہیں لکھ سکے تھے، لہٰذا بصائر وعبر کی جگہ تقریر کو چار اقساط میں پیش کیا گیا، ہم مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہ (صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور) کے ممنون ہیں کہ یہ تقریر ان ہی کی دعوت پر ہوئی اور ان کے ہی اہتمام سے ضبط کی گئی۔

خطبہ مسنونہ۔ امابعد:

فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَاالْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی
الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرَاہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ
یَکُوْنُ حُطاماً وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌوَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللہِ وَرِضْوَان وَّ مَا
الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا
کَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الحدید:۲۱،۲۰]

محترم بھائیو اور عزیز طلباء! حسن اتفاق سے آج میرے محترم اور مخلص مولانا محمد اشرف صاحب کی دعوت پر مجھے یہاں حاضری کا موقعہ ملا، زندگی میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس پاکیزہ مسجد میں آپ سے تخاطب کا شرف حاصل کر رہا ہوں، میں اس سرزمین سے آوارہ وبے وطن ہو کر یہاں سے بہت دور چلا گیا ہوں اس لئے مجھے صدمہ ہے کہ یہاں کے عزیز بھائیوں کی خدمت کا مجھے موقعہ نہیں ملتا، نہ ان کے دینی عواطف بھڑکانے کا، نہ اپنے جذبات وعواطف پیش کرنے کا، نہ ان سے درد دل سننے کا، نہ اپنی بات سنانے کا، نہ انہیں تڑپانے کا نہ اپنی تڑپ کے اظہار کا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اپنے وطن میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے چند لمحے آج میسر آئے، اس لئے مجھے ممنون ہونا چاہیے اپنے محترم مولانا محمد اشرف صاحب کا جنہوں نے مجھے یہ موقعہ دیا کہ میں آپ کو اپنے دردِ دل کی کہانی سناؤں اور آپ کو بھی اپنے غم میں شریک کرسکوں۔

نبی کسے کہتے ہیں؟

عزیز بھائیو! انسان کی زندگی ایک مقصد سے وابستہ ہے اگر وہ مقصد پیش نظر رہے تو کامیابی ہی کامیابی ہے، ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہم منزل مقصود کو پہچانیں اور صحیح رہنمائی میں وہاں تک پہنچنے کی امکانی کوشش کریں، پہنچنا یا نہ پہنچنا ہمارا کام نہیں بلکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اگر ہم زندگی میں منزلِ مقصود تک پہنچنے میں بظاہر ناکام بھی رہے ہوں تب بھی انشاء اللہ کامیاب ہیں، دیکھئے دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم وبیش) پیغمبر تشریف لائے (یہاں درمیان میں اتنا عرض کردوں کہ) جسے ہم پیغمبر کہتے ہیں اس کی حقیقت پہچان ہی نہیں سکتے نہ پیغمبر، مصلح، ریفارمر جیسے کسی لفظ سے اس حقیقت کو ادا کیا جاسکتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی بلندی اور حقیقت نبوت کی طرف راہنمائی سے ہمارے الفاظ قاصر اور ناتمام ہیں، ہماری کسی زبان میں خواہ انگریزی ہو یا اردو، پشتو ہو یا فارسی، کوئی لفظ نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے جو ''نبی ورسول'' اور نبوت ورسالت کے مفہوم کو ٹھیک ٹھیک ادا کردے،

تفصیلات سے قطع نظر میں یہاں اس کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں۔

لغت عرب میں نبی کے معنی ہیں نباء (خبر) دینے والی شخصیت، لیکن شریعت نے جس ذات کی لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ رب العالمین جل ذکرہٗ نے ازل سے اس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنانے کے لئے منتخب فرمایا ہو، قدرت اس کی پرورش کررہی ہو، **"ولتصنع علی عینی"** اس کو ہر طرح معصوم بنایا گیا ہو، وہ نفس وشیطان کے تمام غوائل سے محفوظ ہو، اس کا امکان نہیں کہ وہ عقل وشہوت کی خواہش میں گمراہ ہو سکے، اس کا کوئی امکان نہیں کہ نفس وشیطان کے وساوس سے منزل مقصود اس سے محجوب ہو سکے، ایک ایسی ہستی جسے رب العالمین اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطہ ہدایت بناتا ہے اسے اپنا نمائندہ منتخب کرتا ہے، اسے معصوم الفطرت، معصوم العقل اور معصوم النفس پیدا کرتا ہے، اس کے بعد وہ غیب کی خبر دیتا ہے جسے ''وحی'' کہا جاتا ہے اور محققین اہل لغت لکھتے ہیں کہ ''نباء'' کے معنی ایسی خبر کے ہیں جو غیب سے ہو اور اس میں عظیم فائدہ ہو، اب نبی کے معنی ہوئے وہ معصوم ہستی جس کا قدرت نے ازل ہی سے انتخاب فرمایا وہ کسب سے نہیں بنا، تعلیم سے نہیں بنا، محنت سے نہیں بنا، جدوجہد سے نہیں بنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی وہبی رحمت شامل حال ہوئی، اسی نے اس کا انتخاب کیا، اسی کی قدرت نے اس کی تربیت فرمائی، اسے نفس وشیطان کے غوائل سے ہر آن محفوظ رکھا، پھر اس کے پاس ایسی غیبی خبریں (وحی) بھیجیں جن میں سننے والوں کا عظیم فائدہ ہے، اب بتلائیے کہ لفظ ''نبی'' کا ترجمہ ہم کس لفظ سے کر سکتے ہیں۔

یہ تو ایک ضمنی بات تھی میں یہ عرض کررہا تھا کہ انبیاء کرام جو اس قدر عظمت اور درجہ رکھتے ہیں، دنیا میں تشریف لائے اور انسانیت کے سامنے ایک دعوت پیش کی، دنیا کے اعتبار سے جسے ہم کامیابی وناکامی سمجھتے ہیں کوئی کامیاب ہے کوئی ناکام، لیکن اپنے مقصد کے اعتبار سے سبھی اعلیٰ درجے کے کامیاب ہیں، ان پر آرے چلے، ان کے بدن سے لوہے کی کنگھیاں نکالی گئیں، ان کو ایذائیں دی گئیں، ان کو خدا جانے کیا کچھ کہا گیا، ان میں سے بعض کے ہاتھ پر ایک بھی شخص ایمان سے مشرف نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود نبی نبی ہے، رسول رسول ہے، ان کے کمالات میں اس سے کمی نہیں ہوئی، بلکہ ہر ایک مقصد زندگی میں کامیاب رہا کیونکہ کام اللہ کا ہے نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، پس جب انبیاء کرام کے بارے میں ہمارا تصور یہ ہے تو ہم اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہو جائیں کہ ہمیں مقصد تک پہنچنا ہے، نہیں! ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ منزل مقصود کو ٹھیک ٹھیک پہچانیں اور وہاں تک پہنچنے کی جدوجہد کریں، پھر خواہ سیلاب کے تھپیڑوں سے نکل کر ساحل مراد تک پہنچ جائیں یا درمیان ہی میں شہید ہو کر رہ جائیں، بہرصورت گوہر مقصود حاصل ہے، یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہیں ظاہری اعتبار سے بھی کامیاب بنادیں، جسے چاہیں ناکام کردیں، منزل کی پہچان اور اس کی تگ ودو کے بعد ہم بہرحال کامیاب ہیں یہی ہمارا مقصد ہے۔

زمین کی حقیقت

جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس کے ترجمہ اور مضمون کو بیان کرنے سے پہلے ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس دنیا میں ہزاروں حقائق ایسے ہیں جن کی اصل حقیقت تک ہماری رسائی نہیں، جبکہ صبح وشام ہمیں ان سے واسطہ رہتا ہے، دیکھئے یہ زمین جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری﴾ (اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لوٹاویں گے) اس سے بڑھ کر ہمیں کس چیز سے واسطہ ہوگا؟ اسی زمین سے ہم نکلے اسی میں ہم جائیں گے، اسی زمین کے مادہ سے غذا تیار ہوئی، پھل اور میوے پیدا ہوئے، وہ انسان کے اندر بنائی ہوئی ایک خدائی مشین معدہ میں پہنچے، ہضم وتحلیل کے بعد جگر میں خون بنا، پھر خون اپنے مدارج طے کر کے سفید مادہ کی شکل بنا، وہ ایک عجیب وغریب نظام سے ایک جگہ پہنچا اور چند دنوں میں ایک جیتا جاگتا انسان پیدا ہوگیا، فتبارك الله احسن الخالقین۔

یہ تو ہمارا اس زمین سے تعلق ہے، مگر اسی زمین کی حقیقت آج تک ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں، ہزاروں برس سے دنیا اس بطلیموس عقیدے پر قائم تھی کہ زمین ساکن ہے اور سورج متحرک، مگر جدید سائنس نے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ زمین شرقاً وغرباً گھومتی ہے اور سورج اپنی جگہ قائم رہتا ہے (۱)۔ تو عقلاء کے ہزاروں برس اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اتنے قریب ترین حقائق جو ہمارے پاؤں کے نیچے اور آنکھوں کے سامنے ہیں زندگی میں ہمہ وقت ان سے سابقہ رہتا ہے، ہمیں ان حقائق تک بھی پوری رسائی نہیں اور ابھی تک قطعی فیصلہ نہیں کر پائے کہ زمین ساکن ہے یا متحرک، آپ کو یاد ہوگا کہ جب سائنسدانوں کی ایک جماعت ارضی تحقیقات کے لئے جمع ہوئی تھی اس وقت انہوں نے بڑی صفائی سے اقرار کیا تھا کہ زمین کے بارے میں ہماری معلومات بطلیموس کے عہد سے کچھ زیادہ نہیں تو جب انسان زمین کی حقیقت بھی معلوم نہیں کر سکے تو کیا اعتبار ہے ان کی تحقیقات کا جن کی تحقیقات پر کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کھربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، ان میں ابھی تک یہ بحث چل رہی ہے کہ زمین ساکن ہے یا متحرک؟ متحرک ہے تو اس کی حرکت کیسی ہے؟ سورج میں حرکت ہے یا نہیں؟ یہ کرہ فضا میں کیسے معلق ہے؟ زمانہ دراز کے بعد انسان کو محض ظاہری اور سطحی علم حاصل ہو سکا، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا عجیب وغریب اور برمحل ہے:

﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

[الروم:۷]

یہ لوگ دنیوی زندگی کی بھی محض ظاہری سطح کو جانتے ہیں (حقیقت اس کی بھی معلوم نہیں) اور آخرت

---

(۱) اب سائنس کی جدید تحقیق یہ ہے کہ سورج میں ایک قسم کی حرکت نہیں بلکہ مختلف قسم کی حرکات ہیں، محمد سراج، ایم سی زراعت

سے تو بالکل ہی غافل ہیں۔

انسان میں ہڈیاں کتنی ہیں؟ پٹھے کتنے ہیں؟ ریشے کتنے ہیں؟ شرائین کتنی ہیں؟ سونا، چاندی، لوہا، پیتل کتنا ہے؟ آنکھ کے پردے کتنے ہیں؟ دماغ کیسے بنا ہوا ہے؟ یہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ مٹی سے یہ جاندار کیسے بن گیا؟ رحم مادر میں یہ ناک نقشے کیسے تیار ہو گئے؟ ایک بالشت کے محدود رقبہ میں اربوں کھربوں انسانوں کی الگ الگ شکلیں کس نے بنا ڈالیں، آپ نے کبھی سوچا کہ ہم نے ذرا سا بیج ڈالا اس سے اتنا بڑا عظیم الشان درخت جس کے اجزاء یہی مٹی اور پانی ہیں آخر کیسے پیدا ہو گیا، اس ننھے سے بیج سے یہ درخت کس نے نکالا، جس کی جڑ، تنا، پتے، شاخیں، کونپلیں، پھل، پھول سب کی خاصیت الگ الگ، رنگ جدا جدا، اور تاثیر علیحدہ علیحدہ ہے، پھر ایک ہی زمین اور مٹی سے مرچ بھی پیدا ہوتی ہے اور آم بھی، کیلا بھی اور کریلا بھی، زہر بھی اور تریاق بھی، کبھی قدرت کے ان عجائبات پر غور کیا؟ کہ یہ کیسے پیدا ہوئے اور کس نے پیدا کئے، بس یہی وہ مقام ہے جہاں مادہ پرست سائنسدانوں اور علم الحیاۃ کے ماہرین کو غلطی ہوئی، ان کی عقلی پرواز وہی ہے جو قرآن نے بیان کی ﴿یعلمون ظاهرا من الحیاة الدنیا وهم عن الا خرة هم غافلون﴾ وہ دنیوی زندگی کی صرف ظاہر سطح کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی غافل ہیں۔

قدرت خداوندی کے مظاہر

پھر یہ دنیا جس کا آپ کو کچھ سطحی علم ہے بھی یہ کل کائنات کا شاید کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتا، آج تو ان حقائق کو سائنسدان بھی ماننے پر مجبور ہیں، ورنہ کسے معلوم تھا کہ ریت کے اجزاء سے نائلون کا کپڑا تیار ہو گا جو اپنی خوبصورتی خوشنمائی، نفاست اور نرمی سے ریشم کو بھی مات کر دے گا، اگر کوئی شخص ایسا دعوی کرتا تو یقینا اسے احمق کہا جاتا، لیکن آج اسی زمین کے اجزاء سے اربوں گز سالانہ نائلون تیار ہوتا ہے اور اتنی وافر مقدار میں تیار ہوتا ہے کہ ایک ایک عورت سو سو جوڑے بنائے تب بھی ختم ہونے میں نہیں آتا، کیا یہ رب العالمین کی شان ربوبیت نہیں؟ کیا معلوم کہ کل ایسے کیمیائی مواد پیدا ہو جائیں جن کے ذریعہ ایک جریب زمین سے ہزار جریب کی پیداوار ہونے لگے، جو لوگ آئندہ پیدا ہونے والی انسانیت سے ڈر کر نسل کشی کے فلسفے پیش کرتے ہیں کیا ان پر ''آب نادیدہ موزہ کشیدہ'' کی مثال صادق نہیں آتی، خدا کی رزاقیت پر پہلے ہی سے تحدید لگا دینا کیسی عجیب بات ہے، یہ نقصان صرف اس لئے ہوا کہ نظریات کی بنیاد صرف عقل کو بنالیا گیا اور عقل بے چاری اتنی محدود ہے کہ وہ صرف سامنے کی چیز کو دیکھنا جانتی ہے آگے پیچھے اوپر نیچے کچھ نہیں دیکھتی۔ یعلمون ظا هرا من الحیوة الدنیا۔

چاند اور دیگر سیارے

تو میں نے کہا کہ آسمان کو تو چھوڑو، تم زمین پر ہو اور زمین سے قریب تر کرہ چاند ہے جو ۲۰۰۳۸ ہزار

میل دور ہے جس کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سوا سیکنڈ میں یہاں پہنچتی ہے اور سورج آٹھ کروڑ میل بتلایا جاتا ہے جس کی روشنی تقریباً آٹھ منٹ میں یہاں پہنچتی ہے، پھر اس سے آگے اور کرے اس سے زیادہ دور ہیں اور آسمان ان سب سے دور ہے، سائنسدانوں کی رسائی ابھی تک زمینی کرہ تک نہیں ہوئی، آسمان تک کہاں پہنچے، اس غلطی سے دعویٰ کر دیا کہ آسمان نہیں ہے اور اس پر یہ دعویٰ کر دیا کہ اسلام جو آسمان کے وجود کا قائل ہے غلط ہے معاذ اللہ، حالانکہ اسلام غلط نہیں ہوا بلکہ بطلیموسی فلسفہ غلط ہوا، اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ سیارے آسمان میں گڑے ہوئے ہیں، اسلام نے تو یہ دعویٰ کیا تھا کہ آسمان اوپر ہے اور یہ چھوٹے بڑے سیارے سب سے نیچے کے آسمان کی زینت ہیں ”ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح“ آسمان چھت ہے اور یہ فضا میں معلق سیارے اس کے لئے زینت ہیں، اس لئے اسلام اپنی جگہ قائم ہے اور جدید تحقیق سے بطلیموسی فلسفہ غلط ہو گیا، سچ پوچھئے تو سائنس نے ہم پر احسان کیا آج سائنس کی بدولت ہمارے لئے آیات کی حقیقت کا سمجھنا آسان ہو گیا اب یہ ہماری غلطی ہو اگر ہم سائنس سے صحیح نتائج نہیں نکال سکتے۔

بھائی ایک بات سن لیجئے، ایک عقل کا دائرہ ہے اور ایک نبوت کا، نبوت ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جن کی دریافت سے عقل قاصر ہے جہاں حواس کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں عقل کی سرحد شروع ہوتی ہے اور جہاں عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے، جو چیز حواس سے آپ معلوم نہیں کر سکتے اسے عقل سے معلوم کرتے ہیں اور جو چیز عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی اسے نبوت سے معلوم کیا جاتا ہے، آپ عقل سے معلوم نہیں کر سکتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، زندگی ہوگی یا نہیں ہوگی، مٹی میں مل جانے کے بعد اٹھنا ہوگا یا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام (علیہم السلام) بھیجے تاکہ وہ ان امور میں آپ کی رہنمائی کریں، انبیاء کرام (علیہم السلام) حساب وکتاب، سائنس اور ریاضی کی تعلیم کے لئے نہیں بھیجے جاتے اس لئے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، جب ان چیزوں کی ضرورت ہوگی عقل خداداد ان کو معلوم کر لے گی، اس لئے جو چیزیں عقلی دائرے میں آ سکتی تھیں ان کے لئے انبیاء کرام (علیہم السلام) کو بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔

موجودہ سائنس تکوینی عجائبات پر مطلع ہونے کا ایک راستہ ہے

الغرض سائنس سے یہ فائدہ ہوا کہ حق تعالیٰ کے حیرت ناک تکوینی عجائبات سے واقفیت ان ذرائع سے آسان ہو گئی، میں یہاں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں دنیا میں مشکل ترین مسئلہ یہ تھا کہ عذاب قبر کیسے ہوگا؟ کیونکہ قدیم وجدید اکثر عقلاء وجود روح کے قائل ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے تو روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اسی کا نام موت ہے، اب اشکال یہی ہے کہ جب موت کے بعد بدن جماد محض رہ گیا تو اسے عذاب قبر کیسے ہوگا؟ لیکن سائنسی ترقی اور مسمریزم، علم التوجہ اور علم الارواح کے جدید فنون نے جن حقائق وعجائبات سے نقاب کشائی کی ہے

اس سے کم از کم عذاب قبر کا مسئلہ تو نا قابل فہم نہیں رہا، اس سلسلہ میں فرید الوجدی نے ''دائرۃ المعارف'' میں مادہ ''روح'' کے تحت یہ دل چسپ واقعہ فرانسیسی مجلہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ عمل تنویم (مسمریزم) کے ایک ماہر نے ایک شخص پر عمل تنویم شروع کیا اور اس سے بعض امور کے بارے میں سوالات کرتا رہا اس طویل اور مسلسل عمل سے اس معمول کی روح نکل گئی، جسم ٹھنڈا، حس وحرکت مفقود، اس پر موت کی کیفیت طاری ہوگئی اور سوال وجواب کا سلسلہ منقطع ہوگیا، عامل صاحب بہت پریشان ہوگئے، جلدی سے ایک دوسرے آدمی پر تنویمی توجہ ڈالی اس سے پہلے معمول کے بارے میں دریافت کیا اس نے بتلایا کہ اس کی روح نکل چکی ہے اور ذرا فاصلے پر فلاں جگہ موجود ہے، اب عامل صاحب اسے تلاش کرنے لگے، معمول ثانی نے بتلایا کہ اب آپ کا ہاتھ اس کی پنڈلی پر ہے، عامل نے فوراً ہوا میں نشتر چلایا اور معمول اول جو بے حس وحرکت پڑا تھا اس کی پنڈلی پر زخم ہوا جس سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا باوجود یکہ جسم کے درمیان اور اس جگہ کے درمیان جہاں ہوا میں نشتر چلایا گیا تھ کافی فاصلہ تھا۔

اس قسم کے عجائبات کی خبریں ہمیشہ آتی رہتی ہیں تو قدرت نے بتلا دیا کہ تمہاری عقل کے دائرے کے اندر بھی ایسی چیزیں واقعہ ہوسکتی ہیں کہ روح کے جدا ہو جانے کے بعد بھی جسم [illegible] شریعت نے یہی کہا تھا کہ مردہ خواہ کسی جگہ ہو، خشکی میں یا تری میں، سمندر کے تہ میں ہو یا مچھلی کے پیٹ میں، سڑ جائے، گل جائے اس کے اجزاء ہوا میں تحلیل ہو جائیں، لیکن خدا کے ملک، اس کی قدرت اور اس کے علم سے باہر نہیں، روح کا ایک مخفی تعلق جسم کے ان ذرات سے باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے جسم کو برزخی ثواب وعذاب ہوتا ہے خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔

دیکھیے میڈیکل سائنس کے بقول آپ کے پیٹ میں ہزاروں لاکھوں جراثیم موجود ہیں ایک دوسرے کو مارتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور دوائیوں سے انہیں ختم کیا جاتا ہے، میدان کارزار گرم ہے، لیکن آپ کو اس کی کوئی خبر نہیں، اس انکشاف سے پہلے کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک قطرہ کے اندر کروڑوں اربوں جراثیم ہوں گے، اتنے باریک کہ آلات کے ذریعہ انہیں دس ہزار گنا بڑا نہ کریں تو وہ نظر نہیں آئیں گے، ان میں خورد ونوش اور توالد وتناسل کا سلسلہ بھی جاری ہے، قدرت کے یہ عجائبات جو آج آپ کے علم میں آئے ہیں کیا سو سال پہلے معلوم تھے؟ نہ معلوم آئندہ کیا کیا حقائق ظاہر ہوں گے۔

دنیا کی بے حقیقی و بے ثباتی

میرا مقصد اس دنیا کی حقیقت سمجھانا ہے دیکھیے! اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ کی یہ زندگی کچھ نہیں بلکہ اس کے بعد جو زندگی آئے گی وہی اصل زندگی ہوگی، تو ممکن ہے کہنے والے کو بے وقوف کہا جائے کہ ہم تو اس زندگی میں کھاتے ہیں، پیتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، اولاد پیدا کرتے ہیں، جوان ہوتے ہیں، قتل وقتال اور رزم وبزم

کے ہنگامے برپا کرتے ہیں، نظم مملکت چلاتے ہیں، طرح طرح کے عجائب کا انکشاف کرتے ہیں اور تم کہتے ہو یہ کچھ نہیں، میں عرض کرتا ہوں یہ تمہاری زندگی تھیٹر اور سینما کی مثال ہے، تم سینما کے پردوں پر پاکستان، ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ الغرض سارے جہاں کی چیزیں دیکھتے ہو اس کے بنانے پر کروڑوں روپے صرف کئے جاتے ہیں، کتنے ہی لوگ اس پر روپیہ برباد کرتے ہیں، امیر وغریب، شاہ وگدا اور مفکر وسائنسدان سب ہی یہ تماشا دیکھنے کے لئے جاتے ہیں تو یہ سینما کیا ہے؟ خالی پردہ ہے جس کے لئے دین بھی غارت کیا جاتا ہے اور اخلاق بھی، مال بھی برباد کیا جاتا ہے اور قیمتی وقت بھی، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس کے مناظر، نقش ونگار اور آوازیں سب مصنوعی ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں، اب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلاتے ہیں کہ تمہاری یہ زندگی بھی خود ایک تماشا ہے اور جب مرو گے تو پتہ چلے گا:

"الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا"(۱)

لوگ محوخواب ہیں جب مریں گے تب جاگ اٹھیں گے۔

قرآن مجید نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَاماً وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرِضْوَان وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [الحدید: ۲۰]

تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب کھیل تماشا اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکہ کا سامان ہے۔

قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی فصاحت وبلاغت

سبحان اللہ! ایسی فصاحت ایسی بلاغت، ایسا عجیب زور بیان، ایسی شیرینی، ایسا کمال، لیکن افسوس کہ "زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم" ہمیں نہ تو قرآن کا اعجاز حلاوت وانداز فصاحت معلوم، نہ ترجمے میں اتنی قابلیت کہ میں اس زور بیان کو ادا کرسکوں، اس لئے میں چند اشارات عرض کرتا ہوں، حق تعالی فرماتے ہیں: "اعلموا انما الحیوة الدنیا" کلام کو "اعلموا" کے بعد "انما" سے شروع فرمایا، شیخ عبد القادر جرجانی

---

(۱) المقاصد الحسنة للسخاوی ج:۱ ص:۶۹۱، ط: دار الکتاب العربی بیروت

''دلائل الاعجاز'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''انما'' سے کلام شروع کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ کلام سو فیصد حقیقت ہے جس میں کسی ادنیٰ تردد یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

تو ''انما'' سے کلام شروع کر کے حق تعالیٰ شانہٗ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ تمہاری دنیوی زندگی کا لہو ولعب اور کھیل تماشا تو ایسی بدیہی حقیقت اور کھلی بات ہے کہ اس میں کسی عاقل کو تردد ہی نہیں ہو سکتا، سبحان اللہ! یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ ایک طرف تو قرآن کے حقائق اتنے گہرے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء وہاں تک رسائی سے عاجز ہیں، چنانچہ ایک لمبی حدیث میں قرآن پاک کے بارے میں فرمایا:

"لایخلق بکثرۃ الرد، و لا یمل قار یہ و لا یشبع منہ العلماء و لا تنقضی عجائبہ"(۱)

قرآن کثرت تلاوت سے کہنہ نہیں ہوتا، اس کا پڑھنے والا اکتا تا نہیں، اس سے علما کو سیری نہیں ہوتی، اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔

تو ایک طرف تو قرآن کریم ایسا دریائے ناپیدا کنار ہے کہ اس کے حقائق وعجائبات ختم نہیں ہوتے اور دوسری طرف اس کا یہ اعجاز ہے کہ عامی سے عامی آدمی بھی اپنے ظرف کے مطابق اس کا مفہوم سمجھ جائے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْ نَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:۱۷]

اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس ہے کوئی سوچنے والا؟

سبحان اللہ! یہ رب العالمین ہی کے کلام کی خصوصیت ہو سکتی ہے کہ ایک طرف یہ اس قدر آسان کہ ایک امّی (ان پڑھ) بھی اسے سمجھ جائے اور دوسری طرف ایک بڑے سے بڑا فقیہ، فلسفی، متکلم اور عاقل بھی اس کے حقائق کی گہرائی سے حیران اور ششدر رہ جائے، کیونکہ وہ تو رب العالمین ہے، اس کی ربوبیت عامہ کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص کے دماغ کو اس کی استعداد کے مطابق غذا مہیا کرتا ہے، فلسفی کو اس کے خیال کے مطابق، فقیہ کو اس کی گہرائی کے مطابق، عالم کو اس کی شان کے مطابق، عامی کو اس کے حال کے مناسب، قرآن کے اس خوانِ یغما اور مائدۂ عام سے سب کو فیض ملتا ہے۔

انسانی زندگی کے چار دور

بہر حال قرآن حکیم نے اپنی اعجازی شان سے ہماری دنیوی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے کہ یہ زندگی کل چار دائروں میں سمٹی ہوئی ہے لعب ولہو، زینت، تفاخر اور تکاثر۔

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب فی فضل القرآن ج:۲ ص:۱۱۸، ط: قدیمی

بچہ کی ابتدائی پرورش اور اس کے قدرتی نظام

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ نہ وہ بول سکتا ہے نہ کسی چیز کو سمجھ سکتا ہے، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، آنکھ سب **کچھ** موجود ہے **مگر** بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، ہاں قدرت فیاض نے اسے دودھ چوسنے **کا ڈھنگ بتلا رکھا ہے**، اسی خدائی تعلیم سے وہ اپنی خوراک لیتا ہے (یہاں درمیان میں ایک اور بات عرض کرتا ہوں) بچہ کے **مزاج** کے مطابق حق تعالیٰ نے غذا تیار کی، وہی مادہ جو کبھی پیٹ کی نلکی کے ذریعہ شکم مادر میں اس کی **غذا بنتا** تھا، جب **پیدا ہوا** تو اس کی **قدرت** نے دودھ کی شکل میں تبدیل فرما دیا کہ منہ پاک ہے تو اس کے لئے غذا **بھی پاک ہونی چاہیے، پھر یہ غذا** بھی ایسی لطیف تجویز فرمائی کہ دنیا کی کوئی لیبارٹری (تجربہ گاہ) ایسی لطیف غذا تیار نہیں کر سکتی، اسی لئے **محققین** اطباء کا کہنا ہے کہ ماں کے دودھ کا بدل نہیں ہو سکتا، اس کے اس دودھ سے ماں کے جو افعال، خواص، **عادات**، اخلاق اور دیگر خصوصیات بچے کی طرف منتقل ہوتی ہیں انہیں چھوڑ کر صرف اتنی بات پر **غور فرما** لیجئے کہ یہ **دودھ** اگر زیادہ میٹھا ہوتا تو بچے کو دست ہوا کرتا، پھیکا ہوتا تو بچہ نہ پیتا، اگر زیادہ گرم ہوتا تو ننھے بچے کے لئے ناقابل برداشت ہوتا، زیادہ غلیظ ہوتا تو قراقر پیدا کرتا، اور پتلا ہوتا تو غذائی ضرورت پوری نہ کرتا، اس لئے نہایت **معتدل** رکھا پھر اس کے نکلنے کے لئے نہایت باریک چھلنی لگا دی تا کہ ذرا ذرا نکلے، سوراخ بڑا ہوتا تو **بچے** کو گھبراہٹ ہوتی، تو یہ ہے حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کہ گندے مادے کو صاف ستھرے دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے غذا بنا دیا کہ اسی سے فلسفی کی بھی پرورش ہوتی ہے اور عاقل کی بھی، نبی کی بھی اور ولی کی بھی، اسی سے **اندازہ ہوگا** ان لوگوں کی حماقت کا جنہوں نے رزق کو اپنے قبضے میں سمجھ کر شور کر دیا کہ بچے بند کرو، ورنہ بھوکوں مر جاؤ گے، **حالانکہ جو** خالق و رازق **بے دست و پا** بچے کے لئے انتظام کرتا ہے وہ دوسرے انسانوں کے لئے بھی رزق کے نئے نئے دروازے کھول سکتا ہے، دراصل **عقیدہ** اور یقین بگڑ گیا، خدا کی رزاقیت پر سے یقین اٹھ گیا۔

انسانی زندگی کے تدریجی مراحل

بہر حال عرض کر رہا تھا کہ بچہ جب پیدا ہوا تو کچھ نہیں جانتا، نہ عقل نہ شعور، نہ ادراک، اب غذا ملی، کچھ نرم نرم چیزیں کھانے لگا اور اعصاب میں ذرا قوت آ گئی تو چلنے پھرنے لگا تو اب صرف دو کام وہ جانتا ہے، اول یہ کہ دنیا کی ہر چیز کھانے کے لئے ہے، گندگی ہو اس میں ہاتھ ڈالے گا، آگ ہو اس کو منہ میں لے جائے گا، کھانے کی کوئی چیز ہو اسے کھا لے گا، الغرض وہ پیٹ جانتا ہے اور کچھ نہیں جانتا، یہ چونکہ غیر شعوری دور ہے اس لئے قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا اور جب چار پانچ سال کا ہوا تو کھیل کود کا دور شروع ہو گیا اب نہ اسے فیشن کی فکر ہے، نہ جوتے کپڑے کی، نہ ٹوپی کی، نہ نائی کی، پہلے غیر شعوری دور میں فنا فی الاکل تھا تو اب فنا فی اللعب ہے، اس کے بعد جوانی

آئی تو زینت و آرائش کا دور شروع ہوا، ڈاڑھی ایسی ہو، صابن ایسا ہو، بال ایسے ہوں، ٹوپی ایسی ہو، کپڑے ایسے ہوں۔ الغرض ہر وقت آرائش وزیبائش کی فکر، اسے فکر نہیں کہ باپ کہاں سے لائے گا، روپیہ پیسہ کہاں سے آئے گا، ماں باپ کی گذر بسر کیسے ہوگی، یہ ''فی الزینۃ'' ہے اور بناؤ سنگھار میں مستغرق، اب ذرا عقل میں پختگی آئی، کچھ شد بد ہوئی، کوئی ڈگری مل گئی، کہیں ملازمت اور عہدہ ملا، چار پیسے جیب میں آنے لگے، تو تفاخر شروع ہوا، ہم سادات ہیں، ہم قریشی ہیں، ہم پٹھان ہیں، ہم خٹک ہیں، ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں، کہیں قومیت، کہیں پارٹی، کہیں کچھ، کہیں کچھ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰکُمْ﴾ (تم سب میں اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو) اب ذرا اور آگے بڑھے شادی ہوگئی، اولاد ہوئی، اب مال اور اولاد میں اضافہ کی فکر ستانے لگی، آج پانچ سو تنخواہ ہے، فلاں ڈگری کرلیں تو تنخواہ بڑھ جائے، وہ ڈگری کرلیں تو آٹھ سو ہوجائے، امریکہ جائیں تو اور زیادہ ہوجائے، لندن جائیں تو اتنی ہوجائے، یہ ہے ﴿تکاثر فی الاموال والاولاد﴾ لا حول ولا قوۃ الا باللہ! کوئی امریکہ جاتا ہے خواہ ایمان غارت ہوجائے، دین برباد ہوجائے، اخلاق تباہ ہوجائے، مگر ڈگری کے لئے لندن، پیرس اور امریکہ جانا ضروری ہے، خدا کے بندو! رزق محدود، زندگی محدود، ازل سے رزق ناپ تول کر مقرر کردیا گیا، تعجب ہے کہ ڈگری کے لئے لندن اور امریکہ کی خاک چھانی جائے، دین وایمان کو خطرات میں ڈالا جائے۔

بھائی ٹھیک ہے کچھ اسباب کرو لیکن اتنی حرص بھی کیا جس کے لئے اپنے ایمان کو اتنے شدائد اور اتنے سیلابوں میں ڈالا جائے، اگر تم خدا کے فضل سے بچ بھی نکلے لیکن کتنے ہیں جو بچ نکل آتے ہیں۔

مال واولاد پر تفاخر

بہرحال یہ ہیں انسانی زندگی کے چار دور، لہو ولعب سے ابتدا ہوئی پھر زینت کا دور آیا پھر تفاخر کا پھر تکاثر کا، اور یہ مال واولاد پر تفاخر اور تکاثر کا مرض تو ایسا ہے کہ کمبخت مرتے دم تک چمٹا رہتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ . حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ [التکاثر ۱، ۲]

تمہیں بہتات کی حرص نے اتنا غافل کردیا کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے:

''منهومان لا يشبعان منهوم العلم ومنهوم المال''(۱)

دو حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا علم کا حریص اور مال کا حریص۔

دیکھئے امریکہ کتنا امیر ترین ملک ہے مگر اس کا پیٹ ابھی تک نہیں بھرا وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ فلاں

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث ص: ۳۷، ط: قدیمی

ملک ختم ہوتو میری منڈی چلے، بس وہی حالت ہے جسے حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے:

”لو ان لابن آدم وادیان من ذهب لابتغى ثالثاً ، ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب ، و یتوب الله على من تاب“.(۱)

اگر انسان کو دو وادیاں (یعنی ایک یہ دنیا اور ایک ایسی ہی دوسری دنیا) سونے سے بھری ہوئی مل جائیں تو تیسری کو تلاش کرے گا اور کوئی چیز سوائے قبر کی مٹی کے انسان کا پیٹ نہیں بھرتی اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کو توفیق اور سمجھ عطا فرمائی اور وہ قانع ہو گیا، اس کا پیٹ البتہ بھر جاتا ہے، الحمد للہ ایسے صالحین موجود ہیں۔

انسانی زندگی کی ایک مشاہد مثال

خیر اللہ پاک نے انسان کی زندگی کے یہ چار دور بیان فرمائے لہو ولعب، زینت و تفاخر، تکاثر، ہم سمجھتے تھے کہ کھیل کود بچوں کا ہی کام ہے اب معلوم ہوا کہ اس کھلنڈرے زمانے میں صدر مملکت اور بادشاہ بھی کھیلتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار دور اس لئے بیان فرمائے کہ بعض ادوار میں ان میں بعض چیزوں کا غلبہ ہوتا ہے، ورنہ کھیل، زینت اور تفاخر ہر دور میں کچھ نہ کچھ پایا جاتا ہے، بہر حال یہ ہے تمہاری دنیا کا خلاصہ۔ اس کے بعد مثال سے اس کا نقشہ بیان فرماتے ہیں:

﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَاماً﴾

[الحدید:۲۰]

جیسے بارش کہ کسانوں کو اس کی کھیتی پسند آتی ہے پھر وہ خشک ہو کر زرد نظر آتی ہے بالآخر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔

بالکل یہی حال انسانی زندگی کا ہے، آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اس سے پہلے کچھ نہیں تھا، پلا بڑھا، پھلا پھولا، جوان ہوا، یہ ہوا وہ ہوا پھر مر گیا، جنازہ پڑھا گیا، دفن کر دیا گیا اور کچھ مدت بعد نام ونشان مٹ گیا، پھر انجام کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں:

﴿وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرِضْوَان﴾ [الحدید:۲۰]

اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص بخشش اور رضامندی بھی۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنة المال ج:۲ص:۹۲۵، ط: قدیمی.

مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الامل والحرص ص: ۴۵۰، ط: قدیمی

یہ ہے تمہاری زندگی کا نقشہ! کتنی محدود؟ کتنی ناپائیدار؟ اس پر فریفتہ ہونا، مغرور ہونا اسی کو مقصد بنالیا، یہ تمہاری بے وقوفی ہے، کج فہمی ہے، فرماتے ہیں۔

﴿ وَمَاالْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ [الحدید:۲۰]

اور دنیاوی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے یہ سب چھوڑو، اسے وسیلہ سمجھو، گذرگاہ اور راستہ سمجھو، اسے مقصد نہ بناؤ، کہ مقصد آنے والی زندگی ہے، پس "سابقوا الی مغفرة" لپکو! دوڑو بخشش خداوندی کی طرف، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ "وجنة عرضها كعرض السماء والارض" اور دوڑو! جنت کی طرف، کیسی جنت؟ جس کی صرف چوڑائی آسمان وزمین جتنی ہے۔

بھائی خدا ہی جانے آج تو خیر زمین کی محدودیت معلوم ہوگئی ہے ورنہ اس زمانے میں تو معلوم نہ تھی اور آسمان کی وسعت کی تو آج تک بھی کسی ماہر فلکیات کو ہوا تک نہیں لگی، کسی کو کچھ خبر نہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ دنیا کتنی وسیع ہے؟ میں نے کسی کتاب میں ایک سائنسدان کا یہ جملہ پڑھا ہے کہ یہ کیڑے مکوڑے (حشرات الارض) جو دنیا کی رذیل، ذلیل، بیکار اور گندی مخلوق شمار کی جاتی ہے انہی کی تحقیقات اتنی وسیع ہیں کہ انسان دولاکھ سال تک بھی ان کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔

نظام قدرت کے سامنے انسانی عقل کی حیرانی

میں یہاں ایک لطیفہ آپ کو سناتا ہوں بعض لوگ آج کل کہا کرتے ہیں کہ مکھی تو گندی چیز ہے، بھنبھناتی ہے، گندگی پر بیٹھتی ہے، خدا نے اس کو کیوں پیدا کردیا، میں کہا کرتا ہوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "مکھی اگر کھانے کے برتن میں گرجائے تو اسے غوطہ دے کر نکال دو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں اس کی دوا ہے"(۱)۔ بعض نادانوں نے اس حدیث کا خوب مضحکہ اڑایا ہے کہ یہ حدیث تو بالکل خلاف عقل ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر آپ نے مکھی پر اپنی تحقیقات اتنی قطعیت کے ساتھ مکمل کرلی ہوتیں کہ ان پر نہ تو اضافہ ممکن ہوتا نہ کسی تحقیق میں ردوبدل کی گنجائش رہتی، پھر تو آپ کو حق تھا کہ اس حدیث پر اعتراض کرتے، لیکن جب آپ کو اپنے جہل کا خود اقرار ہے جیسا کہ سائنسدان کا مقولہ میں نے ابھی نقل کیا تو یہ حدیث خلاف جہل ہوئی، خلاف عقل تو نہ ہوئی، یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے جہل کا نام عقل رکھ لیا ہے، یعنی جس چیز کی حقیقت تک آپ کی رسائی نہیں ہوسکی آپ نے کم نظری بناء پر اسی کو خلاف عقل کہنا شروع کردیا۔

آخر یہ بات آپ کی عقل میں کیوں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرتی نظام کے تحت ایک حشرہ ایسا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء ج:۲ ص:۸۶۰، ط: قدیمی

پیدا کیا ہے جس کا کام جاروب کشی ہے، اسے اتنی تیز نظر بخشی ہے کہ تمہاری دوربینیں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور اس کے معدے میں ایسی حرارت پیدا کی ہے جو اس کی کھائی ہوئی تمام گندگی کو جلا کر تریاق بنا دیتی ہے، دیکھئے شہد کی مکھی کس قدر زہریلی ہے، لیکن وہ پھلوں کا رس چوس کر بجائے زہر کے شہد اگلتی ہے تو اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مکھی کے ایک بازو میں اس کی غیر منہضم غذا کا خزانہ ہے، یہ تو بیماری ہے اور دوسرے بازو میں ہضم شدہ تریاق ہے اور وہ برتن میں گرتے وقت اسی بازو کو آگے رکھتی ہے جس میں غیر منہضم غذا جمع کرتی ہے، تم اسے غوطہ دے کر اس کا وہ بازو بھی ڈال دو جس میں دوا ہے تاکہ توازن قائم ہوجائے، اب بتلایئے اس میں کون سی بات خلاف عقل ہے؟ وہاں ہم ان حقائق سے جاہل تھے وحی نے ہم کو آگاہ کردیا۔

اس کم بینی کی بنا پر چین والوں نے تو یہاں تک مکھی مار مہم چلائی کہ چین سے مکھی کا وجود ہی یکسر ختم کردیا، مگر سنا ہے کہ اب وہ امراض کی رفتار کو بڑھتا ہوا دیکھ کر پھر مکھی کو چین میں لا رہے ہیں تو کہاں قدرت کا نظام اور کہاں ہماری عقل؟ واقعی نظام قدرت کے سامنے انسانی عقل حیران اور ششدر ہے۔

دنیا پیدا کرنے کا مقصد اور آخرت کی لامحدود زندگی اور بے شمار نعمتیں

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے بعد اللہ پاک نے دنیا کو پیدا کرنے کا مقصد ذکر فرمایا اور وہ ہے: ''سابقو الی مغفرة من ربکم وجنة'' الخ۔ آپ ہی بتلایئے کہ اگر کوئی ایسا جہاں ہو جہاں کی زندگی بے نہایت ہو، ہزار برس نہیں لاکھوں کروڑوں برس نہیں بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہو، تو ایسی زندگی کے لئے تیاری کرنا بہتر ہے؟ یا اس محدود زندگی کے لئے سر کھپانا؟ ظاہر ہے کہ انسان کی حرص غیر محدود ہے تو اس کے لئے زندگی بھی غیر محدود چاہیے، یہ غیر محدود زندگی مرنے کے بعد والی وہ ہی زندگی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام نے بتلائی ہے، اگر اس محدود زندگی کے لئے رات دن کھپے رہتے ہو، وقت لگاتے ہو، محنتیں کرتے ہو، ڈگریاں حاصل کرتے ہو، تحقیقات کرتے ہو، تجربے کرتے ہو تو اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین ہے تو اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے بھی تو وقت دو محنت کرو، جان کھپاؤ! جب ہم مسلمان ہیں، ہمارا اس پر ایمان ہے کہ مرنے کی بعد کی زندگی کامل، لامحدود اور نہ ختم ہونے والی زندگی ہے تو کتنی عجیب بات ہے کہ اس کے لئے کوئی محنت نہ کی جائے، کوئی فکر نہ کی جائے؟ پھر وہاں کی نعمتیں بھی ایسی جن کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾[حم السجدة:۳۱]

تم اس (جنت) میں جو چاہو گے وہ ملے گا جو مانگو گے وہ فوراً مہیا کردیا جائے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ [السجدة:۱۷]

ان جنتیوں کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک، راحت و آسائش چھپا کر رکھی گئی ہے اسے تو کوئی جانتا ہی نہیں (تصور سے بالاتر ہے)

اور ایک حدیث قدسی میں یوں آتا ہے:

قال اللہ تعالیٰ "اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر "(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی گذرا۔

ہاں ہاں! ان کو کسی بھی آنکھ نے نہیں دیکھا، خواہ وہ کینیڈی کی آنکھ ہو یا چرچل کی، فرعون کی ہو یا شداد کی، اولین کی ہو یا آخرین کی، کسی بڑے سے بڑے ملک و سلطنت کے بادشاہ کی آنکھوں کو بھی ان کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا، ہم بعض چیزوں کو دیکھتے تو نہیں مگر کانوں سے سن لیتے ہیں، گویا سننے کا دائرہ دیکھنے سے زیادہ وسیع ہے اس لئے فرمایا کسی کان نے وہ نعمتیں سنی بھی نہ ہوں گی، پھر احتمال تھا کہ دنیا میں کسی نے دیکھا اور سنا تو نہ ہو لیکن شاید کسی نے اس کا تصور ہی کر لیا ہو، تصور تو ایسی چیز ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے ہی دور دراز ملکوں اور وہاں کی چیزوں کا تصور کر سکتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہو گئے، یا آسمان پر چڑھ گئے، اس لئے فرماتے ہیں کہ نہیں ان نعمتوں کا تو خیال بھی کسی دل میں نہ گذرا ہو گا۔

اور یہ سب نعمتیں غیر محدود ہوں گی، (اثناء تقریر میں بجلی بجھ گئی اس پر حضرت نے فرمایا: چلو بھئی دل کی روشنی سے کام لو) ہاں تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب وہ زندگی یقینی بھی ہے اور غیر محدود بھی، کامل بھی ہے اور لذیذ بھی، تو بتلائیے اپنی اس محدود زندگی میں سے آپ نے اس کے لئے کتنا وقت نکالا اور کیا تیاری کی؟ (بجلی آ گئی تو فرمایا الحمد للہ، اس صبر پر بھی الحمد للہ اجر ملے گا)

جنت اور اخروی نعمتوں کا مستحق کون ہے؟

بہر حال یہ جنت اور بخشش کی دولت کس کو ملے گی؟ فرماتے ہیں:

﴿اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ [الحدید:۲۱]

تیار کی گئی ہے ان کے لئے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

دنیا کی زندگی میں تو مومن و کافر، نیک و بد، دوست اور دشمن سبھی کو حسب ضرورت و مصلحت دیا جاتا ہے،

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدأ الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة ج:۱ ص:۴۶۰.
ایضا باب تنزیل السجدة، باب قوله: فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین ج ۲ ص: ۷۰۴ ط: قدیمی

یہ خوانِ یغما ہے یہاں ایمان وکفر کا سوال نہیں بلکہ کافر اور فاسق کو زیادہ دیا جاتا ہے، اس کی مصلحت ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اس زندگی کے بعد جو امتحان ہوگا اس کے نتیجہ میں آخرت کی نعمتیں اپنی محنت میں کامیاب ہونے والوں کو ملیں گی، ہاں تو ادنی جنتی کو تمہاری زمین سے دس گناہ زیادہ جنت کی زمین ملے گی۔

جنت کی وسعت و بلندی

لوگ کہتے ہیں صاحب اتنی بڑی جنت کہاں سے آ گئی؟ میں پوچھتا ہوں یہ جو سیارے فضا میں معلق ہیں، کیا ان کی تعداد اور ان کی وسعت تمہیں معلوم ہے؟ صرف کہکشاں کے بارے میں تمہارے فلکیات کے ماہر کہتے ہیں کہ اس میں تین ارب ستارے ہیں، تو گویا اسی فضا کو جس میں سیارے گردش کر رہے ہیں اگر انسانوں پر تقسیم کر دیا جائے اور جتنے انسان موجود ہیں ان سے کروڑوں بلکہ اربوں گنا زائد انسان ہوں تب بھی تمہاری زمین سے دس گنا کیا ہزاروں گناہ زیادہ رقبہ ایک آدمی کے حصے میں آ سکتا ہے اور پھر جنت تو اس فضائے بسیط سے بھی کہیں بلند وبالا اور وسیع تر ہے، بہرحال اگر آپ کو یقین ہے اس ابدی زندگی پر تو دیکھنا یہ ہے کہ آپ اس کے لئے تیاری کیا کرتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے منصب حاصل نہ کرو، یہاں کی ترقی سے کنارہ کش ہو جاؤ، اس کے لئے محنتیں نہ کرو، نہیں جو جائز ہے سب کچھ کرو، خوب کرو، محنت سے کرو، لیکن اسے وسیلہ سمجھو، مقصد نہ بناؤ، کیونکہ زندگی میں کھانا بھی ہوگا، پہننا بھی ہوگا، رہنا بھی ہوگا اور جو بھی اس زندگی بسر کرنے کے لوازمات ہیں سب درکار رہوں گے، مگر سب بقدرِ ضرورت اور وقتی، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پشاور سے کراچی کا سفر کرے تو دو تین دن کا سفر ہے اس کے لئے کھانے ناشتے کا انتظام، اور جتنے پہننے کے کپڑے، سونے کے لئے بستر، جگہ (سیٹ) وغیرہ کا انتظام اور خرچ کے لئے جیب میں کچھ پیسے سب ہی ضروری ہیں لیکن نہ یہ سفر بذاتِ خود مقصد ہے، نہ اس کے لوازمات، نہ کوئی درمیانی ویٹنگ روم (انتظارگاہ) آخری منزل ہے، اب اگر وہ مسافر کسی ویٹنگ روم کی سج دھج کو دیکھ کر وہیں بیٹھا مزے لیتا رہا اور گاڑی نکل جائے تو اس کو آپ احمق اور بے وقوف کہیں گے یا نہیں؟ پس اس سے بھی بڑھ کر بے وقوف وہ شخص ہوگا جو دنیا کے ویٹنگ روم کے تماشہ میں کھو کر اسی کو مقصد بنا لے اور اس کی لطف اندوزیوں میں منزلِ مقصود کو بھول جائے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو دنیاوی وسائل بھی دیئے ہیں اور عقل وشعور بھی دیا ہے، اب اگر آپ آخرت کو مقصد بنائیں تو یہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں بھی آخرت بن جائیں گی، مثلاً جہاد کے لئے تلوار بنائی جائے، تو یہ ساری محنت باعث اجر ہوگی اور اگر اسی تلوار کو ظلم وتعدی کے لئے بنایا جائے تو موجب جرم وعذاب ہوگی، تو مقصداً آخرت کو بنا کر اس کی خاطر دنیا میں جو بھی صحیح اور جائز محنت کروگے وہ سب آخرت میں شمار ہوگی اور اگر دنیا ہی کو مقصد بنالیا تو آخرت کے کام بھی دنیا بن جائیں گے۔

اخروی ابدی زندگی کے حصول کا طریقہ

اب میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آخرت کی ابدی زندگی کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں؟ شاید آپ کہیں ابھی تو ہم طالب علم ہیں، ڈگری حاصل کرنے کے بعد منزل بھی متعین کر لیں گے، لیکن یہ دھوکا ہے آخر آپ کے پاس کیا سند ہے کہ اتنی مدت ہم زندہ بھی رہیں گے، یہاں تو یہ ہوتا ہے کہ اسّی برس کا بوڑھا رینگتا رہتا ہے اور تنومند، مضبوط نوجوان حرکت قلب بند ہونے سے ختم ہو جاتا ہے، اس قسم کے بیسیوں عبرت آموز واقعات آپ کے سامنے ہیں۔

دوسرا دھوکہ یہ ہے کہ ہم خیال کر لیا کرتے ہیں کہ عالم فاضل یا گریجویٹ بننے کے بعد کام کریں گے، آپ مسلمان ہیں آپ طالب علمی میں بھی بہت کچھ کام کر سکتے ہیں، پروفیسر ہوں وہ بھی خوب کام کر سکتے ہیں، اگر ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ دین کی طرف متوجہ ہو جائے تو دنیا میں انقلاب آ جائے، تو اگر آپ نے طالب علمی ہی سے آخرت کی طرف توجہ کر لی تو گویا آخرت کا سامان کر لیا اور اگر مقصد صرف ڈگری اور تنخواہ ہے تو یہ وہی کافروں کی سی حیوانی زندگی ہے، جس کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾
[محمد:۱۲]

اور جو لوگ کافر ہیں وہ تو (دنیا میں) ایسے ہی نفع اٹھاتے اور کھاتے پیتے ہیں جیسے چوپائے اور آخرت میں تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور کی دولت دی ہے اور نبوت و بعثت کی نعمت اس کی رہنمائی کے لئے عطا فرمائی ہے، کیا انسان کی قیمت یہی حیوانی زندگی ہے کہ کھائے اور نکالے، کھائے اور نکالے؟ انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری، بڑی سے بڑی تنخواہ میسر آ جائے، اچھا فرنیچر، عمدہ کار، بہترین بنگلہ اور آسائش کا ہر سامان مل جائے، لیکن اگر مقصد پیٹ کو بھر لینا اور سو رہنا اور جو کھایا ہے اس کو نکال دینا ہی ہو تو انسان گویا پاخانہ بنانے کی اچھی خاصی مشین بن گیا کہ ڈالو اور نکالو، ڈالو اور نکالو، اگر یہ مقصد زندگی ہو تو ذرا سوچ لیجئے آپ نے انسان کو کہاں پہنچایا، اسی کے متعلق فرمایا ہے:

﴿اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ [الاعراف:۱۷۹]

یہ لوگ تو ڈھوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

اس لئے کہ ان کے پاس تو عقل نہیں کہ وہ کچھ سوچیں وہ تو صرف اتنا شعور رکھتے ہیں کہ بھوک لگی تو چارہ کھا لیا اور پیاس لگی تو پانی پی لیا مگر یہ انسان نما جانور تو عقل کے باوجود ڈوب گئے۔

بے دینی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سب کو مل کر کوشش کرنی چاہیے

آپ طالب علمی اور جوانی میں وہ خدمت کر سکتے ہیں جو بڑھاپے میں نہیں کر سکتے، اسلام ایک دعوت اور پیغام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الا فليبلغ الشاهد الغائب"(١)

یعنی ہر موجود شخص دین کا پیغام غیر موجود لوگوں کو پہنچائے۔ تو آپ کے ذمہ بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے، اسلام کو پہنچانے کا، آج اسلام کو خطرناک سیلابوں کا سامنا ہے جس کا بڑا سبب مغرب کی طاغوتی طاقتیں ہیں، دراصل اہل مغرب نے صلیبی جنگوں سے یہ اندازہ اچھی طرح کرلیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو قوت شمشیر اور زور بازو سے شکست نہیں دے سکتے اس لئے انہوں نے اسلام کے خلاف ذہنی جنگ شروع کی تاکہ مسلمانوں کو اسلام کی نعمت سے محروم کردیا جائے، ان کی یہ کوششیں جو کئی صدی پہلے شروع کی گئی تھیں آج اپنی شباب پر ہیں آج ان کے پاس طاقت ہے، وسائل ہیں، بے پناہ ذرائع ہیں آج ان کا نقشہ ٹھیک وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا بیان فرمایا تھا:

﴿رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ﴾ [یونس:٨٨]

اے پروردگار! آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی، بے حد مال و دولت اور زینت و آرائش دی ہے، اے پروردگار! اس کے نتیجے میں وہ (بجائے شکر کے) تیرے بندوں کو گمراہ کررہے ہیں، اے پروردگار! ان کے مالوں کو ملیا میٹ کردے۔

وہ خود یہ جانتے ہیں کہ وہ جس زندگی میں مبتلا ہیں وہ بدترین اور تباہ کن زندگی ہے، دنیا ہی میں جہنم کی زندگی میں مبتلا ہیں، مجھے کراچی کے ایک دوست نے جو انگلینڈ سے آئے تھے بتلایا کہ وہاں ایک شخص بہت بڑا مالدار تھا، اس نے اپنے والدین کو ملازم رکھ چھوڑا تھا، وہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ جب میں دوسروں کو ملازم رکھتا ہوں تو اپنے ماں باپ کو کیوں ملازم نہ رکھوں۔ یہ ہے نئی تہذیب و تمدن، انسانیت ختم، عاطفت ختم، جانوروں میں جو شفقت پائی جاتی ہے وہ بھی انسانوں میں مفقود ہے، وہ خود جن فواحش، منکرات اور عریانیوں میں غرق ہیں چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی غرق کردیں، افسوس ہے کہ ہم اسی بدترین زندگی کو اپنا کر ان کے نقش قدم پر جارہے ہیں۔

بہرحال اسلام کے دشمن رات دن اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اسلام کی برکات سے ہمیں محروم کردیں، تو جب تک ہمارے نوجوان طالب علم، پروفیسر، تاجر، کسان غرضیکہ ہم سب مل کر اپنے دین کو بچانے کی فکر نہیں کریں

---

(١) صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب الخطبة ايام منى ج: ١ ص: ٢٣٤، ط: قديمى

گے، اس وقت تک بے دینی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ممکن نہیں ہوگا، اس سیلاب کو روکنا کسی مخصوص طبقے کے بس کا کام نہیں، البتہ اتنا ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے دین کو بچالیں، لیکن جس عالمگیر پیمانے پر بے دینی کا سیلاب آیا ہے جب تک اسی پیمانے پر اسے روکنے کے لئے محنت نہیں کی جائے گی اس وقت تک یہ نہیں رکے گا۔

ہمارا دینی فرض

میری زندگی کا موضوع مسائل حیات پر غور کرنا ہے، میں بہت تڑپ رہا ہوں، ایک چھوٹی سی درس گاہ میرے پاس ہے، دو چار سو طالب علم پاس بیٹھے رہتے ہیں، لگا رہتا ہوں، لیکن جب سوچتا ہوں کہ میرا کام اس سے پورا ہوگیا تو دل جواب دیتا ہے قطعاً نہیں، میں اپنے کو دھوکا دوں گا اگر میں یہ سمجھ لوں کہ میں نے بخاری شریف کا درس دے لیا اور میرا کام پورا ہوگیا، دین کا تقاضا ہے کہ اگر آگ لگی ہو تو اسے بجھانے کے لئے مجھے جانا چاہئے، اللہ تعالیٰ شاید مجھے نہیں چھوڑیں گے کہ دنیا میں فسق وفجور کی آگ لگ رہی تھی ایک جہان اس میں جل رہا تھا اور میں بخاری شریف پڑھا رہا تھا۔

میرے دوستو! میں اور آپ ایک کشتی کے مسافر ہیں ہماری منزل آخرت ہے، اگر اس کشتی میں کوئی سوراخ کر دے تو ہم سب غرق ہوں گے، اس لئے اس کے ہاتھوں کو پکڑنا اور اس کی صحیح رہنمائی کرنا ہمارا سب کا فرض ہے، اس لئے میں آپ حضرات سے اس مختصر وقت میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے دنیا کو مقصد نہ بناؤ، اپنے منصب کو پہچانو، اپنے وقت کی قدر کرو اور حق تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کی تیاری کرو اور اسلام کا پیغام دنیا کو پہنچاؤ، اس کے لئے کسی خاص فراغت اور فرصت کی ضرورت نہیں، تم ہر جگہ رہ کر ہر حال میں اسلام کی خدمت کر سکتے ہو، اگر آپ نے ایسا کرلیا تو واللہ دنیا کی کامرانی بھی آپ کے ہاتھ ہوگی اور اگر بالفرض کامیابی نہ بھی ہوئی تو آپ کا کام تو بہر حال پورا ہو ہی گیا۔

عالمگیر فتنوں کے مقابلہ کے لئے تبلیغی جماعت کا وجود

اب میں ایک ضروری مضمون عرض کر کے ختم کرتا ہوں، ایک دفعہ مکی مسجد (کراچی) جانا ہوا، میں کبھی کبھی وہاں چلا جاتا ہوں، وہاں تبلیغی حضرات نے مجھے پکڑ لیا اور کچھ بیان کرنے کی دعوت دی، میں نے سوچا کیا بیان کروں، بولنا مجھے آتا نہیں، خیر میں ان حضرات کے اصرار پر بیٹھ گیا، ”الحمد لله رب العلمين“ کی آیت پڑھی بس پھر کیا تھا قرآن کی برکت سے سینہ کھل گیا، عجیب وغریب مضامین ذہن میں آئے، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بیان ہوا، تفصیل تو مجھے اب یاد نہیں رہی کچھ مضمون یاد ہے وہی اس موقعہ پر عرض کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا اللہ جل ذکرہٗ عالمین کا رب ہے، اس کی ربوبیت کے کرشمے ظاہر ہیں، لیکن اتنے عجیب وغریب کہ عقل حیران ہے، جسمانی ربوبیت کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں، صرف روحانی ربوبیت کو دیکھئے کہ نبوت ختم ہوچکی ہے، علماء امت کی مساعی اوّل تو

ناکافی ہیں پھر جتنی پچھ ہیں وہ بھی کامیاب نہیں اور نئی نسل کی تباہی اور گمراہی کے لئے بیسیوں فتنے موجود ہیں، تھیٹر، سینماوغیرہ وغیرہ اخلاق کی قربان گاہ تھے ہی اب تو بے دینی کے انتہائی غلبہ اور تسلط کی وجہ سے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بھی جو حال ہے وہ آپ کو معلوم ہے، اخبارات میں روزانہ اس کی خبریں آپ پڑھتے ہیں، اس کے علاوہ وہ ممالک جو فحاشی اور بے حیائی کے مرکز ہیں، امریکہ، برطانیہ وغیرہ ان ممالک سے مواصلات اور رسل ورسائل کی آسانی کی وجہ سے فتنوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔

الغرض ان حضرات کی برکت سے پوری بات ذہن میں آ گئی، میں ان تبلیغی حضرات کے اخلاص کا بڑا معتقد ہوں، اب بھی بعض مخلصین کی وجہ سے بول رہا ہوں ورنہ مجھے بیان کرنا نہیں آتا، تو دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا کرشمہ یوں ظاہر ہوا ہے کہ ان عالمگیر فتنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کا یہ نظام جاری فرمادیا، یہ وہ نظام ہے جو عالمگیریت چاہتا ہے، اس میں عالم بھی کھپ جاتا ہے اور ان پڑھ بھی، امیر بھی اور غریب بھی، تاجر بھی اور صناع بھی، کالا بھی اور گورا بھی، مشرقی بھی اور مغربی بھی، اگر اس زمانے میں یہ تبلیغی نظام جاری نہ ہوتا تو گویا اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا کمال ظاہر نہ ہوتا، ورنہ ہمارے مدارس، تعلیمی ادارے، اسکول اور کالج جتنے آدمی تیار کرتے ہیں وہ تو اس عالمگیر سیلاب کے لئے کافی نہیں تھے، یہ تبلیغ والے ایک گشت لگاتے ہیں، سیلاب کے طریقہ سے آتے ہیں اور دو، چار، پانچ، دس آدمیوں کی ہدایت کا سامان بن جاتے ہیں، کہیں کسی کو امریکہ سے پکڑ لاتے ہیں، کہیں لندن سے، مصر کے صدر ناصر نے پانچ ہزار مبلغ بھیجے اور سالانہ کروڑوں روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے لیکن ان سے پوچھئے کہ کتنے لوگوں کو صحیح مسلمان بنایا، ادھر تبلیغی نظام کی برکات آپ کے سامنے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کی ہدایت کے لئے یہی نظام ذریعہ بن گیا، تو اللہ پاک نے تبلیغی جماعت کا جو نظام جاری فرمایا ہے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی روحانی ربوبیت کا ایک کرشمہ ہے، جو اللہ پاک نے اس امت کے اندر ظاہر فرمایا ہے تاکہ اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ میرے پاس فرصت نہ تھی۔ اللہ نے یہ نظام ہی ایسا جاری فرمایا کہ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس میں کھپ سکتا ہے اس نظام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیا کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچانا ہے اگر کسی کو "لا اله الا الله محمد رسول الله" یاد ہے وہ یہی دوسرے بھائی کو سکھا دے، کسی کو "سبحانك اللّٰهم" یاد ہے وہ سکھا دے، کیونکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو یہ بھی یاد نہیں، تو اللہ رب العالمین کی ربوبیت کا جیسا مادی نظام ہے ایسا ہی تبلیغی جماعت کا وجود میرے نزدیک روح کی غذا اور آخرت کی تیاری کے لئے اللہ تعالیٰ کا روحانی نظام ربوبیت ہے، یہ ایک مختصر متن ہے جس کی شرح پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اس لئے میں آپ حضرات سے یہی عرض کروں گا کہ آپ اس جماعت سے تعلق رکھیں، خدا تعالیٰ آپ کو توفیق دے، آپ دنیا کے اندر انقلاب پیدا کر دیں گے، فرض شناسی اور دین پر چلنے کی ہمت آپ میں پیدا ہوگی اور اس کی وہ لذت، فرحت اور مسرت آپ کو حاصل ہوگی کہ:

''لذت ایں بادہ بخدا نشناسی تا نہ چشی''

اور سچ پوچھئے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں وہ لذت وہ سرور اور وہ اطمینان قلب رکھا ہوا ہے کہ بے چارے بادشاہوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ وہ دولت ہے جو آج دنیا میں مفقود ہے، امریکہ اور برطانیہ کو خبر نہیں کہ ان بوریانشین فقیروں کے پاس سکون قلب کی کتنی بڑی دولت ہے، ان کا حال تو وہی ہے جو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ [التوبة:٤٩]

اور بے شک جہنم محیط ہے کافروں کو۔

آخرت میں تو جہنم ان کو گھیرے ہوئے ہوگی ہی، یہ دنیا بھی ان کے لئے سراپا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ تو اللہ جل ذکرہٗ نے تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہدایات کا سامان پیدا کر دیا ہے اور آپ کے لئے اپنی اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں تاکہ ہماری زندگی درست ہو جائے، ہماری ساری زندگی آخرت کے لئے بن جائے اور ہمیں آخرت کی جاودانی زندگی نصیب ہو جائے۔

وآخر دعو انا ان الحمد لله رب العلمين

[محرم الحرام ۱۳۸۸ھ]

تبلیغ دین ودعوت الی اللہ

عرصہ دراز سے امت محمدیہ سے ایک اہم تقصیر ہو رہی اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑ گئی تھی، یعنی تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ میں قابل حسرت کوتاہی ہو رہی ہے، دعوت وہدایت دین اسلام کا اساسی اصول ہے، جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو جہاد وقتال کی نوبت آتی ہے۔ قرون اولیٰ کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے، قوت بیانی سے پہلے اخلاقی وایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے۔ ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت اسلامی، مواسات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا، دنیا میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دینی حسن وجمال اور حسن اخلاق کے کمال سے پھیلا، تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، صاحب انصاف وصاحب عقل وبصیرت مورخ اس سے بے خبر نہیں، اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا، تکوینی مصالح تو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں کفر واسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہی وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت وارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضراتِ صحابہ

کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیر نگین آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جا رہے ہیں، نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرون اولی کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال واخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے۔ اس کے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے زور تلوار سے فتح ہوئے ہیں ان میں عقائد کی خامی واضح ہے، اگر کہیں اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہو جاتا ہے، دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا انہوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا ”لتكون كلمة الله هي العليا“ تاکہ صرف حق تعالی کا دین غالب ہو، اس لئے ان فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی تصلب حاصل نہ ہو سکا، کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کا نتیجہ ہے۔

تبلیغی جماعت اور اس کے شاندار اثرات

حق تعالی کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی روح پر، جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں ہی فنا ہو گئے، اگر کوئی فنا فی اللہ، فنا فی الرسول اور فنا فی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہو تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح فنا فی التبلیغ ہو گئے تھے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے بس یہی فکر ہی دامن گیر تھی، تمام زندگی اور تمام افکار وانفاس بس اسی مقصد کے لئے وقف تھے، حق تعالی نے ان کی جانفشانی وقربانی ایثار واخلاص اور جد وجہد کو قبول فرمایا اور چار دانگ عالم میں اس کے ثمرات وبرکات پھیل گئے، شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہوگا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ ماسکو فن لینڈ واپین سے لے کر چین وجاپان تک ان قافلوں کی دعوت وانبیاء کرام علیہم السلام کے طریق دعوت سے بہت مشابہت رکھتی ہے، اس کا انتظار نہیں کہ لوگ خود آئیں گے اور دین سیکھیں گے، بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے حسن اخلاق سے اور اپنے طرز عمل سے دعوت دی جاتی ہے، سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔

آج امت تقریر وتحریر کی محتاج نہیں یہ بہت کچھ ہو چکا ہے ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے، فصاحت وبلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے، لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے بہر حال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مریض طبیب کے پاس پہنچے تو علاج ہو، اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور امت کی اکثریت یا کم از کم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع

کردے تو توقع ہوسکتی ہے کہ امت کو نجات مل جائے اور بیڑہ پار ہوجائے، اگر امت پوری طاقت اسی طرح اصلاح ودعوت پر لگائے اور معاشرے کی اصلاح ہوجائے تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ اقتدار بھی انہی صالح ہاتھوں میں آجائے اور پھر جو کام سالوں میں ہوتے ہیں وہ منٹوں میں ہوجایا کریں، بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ پہلے معاشرے کی اصلاح کی جائے، اگر اصلاح شدہ معاشرے کے افراد کی ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہو تو کامیابی یقینی ہے ورنہ امت کا وہی حشر ہوگا جو آج ہورہا ہے اور اکثریت کے جو نمائندے مسند حکومت پر براجمان ہیں ان کا ''صورت ببین حالش مپرس'' والا قصہ ہے، اس طرح بلاشبہ کچھ دیر تو لگے گی لیکن قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں دس پندرہ سال کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا، آج قوم کی کشتی جس خطرناک بھنور میں پھنس گئی ہے روزانہ اخبارات کے صفحات میں اس کو دیکھئے اور پڑھیئے، حیرت واضطراب کی کوئی انتہاء باقی نہیں رہتی، لے دے کر ایک عالم دین مسند حکومت پر متمکن ہوا مگر شیطانوں کے لئے اس کا وجود بھی ناقابل برداشت ہے۔ خدا جانے کتنی مشکلات ان کے لئے پیدا کی جارہی ہیں، کتنے روڑے ان کے راستے میں اٹکائے جارہے ہیں، تمام شیاطین الانس والجن مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہوگئے ہیں، الغرض جب تک معاشرے کی اصلاح نہ ہوجائے، نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

لندن میں بین الاقوامی تبلیغی اجتماع

لندن سے برادرم محترم مولانا مفتی عبد الباقی کا ایک مکتوب گرامی آیا تھا جس میں بین الاقوامی تبلیغی اجتماع (لندن) کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، نامناسب نہ ہوگا اگر اس کا اقتباس پیش کروں، وہ لکھتے ہیں:

① بین الاقوامی تبلیغی اجتماع ختم ہوچکا، تثلیث کے اس ملک میں توحید کی آواز عجیب منظر پیش کررہی تھی، ایسا معلوم ہورہا تھا گویا قرونِ اولیٰ کے بچے بچائے لوگ (جن کی زندگی میں اسلام کی جھلک نظر آرہی تھی) جمع ہوئے ہیں ان میں لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے، لمبے لمبے کرتوں والے، پاجاموں والے، شلواروں والے، بڑی بڑی پگڑیوں والے تھے جنہیں دیکھ کر گورے لوگ محو حیرت بھی تھے اور محو تماشا بھی۔

جب ہندوستان کا وفد لندن کے ہوائی اڈہ ہیتھرو بلڈنگ نمبر ۳/ پر تشریف لایا تو قانونی کارروائی سے فراغت کے بعد سب سے پہلے امیر التبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب باہر تشریف لائے، نہ زندہ باد یا مردہ باد کے نعرے، نہ ہنگامہ نہ شور وشر، کچھ بھی نہیں تھا بلکہ انتہائی وقار اور خاموشی کے ساتھ لبوں پر تبسم، چہروں پر طلاقت، اطمینان اور سکون کی فضا میں معانقے ہوئے، مصافحے ہوئے اور پھر دعا شروع ہوئی جس میں آہیں سسکیاں اور پھر آخر میں دھاڑیں مار کر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں، تثلیث کے پرستار نیم عریاں لباس میں

کیمرے تان کر کھڑے تماشہ کر رہے تھے اور تماشہ دکھا رہے تھے، ان کو فوٹو اتارنے سے منع کیا گیا تاہم چپکے چپکے سے وہ کیمروں کو ہلاتے رہے سرتاپا حیرت کے مجسمے بنے ہوئے تھے۔ چونکہ لندن ایئرپورٹ (ہیتھرو) پر ایک منٹ میں جہاز اترتا ہے اور قریباً دوسرے میں اڑتا ہے اس لئے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے، مسافر آتے جاتے تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتے اس لئے کہ منظر ہی ایسا تھا کہ ہر ایک کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

② یہ مجمع مرکز تبلیغ لندن گیا اور پھر دوسرے دن اجتماع گاہ شیفیلڈ میں پہنچا، تین دن شیفیلڈ میں بڑی رونق رہی، خاص طور پر جب خیموں میں اور خیموں سے باہر میدان میں نمازوں کے لئے صفیں درست ہوجاتی تھیں تو اس منظر کو دیکھنے کے لئے محل اجتماع سے باہر فٹ پاتھوں پر انگریز مرد اور انگریز عورتیں کافی تعداد میں کھڑے ہوکر تماشہ کرنے لگتے، یہ روح پرور منظر ان پر بڑا اثرانداز ہورہا تھا، اجتماع میں قریباً اڑتیس ملکوں کے وفود شامل ہوئے، جو آسٹریلیا کے علاوہ باقی چاروں براعظموں کے مختلف بولی بولنے والے مختلف نسل و رنگ کے لوگ تھے، کینیڈا، امریکہ، افریقہ اور ایشیا اور یورپ، عرب وعجم اسلام کے عالمگیر دین ہونے کا عملی نقشہ نظر آرہا تھا۔ قریباً بارہ سو آدمیوں نے چار مہینوں، چلوں اور کم وبیش وقت لگانے دور اور دیر کے لئے نکلنے کے لئے اپنے نام پیش کئے، بائیس جماعتیں بیرونی ممالک کے لئے تیار ہوگئیں اور پینتالیس اندرون ملک کے لئے۔

③ کینیڈا اور امریکہ سے آئی ہوئی جماعتوں میں قریباً پندرہ آدمی حاجی حسین احمد جاجھائی کی مسجد میں (جہاں میرا قیام ہے) جہاز کی روانگی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے بارہ دن تک ٹھہرے، رات کو عشاء کی نماز کے بعد یہ لوگ ٹرانسلیٹر (ترجمان) کے ذریعہ مجھ سے سوالات کرتے رہتے اور میں ان کو جوابات دیتا رہتا، کبھی کبھی چار چار ترجمان ہوتے تھے، یہ سلسلہ رات کے ڈیڑھ بجے اور کبھی دو دو بجے تک چلتا تھا، انہوں نے مختلف موضوعات پر سوالات کئے، علم رمل، علم جفر، علم نجوم، قیافہ، پامسٹری، کہانت، الہام، وحی عذاب قبر، برزخ، دوزخ، جنت، علامات قیامت، دجال، امام مہدی علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یاجوج ماجوج، دیدار الٰہی سے لے کر خوابوں کی تعبیرات تک سوالات کئے، چونکہ ان میں اکثر نومسلم تھے اس لئے علم کے بہت پیاسے تھے آخر میں انہوں نے کہا کہ نیویارک میں ہمارے اور بہت سے بھائی ہیں جو اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات چاہتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ نیویارک اور کینیڈا چلیں، بہت عذر پیش کیا کہ مجھے انگریزی نہیں آتی وغیرہ، ہاں اگر یہ میرے ترجمان میرے ساتھ جائیں تو کسی وقت آپ کے ہاں آنا ہوسکتا ہے لیکن یہ لوگ بضد رہے پھر یہ لوگ واپس چلے گئے یہ اکثر کالے رنگ اور نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

④ ہم نے محمد علی کلے سے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے محمد علی کلے کے بارے میں کسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا، کہنے لگے اس نے آج تک پورا کلمہ نہیں پڑھا ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، محمد رسول اللہ آج تک نہیں پڑھا اور اس نے آج تک نماز نہیں پڑھی اور بہت مالدار ہے کبھی زکاۃ نہیں نکالی اور

حج ابھی تک نہیں کیا روزہ کا حال خدا کو معلوم ہے۔

تبلیغ دین اور دینی مدارس

بہر حال میرا ناقص خیال ہے کہ جتنے عملی فتنے رونما ہو رہے ہیں ان کی اصلاح کے لئے یہ طریقہ دعوت اور اس میں شمولیت بلا شبہ مؤثر نسخہ اور علاج ہے، لیکن علمی فتنوں کے لئے ٹھوس علم کی ضرورت ہے آج کل اعداء اسلام مستشرقین وغیرہ اسلام کے بنیادی مسائل کو ڈائنامیٹ لگا رہے ہیں، قران کریم کے کلام الٰہی ہونے میں شبہات، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وساوس، فقہ اسلامی پر تنقیدات و اعتراضات، ان علمی فتنوں کی سرکوبی کے لئے ٹھوس علم دین، جدید علم کلام، جدید سائنس، معلومات عامہ، حسن تحریر، شگفتہ بیانی، سنجیدہ متوازن دماغ، پیہم کوشش اور صالح و مؤثر لٹریچر کی ضرورت باقی رہے گی، جو علم سے ناواقف تبلیغی حضرات یہ تصور قائم کر لیتے ہیں کہ اب نہ مدارس کی ضرورت ہے، نہ خانقاہوں کی، یہ غلو ہے، جہل ہے، علم دین تو تمام دینی کاموں کے لئے بنیاد ہے، امت علوم دینیہ سے کسی وقت بھی بے نیاز نہیں ہو سکتی، جب مسلمانوں میں علمی فتنوں کا دور زیادہ نہ تھا اس وقت بھی علوم اسلامیہ میں مہارت کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ سابقہ ادوار میں ارباب اقتدار کو علمی فتنوں کے عام کرنے کا موقع بہت کم ملا، شخصی طور سے فتنے برپا کئے جاتے تھے، صرف امام احمد بن حنبل کے دور میں مامون عباسی کو اقتدار کے ذریعہ خلق قران کا فتنہ مسلط کرنے کا موقع ملا اور اس کے بعد امین و معتصم، لیکن آج تو برطانوی و امریکی اور روسی اقتدار کے سایہ میں فتنوں پر فتنے پرورش پا رہے ہیں، اتنی بڑی بڑی طاقتور حکومتیں خود مختلف راستوں سے علمی فتنے پھیلانے میں مصروف ہیں، اگر علماء امت نہ ہوتے اور ان کے دانت کھٹے نہ کرتے تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور خاکم بدہن اسلام صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، یہ تو ان بوریہ نشین علماء کے کارنامے ہیں کہ آج بھی اسلام باقی ہے اور جو کچھ حصہ باقی نظر آ رہا ہے وہ سوکھی روٹی کھانے والوں کا رہین منت ہے۔ بہر حال عصر حاضر کے علمی فتنوں کے پیش نظر علمی خدمات اور علمی مدارس کی اہمیت پہلے سے ہزار گنا زیادہ ہے، نیز آج کے پر آشوب دور میں جب عقیدہ اسلامی بہت کمزور ہو گیا ہے اس کی حفاظت کے لئے علم دین کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ لینن و کارل، مارکس و ماؤزے تنگ کے اقتصادی فلسفوں کے سرکوبی کے لئے حاذق علماء کی ضرورت ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ ارباب علم پوری طرح جدید علمی ہتھیاروں سے مسلح ہوں تا کہ صحیح مقابلہ ہو سکے، عصری تقاضوں کے پیش نظر جدید علمی تربیت سے آراستہ ہونا اور جدید معلومات فراہم کرنا اور نئی دنیا سے باخبر ہونا بے حد ضروری ہے، بس شکوہ اگر ہے تو اس کا ہے کہ صحیح پختہ کار علماء کا وجود کبریت احمر ہے۔

بہر حال خدمت دین اور اسلام کو ان علمی فتنوں سے بچانے کے لئے محقق اور بابصیرت ارباب علم کی بے انتہا ضرورت ہے اور ان علمی خدمات کو مؤثر بنانے کے لئے انتہائی اخلاص کی شدید حاجت ہے، نرے علم پر مطلوبہ

ثمرات مرتب نہیں ہو سکتے جب تک علم کے ساتھ اخلاص نہ ہو، قبولیت عند اللہ کے لئے اخلاص کا ہونا تو بالکل واضح ہے لیکن علمی خدمات پر صحیح اثرات مرتب ہونے کے لئے بھی اخلاص کے بغیر چارہ کار نہیں، گویا قبول عند الناس بھی ثمرہ ہے قبول عند اللہ کا، کہنا یہ ہے کہ تبلیغی خدمات اور موجودہ طرز پر دین کا جو کام ہو رہا ہے بلاشبہ دین ہے اور اہم جزو دین، لیکن یہ سمجھنا کہ بس یہی دین ہے اور اس کے بعد علم دین کی ضرورت نہیں یہ بالکل غلط بلکہ گمراہی ہے۔ (۱)

آج کل ایک سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ جو ارباب علم ہیں وہ صرف علم اور تعلیم پر قناعت کر کے بیٹھ گئے ہیں اور جو ارباب عمل اور ارباب دعوت ہیں وہ اپنے آپ کو علم اور علماء سے مستغنی سمجھتے ہیں، علماء کو میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور ارباب عمل کو علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ قدم قدم پر اخلاص کی ضرورت ہے۔

جب علم وعمل واخلاص تینوں باتیں جمع ہو جائیں گی تو اس کے بہترین نتائج و برکات ظاہر ہوں گے، مزید برآں سراپا اخلاص بن کر بھی حق تعالیٰ کی توفیق وفضل کی ضرورت ہے، افسوس کہ مادیت کے اس دردناک دور میں تمام دینی اقدار ختم ہو گئے اور وہ سارے دینی کلمات صرف بے معنی الفاظ رہ گئے، مسلمانوں کے معاشرے میں اتنا شدید انقلاب آ گیا کہ تمام دینی اصطلاحیں مسلمانوں کی زندگی میں بے حقیقت الفاظ رہ گئے، اگر حضرت نبی کریم

---

(۱) علمائے اہل حق سے سوء ظن اور ان کی بے وقعتی بہت ہی خطرناک ہے، علماء کرام سے استغناء گمراہی اور کج روی کا پہلا زینہ ہے، کسی کج رو جماعت یا تحریک کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ علماء حق سے بے نیاز ہو، تفصیل کے لیے حضرت شیخ الحدیث الحاج مولانا محمد زکریا کاندھلوی دامت برکاتہم کی تصنیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کا مطالعہ کیا جائے۔

الحمد للہ تبلیغی جماعت کے اکابر کو ہمیشہ اس کا اہتمام رہا کہ اس کام میں عوام کا علماء سے جوڑ ہو وہ ان کی قدر وقیمت کو سمجھیں اور ان سے استفادہ کریں، حضرت مولانا محمد الیاس مختلف عنوانات سے بار بار اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا ایک عامی مسلمان کی طرف سے بدگمانی بھی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے، پھر فرمایا: ہمارے طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہیے اور علماء کا بوجہ علم کے بہت احترام کرنا چاہیے۔ ایک موقعہ پر فرمایا: ہمارے کارکن جہاں بھی جاویں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں الخ۔ ایک صاحب کو تحریر فرمایا: علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے، یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت مولانا محمد یوسف (نور اللہ مرقدہما) کی اس قسم کی بے شمار تصریحات ہیں (تفصیل کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ کی تازہ تالیف ''دہلی کی تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات'' ملاحظہ فرمائیے۔)

اس سے معلوم ہوا وہ تبلیغی کارکن جو علماء کرام کی مساعی کو (بعض اس وجہ سے کہ وہ تبلیغی کام میں لگے ہوئے نہیں) قدر ومنزلت کی نظر سے نہیں دیکھتے وہ ناپختہ کاری کی وجہ سے دعوت کے مزاج سے ناآشنا ہیں یا بقول حضرت شیخ الحدیث دراصل وہ دعوت کے کام میں لگنے سے پہلے علماء کرام سے بیزار تھے اور اس کام میں لگنے کے بعد بھی ان کی خو نہ بدلی، گویا طالب علم چور نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات چور طالب علمی کرنے لگتے ہیں۔ (مدیر)

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور دور اول کے مسلمان زندہ ہو کر ہمارے دور حاضر کے نام لیوا مسلمانوں کی زندگیاں دیکھ لیں تو کیا فرمائیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صحیح اسلام پر قائم رکھے اور صحیح مسلمانوں کے خد و خال کی حفاظت فرمائے اور تقوی طہارت کی حیات طیبہ نصیب فرما کر فوز و فلاح کے مدارج عالیہ سے نوازے، آمین۔

بحرمة النبي الامين عليه صلوات الله وسلامه الى يوم الدين

[شوال المکرم ۱۳۹۲ھ۔ دسمبر ۱۹۷۲ء]

دنیا اور اس کی بے ثباتی

غالباً ۴۸ء کی بات ہے شیخ الاسلام حضرت استاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کراچی عامل کالونی میں قریشی صاحب کے مکان پر قیام فرما تھے، میں پشاور سے کراچی آکر جامعہ ڈابھیل ضلع سورت جا رہا تھا حضرت استاذ مرحوم نے مجھے تنہائی میں بلا کر دو ارشاد فرمائے:

① حکومت پاکستان کا خیال ہے علماء کا ایک خیر سگالی وفد ممالک اسلامیہ عربیہ بھیجا جائے، مولوی عبد العلیم صاحب صدیقی بھی ان میں ہوں گے مجھ سے اصرار ہو رہا ہے کہ میں بھی ساتھ جاؤں لیکن اختلاج قلب کے مرض کی وجہ سے ہوائی جہاز کا سفر میرے لئے مشکل ہے، جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور جائیں علماء کے وفد میں ایک جید عالم اور عربی ادیب کا ہونا ضروری ہے۔

② بلاد عربیہ کے لئے سفراء کا تقرر کیا جا رہا ہے ظاہر ہے کہ سفارت پر تو اسی شخص کا تقرر کریں گے جو انگریزی کا ماہر ہو لیکن اس کے ساتھ بحیثیت معاون عربی دان کا تقرر ضروری ہے، آپ ان بلاد عربیہ کے لئے بہت موزون ہیں اور ان ممالک میں مصر سب سے زیادہ موزون ملک ہے، جس میں آپ فراغت کے ساتھ علمی مشاغل بھی جاری رکھ سکیں گے میری خواہش ہے کہ آپ اس کے لئے آمادہ ہو جائیں، مسٹر لیاقت علی خان میری بات کو رد نہیں کرتے وہ اس کو ضرور مان لیں گے۔

راقم الحروف نے پہلی بات کے بارے میں عرض کیا کہ اگر آپ تشریف لے جائیں تو میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی کہ آپ کی خدمت کا شرف حاصل کرسکوں اور اگر آپ تشریف نہ لے جائیں تو پھر میں اس وقت اس خدمت سے معذور ہوں۔

دوسری بات حضرت مرحوم نے ایسی بزرگانہ شفقت اور اخلاص سے فرمائی تھی کہ میں حیران تھا کہ کیا جواب دوں؟ دل نے تو سنتے ہی انکار کر دیا تھا لیکن جس بزرگانہ مرحمت نوازی سے اظہار فرمایا تھا صاف انکار کرنا میرے لئے خلاف ادب تھا، عرض کیا ڈابھیل پہنچ کر استخارہ کے بعد عرض کروں، ڈابھیل پہنچا جواب جو پہلے سے دل میں تھا وہی تھا عرض کیا کہ حضرت جب تک مجھے اس ملک میں علمی زندگی کفاف کے ساتھ میسر ہے میں ان مناصب کا

تصور بھی نہیں کر سکتا اس وقت میرا مشاہرہ ڈابھیل میں ایک سو پچاس روپے تھا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی قدر ومنزلت جو پاکستان میں تھی وہ ظاہر ہے پاکستان کے منصۂ وجود پر آنے سے چند سال قبل بمبئی میں موصوف نے مسٹر محمد علی جناح سے ان کی کوٹھی پر مالا بارھل میں غلام حسن احمد پی بٹلر راندیری کی وساطت سے جو اہم ملاقات کی تھی اس کے نتیجہ میں حضرت مرحوم نے جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدارت کے عہدے پر فائز تھے کوشش فرمائی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ اور جمعیۃ علماء ہند کو مسلم لیگ کے ساتھ ایک معاہدہ کے بعد مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کر دیا، ان کا برامت کی مساعی اور لیگ کے شانہ بشانہ خدمات انجام دینے کے بعد ہی مسلمان قوم من حیث القوم لیگ میں شامل ہوئی اور مسٹر جناح کو دہلی کے عام مشترکہ اجلاس میں اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ بلاشبہ عوام پر آج بھی علماء کا اقتدار ہے۔ سوء اتفاق یا حسن اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد جمعیۃ علماء ہند اس خیال سے کہ مسلم لیگ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہی اور جن شرائط پر معاہدہ ہوا تھا ان کا ایفا نہیں کیا گیا مسلم لیگ سے علیحدہ ہوگئی اور حسب سابق کانگریس کی ہم نوائی کرتی رہی، لیکن حضرت شیخ الاسلام مرحوم بدستور مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہے اور تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں اہم ترین خدمات انجام دیں، لیکن ان کے اخلاص اور عالی ہمتی نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ پاکستان قائم ہونے کے بعد اپنی خدمات کا کوئی صلہ حاصل کریں۔ جس وقت اگست ۱۹۴۷ء میں اسمبلی کا پہلا اجلاس کراچی میں ہوا تو حضرت مرحوم بھی بنگال کی طرف سے اسمبلی کے ممبر تھے، اجلاس کے لئے تشریف لائے تھے اور بحیثیت مہمان ''گل رعنا کوٹھی سولجر بازار'' میں مقیم تھے، پھر جیکب لائن میں شیخ محمد حیات الیکٹرک انجینئر کی دعوت پر ان کے مکان میں منتقل ہوگئے اور نہایت تکالیف وعسرت کی زندگی بسر کرتے رہے، بعد ازاں عامل کالونی میں مسٹر قریشی کے بنگلے میں اقامت پذیر رہے، اس موقعہ پر دیوبند سے کراچی کے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ اور اسمبلی کے اجلاس کے ایام کا معاوضہ کل ۸۰۰ روپے کا چیک زندگی بھر میں وصول کیا ہے اور بس، سنا تھا کہ مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم نے حضرت مرحوم کو کسی بنگلہ کی چابیاں ارسال فرمائی تھیں کہ وہاں سکونت اختیار کر لیں لیکن حضرت موصوف نے انکار فرمایا اور چابیاں واپس فرما دیں، اسی زمانہ کا ایک لطیفہ بھی یاد آیا حضرت الاستاذ مرحوم جب پہلی بار اسمبلی کے اجلاس کی شرکت کے لئے تشریف لے گئے تو عام طور پر تقریریں سب انگریزی میں ہوئیں اس روز جب واپس تشریف لائے تو بہت افسردہ تھے فرمایا کہ ایسی زبان میں تقریریں ہوئیں کہ ہم سمجھ نہ سکے کہ کیا کہا گیا، اردو میں ہوتیں تو ہم بھی جواب دیتے اور ان کو معلوم ہوتا کہ علماء بھی کچھ جانتے ہیں اس کے بعد یہ ایک بلیغ جملہ فرمایا: ''انگریزی زبان ان کے جہل پر ایک نقاب ہے یہ نقاب اترے تو حقیقت کھل جائے۔''

غرض یہ ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ نہ ہمارے اکابر نے کبھی ان مناصب کا خیال کیا اور نہ ان کے کفش برداروں نے ان دنیا کے مناصب کو کوئی وقعت دی اور نہ زندگی کا نصب العین بنایا۔

الحمدللہ نہ وزیر بننے کا شوق، نہ کرسیٔ صدارت کی آرزو، نہ ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائریکٹر بننے کی تمنا، نہ مشاورتی کونسل کی رکنیت کی خواہش، نہ بڑے بڑے مشاہرات کی طرف رغبت، ہم بوریا نشین ہیں اور بوریا نشینی پر ہی ہم فخر کرتے ہیں، یہ مناصب، یہ کرسیاں، یہ گرانقدر تنخواہیں، یہ متاع دنیا، یہ وجاہتیں تمہیں مبارک ہوں، آرزو صرف یہی ہے کہ پاکستان جس مقصد کے لئے بنا ہے خدا کرے وہ فراموش نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت گرانمایہ دین اسلام اور یہ وراثت محمدی علیہ الصلاۃ والسلام ضائع نہ ہو جائے، سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان ملاحدہ وزنادقہ کو دین میں کھلی ہوئی تحریف والحاد کا موقع کیوں دیا جا رہا ہے، تم میزائل بناؤ، تم راکٹ تیار کرو، تم آسمان پر جاؤ، تم کرۂ قمر پر جاؤ، یا مریخ پر پہنچو، تم بڑی بڑی تنخواہیں اور الاؤنس لو اور خوب عیش وعشرت مناؤ، لیکن اللہ تعالیٰ کے اس دین کو برباد مت کرو اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ اغیار کا آلہ کار مت بنو، یہ تمہارے دوست ہرگز نہیں بن سکتے خواہ امریکہ یا روس ہو، خواہ برطانیہ یا فرانس یا جرمنی، خدارا! ان دشمنان اسلام اور دشمنان پاکستان کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دو، دین پر غیرت کرو اور مسلمان قوم کی آبرو کو بچاؤ، ثقافت اسلامی کے نام پر غیرت سوز، روح فرسا، ننگ انسانیت، ہوس رانیوں کو چھوڑ دو، زندہ، باوقار، غیور قوم بنو، امریکہ کی امداد کو بھی اس کے منہ پر مارو اور روس کی امداد کو بھی ٹھوکر مارو، تمہارے سامنے چینی قوم کی زندہ مثال موجود ہے، ان سے سبق لو، دیکھو چند سال کے عرصہ میں یہ قوم صرف اپنے دست وبازو پر بھروسہ کر کے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ہر اعتبار سے کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور اس راز کو معلوم کرو کہ روس جیسی جبار حکومت اور امریکہ جیسی دولت منداور طاقت ور سلطنت دونوں اس قوم سے لرزہ براندام کیوں ہیں۔

علماء اور ان کا فریضہ

غالباً چار سال کا عرصہ ہوا کہ کراچی کے ڈپٹی کمشنر جناب منیر صاحب نے کراچی کے چند منتخب خطباء اور ائمہ مساجد اور علماء کو بلایا تھا کہ صدر مملکت کی طرف سے چند ہدایات آئی ہیں کہ آپ کے حضرات کو پہنچا دی جائیں:

① ''فیملی لاز'' عائلی قوانین کی مخالفت نہ کی جائے۔

② خاندانی منصوبہ بندی اگرچہ قانون تو نہیں بنا ہے لیکن حکومت کی خواہش ہے کہ وہ کامیاب ہو آپ اس کی بھی مخالفت نہ کریں۔

③ مذہبی اختلافات کی بنا پر ہرگز کسی قسم کا نزاع اور تصادم نہ ہونے دیا جائے۔

④ اقلیتوں کے خلاف (یعنی عیسائیوں کے خلاف) کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

⑤ مساجد میں صلاۃ وسلام پر جو شدید اختلافات ہیں ان کو ختم کیا جائے۔

جہاں تک یاد ہے یہ ان ہدایات کا خلاصہ ہے، راقم الحروف نے انتہائی جرأت کے ساتھ عرض کیا:

ان ہدایات کے جواب میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنا بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح اس کرسی پر آپ کو صدر مملکت نے بٹھایا ہے اس لئے آپ کا فرض تھا کہ ہم لوگوں تک ان کی ہدایات پہنچا دیں اسی طرح احکم الحاکمین نے ہمیں بھی ایک مسند پر بٹھایا ہے اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بے خوف وخطر نہایت صفائی اور جرأت کے ساتھ اس احکم الحاکمین کا پیغام اس سلسلہ میں آپ تک اور آپ کی وساطت سے صدر مملکت تک پہنچا دیں اس تمہید کے بعد جواب سنئے!

① انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ جو قانون سابق ملعون دور میں بنا تھا اور قرآن وسنت اور اسلام کے بالکل مخالف تھا پوری قوم نے اس کی شدید مخالفت کی تھی اور سابقہ حکومت کو مجبور اس کو دفن کرنا پڑا تھا آخر کون سی ایسی مصلحت ہے کہ اس متعفن (سڑی ہوئی) لاش کو قبر سے نکال کر ہمارے سروں پر مسلط کیا جا رہا ہے، حکومت مسلمہ کی اطاعت ہمارا مذہبی فریضہ ہے لیکن اگر حکومت غیر اسلامی قانون بنانے لگے تو اس کی مخالفت بھی ہمارا مذہبی فریضہ ہے، اس کی اطاعت تو کیا اس پر سکوت بھی جرم ہے۔

② خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں علماء امت نے از روئے اسلام وعقل اور از روئے اخلاق ومعاشرت غرض ہر پہلو سے اس کے نقائص اور خطرناک نتائج واضح کر دیئے ہیں اور خاص کر اس اسلامی ملک میں جو رسوا کن نتائج نمودار ہوں گے ان کی تفصیلات ایک ایک کر کے عیاں کر دی گئی ہیں، ان حالات میں ہمارا اس کی موافقت کرنا یا خاموش رہنا بے حد مشکل بلکہ بدترین خیانت ہے، اس سلسلہ میں جو کچھ اب تک کہا گیا ہے حکومت کا فرض تھا کہ کروڑوں روپیہ اس منصوبہ پر اندھا دھند خرچ کرنے سے پہلے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرتی اور اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرتی نام تو خانہ داری یا خاندانی منصوبہ بندی ہے، صاف کیوں نہیں کہتے کہ ''ضبط تولید'' کی تدبیر ہے۔

③ مذہبی اختلافات کا دائرہ صرف علمی حد تک محدود رہنا ضروری ہے، اسٹیج پر عوام کے سامنے ان مسائل کو لانا یقیناً غلط اور فساد کا موجب ہے، اخلاص ودین وعقل کا تقاضہ یہی ہے کہ ان اختلافات کو علمی حلقوں اور تصنیف وتالیف کے دائرہ تک محدود رکھا جائے۔

④ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت ان اقلیتوں کے ساتھ جو رواداری برت رہی ہے یہ اقلیتیں اس سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنے حدود سے تباہ کن تجاوز کر کے ملک کے مسلمانوں کو مرتد بنا رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نا قابل برداشت رکیک حملے کر رہی ہیں، قرآن کریم کو نشانہ بنا رکھا ہے، اس مارشل لاء کے دور میں اور دفعہ ۱۴۴ کے زمانے میں (اس وقت دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی) ان کو عام جلسوں کی اجازت دی جاتی ہے، مسلمانوں کے ملک میں اور اسلامی حکومت کے عہد میں اسلام کے خلاف زہر اگلا جاتا ہے اور مسلمانوں کو آہ تک کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی؟ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ابھی دو ماہ پیشتر حیدرآباد میں اسی مشنری کے فتنہ

پردازی سے انتہائی شرمناک واقعہ پیش آ چکا ہے، تعجب ہے کہ مینارٹی کے ساتھ اتنی رواداری اور میجارٹی کے ساتھ یہ بے رخی اور اتنی بے انصافی یہ کیسی سیاست ہے!!۔

⑤ صلاۃ وسلام فرض نمازوں کے بعد اعلان کر کے قیام کے ساتھ اور لوگوں کو اس پر مجبور کرنا اور جو نہ کرے اس کو وھابی وغیرہ وغیرہ طعنے دینا یہ قطعاً اسلام اور اسلامی روح کے منافی ہے، صلاۃ وسلام کا جو طریقہ عہد نبوت سے چلا آ رہا ہے وہی طریقہ باقی رہنا چاہیے، اس موقع پر مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے کچھ اپنے مسلک کی طرف سے صفائی پیش کی تھی جس کا معقول جواب دیا گیا تھا۔

غرض یہ ہے کہ ہماری خواہش اور کوشش رہی ہے کہ حکومت وقت حالات کا صحیح جائزہ لے کر اسلامی احکام کی عظمت وتوقیر کو اپنا فرض سمجھ کر قدم اٹھائے کہ اسلامی حکومت کا تقاضا یہی ہے، جب صدر محترم نے خود صدارتی الیکشن کے موقع پر صاف الفاظ میں یہ اظہار فرمایا تھا کہ اگر میرے سامنے قوم قانون اسلام کا مطالبہ کرے گی تو میں سفید کاغذ پر دستخط کر کے دے دوں گا۔ سابق اسمبلی کے دور میں اراکین مرکزی اسمبلی نے ۷ ارترمیمات ''فیملی لاز'' میں پیش کی تھیں اور ان پر غور کرنے کے لئے سب کمیٹی بنائی گئی تھی، آخر اس کی کارروائی کو کیوں دفنا دیا گیا؟ اس کے برعکس اس جدید عہد میں بی ڈی ممبران کو صریح ہدایت دی جاتی ہے کہ ان قوانین کو عوام میں مقبول بنائیں اور ان پر عمل کرائیں، حالانکہ ملک کے تمام سربرآوردہ مستند علماء کرام نے ان قوانین کے شریعت کے خلاف ہونے کو ثابت کرنے کے بارے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، کوئی ایسا پہلو نہیں جو تشنہ رہ گیا ہو، ہماری آرزو اور خواہش تو یہی ہے کہ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب جس طرح محبوب تھے آخر تک اسی طرح محبوب رہیں اور جس طرح سیاسی ودنیوی اصلاحی کارنامے انجام دے چکے ہیں ٹھیک اسی طرح دینی کارنامے بھی انجام دیں تاکہ خالق ومخلوق دونوں کے سامنے سرخ رو ہوں اور دنیا وآخرت دونوں کی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ مسئلہ اب بھی علماء سے پوچھا جائے گا، نہ بنیادی ممبران سے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمن سے، نہ مشاورتی کونسل سے پھر کون سی مصلحت کا تقاضا ہے کہ قوم پر قرآن وحدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی مسائل کے خلاف قانون نافذ کرایا جائے:

الدين النصيحة لله ولرسوله ولكتابه ولائمة المسلمين

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو حق سمجھنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

[ربیع الاول ۱۳۸۶ھ - جولائی ۱۹۶۶ء]

رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ

بشریت کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں، کبھی نفسانی خواہشات کی راہ سے اور کبھی عدو مبین شیطان لعین کے

فریب وتلبیس کی راہ سے اور کبھی شیاطین الانس (انسانی شیطانوں) کے وساوس اور غلط ماحول کے برے اثرات سے، لیکن ارحم الرحمین کی رحمت کاملہ قدم قدم پر اس کمزور فطرت انسان کی برابر دستگیری فرماتی رہتی ہے، عقل جیسی نعمت عطا فرمائی اور پھر عقل کی رہنمائی کے لئے انبیاء کی بعثت ورسالت اور آسمانی تعلیمات کا نظام جاری فرمایا اور امت محمدیہ کے لئے تو اس رحمت کاملہ کے مظاہر رحمت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، عبادت وعبودیت کے مظاہر (افعال واعمال) میں انتہائی تیسیر وتسہیل (سہولت اور آسانی) اور پھر اس عبادت پر بیکراں اجر وثواب اور قدم قدم پر قبولیت اور رضامندی کی بشارتیں، انہی بیکراں نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ماہ رمضان المبارک ہے، جو سرتاپا ماہِ رحمت ہے اور ماہِ برکت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ماہ شعبان کی آخری تاریخوں میں خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جس میں:

① ایک رات (شب قدر) ایسی ہے کہ اس میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

② اس مہینہ کے دنوں میں روزے فرض ہیں اور اس کی راتوں میں نمازیں پڑھنا بہت زیادہ باعث خیر وبرکت ہے۔

③ اس مہینہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔

④ اور فرض کا اجر وثواب ستر گنا ملتا ہے۔

⑤ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

⑥ مسلمانوں خصوصاً فقراء کے ساتھ مواسات وہمدردی کا مہینہ ہے۔

⑦ مومن کا رزق اس مہینہ میں بہت زیادہ ہوجاتا ہے۔

⑧ ایک روزے دار کا روزہ افطار کرانے والے کے بہت سے گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے رہائی نصیب ہوتی ہے اور خود اس روزہ دار کو اپنے روزہ کا ثواب الگ ملتا ہے اور لطف وکرم یہ ہے کہ روزہ دار کا ثواب بالکل کم نہیں ہوتا اور پھر آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ روزہ کی یہ افطاری چاہے دودھ کی لسی ہو یا ایک کھجور کا دانہ یا پانی کا ایک گھونٹ ہو۔

⑨ کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کے صلہ میں حوض کوثر سے وہ سیرابی نصیب ہوگی جس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

⑩ اس مہینہ کا پہلا عشرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، درمیانی عشرہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اور آخری عشرہ دوزخ کی آگ سے رہائی کا پیغام ہے۔

⑪ جس روزہ دار نے اپنے غلام (یا نوکر یا مزدور) کا بوجھ ہلکا کر دیا اس کے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔ (۱)

احادیث نبویہ میں ماہ رمضان کے فضائل و برکات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کے بیان کرنے کی ان صفحات میں گنجائش نہیں اسی ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ولی کامل بنانے کا آسمانی نسخہ

ماہ رمضان درحقیقت مومن کو ولی کامل بنانے کا ایک عجیب آسمانی نسخہ ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ [یونس: ٦٢، ٦٣]

یاد رکھو! بلاشبہ اللہ کے ولی اور دوست وہ ہیں جن کو نہ کوئی خوف (ودہشت) ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ولی - جو ہر خوف و غم سے آزاد ہوتا ہے - ہر وہ شخص ہے جس میں یہ دو وصف موجود ہیں: (۱) ایمان اور (۲) تقویٰ، گویا کمال تقویٰ کا دوسرا نام ولایت ہے۔

اس ارشاد گرامی کے بعد حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ١٨٣]

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں حصول تقویٰ کا ذریعہ روزے کو قرار دیا ہے، دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف نتیجہ نکلا کہ روزہ ولی اللہ بننے کا وسیلہ ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ

اب ذرا غور فرمائیں روزہ رکھنے سے تقویٰ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا ایک فرض حکمِ خداوندی کی تعمیل ہے، روزہ رکھنے سے منہیات (ممنوع کاموں) اور برائیوں سے اجتناب میسر آئے گا، برائیاں کچھ تو ایسی ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے، کچھ کا تعلق پیٹ سے ہے، کچھ کا تعلق شرمگاہ سے ہے اور ان سب کا تعلق نفس انسانی کی خواہشات سے ہے، نفسانی خواہشات بھی مختلف قسم کی ہیں، کچھ خصلتیں تو انسان میں درندوں کی ہیں، دوسروں کو مارنا پیٹنا، توڑنا پھوڑنا اور غیظ و غضب کے تقاضوں کو پورا کرنا، کچھ خاصیتیں جانوروں کی ہیں، شکم

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الثالث ص: ۱۷۳، ط: قدیمی

پروری، تن پروری، کھانے پینے اور سونے وغیرہ کے مشاغل اور اس کے نتیجہ میں حوائج ضروریہ، کچھ نفسیاتی تقاضے شرم گاہ سے متعلق ہیں جن کو ہم عرف میں نفسانی خواہشات کہتے ہیں، یہ تینوں نفسانی قوتیں اور ان کی خواہشات جب تک قابو میں نہ آئیں تقویٰ کا حصول ممکن نہیں۔

اسلام یہ چاہتا ہے اور تمام علماء اخلاق کا کہنا بھی یہی ہے کہ ان تینوں قوتوں کی تہذیب و اصلاح مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ ہوجائے یعنی ان کا رخ صحیح ہوجائے ان کا استعمال بروقت اور برمحل ہو، بے جا اور ناوقت استعمال اور غلط راہ روی سے کلی طور پر اجتناب ہوجائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے حکماء وعقلاء میں ہمیشہ سے چند اصولی امور پر اتفاق رہا ہے:

① تقلیل طعام (کم خوری) ② تقلیل کلام (کم گوئی)

③ تقلیل منام (کم خوابی) ④ تقلیل اختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا جلنا)

ماہ رمضان کے روزے ان تینوں مقاصد کو پورا کرتے ہیں روزہ دار کو:

① دن میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پورا کرنے سے بالکل روک دیا گیا ہے۔

② رات میں تراویح، قیام لیل، شب بیداری کے ذریعہ نیند پر کنٹرول کرنے کا موقعہ فراہم کیا گیا ہے۔

③ تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ واستغفار کی کثرت کی ترغیب دے کر قلت کلام (کم گوئی) کی تدبیر کی گئی ہے۔

④ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کو مسنون قرار دے کر لوگوں سے کم ملنے جلنے اور بلاضرورت میل جول ترک کرنے کی عادت پیدا کرنے کی تدبیر کی گئی ہے۔

پورے ایک ماہ یہ ریاضت کرانے کا مقصد یہ ہی ہے کہ یہ خصلتیں مستقل عادات واخلاق بن جائیں، چنانچہ پورے تیس دن سحری کا حکم دے کر سحر خیزی کی عادت ڈالی جاتی ہے اور پورے ایک ماہ تراویح کا حکم دے کر شب میں کثرت سے نفلیں پڑھنے کی عادت ڈالنا مطلوب ہے۔

یہ ہی روزہ کے مقاصد ہیں ان کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل ارشادات عالیہ کامل غور وفکر اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور ان پر عمل کیجئے۔

۱ - من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في ان يدع طعامه و شرابه(۱)

۱۔ جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹے (بڑے) کام کرنے نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور والعمل به ج: ۱ ص: ۲۵۵، ط: قديمی

کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑے (جب روزہ کا مقصد پورا نہیں کرتا تو بھوکا پیاسا مرنے کی کیا ضرورت ہے)۔

۲-و اذا کان یوم صوم احد کم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد فلیقل انی صائم(۱)

۲-اور جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو اس کو نہ کوئی بے شرمی و بے حیائی کی بات کرنی چاہئے اور نہ شور وشغب کرنا چاہیے اگر اس سے کوئی سخت کلامی یا گالم گلوچ یا ہاتھا پائی کرے تو اس کے جواب میں بس اتنا کہہ دے میرا روزہ ہے۔

۳-کم من صائم لیس له من صیامه الا الظمأ و کم من قائم لیس له من قیامه الا السهر (۲)

۳-بہت سے روزہ دار ہیں جن کے روزہ کا حاصل بجز بھوک پیاس کی مصیبت جھیلنے کے اور کچھ نہیں اور کتنے ہی راتوں کو نماز پڑھنے والے ہیں جن کی نمازوں کا حاصل بجز مفت کی جگائی کے کچھ نہیں۔

٤- لیس الصیام من الا کل والشرب انما الصیام من اللغو والرفث، فان سابه احدا وجهل علیك فلیقل انی صائم(۳)

۴-روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے اور بچنے کا نام نہیں، روزہ تو حقیقت میں صرف بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے رکنے اور بچنے کا نام ہے، پس اگر کوئی تمہیں گالی دے یا تمہارے ساتھ بدتمیزی کرے تو تم کہہ دو: میاں! میرا روزہ ہے۔

٥-رب صائم لیس له من صیامه الا الجوع(۴)

۵-بہت سے روزے دار ہوتے ہیں جن کے روزوں کا حاصل بھوکے مرنے کے سوا کچھ نہیں۔

٦- من لم یدع الخنا و الکذب فلا حاجة لله ان یدع طعامه و شرابه(۵)

۶-جو روزہ دار فحش کام (گالی گلوچ، بے شرمی کی باتیں) اور جھوٹ نہیں چھوڑتا اللہ کو اس کے کھانا پینا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل یقول انی صائم اذاشتم ج:۱ ص:۲۵۵، ط: قدیمی
الصحیح لمسلم، کتاب الصوم، باب ندب للصائم اذادعی الی الطعام... ج:۱ ص:۳۶۳، ط: قدیمی

(۲) سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب فی المحافظة علی الصوم ج:۲ ص:۳۹۰، ط: دار الکتاب العربی بیروت

(۳) صحیح ابن خزیمة، کتاب الصیام، باب النهی عن اللغو فی الصیام ج:۳ ص:۲٤۲، ط: المکتب الاسلامی بیروت

(۴) سنن ابن ماجه، ابواب ماجاء فی الصیام، باب ماجاء فی الغیبة والرفث للصائم ص:۱۲۱، ط: قدیمی

(۵) المعجم الاوسط للطبرانی ج:٤ ص:٦٥، ط: دار الحرمین قاهرة

چھوڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔

٧- الصيام جنة مالم يخرقها قيل وبم يخرقها؟ قال بكذب او غيبة(١)

٧۔ روزہ (گناہوں سے بچانے والی) ایک سپر (ڈھال) ہے جب تک روزہ دار اس کو نہ توڑے۔ عرض کیا گیا اس ڈھال کو توڑنے والی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: جھوٹ اور غیبت۔

اس حدیث و [illegible] غور سے پڑھنے اور دیکھنے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی تاکید [illegible] روزوں کی حفاظت فرمائی ہے تا کہ روزوں کا خاطر خواہ فائدہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی تربیت حاصل ہو۔

مجاہدہ نفس اور روزہ

الغرض اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان المبارک کو مجاہدۂ نفس کا مہینہ بنایا ہے تا کہ امت کی ظاہری و باطنی تربیت اور اصلاح ہو سکے اور ان کو یہ موقع مل سکے [illegible] اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور گذشتہ پورے سال میں جو کوتاہی کر چکے ہیں اس کا تدارک کریں اور آئندہ کے لئے بھی ایسی تیاری کریں کہ جلد نفس وشیطان کے اثرات سے متاثر نہ ہوں۔ دن کو روزہ جیسی مبارک عبادت فرض کی جو عجیب وغریب اصلاحی تدابیر پر مشتمل ہے اور یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزہ دار کسی سے سخت کلامی بھی نہ کرے اور کوئی بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے بلکہ اگر کسی نے سخت کلامی کی اور کوئی تکلیف پہنچائی تو بغیر روزہ کے اگر چہ اتنی ہی مقدار میں بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن روزے کی حالت میں اس کی بھی اجازت نہیں صرف اتنا کہہ دے کہ میرا روزہ ہے یعنی جواب سے معذور ہوں۔ افطاری وسحری میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے اور شرعی ہدایات اور نبوی ارشادات کے مطابق روزہ رکھ لیا جائے تو درحقیقت انسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہو جائے گا اور روحانیت ترقی کر کے ایک منزل پر پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں جلوہ گر ہو جائے اور محبت الٰہی کا وہ اثر دل میں پیدا ہو جائے گا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن ہی نہیں، رات کو تراویح کی عبادت مقرر کر دی تا کہ نماز اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے نفس انسانی پر وہ نقوش مرتسم ہو جائیں جو کسی اور تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے، قرآن کریم زبان سے خود پڑھتا ہے یا کانوں سے سنتا ہے، قیام ورکوع وسجود سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عبادت میں مشغول ہے کبھی [illegible] ہے اور کبھی تسبیح وتہلیل ورد زبان ہے، قدرت نے کیسے روحانی عجیب وغریب [illegible] کا طریقہ اختیار کیا ہے سبحان اللہ۔

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد جو مختصر وقفہ ہے اس میں تسبیحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس وبزرگی کی جاتی ہے اور بندہ اپنے خدا کے حضور میں حاضر رہتا ہے اور برکاتِ روحانی سے مالا مال ہوتا ہے، یہ

---

(١) سنن النسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام ج:١ ص:٣١١، ط: قدیمی

بڑا قیمتی وقت ہے اس میں توجہ الی اللہ سے غفلت نہیں ہونی چاہیے، کلمۂ تمجید تو ہر شخص کو یاد ہوتا ہے یعنی "**سبحان الله والحمد لله ولا اله الاالله والله اكبرو لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم**" وہ پڑھ لیا کرے، یا "**سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**" کا ورد جاری رکھے اور فقہاء نے ایک خاص تسبیح جو بہت ہی جامع ہے لکھی ہے وہ یہ ہے "**سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الحى الذى لا ينام ولا يموت، سبوح قدوس، ربنا ورب الملائكة والروح لا اله الا الله، نستغفر الله نسالك الجنة ونعوذبك من النار**" اس کو تین مرتبہ ہر ترویحہ میں اور وتر اور تراویح کے وقفہ میں پڑھا کریں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان میں شرعی احکام کا ایسا پروگرام بنایا کہ انسان چاہے تو اپنی پوری زندگی میں صالح و متقی بن جائے، نیز ماہ صیام میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دیکر متقی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو سخی بنانے کی بھی تدبیر فرمائی اور اس کے طبعی بخل کی اصلاح اس طرح کی، الغرض پورے مکارمِ اخلاق، تقویٰ و صلاح، نیکو شعاری اور نیک گفتاری، جود و سخا اور کرم نفس کی ایسی تلقین کی گئی اور اس کے لئے ایسا پروگرام بنایا گیا کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے اور اس سے بہتر تدبیر کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، قرآن کریم کے ایک لفظ میں ان سب باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا، ارشاد ہے "**لعلكم تتقون**" یعنی تم پر روزہ اس لئے فرض کیا گیا تاکہ تم متقی و صالح بن جاؤ۔

دینی تربیت اور ماہ رمضان

آج کل والدین اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بے حد کوتاہی کرتے ہیں، حالانکہ جس طرح ان کے ذمہ فرض ہے کہ خود نماز پڑھیں، صالح اور متقی بنیں اسی طرح ان کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ اپنی اولاد کو اور گھر والوں کو نماز سکھائیں اور پڑھائیں چنانچہ حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیں، گویا نماز سکھانا اس سے بھی پہلے ہوگا اور اگر دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو والدین اس کو پیٹیں اور نماز پڑھائیں، الغرض دینی تربیت دینا اور صالح بنانا بھی ان کے ذمہ فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تاکید فرمایا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ [التحريم: ٦] یعنی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ ماہ رمضان سے یہ فائدہ بآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان دنوں مغرب اور عشاء کی نماز میں بچوں کو آنے کا طبعاً شوق رہتا ہے۔ اسی طرح سحری میں اٹھنے کا بھی شوق ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قدرتی روشنی ان کے دل میں ہوتی ہے اگر بچے کے اس فطری جذبہ اور شوق و صلاحیت سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے نماز و سحر خیزی کا عادی بنایا جا سکتا اور یوں رمضان کی برکت سے اپنی اولاد کو

صالح بنانے کی بھی تدبیر کی جاسکتی ہے، اگر انسان خود ان باتوں پر عمل کرے تو خود بخود اولاد کو صالح و نیک بنانے کی صورتیں نکل آتی ہیں، نیز چونکہ حدیث میں اس مہینہ کو ہمدردی کا مہینہ فرمایا گیا ہے اس لئے پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات اور محبت قائم کرنی چاہئے۔ ایک دوسروں کے ہاں تھوڑا سا ہدیہ بھیجنے میں بھی بہت سا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دلوں میں محبت بڑھا دیتے ہیں اور نیکی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں، اپنے چاروں طرف نیکی کی یاد دلانا اور نیکی پھیلانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر فرض کیا ہے، لہٰذا محض اللہ تعالیٰ کی لئے باہمی محبت اور نیک برتاؤ ضروری ہے، رمضان کے مہینے سے اس کام میں بھی بڑی مدد ملتی ہے اور بہت برکت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہوں اور اس عاشقانہ و محبانہ عبادت الٰہی کے ثمرات و آثار سے بیش از بیش حصہ نصیب ہو، آمین۔

و صلى الله على خير خلقه حبيب رب العالمين و خاتم النبيين محمد و آله و صحبه اجمعين

[رمضان المبارک ١٣٨٦ھ۔ جنوری ١٩٦٧ء]

قومیت اور اس کے روح فرسا نتائج

پچھلے چند دنوں میں خاص طور پر خون ناحق کی ارزانی و فراوانی اور جان و مال کے محافظوں کے ہاتھوں جان و مال کی تباہ کاری و بربادی کے جو دردناک و خون چکاں واقعات پیش آئے ہیں اور ان کا سلسلہ اب تک بھی ختم نہیں ہوا ہے، یہ تاریخ پاکستان کے سیاہ ترین اوراق ہیں، جس طرح بھائی بھائی سے دست و گریباں ہے، بھائی بھائی کے ہاتھ قتل ہو رہا ہے، بھائی بھائی کے مکان و دکان کو آگ لگا رہا ہے، سامان کو لوٹ رہا ہے، یہ تاریخ پاکستان کا انتہائی دردناک دور ہے، نہ بھائی سے بھائی کی جان محفوظ ہے، نہ آبرو محفوظ ہے، نہ مال محفوظ ہے، انتہائی کرب انگیز صورت حال ہے مسلمان کے خون کی یہ ارزانی مسلمانوں کے ہاتھوں، مسلمانوں کے گھروں اور دوکانوں مارکیٹوں کی یہ تباہی و بربادی تاریخ پاکستان کے الم انگیز اور شرمناک واقعات ہیں، بلکہ پاکستانی قوم کی پیشانی کا سیاہ داغ ہیں، مہاجروں اور سندھیوں میں سفاکی کے یہ ہولناک مناظر ہلاکو اور چنگیزی بربریت کی یاد تازہ کرتے ہیں بلکہ ان خدانا آشنا وحشیوں کو بھی شرماتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اردو سندھی لسانی تنازعہ کے عنوان سے ابھرنے والی ملعون قومیت کے نتائج انتہائی حسرت ناک ہیں، کاش حکومت ذرا غور و تدبر سے کام لیتی اور اس نازک ترین مواقع پر اس قضیہ کو ابھرنے نہ دیتی اور موزوں وقت کا انتظار کر لیتی تو شاید یہ دردناک صورت پیش نہ آتی، اگرچہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ نزاع و اختلاف ان واقعات و محرکات کی محض ظاہری صورت ہے ورنہ پس پردہ کوئی اور مخفی طاقت ہے جو ان واقعات کو اچھال رہی ہے، لیکن

حیرت تو اس پر ہے کہ اس طاقت کی تشخیص کے باوجود آخر کیوں اس کو زہر پھیلانے کا موقعہ دیا جارہا ہے، زہر بھی وہ زہر جس سے خود صدر مملکت اور برسر اقتدار پارٹی بھی نہیں بچ سکتی، خیال تھا کہ مشرقی پاکستان کے واقعات کا اعادہ مغربی پاکستان میں نہ ہوگا اور مشرقی پاکستان کے واقعات سے مغربی پاکستان کو عبرت ہوگی لیکن افسوس کہ عبرت تو کیا ہوتی ان کی تقلید کی جارہی ہے ان کو مثال اور نمونہ بنایا جارہا ہے۔

دراصل اسلامی اخوت کی نعمت سے جب مسلمان قوم محروم ہوجاتی ہے تو لسانی، قومی، وطنی عصبیتوں کی لعنت میں گرفتار ہوجاتی ہے اور عالم گیر اسلامی ملت اور قوم چھوٹے چھوٹے دیشوں اور قوموں میں تبدیل ہوجاتی ہے، پاکستان کے پیٹ سے بنگلہ دیش تو جنم لے ہی چکا ہے اور اگر ان قومی ولسانی لعنتوں کو ختم نہ کیا گیا تو بقیہ مملکت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے اور بنگلہ دیش کے بعد سندھو دیش جنم لے گا اور پھر نہ معلوم اور کون کون؟ اور اس معلون عصبیت کا سیلاب کہاں جا کر تھمے گا؟

بلاشبہ یہ جو کچھ ہورہا ہے ہماری طویل غفلت کی سزا ہے بلکہ غلط اور غیر اسلامی نظام زندگی کو اپنانے کا نتیجہ ہے، ہم ''بینات'' کے صفحات میں بارہا یہ ماتم کر چکے ہیں اور بار بار یہ تنبیہات کر چکے ہیں لیکن ''صدائے بر نخاست'' زبان پر نام اسلام کا ہو اور افکار اور اعمال تمام کے تمام کافروں کے ہوں، استعمال تو زہر اور سمیات کا ہو اور نتیجہ میں امید ''تریاق'' کی ہو، ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' بہت پرانی مثال ہے ''گندم ازگندم بروید جوز جو۔''

پورے پچیس سال ہم نے خدا اور خدا کی مخلوق کو دھوکہ دیا ہے، اسلام کے نام سے اسلام کی بنیادوں کو ڈائنا میٹ لگایا ہے ہر اس لعنت اور اس عمل کو جو حق تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دیتا ہے اپنایا اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے اور یہ نفاق کا سلسلہ افزوں ہوتا جارہا ہے، نہ تو سابق زندگی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے، نہ دردناک واقعات سے عبرت ہوتی ہے، نہ معلوم اس بدنصیب ملک کا کیا انجام ہوگا اور اس بدقسمت قوم کا کیا حشر ہوگا؟

اسلامی اخوت

قرآن عظیم:

۱-﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ [الحجرات:۱۰]

اس کے سوا نہیں کہ اہل ایمان تو (آپس میں) بھائی بھائی ہیں، پس اگر کوئی نزاع ہوجائے تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرادو۔

۲-﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الانفال:۱]

سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں۔

۳-﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

اور تھام لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور الگ الگ (قوموں میں) نہ بنو۔

حدیث پاک:

٤ - المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته ، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله بها كربة من كرب يوم القيامة ، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة.(۱)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگے گا اللہ اس کی حاجتوں کو پورا کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا اللہ اس کی مصیبت قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کا پردہ رکھا اللہ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

٥ - المسلم اخوا المسلم لا يخذله ولا يكذبه ولا يظلمه(۲)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے نہ اس کو جھٹلاتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔

٦ -المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضًا(۳)

مسلمان مسلمان کے لئے عمارت (کی اینٹوں) کی طرح ہے ایک دوسرے کو مضبوط رکھتا ہے۔

٧ -من مشى فى حاجة اخيه كان خيرا له من اعتكاف عشر سنين.(۴)

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے چلے گا (جدو جہد کرے گا) یہ اس کے حق میں دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

٨- المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده(۵)

---

(۱) صحيح البخارى،ابواب المظالم والقصاص،باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه ج:۱ ص:۳۳۰، ط: قديمى. الصحيح لمسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تحريم الظلم ج:۲ ص:۳۲۰،ط: قديمى

(۲) سنن الترمذى،ابواب البر والصلة،باب ماجاء فى شفقة المسلم على المسلم ج ۲ ص:۲۵،ط: فاروقى كتب خانه ملتان

(۳) صحيح البخارى،ابواب المظالم والقصاص،باب نصر المظلوم ج ۱ ص ۳۳۱،ط: قديمى الصحيح لمسلم،كتاب البر والصلة والادب،باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم ج:۲ ص:۳۲۱، ط: قديمى

(۴) المعجم لاوسط للطبرانى ج:۷ص: ۲۲۰،ط: دار الحرمين قاهرة

(۵) صحيح البخارى،كتاب الايمان،باب اى الاسلام افضل ج ۱ ص ۶،ط: قديمى

صحيح مسلم،كتاب الايمان،باب بيان تفاضل الاسلام واى اموره افضل ج ۱ ص ۴۸،ط: قديمى

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

٩-مثل المؤمنين فى توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل جسد إن اشتكى عضو منه تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى.(١)

مسلمانوں کی مثال (صفت) آپس میں شفقت کے لحاظ سے ایک جسم (اور بدن) کے مانند ہے، اگر اس (بدن) کا ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو بدن کے تمام اعضا بخار اور بے خوابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

١٠- الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة ؟قالوا بلى !قال: اصلاح ذات البين فان فساد ذات البين هى الحالقة(٢)

کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتلاؤں جو روزے، نماز اور صدقہ کے درجہ سے بھی افضل ہو؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتلایئے، آپ نے ارشاد فرمایا وہ عمل باہمی تعلقات کی درستی ہے اس لئے کہ بلاشبہ آپس کے تعلقات کی خرابی ہی تو (تمام خوبیوں اور برکتوں کو) مٹا دینے والی ہے۔

ایسے بے شمار جواہرات ہیں جن میں سے بطور مثال یہ چند پیش کئے گئے ہیں، جن سے اسلامی اخوت کے ایمانی رشتہ کی اہمیت اور ضرورت قومی اور اجتماعی زندگی کے بقا اور تحفظ میں واضح ہوتی ہے، بشرطیکہ کوئی عقل وہوش کے کانوں سے سنے اور دل سے سبق حاصل کرے، نیز عیاں ہو جائے کہ ایک مسلمان کا مسلمان کے ساتھ تعلق کیسا ہونا چاہیے؟ اور مسلمان کے مسلمان کے ذمے کیا حقوق ہیں اور مسلمان کی امداد واعانت کے کیا کیا درجات ہیں؟

ان آسمانی ہدایت وارشادات پر غور کریں اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جس دردناک طریق پر مسلم خون کی ارزانی ہو رہی ہے اس کو دل کی آنکھوں سے دیکھیں، یقین نہیں آسکتا کہ جو قوم زبانی ہی سہی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے وہ ان وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیسے کر سکتی ہے؟ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلوں سے اسلام کی روح نکل چکی ہے، حق تعالیٰ کے خوف سے دل خالی ہو گئے ہیں، قیامت پر ایمان نہیں رہا ہے ورنہ تو مذکورہ بالا آیات واحادیث کے علاوہ مذکورہ ذیل احادیث [illegible] دینے کے لئے بہت کافی ووافی ہیں۔

---

(١)صحيح البخارى، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم ج:٢ ص:٨٨٩، ط:قديمى.
صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم ج: ٢ ص: ٣٢١، ط:قديمى

(٢) سنن الترمذى، ابواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب منه ج:٢ ص:٧٤، ط:فاروق كتب خانه ملتان. سنن ابى داؤد، كتاب الادب، باب فى اصلاح ذات البين ج:٢ ص:٦٧٣، ط:حقانيه

مسلمان کی جان کی اہمیت (قتل مسلم پر وعیدیں)

۱۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لزوال الدنیا اهون علی الله من قتل رجل مسلم(١)

ایک مسلمان کا قتل حق تعالیٰ کے نزدیک تمام کائنات کے تباہ ہو جانے سے بھاری ہے۔

۲۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

قتل المؤ من اعظم عند الله من زوال الد نیا(٢)

ایک مومن کا قتل اللہ کے نزدیک تمام دنیا کے زوال سے بڑھ کر ہے۔

۳۔ ایک اور حدیث میں جو ترمذی نے بروایت ابوسعید خدریؓ وابوہریرۃؓ نقل کی ہے، اگر تمام روئے زمین و آسمان کے باشندے کسی ایک مسلمان کے قتل کرنے میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا۔ (٣)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

اگر تمام انس و جن ایک مسلمان کے قتل پر جمع ہو جائیں تو سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔

۴۔ ایک اور حدیث میں جو ابن ماجہ وغیرہ میں آئی ہے، ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی مسلمان کے قتل کرنے کے بارے میں ایک آدھ لفظ بھی زبان سے کہے گا تو قیامت کے روز اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔ (یعنی محروم ہے) العیاذ باللہ۔ (٤)

۵۔ صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں جن سات چیزوں کو امت کی تباہی کا ذریعہ بتلایا گیا ہے ان میں سے ایک مسلمان کا خونِ ناحق ہے۔ (٥)

۶۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ: مسلمان کی جان و مال حق تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ شریف سے بھی

( ) سنن الترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء فی تشدیدقتل المؤمن ج:١ ص:١٦٧، ط:فاروق کتب خانه ملتان. سنن النسائی، کتاب المحاربة، باب تعظیم الدم ج:٢ ص:١٦٢، ط:قدیمی

(٢) سنن النسائی، کتاب المحاربة، باب تعظیم الدم ج:٢ ص:١٦٢، ط:قدیمی

(٣) سنن الترمذی، ابواب الدیات، باب الحکم فی الدماء ج:١ ص:١٦٨، ط:فاروق کتب خانه ملتان

(٤) سنن ابن ماجه، ابواب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما ص:١٨٨، ط:قدیمی

(٥) صحیح البخاری، کتاب المحاربین من اهل الکفر والردة، باب رمی المحصنات ج:٢ ص:١٠١٣.
ایضا کتاب الوصایا، باب ان الذین یاکلون اموال الیتامی ج:١ ص:٣٨٧، ط:قدیمی.
الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرها ج:١ ص:٦٤، ط:قدیمی

زیادہ قابل احترام ہے۔(١)

٧۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ایک قاتل کو کسی مسلمان کے قتل پر قیامت میں ایک ہزار مرتبہ قتل کیا جائے گا۔ (٢)

(یعنی ہر مرتبہ قتل کے بعد زندہ کیا جائے گا پھر قتل کیا جائے گا)

٨۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اگر قاتل کو مسلمان کے قتل سے روکا نہ گیا تو تمام امت عذاب میں مبتلا ہوگی۔ (یہی ہو رہا ہے)

اس قسم کے اور بے شمار ارشادات نبویہ موجود ہیں، ان کو ٹھنڈے دل سے پڑھئے اور پھر آج کل جو سرزمینِ سندھ میں ہو رہا ہے اس کا جائزہ لیجئے، یقین سا ہوتا جاتا ہے کہ خاکم بدہن اس قوم کی تباہی کا وقت آ گیا ہے، یہ دردناک صورتحال مسلمانوں کے جہل کا نتیجہ ہے، یا بے دینی کا، خود کر رہے ہیں یا کرایا جا رہا ہے؟ قدیم سندھی، جدید سندھیوں سے کہہ رہے ہیں کہ سندھ سے نکل جاؤ یا جدید قدیم سے کہہ رہے ہیں کہ تمہارا وجود ناقابل برداشت ہے تم سندھ کو چھوڑ دو۔

بدقسمتی سب سے بڑی یہ ہے کہ حکومت اصلاح احوال میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے، درحقیقت مسلمان قوم کو من حیث القوم خدا فراموشی کبھی راس نہیں آ سکتی، افراد اس لعنت میں گرفتار ہوں تو معاملہ قابل برداشت ہو جاتا ہے لیکن جب پوری قوم اس تباہ کن معصیت یعنی خدا فراموشی میں مبتلا ہو جائے تو نجات کیسے ہو۔

ایک طرف تو یہ مصیبت عظمٰی نازل ہے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمنان اسلام اور اس ملک کے اصلی غدار، بے ضمیر ملحد دوہریئے، مار آستین بنے ہوئے ہیں وہ سندھ کی علیحدگی اور جئے سندھ کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور سندھو دیش کے شیطانی راگ الاپ رہے، بلاشبہ پاکستان کی تاریخ میں یہ سب سے دردناک اور تباہ کن دور ہے۔

سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ملک تباہی کے کنارے آ لگا ہے لیکن دلوں کی قساوت وغفلت کی کوئی انتہا نہیں، اب بھی عبرت نہیں ہوتی، آج بھی اگر پوری قوم محکوم اور حاکم پبلک اور پولیس وفوج سب صدق دل سے اپنی بدکرداریوں سے توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے جرائم کی معافی مانگ لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں اور اس خدا فراموش وخود فراموش زندگی کو یک قلم ترک کر دیں اور ہر شخص اپنے دائرہ اختیار میں ایمانداری سے اصلاح احوال کا عزم کر لے اور اپنی زندگی خدا ترسی کی زندگی بنا لے تو:

﴿ان رحمة الله قريب من المحسنين﴾

---

(١) سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن ج:٢ ص:٢٤، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

(٢) کنز العمال، کتاب الدیات، فصل فی ترهیب القتل ج:١٥ ص:٢٣٦، ط: موسسة الرسالة بیروت.

مصنف ابن ابی شیبة، الفتن، من کرہ الخروج فی الفتنة وتعوذ منها ج:٧ ص:٤٨٦، ط: مکتبة الرشد ریاض

بیشک اللہ کی رحمت مخلص نیکوکاروں سے قریب ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ضرور نازل ہوگی، مملکت بھی محفوظ ہوجائے گی اور باشندگانِ مملکت بھی آرام کی نیند سوئیں گے۔

جب یہ بات یقینی ہے کہ اپنے اعمال کی سزا اُمت کو مل رہی ہے یعنی مرض کی تشخیص ہوگئی ہے، تو تشخیص مرض کے بعد تو علاج بہت آسان ہوجاتا ہے، قرآن حکیم نے اس قسم کے امراض کے لئے جو تیر بہدف نسخہ تجویز فرمایا ہے وہ استغفار ہے، انابت الی اللہ اور اپنے اعمال پر ندامت ہے، صدق دل سے توبہ ہے، اس ملک میں صحیح معاشرہ کا قیام ہے، اس کے لئے اسلامی قانون جلد سے جلد نافذ کیا جائے، شراب اور شراب خانے فوراً بند کئے جائیں، شرعی سزائیں جاری کی جائیں مختصر یہ کہ غیر اسلامی زندگی کو فوراً ختم کیا جائے، یعنی حق تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دینے والی زندگی کو پہلی فرصت میں ترک کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل وکرم کو دعوت دینے والی حیات طیبہ کو قائم ورائج کیا جائے، پھر دیکھئے چند دنوں میں انقلاب آجائے گا اسلامی اخوت کے مظاہرے ہونے لگیں گے، قلوب میں سکینت واطمینان پیدا ہوجائے گا جان مال آبرو سب محفوظ ہوجائیں گی۔

١٩٦٥ء میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ نمونہ بھی اہل پاکستان کو دکھلادیا ہے، چند دنوں میں پوری قوم نے فسق وفجور کی زندگی سے تائب ہوکر صالحین کی زندگی اختیار کرلی تھی، مسجدوں اور گھروں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے فضائیں گونجنے لگی تھیں پورے ملک کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔

دیکھا آپ نے کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ظہور ہوا اور کیسے لطیفہ غیبیہ کا اظہار ہوا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:٩٦]

اور اگر بستیوں والے (صدق دل سے) ایمان لے آتے اور نافرمانی ترک کردیتے تو ہم یقیناً ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل کردیتے۔

یہ آسمانی نسخہ اور قرآنی علاج ہے تاریخ عالم کا آزمایا ہوا نسخہ اور علاج ہے۔

لیکن اگر خدانخواستہ یہی خدافراموشی اور خودفراموشی کی زندگی قائم رہی، یہی لیل ونہار رہے تو اس کے دردناک عواقب ونتائج بھگتنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلاً﴾ [الاحزاب:٦٢]

اور تم سنت الٰہیہ میں تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔

حق تعالیٰ رحم فرمائیں اور امت پاکستانیہ کو توبہ وانابت کی توفیق نصیب فرمائیں اور قہر الٰہی سے نجات اور سعادت ورضاء الٰہی کے آثار ظاہر فرمائیں اور موجودہ وآئندہ شقاوت وبربادی وتباہی سے امت کو بچائیں۔

بحرمة سيد المر سلين وامام المتقين وخاتم النبيين المعبوث للعالمين عليه صلوات الله والملا ئكة والناس اجمعين.

[رجب المرجب ۱۳۹۲ھ-ستمبر ۱۹۷۲ء]

تقویٰ اور اس کی اہمیت

ایمان کے بعد تقویٰ ہی ایسی بڑی نعمت ہے جو سعادت دارین کا ذریعہ ہے، قرآن کریم اور دین اسلام کی زبان میں تقویٰ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا دوسرا نام ہے، تقویٰ کیا ہے؟ اوامر الٰہیہ کا اتباع اور منہیات شرعیہ اور فواحش ومنکرات سے بالکلیہ اجتناب، تقویٰ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی معیت کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ، قرآن کریم کی تلاوت اور مطالعہ سے تقویٰ کی جو برکتیں اور ثمرات ونتائج معلوم ہوتے ہیں وہ نہایت ہی عجیب ہیں، ایک مرد مومن کی آرزو یہی ہوگی کہ زندگی سکون واطمینان سے گذرے، ضروریات زندگی بآسانی مہیا ہوں، وہ کسی کا محتاج نہ ہو، دنیا میں انجام کار بہتر ہو، تجارت کرے تو اس میں نفع ہو، زراعت کرے تو اس میں برکت ہو، اس کے اعمال صالحہ بارگاہ ربوبیت میں خلعت قبول سے نوازے جائیں، آنکھیں بند ہوں اس دنیا سے کوچ کا وقت آئے تو جنت کی بشارت ملے، آخرت میں جنت کی (بیش قیمت) نعمتیں میسر ہوں، گناہ اور تقصیریں معاف ہوں، ابدالآباد کی زندگی چین سے گذرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبیت کا تمغہ ملے اور ولی اللہ ہونے کی سعادت نصیب ہو، الغرض جس کام میں ہاتھ ڈالے کامیابی اور کامرانی اس کے قدم چومے، خواہ دنیا کا کوئی صحیح مقصد ہو یا آخرت کی کوئی نعمت سب اس کی آرزو کے مطابق حاصل ہوتی چلی جائیں، ظاہری وباطنی پاکیزگی اسے نصیب ہو، وہ فلاح دارین سے ہمکنار ہو، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی صحیح آرزو ہوسکتی ہے؟ قرآن کریم بار بار اور صاف صاف ان حقائق کا تذکرہ کرتا ہے، مختلف اسالیب بیان سے ان عظیم الشان مقاصد کا ذکر فرماتا ہے، عجیب عجیب عنوانات سے ان کو ذہن نشین کراتا ہے اور مؤثر ترین نفسیاتی انداز سے اس کی ترغیب دیتا ہے، ہم ذیل میں چند آیات کے اقتباسات کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (۱)

۱- ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [آل عمران:۷٦]

جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (ایسے) متقیوں کو۔

۲-﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [آل عمران:۱۵]

ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں

---

(۱) آیات کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ترجمہ قرآن مجید سے لیا گیا ہے۔

جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں۔

٣-﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [آل عمران:١٣٣]

اور دوڑو طرف مغفرت کی جو تمہارے پروردگار کی جانب سے ہو، اور طرف جنت کی جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین تیار کی گئی ہے، خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

٤-﴿فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[الاعراف:٣٥]

سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

٥-﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:٩٦]

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔

٦-﴿اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:١٢٨)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار رہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

٧- ﴿يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًاوَّ يُكَفِّرْعَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ وَاللهُ ذُوا لْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الانفال:٢٩)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کرے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

٨-﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً.وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:٣،٢)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

٩- ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق:٤)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کام میں آسانی کردے گا۔

١٠- ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا﴾ (الطلاق:٥)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کردے گا اور اس کا بڑا اجر دے گا۔

١١- ﴿وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [البقرة:١٨٩]

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے۔

١٢- ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (طه:١٣٢)

اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

١٣- ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (الاعراف:١٢٨)

اور آخر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

١٤- ﴿اِنْ اَوْلِيَاۤؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (االانفال:٣٤)

اس کے ولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں۔

١٥- ﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرة:١٩٤)

اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

١٦- ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة:٢٧)

خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔

١٧- ﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ (ص:٤٩)

اور پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے۔

١٨- ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الجاثيه:١٩)

اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ارباب تقویٰ کے لئے جن برکات کا وعدہ ہے ان سے زیادہ کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا ہے پھر حیرت وتعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ہوکر ان عظیم الشان نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ کوشش نہیں کی جاتی ہے بلکہ ان سے صاف صاف اعراض وانحراف کیا جارہا ہے، ایک مسلمان جس کے مذہب کی بنیاد ہی تقویٰ وطہارت پر ہے اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ ان حقائق الٰہیہ پر غور کرے دل اور دماغ اعضاء وجوارح الغرض ہر حصہ بدن کے تقویٰ (١) کے حقوق ادا کرے اور ظاہر ہے کہ بنیادی تقویٰ دل کا ہے اس کے حصول کے بعد ہی اعضاء وجوارح کا تقویٰ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس لئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا گیا:

"الا ان التقوی ھھنا "(٢)

---

(١) ہر حصۂ بدن کے تقویٰ کی تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کی "احیاء العلوم"، "کیمیائے سعادت" اور "تبلیغ دین" ترجمہ "اربعین" سے، نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے معلوم کی جائے

(٢) الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ج:٢ ص: ٣١٧، ط: قديمي

١٢ - ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (طه:١٣٢)

اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

١٣ - ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (الاعراف:١٢٨)

اور آخر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

١٤ -﴿اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (االانفال:٣٤)

اس کے ولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں۔

١٥ - ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرة:١٩٤)

اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

١٦ - ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة:٢٧)

خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔

١٧ - ﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ (ص:٤٩)

اور پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے۔

١٨ -﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الجاثيه:١٩)

اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ارباب تقویٰ کے لئے جن برکات کا وعدہ ہے ان سے زیادہ کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا ہے پھر حیرت وتعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ہوکر ان عظیم الشان نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ کوشش نہیں کی جاتی ہے بلکہ ان سے صاف صاف اعراض وانحراف کیا جارہا ہے، ایک مسلمان جس کے مذہب کی بنیاد ہی تقویٰ وطہارت پر ہے اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ ان حقائق الٰہیہ پر غور کرے دل اور دماغ اعضاء وجوارح الغرض ہر حصہ بدن کے تقویٰ (١) کے حقوق ادا کرے اور ظاہر ہے کہ بنیادی تقویٰ دل کا ہے اس کے حصول کے بعد ہی اعضاء وجوارح کا تقویٰ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس لئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا گیا:

"الا ان التقوی ھھنا"(٢)

---

(١) ہر حصۂ بدن کے تقویٰ کی تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کی "احیاء العلوم"، "کیمیائے سعادت" اور "تبلیغ دین" ترجمہ "اربعین" سے، نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے معلوم کی جائے

(٢) الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ج:٢ ص: ٣١٧، ط: قدیمی

سن رکھو کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔

اور قرآن کریم میں بھی ارشاد ہے:

﴿فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج: ٣٢]

یہ تو دلوں کا تقویٰ ہے۔

اطباء اور علمائے علم النفس کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ متقیانہ زندگی سے دل و دماغ پر کنٹرول رہتا ہے اور غلط کاری و غلط روی سے جو برے نقوش لوحِ دل اور صفحۂ دماغ پر مرتسم ہوتے ہیں، اس طرح حفاظت کی بنا پر جسمانی صحت اور طاقت محفوظ رہتی ہے، گویا روحانی صحت دماغی صحت کا سرچشمہ ہے اور دماغی صحت سے بدن کی صحت وقوت محفوظ رہتی ہے، اطباء کے نزدیک دماغ اعصاب کا منبع ہے، جب دماغ میں ضعف وانحطاط رونما ہوگا تو جسمانی اعضاء خود بخود کمزور ہوں گے، ''اسلامی تعلیم'' کی بنیاد یہی ہونی چاہئے کہ نفسِ انسانی کا تزکیہ ہو اور صحیح روحانی تربیت اس کو حاصل ہوتا کہ طالب علم فارغ ہونے کے بعد زندگی کے جس شعبے میں بھی جائے وہاں صحیح خدمت کر سکے اور اپنے منصب کے تقاضے خوش اسلوبی سے انجام دے سکے، اگر تعلیم کے لئے جسمانی ورزش کو ضروری تصور کیا جاتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ دل و دماغ کی پاکیزگی اور ذہن وشعور کی طہارت ضروری ہے۔

ان شرعی اور عقلی حقائق کی روشنی میں یہ بات کتنی واضح ہوجاتی ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں ''مخلوط تعلیم'' سے کتنے برے نتائج رونما ہو سکتے ہیں تو پھر تعلیمی مضامین میں ثقافتی رقص وسرود کو لازم کرنے اور طلبہ وطالبات کے آزادانہ اختلاط کے مواقع بہم پہنچانے کے ''سمِ قاتل'' ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور مقصدِ تعلیم اور تعلیمی روح سے یہ چیز کتنی بعید ہوگی؟ ان عریاں مناظر اور فواحش ومنکرات کی معاشرت سے دل ودماغ کے صفحات پر جو بہیمانہ، شہوت انگیز اور گندے نقوش مرتسم ہوں گے ان کے نتائج کتنے برے ہوں گے، اسلامی مزاج سے کتنے بعید اور قومی صحت کے لئے کتنے مضر ہوں گے؟۔

قدم قدم پر بے حیائی کے جان فرسا اور ایمان سوز مناظر اور کوچے کوچے میں تھیٹر، سینما، عریاں تصاویر، بے محابا برہنگی، اور مرد وزن کے ایمان ربا اختلاطی تماشے ہی اخلاقِ انسانی کا دیوالہ نکالنے کے لئے کیا کچھ کم تھے کہ ان پر مستزاد تعلیمی اداروں میں اس کے مواقع بہم پہنچائے جائیں؟ خوشی ہوئی تھی کہ حکومت مغربی پاکستان نے تعلیمی اداروں میں رقص وسرود پر پابندی کا قانون بنایا اور مزید خوشی کی بات ہوتی اگر مرکزی حکومت صوبائی حکومت کے اس مستحسن اقدام کی پرزور تائید کرتی، لیکن اخباری اطلاع کے مطابق اس کے بالکل برعکس ہوا یعنی مرکزی حکومت نے صوبائی حکومت کے اس فیصلہ کو احمقانہ قرار دے کر مسترد کر دیا اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کا ایک مشترکہ بیان کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا جو حسب ذیل ہے:

''چند روز قبل بعض اخبارات میں ایک غیر مصدقہ خبر شائع ہوئی ہے کہ مرکزی حکومت نے تعلیمی اداروں

میں رقص وسرود پر سے پابندی اٹھالی ہے اور اس سلسلہ میں صوبائی حکومت کے فیصلہ کو احمقانہ قرار دیا ہے، اس خبر کی اشاعت کے بعد مرکزی حکومت کی طرف سے اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ملک بھر میں شدید اضطراب پیدا ہورہا ہے۔ آج سے چند ماہ پہلے جب صوبائی حکومت نے تعلیمی اداروں میں ناچ گانے مخلوط ڈراموں اور چست لباس پر پابندی عائد کی تھی تو ملک بھر میں اس مستحسن فیصلہ کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا تھا اور ہر طبقہ فکر نے اس قابل تعریف اقدام کو سراہا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ صوبائی حکومت کا یہ فیصلہ عوام کی خواہش کے مطابق تھا ادھر مرکزی حکومت کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے آئے دن یہ اعلانات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ وہ ملک کے ہر شعبہ زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔''

''کون نہیں جانتا کہ رقص وسرود، مخلوط ڈرامے اور مرد وعورت کا آزادانہ میل جول اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور اس نے ہمیں اخلاقی تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے، خاص طور سے تعلیمی اداروں میں اس قسم کی شرمناک سرگرمیوں سے نہ صرف تعلیم وتربیت کا اصل مقصد فوت ہورہا ہے بلکہ طلباء کی صحت اور اخلاق پر اس کے بدترین اثرات مشاہدہ میں آچکے ہیں، ان حالات میں توقع تو اس بات کی تھی کہ مرکزی حکومت کی طرف سے صوبائی حکومت کے اس فیصلہ کی ہمت افزائی کی جائے اور مشرقی بازو بھی اس کی تقلید کرے گا لیکن اس کے برعکس اس فیصلے کو احمقانہ قرار دینے کی یہ خبر توقع کے یکسر خلاف انتہائی حیرت ناک اور سخت اضطراب انگیز ہے اور اس سے بجا طور پر ملک کے عوام میں زبردست بے چینی پیدا ہورہی ہے۔''

''یہ ملک جو سو فیصد اسلام کے نام پر بنا ہے اس کی بیس سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ عوام قرآن وسنت کی صحیح صحیح تعلیمات ہی کو اپنی فلاح وبہبود کا ضامن سمجھتے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اس فیصلہ کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو اور اس فیصلہ کا دل وجان سے خیر مقدم کیا ہے جو انہیں اسلامی تعلیمات سے قریب کرے، اس لئے ہم مرکزی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صوبائی حکومت کے فیصلہ کو ہر قیمت پر بحال رکھے اور پوری وضاحت کے ساتھ اس خبر کی تردید شائع کرکے عوام کی دلی بے چینی کو دور کرے۔''(۱)

[ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ - مارچ ۱۹۶۷ء]

---

(۱) یہ حروف لکھے جاچکے تھے کہ اخبارات میں یہ اطلاع پڑھی کہ ایک صوبائی وزیر محترم نے اس خبر کی تردید کردی ہے اور اس امر کی وضاحت بھی کہ صوبائی حکومت اس قانون کو واپس لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، ہم اس خوشخبری پر تمام مسلمانان پاکستان کی طرف سے صوبائی حکومت کی تحسین کرتے ہوئے گذارش کرتے ہیں کہ بقیہ فواحش ومنکرات کی روک تھام کے لئے بھی ہماری حکومت جرأت مندانہ قدم اٹھا کر معاشرہ کو ممکن حد تک پاک کرنے کی کوشش کرے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ حکومت اور عوام دونوں کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے، آمین۔

کمال ایمان

حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد شریف میں حدیث مروی ہے:

"من احب لله و ابغض لله و اعطى لله ومنع لله فقد استكمل الا يمان". (١)

جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لئے اور دشمنی کی تو اللہ کے لئے اور کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے، نہ دیا تو اللہ کے لئے، تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل بنالیا۔

گویا کمالِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ محبت ہو تو اللہ کے لئے اور بغض ہو تو اللہ کے لئے، اسی حدیث میں مضمون کے قریب قریب جامع ترمذی اور مسند احمد میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے اور سنن ابی داؤد میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایتیں موجود ہیں، غرض متعدد صحابہ کرام سے متعدد کتابوں میں اس مضمون کی حدیثیں موجود ہیں، لہٰذا بحسب المتن اس حدیث کا درجہ خبر واحد سے متجاوز ہوکر خبر مشہور کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یہ تو سرسری ورق گردانی سے معلوم ہوا ہے، جستجو اور تلاش کے بعد بہت کچھ توقع ہے کہ اور صحابہ کرام سے بھی یہ روایت مل جائے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ ایک مومن مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ ہمیشہ محبت وعداوت، دوستی ودشمنی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پیش نظر رکھے، نفسانی خواہش کو اس میں دخل دینے کا مطلق موقع نہ دے، صحابہ کرام کی بھی یہی خصوصیت تھی، ان کے بعد مخلصین امت کا بھی یہی وتیرہ رہا ہے، بدقسمتی سے یہ جوہر آج کل بہت کمیاب ہے اور جو ہے وہ بھی روز بروز کم ہوتا جارہا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہ محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ نتیجہ ہے محبت الٰہی کا، اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کامل ہے تو اس کی محبت کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اس کی محبت دل میں جگہ پائے اور جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت نہ ہو دل اس کی محبت سے خالی ہو، مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہر چیز پر غالب ہونی چاہیے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرة:١٦٥]

مومنین کی محبت اللہ سے بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کے کچھ لابدی آثار ولوازمات ہیں جن کا عملی زندگی میں ظہور ضروری ہے، مثلاً دل میں اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت وہیبت اور جلال کا استحضار، جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو اس کی تعظیم وتکریم، اللہ تعالیٰ کی اطاعت یعنی اوامر الٰہیہ پر عمل کرنے کا جذبہ صادق اور حتی المقدور ان کی پابندی، احکام ربانیہ سے عقیدت واحترام، مرضیات الٰہیہ کو بدل وجان تسلیم کرنا، اس رضا وتسلیم کا عملاً اظہار اور اس کی حفاظت کے لئے تدابیر اختیار کرنا، مومنین صالحین سے محبت کرنا، کفار ومنافقین سے نفرت کرنا، اگر عقل وادراک اللہ تعالیٰ کے کسی حکم

---

(١) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی رد الارجاء ج:٢ ص:٦٤٣، ط: حقانيه

کی حکمت ومصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں تو اپنی کوتاہئ عقل کا اعتراف کرنا وغیرہ وغیرہ، اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی رائے سے کوئی ایسی تاویل وتوجیہ کرتا ہے جو منشاء خداوندی اور اجماع امت کے خلاف ہو تو لازمی طور پر یہی کہا جائے گا کہ یہ متقضاء ایمان کے خلاف ہے۔

الحاد وزندقہ

جس طرح ایمان واسلام شرعی حقائق ہیں اور ان کے خاص خاص مفہوم ومصداق ہیں اور اسلامی تاریخ میں عہد نبوت سے لے کر آج تک ان کے وہی معانی ومصادیق امت کے نزدیک واضح ومتعین اور مسلّم چلے آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح صلاۃ، صوم، زکاۃ، حج، بیع، ربا، خمر، میسر کے معانی واضح اور مراد متعین ہیں، ان معانی واضحہ ومسلمہ کو محض اختلاف ظروف واحوال اور بدلے ہوئے سماجی حالات اور خودساختہ علل ومصالح کی بنا پر چھوڑ کر صرف اپنی رائے اور لغت پر اعتماد کر کے دوسرے معانی اختیار کرنا یا ان میں ترمیم وتنسیخ کرنا اسی کا نام ہے تحریف، اسی کا نام ہے الحاد، اسی کا نام ہے زندقہ، علماء امت، فقہاء ومحدثین، متکلمین وارباب حقائق سب کا اس پر اتفاق ہے کہ دین اسلام کے وہ احکام جن کی قطعیت اور معانی مقصودہ علماً وعملاً توارثاً وتواتراً مسلّم چلے آتے ہیں وہ شریعت کی اصطلاح میں ''ضروریات دین'' کہلاتے ہیں جس طرح ان کا انکار کفر ہے ٹھیک اسی طرح ان میں تاویل کرنا بھی کفر ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر مستقل کتاب "فیصل التفرقه بین الإسلام والزندقه" تصنیف فرمائی اور آخری بے مثل اور جامع ترین کتاب حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "إکفار الملحدین فی ضروریات الدین" ہے۔

واضح رہے کہ کفر والحاد، کافر وملحد یہ سب شرعی مصطلحات ہیں جو شخص واقعی طور پر ان کلمات کا مصداق یا ان ناموں کا مستحق ہو اسی کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوں گے، یہ سب وشتم یعنی دشنام اور گالی گلوچ نہیں اگر کوئی اس کا غلط اور بے محل استعمال کرے تو اگر وہ جانتا ہو کہ واقعہ میں یہ شخص ایسا نہیں ہے تو یہ گالی اور ہتک عزت سمجھی جائے گی اور وہ آخرت میں گنہگار اور دنیا میں لائق تعزیر ہوگا، اگر وہ فی الواقع اس کو صحیح سمجھتا ہے تو پھر نہ گالی ہوگی اور نہ ہتک عزت اور توہین، البتہ کبھی یہ حکم غلط ہوگا کبھی صحیح، غلط حکم پر اگر قائل مجتہد ہے تو معذور ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا اور اگر حکم صحیح ہوگا تو اس کو اجر ملے گا یہ ہے مسئلہ کی تنقیح۔

اب جو حضرات ان قطعی احکام شرعیہ اور نصوص قرآنیہ میں شب وروز تحریف وتبدیل اور ترمیم وتنسیخ کرتے یا ان کا بے محل استعمال کرتے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ خود شرعاً ان کلمات کا مصداق بنتے ہیں، پھر اگر شریعت کا عالم اس حکم شرعی کا اظہار کرنے کی غرض سے ان کلمات کا استعمال کرے یعنی حکم شرعی بتلائے تو معلوم نہیں کیوں یہ حضرات چراغ پا ہوتے ہیں اور کیوں اس کے ان کلمات کو خلاف تہذیب اور اس عالم کو غیر مہذب سمجھا جاتا

ہے، افسوس وحیرت کا مقام ہے کہ یہ حضرات اللہ اور رسول کی اہانت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے بندے اس کو سن کر چپ رہیں اور اس توہین کو برداشت کریں؟ اللہ ورسول کے کلام کو توڑ مروڑ کر نئے نئے معنی پہنانا اس سے بڑھ کر منصب خدائی اور منصب رسالت ونبوت کی کیا توہین ہوگی؟ منصب خدائی پر حملے ہوتے ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرہ سنت کو زمانہ مابعد کی پیداوار اور تدوین حدیث کو تحریک یعنی سازش کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور جان نثارانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع کی جاتی ہے کہ ان کی تعریف کی جائے، ان سے خندہ پیشانی اور نرم خوئی سے گفتگو کی جائے؟ اپنی ذات گرامی صفات پر ذرا سا حملہ برداشت نہ کرنا اور اللہ ورسول کی ذات پر جتنے قبیح وفضیح حملے ہوتے ہیں ان کو برداشت کرنے اور بردباری ونرم خوئی کی تلقین کرتے رہنا اور اسی کو تہذیب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے اور کہاں کی دیانت؟ عجیب فلسفہ ہے! اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں اتنی وسعت صدر اور اپنی ذات وصفات کے متعلق اتنی تنگ حوصلگی، سبحان اللہ! کیسا عجیب فلسفہ تہذیب واخلاق ہے؟ حالانکہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا، اپنی ذات وصفات کے بارے میں صبر واستقامت اور عفو وصفح کو اسوۂ بنایا جاتا اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وتعلیمات وہدایات کے بارے میں بغیر کسی رواداری ومداہنت کے ناراضگی وناگواری کا اظہار کیا جاتا کہ یہی تقاضاء عین کمال ایمان ہے اور یہی کتاب وسنت کی تعلیم ہے۔

[شوال ۱۳۸۴ھ]

اجتہاد

''مجمع البحوث الاسلامیۃ کی کانفرنس قاہرہ میں ۶ر تا ۲۲ر مارچ ۱۹۶۴ء منعقد ہوئی، زیر بحث مسائل سے مندوبین حضرات کو پہلے سے مطلع نہیں کیا گیا تھا لیکن حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے بغیر کسی تیاری کے اجتہاد جیسے اہم موضوع پر محققانہ انداز میں مقالہ تحریر فرمایا، جس کا مندرجہ ذیل ترجمہ ''بینات'' میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ کے قلم سے شائع ہوا تھا۔''

خطبہ ماثورہ کے بعد:

بلاد اسلامیہ کے برگزیدہ حضرات علماء وفضلاء:

ہم اولاً جناب ڈاکٹر محمود حب اللہ ناظم اعلیٰ ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' زیر سرپرستی جامعہ ازہر کی وساطت سے اس عظیم مؤتمر عالم اسلامی کی شرکت کے لئے اور ادارہ ازہر کی جانب سے دی گئی لائق فخر ومباہات دعوت کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ثانیاً ہم خود کو اور تمام شرکاء مؤتمر کو ہدیہ تہنیت وتبریک پیش کرتے ہیں اس قابل قدر دعوت پر جو عصر حاضر کی دینی مشکلات کو قرآن حکیم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کی روشنی میں اور اس لائق فخر علمی

میراث (فقہ اسلامی) کی رہنمائی میں حل کرنے کے لئے دی گئی ہے، جس کو امت محمدیہ کے ایسے فقہاء نے آنے والی نسلوں کی لئے بطور ترکہ چھوڑا ہے جن کے پاک وصاف قلوب ایک عظیم تر اخلاص، تقویٰ اور خشیت الٰہیہ کے انوار سے لبریز تھے، دوسری طرف وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے لافانی علوم ومعارف کے سرچشموں سے بھی شایانِ شان طور پر سیراب وسرشار ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے صبح وشام اپنی زندگی کے تمام شب وروز اور اپنی تمام تر توانائیاں علوم ومعارف الٰہیہ اور تعلیمات سنت نبویہ کے اندر دقت نظر میں اور طویل بحث وتفتیش میں صرف اور وقف کر دی تھیں اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ توفیق وتائید الٰہی ان کے ساتھ تھی، اسی لئے وہ آنے والی دنیا کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ایسے روشن اور تابناک ستارے بن کر چمکے کہ اطراف واکناف عالم ان کے علوم ومعارف کی روشنیوں سے جگمگا اٹھا اور آج تک مشرق ومغرب میں ان کی علمی فتوحات کے جھنڈے فضاء بسیط میں لہرا رہے ہیں۔

عظیم المرتبت جلیل القدر بزرگو!

جامع ازہر یا زیادہ صحیح تعبیر کے ساتھ جامعہ ازہر یہ تقریباً ایک ہزار سال سے ایسی عظیم الشان علمی اور دینی خدمت انجام دے رہا ہے کہ کسی بھی ملک ومملکت یا علمی وتعلیمی ادارہ کی خدمات اس کے مقابلہ پر تو کیا پاسنگ بھی نہیں بن سکتیں، اسی لئے بدون کسی شک وشبہ کے جامع ازہر تمام امت کی جانب سے علیٰ حسب المراتب عظیم الشان تعظیم واحترام، قدردانی وقدر شناسی اور تحسین وستائش کا مستحق ہے، خاص طور پر جبکہ تاتاریوں کی تاخت وتاراج اور قتل وغارت کا تباہ کن سیلاب بلاد اسلامیہ کے علمی مرکز بغداد اور اس کے تمام علمی وتعلیمی مراکز، عظیم درس گاہوں اور عظیم ترکتب خانوں اور سالہا سال کے علمی ذخائر کو بہا لے گیا اور صفحہ وجود سے حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا۔ (لیکن جامع ازہر اللہ جل شانہٗ کے فضل وکرم سے ہر طرح کی تباہی سے محفوظ اور اس طوفان خیز دور میں بھی برابر خدمت علم ودین میں مصروف رہا) ایسی صورت میں ازہر کا علمی مقام دنیا کے ہر اس علمی وتعلیمی ادارہ پر جو تحسین وستائش اور تعظیم واحترام کا مستحق ہو ایسی نمایاں فوقیت وبرتری کا مالک ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

معزز حضرات!

زمانہ اور اس کے کوائف وظروف بالکل بدل چکے ہیں، فکر ونظر کے انداز کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، عہد حاضر کے مسائل حیات میں روز بروز مغربی تمدن کی پیدا کردہ نو بنو مشکلات اور پیچیدگیاں سنگ راہ بن کر سامنے آ رہی ہیں، زندگی کے تہذیبی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی نظامات میں نئے نئے نظریئے اور افکار وخیالات رونما ہو رہے ہیں، یہ ایک نظری اور فکری سیلاب ہے جو پوری قوت کے ساتھ یورپ سے آ رہا ہے، لہٰذا ہم دنیا کے تمام مسلمان بجا طور پر ازہر سے امید اور توقع رکھتے ہیں کہ جس طرح ازہر نے اپنے سابقہ سنہری عہد اور شاندار ماضی میں عالم اسلامی کی لازوال علمی اور دینی قیادت کی تھی اسی طرح وہ اس پرفتن دور حاضر میں بھی اپنی تمام تر دینی بصیرت اور حکمت وتدبر کے ساتھ اسلام کے اساسی حقائق اور بنیادی اغراض ومقاصد کو سامنے رکھ کر ایسی ہی لافانی

رہنمائی کرے اور مسائل عصریہ کی دینی مشکلات اور پیچیدگیوں کو اس روشن اور پاکیزہ طریق پر حل کرے جس کا اسلام کی روح اور دین کا جوہر متقاضی ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع ائمہ اور اسلامی فقہ پر اس کا مدار ہو، یورپ کی پرفریب اور گمراہ کن تہذیب اور خدا پرستی کے جذبہ پر ضرب کاری لگانے والے تمدن کا اس پر سایہ تک نہ پڑے اور اس طرح اس یورپین تمدن کے تباہ کن طوفان کے مقابلہ کے لئے ایک مضبوط چٹان کی طرح میدان میں آجائے اور ایک آزمودہ کار مرد آہنی اور تجربہ کار دانائے راز کی طرح مقابلہ کرے، اس لئے کہ بغیر کسی شک وشبہ کے اس وقت اسلامی دنیا کی امیدیں از ہر سے وابستہ اور نظریں از ہر کی طرف اٹھ رہی ہیں، جبکہ ہمارے پاس نہ اس سیلاب کے دھارے کو روکنے کے (مادی) وسائل ہیں اور نہ ہمیں اس کی امید باقی رہی ہے کہ ہم اس طوفان کا مقابلہ کر سکیں گے۔ لہٰذا اس یاس و ناامیدی کے عالم میں بجا طور پر از ہر سے اس دینی فرض کو ایسے طریق پر انجام دینے کی توقع کی جاتی ہے جو رحمت خداوندی اور رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو، تاکہ از ہر از سرنو اطراف واکناف عالم میں مسلمانوں کے لئے مقتدا اور دوسری قوموں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن جائے۔

معزز حاضرین!

اسلامی اور یورپین تہذیب وتمدن کے اس تصادم وتلاطم کے زمانہ میں دنیا دو متضاد سمتوں اور کناروں پر کھڑی ہے، ایک طرف علماء دین کا گروہ ہے جن کو تصلب فی الدین اور تمسک بالشریعت نے ایسا جمود ورثہ میں دیا ہے کہ انہوں نے حالات حاضرہ میں علم اور دین کی خدمت کے لئے جن تقاضوں اور وسائل کی شدید ضرورت ہے ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسری طرف ان روشن خیال مفکرین کا گروہ ہے جس میں عہد حاضر کی مشکلات اور پیچیدگیوں کو سمجھنے کی اہلیت تو بدرجہ اتم موجود ہے وہ بہت اچھی طرح وقت کے ان تقاضوں سے واقف ہیں جن کی امت مسلمہ عہد حاضر کی مشکلات حل کرنے میں محتاج ہے۔ ان کے دلوں میں وہ ایمانی جرأت بھی موجود ہے جس کے تقاضہ کی بنا پر وہ اس خدمت کو انجام دینے کے لئے مضطرب ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں اور پیچیدگیوں کو حل کر دیں جنہوں نے امت کے ذہن وفکر کو حیرانی کے گرداب میں سرگرداں بنا رکھا ہے، لیکن وہ اس دینی بصیرت وایمانی فراست اور صحیح وپختہ علم دین کی کماحقہٗ واقفیت سے محروم ہیں جس کے بغیر عہد حاضر کی پیدا کردہ مشکلات وپیچیدگیاں حل نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اس میں شک نہیں کہ یہ ہر دو فریق امت کی توقعات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اور ان جیسے عصری مسائل کو ان دونوں میں سے کسی بھی ایک گروہ کے سپرد کر دینا اور اسی پر تکیہ کر لینا زبردست غلطی اور گمراہ کن نادانی ہوگی، نہ اس سے دین وملت ہی کو کوئی تقویت پہنچے گی اور نہ امت کی پیاس ہی بجھے گی۔

حضرات علماء وفضلا!

ہماری آرزو اور تمنا یہ ہے کہ اس تحریک کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ ایسے رجال دین کو کسی ایک جگہ جمع کیا

جائے جن کے نفوس ایک طرف کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے علمی سرچشموں سے کماحقہٗ سیراب وسرشار ہوں اور دوسری طرف عہد حاضر کی پیدا کردہ ان مشکلات اور پیچیدگیوں کو بھی خوب اچھی طرح سمجھنے اور ان کو حل کرنے کی بھی کماحقہٗ اہلیت رکھتے ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت، اخلاص اور ورع وتقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ ہوں یا یہ ادارہ ''مجمع البحوث الاسلامی'' ایک ایسی مجلس کی تشکیل کرے جس کے مستقل اراکین مذکورہ بالا متنوع صفات اور متفرق خصائص کے حامل ہوں، ایسی صورت میں اگر ہر رکن ان تمام اوصاف کا جامع میسر نہ آئے تو ادارہ مجمع البحوث دونوں قسم کے ایسے علماء کو یکجا کرے جو اپنی علمی اور فنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس دینی خدمت کو انجام دینے پر دل سے متفق ومتحد بھی ہوں اور اس باہمی تعاون سے یہ جماعت مجموعی طور پر ان تمام ضروری اوصاف وخصائص کی حامل ہوسکے گی جن کا اوپر تذکرہ کیا جاچکا ہے۔

معزز ومحترم حضرات!

میں اس وقت بحث اجتہاد کی ان گہرائیوں میں نہیں جانا چاہتا جس کی تحقیق کا سہرا ان علماء اصول فقہ کے سر ہے جو تدوین علوم وفنون کے قدیم تر عہد سے اس پچھلے زمانہ تک ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کا حق ادا کرتے رہے ہیں، چنانچہ اس موضوع اجتہاد پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والے مصنف قاضی ابو یوسف ہیں، ان کے بعد امام شافعی، پھر امام ابوجعفر طحاوی، ان کے بعد ابوبکر جصاص رازی، ان کے بعد ابوزید دبوسی، ان کے بعد بزدوی، پھر غزالی اور ابن حزم، ان کے بعد رازی وآمدی، ابن حاجب، بیضاوی، اسنوی، زرکشی، سبکی، قرافی، نسفی، شاطبی، امیر اتقانی اور ابن ہمام رحمہم اللہ کی تصانیف اس موضوع کی تحقیق وتنقیح کا حق ادا کرتی رہی ہیں اور قاضی شوکانی رحمہ اللہ پر یہ سلسلہ تصنیف وتالیف ختم ہوتا ہے۔ ان بزرگوں نے اس موضوع پر چھوٹی بڑی محققانہ کتابیں جن میں کوئی ایک جلد میں ہے کوئی ایک سے زائد جلدوں میں لکھ کر اس موضوع کو اتنا غنی بنادیا ہے کہ اس پر اضافہ یا مزید بحث وتنقیح اور کسی بھی پہلو سے تحقیق وتفحص کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی، چنانچہ اجتہاد کی حقیقت، شرائط، اقسام اور مجتہدین کے طبقات، نیز یہ بحث کہ اجتہاد کا دروازہ کلاً یا جزءاً کھلا ہے یا بند ہوگیا، یہ تمام مباحث بالکل طے شدہ اور بحث سے بالا تر ہوچکے ہیں، اس کے بعد اب اجتہاد کے معنی مبادی اور اصول پر بحث کرنے کا حاصل ایک بدیہی مسئلہ کو نظری بنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں، مشاہدہ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جس کا جی چاہے مذکورہ بالا مصنفین کی تصانیف کا مطالعہ ومشاہدہ کرے، ان مجتہدین عظام کی فنی تحقیقات اور مسائل کے استنباط جزئیات کے استخراج نو بنو رونما ہونے والے مسائل اور حوادث کے حل کے جو اصول اور طریقے بحث وتحقیق کے بعد ان حضرات نے مقرر کردیئے ہیں وہ اس امر کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے روشن ترین دلیل اور قوی ترین حجت ہیں کہ کہاں اجتہاد جائز ہے اور کہاں نہ اور کس قدر اجتہاد باقی رہ گیا ہے اور کس حد تک ختم ہوچکا اور یہ فیصلہ آج کا نہیں بلکہ قدیم ترین زمانہ سے قرون وسطیٰ تک یا زیادہ سے زیادہ متاخرین کے عہد میں ہوچکا ہے، یہ وہ بدیہی حقیقت ہے کہ اس کا انکار وہی شخص

کر سکتا ہے جو معاند ہو یا ہٹ دھرمی کرنے والا ہے۔

اس وقت مجھے سب سے زیادہ اہم چیز جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میں شریک اجلاس علماء کرام اور فضلاء عظام کی توجہ چند اہم ترین امور کی جانب منعطف کراؤں اور اس میں بھی بسط و تفصیل کے بجائے اشارات پر اکتفا کروں:

امر اول: یہ کہ تمامتر اجتہادی اور فقہی قانون سازی کے اساسی منبع و مآخذ صرف دو ہیں: ایک قرآن حکیم اور دوسرے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم۔

امر دوم: یہ کہ خلفاء راشدین، ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی سنت، ان کے بعد فقہاء مثلاً ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، حذیفہ، عمار، عبدالرحمن بن عوف، ان کے بعد ابن عمر، ابن عباس، ابن عمرو وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و آثار بھی استدلال اور حجت میں لائق اتباع سنت اور علوم نبوت کے انوار حاصل کرنے کے لئے منارہ ہائے نور ہیں۔

امر سوم: یہ کہ امت محمدیہ کے اجماع خصوصاً اہل حرمین شریفین کے اجماع، مدینہ کے سات یا دس فقہاء کے اجماع اور اس کے بعد درجہ بدرجہ فقہاء امت کے اجماع کو بھی اصول دین کے اندر ایک ایسا محکم اور پائیدار مقام حاصل ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

امر چہارم: یہ کہ امت محمدیہ کا علمی اور عملی متوارث و متواتر تعامل جو قرنہا قرن سے چلا آرہا ہے اس کا مرتبہ بھی اجماع صریح سے کم نہیں ہے۔

امر پنجم: یہ کہ وہ تمام ائمہ مجتہدین جن کے مذاہب مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور روئے زمین کے تمام متنفس مسلمان بلا استثناء انہیں کے مقرر کردہ اصول و فروع پر اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کر رہے ہیں اور انہیں میں سے کسی ایک کے مسلک کی پیروی اور ان کے نقش قدم پر چلنے میں اپنی نجات کے معتقد ہیں، یہ عظیم تر قبول عام ان حضرات کو صرف اس لئے میسر نہیں آیا کہ یہی کتاب و سنت کے سرچشموں سے سب سے زیادہ سیراب تھے اور علوم کتاب و سنت کے فوق العادہ حاذق و ماہر تھے، اجتہاد کے لئے جن علمی و فنی لوازمات کی ضرورت ہے ان میں یہ کامل الفن تھے یا زمانہ ہائے دراز تک یہ اس بحث و تمحیص میں لگے رہے تھے اور اسی میں انہوں نے اپنی تمامتر توانائیاں اور عمریں صرف و وقف کردی تھیں بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ یہ مقدس ہستیاں ورع و تقویٰ میں، معرفت و خشیت الٰہیہ میں، اللہ کے دین کے لئے عظیم تر اخلاص میں، بندگان خدا کی رہنمائی میں اور اللہ کے دین اور اس کی کتاب اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی میں عہد نبوت سے قریب تر ہونے اور بچشم خود آثار نبوت کا مشاہدہ کرنے میں اور اس ماحول میں زندگی بسر کرنے میں جو دین کی معرفت کا کامل معیار تھا اور پھر ان میں سے بعض حضرات خود ان قرون خیر کے اندر ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک تھے، جن کے خیر ہونے کی شہادت دی گئی ہے

اوران سب باتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی مشیت کا فیصلہ تھا کہ ان پاکیزہ نفوس اور مقدس ہستیوں کو دنیاء اسلام میں قبول عام حاصل ہوگا یہ ان نفوس قدسیہ کی برگزیدگی کے ایسے روشن دلائل ہیں کہ کائنات کے صفحات اس کی شہادت دے رہے ہیں اور اسلامی تاریخ کے اوراق اس کا اعتراف کررہے، دشمن تک ان کے تقدس طہارت کے معترف ہیں۔

لہٰذا اس عہد کے ہر محقق ومفکر کے پیش نظر یہ بدیہی حقیقت رہنی چاہئے کہ ان تمام موجب اعتماد امور کے حصول کا اس تاریک دور میں کسی بھی شخص کے لئے تصور بھی قریب قریب ناممکن ہے چہ جائیکہ حصول، لہٰذا ائمہ مجتہدین اوران کے مذاہب کی عظمت کا اعتراف دل کی گہرائیوں میں راسخ ہونا ازبس ضروری ہے ان سے باہر نکلنے کا تصور بھی پاس نہ آنا چاہیے۔

امر ششم: یہ ہے کہ لائق فخر میراث (فقہ مذاہب اربعہ) جس کا امت محمدیہ کے ایسے ایسے ائمہ مجتہدین نے امت کو وارث بنایا ہے یہی وہ سب سے بڑی دولت وثروت ہے جس سے امت ابدالآباد تک مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتی، ایسی صورت میں مسائل حاضرہ کے حل کرنے میں ان مذاہب کے مجتہدین سے بحث واستفادہ ازبس ضروری ہے۔

امر ہفتم: یہ کہ یہی قرآنِ حکیم، احادیث نبویہ، مسائل اجماع، مدون فقہ کے مسائل اور ائمہ مجتہدین کا تعامل اور طریق کار ان نو بنو مسائل وحوادث کے حل کرنے میں ہماری موثق رہنمائی کریں گے، جو سلف کے زمانے میں نہ تھے، اس لئے کہ کتب فتاویٰ، کتب نوازل اور ہر عہد میں کتب ''تجنیس ومزید'' اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ ہر زمانہ میں جو بھی نیا واقعہ یا حادثہ یا مسئلہ پیش آیا ہے ہمارے فقہاء نے اس کے حل کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی ہے۔

امر ہشتم: یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ اور اس کے واقعات وحوادث قانونِ قدرت کے تحت برابر بڑھتے چلے جارہے ہیں اور بڑھتے چلے جائیں گے۔ ان میں وقوف اور ٹھہراؤ نام کو نہیں اور جتنی کتابیں اب تک تصنیف کی گئی ہیں اور فتوے دیئے گئے ہیں اور فقہاء کے مسائل ہم تک پہنچے ہیں وہ اس جدید زمانے میں پیدا ہونے والے نو بنو واقعات اور تازہ بتازہ حوادث ومسائل کے حل کرنے کے لئے یقینا کافی نہیں ہیں، اس لئے ہم اس پر مجبور یا مامور ہیں کہ ان جدید مسائل کو اسی ذخیرہ علم وہدایت کی روشنی میں حل کریں جو ہم تک پہنچا ہے یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ، اجماع امت اور اجتہادی وفقہی مسائل میں متقدمین کی علمی میراث یعنی فقہ مذاہب مجتہدین اور اپنی کوتاہئی یا اعتراف عجز وشکست اور احساس کمتری میں مبتلا ہوکر جدید فکر ونظر کے اس سیلاب میں (جو یورپین مفکرین کی جانب سے آرہا ہے) ہرگز نہ بہیں۔

امر نہم: یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اور جس طرح بھی ہوسکے ہم ائمہ مجتہدین کے اقوال ہی سے استدلال کریں اور فقہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ جائیں، اگرچہ کسی خاص مسئلہ میں ان میں سے کسی ایک کا مسلک چھوڑ کر

دوسرے کا مسلک اختیار کرنا پڑے، غرض ان مذاہب متبوعہ میں سے جس مذہب میں بھی عہدِ حاضر کی کسی پیچیدگی اور دشواری کا حل مل جائے اور اس سے وہ عقدہ لاینحل کھل جائے اسی سے استدلال کریں اور اس کو دانتوں سے پکڑ لیں، تاکہ ہر نئے مسئلہ میں جدید اجتہاد ہمارا مبلغِ سعی نہ بن جائے اور ہمیں اجتہاد کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے چوپٹ کھولنا نہ پڑے، اس لئے کہ فریضۂ وقت اور تقاضائے ضرورت نہ اجتہاد کے دروازہ کو بالکل کھول دینا ہے اور بالکلیہ بند کر دینا اور اس پر سیل لگا دینا، بلکہ اس افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ ہی صراطِ مستقیم ہے کہ ناگزیر ضرورت کے وقت اجتہاد کیا جائے اور وہ اجتہاد فقہ مذاہب اربعہ کے اصول اور طریق کار سے باہر اور آزاد نہ ہو۔

امر دہم: یہ ہے کہ آج ہمارے سامنے ''مہم'' جس کو ہمیں سر کرنا ہے، ان جدید مسائل کا حل ہے جو سلف صالحین کے عہد میں یکسر موجود نہ تھے اور نہ ان کے خیال وفکر میں آ سکتے تھے۔ اس لئے کہ یہ صرف مغربی تہذیب یا جدید تمدن کی پیداوار ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مزایا اور خصوصیات جو فراوانِ علم، عظیم اخلاص اور شدت خشیت اللہ کے ساتھ ساتھ ہمارے سلف صالحین کے اندر موجود تھیں جیسا کہ میں بتلا چکا اس دور میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی نہیں جمع ہوسکتیں، لہٰذا اس کی کی تلافی اس طرح کی جائے کہ جہاں تک ہو کسی ایک فرد کی شخصی رائے پر اعتماد اور اس کو قبول کرنے سے اجتناب کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی بڑا وسیع النظر اور کثیر المعلومات عالم کیوں نہ ہو، بلکہ اس ذمہ داری کا بار اٹھانے کے لئے ایک جماعت سامنے آئے جس میں بحیثیت مجموعی وہ تمام ممیزات وخصائص موجود ہوں جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کار کو اسوۂ حسنہ اور مشعل راہ بنائیے کہ امام صاحب موصوف باوجودیکہ بجائے خود اتنے قدیم العہد مجتہد ہیں کہ صحابہ اور کبار تابعین سے ان کا زمانہ بالکل ملا ہوا ہے اور خود صغار تابعین میں سے ہیں اور کتاب وسنت کے موجزن سرچشموں سے مکمل طور پر سیراب وسرشار ہیں، اس فراوانی علم کے ساتھ ساتھ قیاسی مشکلات، دشوار ترین فقہی مسائل اور قضا وافتاء سے متعلق مغلق پیچیدگیوں کو حل کرنے میں روشن بصیرت اور ایسی فوق العادۃ قدرتِ اجتہاد کے مالک ہیں باتفاق رائے آپ کے ہم عصروں نے آپ کو رئیس المجتہدین تسلیم کیا ہے اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صف اول کے مجتہدین آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''تفقہ واجتہاد میں تمام دنیا ابوحنیفہ کی عیال (پروردہ) ہے'' جیسا کہ حافظ ابن عبد البر صمیری اور ابن ابی العوام سے بحوالہ ابی عبید بن قاسم اور بحوالہ حرملہ وربیع وغیرہ تلامذہ امام شافعی نے امام موصوف کا تذکرہ بالا مقولہ نقل کیا ہے (۱)۔

لیکن ان تمام خارق العادۃ اور مسلم صلاحیتوں کے باوجود امام ابوحنیفہؒ ایک ایسی جماعت کی تخلیق وتشکیل سے مستغنی اور بے نیاز نہ ہوسکے جس میں مجتہدین، محدثین، لغویین، اہل عربیت اور اربابِ ورع وتقویٰ، عباد وزہاد

---

(۱) تاریخ بغداد ج: ۱۳ ص: ۳۴٦، ط: دار الکتاب العربی بیروت

موجود ہوں، چنانچہ انہوں نے ایک اجتہاد کمیٹی بنائی جس کے مستقل اراکین قاضی ابو یوسف، امام زفر، محمد بن الحسن شیبانی، حسن بن زیادہ، اسد بن عمرو، نوح بن ابی مریم، عافیہ ازدی، حمزہ زیات، ابن مبارک اور وکیع بن الجراح جیسے تقریباً چالیس ماہرین علوم وفنون ائمہ عصر جمع کئے، جن میں سے ہر ایک ممبر کسی نہ کسی علم وفن یا زہد وتقویٰ میں اختصاصی اہلیت کا مالک تھا، جیسا کہ الموفق المکی نے اس ''لجنۃ الاجتہاد'' سے بحث کی ہے۔ تو دیکھئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی شخصی رائے پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ حنفی مذہب کی تشکیل وتدوین ان تمام حذاقِ علوم وفنون اور اربابِ ورع وتقویٰ ائمہ کی باہمی مشاورت ومساعدت سے جود میں آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے شخصی مذاہب کے بالمقابل جو وسیع اور محیط عالم قبول عام حنفی مذہب کو میسر آیا ہے اور کسی مذہب کو میسر نہیں آسکا، اسی لئے جیسا کہ حنفی مذہب اپنے تکون کے اعتبار سے سب سے زیادہ قدیم العہد اور پہلا مذہب ہے، اسی طرح دنیا سے انقراض اور زوال کے اعتبار سے بھی دنیا کا سب سے آخری مذہب ہوگا (انشاء اللہ) جیسا کہ امام شعرانیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ بہر حال عمر فاروقؓ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے بعد ابوحنیفہ پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد (شخصی رائے کے بجائے) باہمی مشاورت اور اجتماعی رائے پر رکھی ہے، تو بھلا اس تاریک در تاریک دور مظلم میں جو اس عہد زریں اور ورع وتقویٰ، اخلاص اور یقین کے انوار سے روشن زمانہ سے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا بلکہ بالکل متضاد ہے، ہم کیونکر اس اجتماعی رائے اور مشاورت باہمی سے مستغنی اور بے نیاز ہوسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی آیت کریمہ ﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾[الانفال:۲۹] میں اسی کی جانب اشارہ فرماتے ہیں اور نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کی ایک حدیث سے تو اس مسئلہ کے تمام پہلو روشن بلکہ منصوص ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں بسند خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! جب ہمارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کے متعلق کوئی واضح بیان (نص کتاب وسنت) موجود نہ ہو، نہ امر ہو نہ نہی، نہ حکم ہو نہ ممانعت، تو ایسے مسئلہ کے متعلق آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ ہم کیا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے مسئلہ میں تم فقہاء اور اربابِ ورع وتقویٰ سے مشورہ کرو اور کسی بھی شخصی رائے پر تکیہ نہ کرو (۱)۔ حافظ ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں: اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور رجال صحیحین میں سے ہیں۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی اجتماعی اجتہاد اور اس کے شرائط کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جس کا حاصل حسب ذیل ہے:

① اجتہاد کی ضرورت صرف ایسے مسائل میں معتبر ہے جن میں (کوئی نص صریح نہ ہو) نہ رسول اللہ کی

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط: دار الحرمین القاهرة

(۲) مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۱۷، ط: دار الفكر بيروت

نبوی سنت (حدیث) ہو نہ وحی الٰہی (نص قرآن) ہو۔

② ایسے مسائل کا حل لابدی طور پر جماعت علماء کے مشورہ سے کیا جائے نہ کہ کسی شخص رائے سے۔

③ اس اجتہاد کمیٹی کے اراکین میں بیک وقت دو وصف ضرور موجود ہونے چاہئیں، ایک تفقہ فی الدین دوسرے تقویٰ وعبادت گزاری۔

لائق احترام بزرگو!

اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم اور سنت نبویہ ایسے دو سیراب کن سرچشمے ہیں جن کے اندر قیامت تک پیدا ہونے والی نئی سے نئی بیماری کے لئے کامل شفاء اور ہر دور میں رونما ہونے والی علمی تشنگی کی تسکین کے لئے آب حیات موجود ہے، اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر محیط ہے کہ ہر وہ فتنہ اور گمراہی بے دینی اور بے باکی جو انسانی معاشرہ میں کسی بھی دور کے اندر رونما ہونے والی ہے، اس سے وہ بخوبی واقف تھا دوران جدید تہذیب وتمدن کے زمانہ میں نوع انسانی کے نظام زندگی میں جو بھی معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی ضروریات وقتاً فوقتاً پیش آتی رہیں گی، خواہ شخصی ضرورتیں ہوں، خواہ اجتماعی، خواہ مادی ضرورتیں ہوں یا وسائل ان کو بھی وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا، دوسری طرف اس کی قدرت بھی اس قدر کامل اور محیط ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے ایسا کامل واکمل نظام زندگی آسمان سے نازل فرمادے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کافی ووافی ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس سے قاصر وعاجز نہیں ہے، ایسی صورت میں قطعی طور پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت محمدیہ جو اللہ نے عطا فرمائی ہے وہ یقیناً ہر کٹھن منزل پر نوع انسانی کی دستگیری کے لئے کفیل ہے اور اس کے آغوش علمی میں ہر مشکل اور دشواری کا حل یقیناً موجود ہے، صرف اتنی بات ہے کہ عام انسانی عقول وافکار اس کے مآخذ تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں تو وہ (اپنی لاعلمی کا اعتراف اور اہل علم کی طرف رجوع کرنے کے بجائے) اس عہد میں انسانی زندگی کے لئے شریعت کے ناقابل عمل ہونے اور عصر حاضر کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہونے کے طعنے مارنے شروع کردیتی ہیں۔

لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ شریعت کے اساسی اصول تشریع کو سامنے رکھ کر ان عصری مسائل کو حل کرنے کے لئے صحیح معیار اور درست پیمانہ پر قدم اٹھایا جائے اور ''مجمع بحوث اسلامی'' کے کارفرماؤں سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ آخری حل اور نتیجہ پر پہنچنے میں عجلت سے کام نہ لیں، صبر وضبط، تحمل وبردباری، دیانت داری وآہستہ روی اختیار کریں اور علوم قدیم وجدید میں ربط واتصال پیدا کریں، نظر دقیق اور رائے صائب کے ذریعہ ان کو جمع کرنے کی انتہائی محتاط کوشش فرمائیں اور اس امانت الٰہیہ کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس وشعور ہر لمحہ پیش نظر رکھیں، تاکہ وہ حل صحیح ہو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی مقبول ہو اور عامۃ الناس کے نزدیک بھی پسندیدہ، دُول وممالک اسلامیہ کے لئے وہ قابل اعتماد طریق کار اور امت مسلمہ کے لئے لائق اتباع نمونہ ہو۔

کاش! کہ ہمیں اس مؤتمر میں آنے سے پہلے زیر بحث مسائل کی اطلاع دے دی جاتی [illegible] سے زیادہ بصیرت اور تیاری کے ساتھ مؤتمر کے تحقیقاتی کاموں میں حصہ لیتے۔

بہرحال اب بھی ہم ان تمام زیر بحث مسائل میں اپنا نظریہ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں اور آپ سے اتنی توقع ضرور رکھتے ہیں کہ مسائل شرعیہ میں صرف رخصتوں کا تتبع (۱) اور تلفیق بین المسائل (۲) پر قناعت کر [illegible] دھوکہ میں نہ پڑ جایئے کہ ہم نے شریعت کا دامن پکڑ رکھا ہے اور اس طرح دین مبین کو کھیل بنا لینے [illegible] مرتکب نہ ہوجایئے، اعاذنا الله منه.

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہماری امیدوں کو ناکام ونامراد نہ فرمائیں اور یہ عظیم خدمت ''ازہر'' کے زیر سایہ سید جمال عبد الناصر صدر جمہوریہ عربیہ متحدہ کے عہدِ مسعود میں صالح اور مخلص علماء کی مساعی سے پایہ تکمیل کو پہنچے۔

خاتمہ پر میں ممالک اسلامیہ کے محترم علماء وفضلاء کے سامنے معذرت خواہ ہوں کہ یہ چند کلمات ''قاہرہ'' پہنچنے کے دو دن بعد مؤتمر کے پروگرام کا علم ہوتے ہی مصروف ترین اوقات میں سے دو چار گھنٹے بچا کر قلم برداشتہ لکھ کر پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ ادائے مقصد میں ناکامی ہونے کی صورت میں چشم پوشی اور [illegible] سے کام لیں گے۔

والله ولی التوفیق والسلام علیکم ورحمة الله

[صفر ۱۳۸۴ھ]

---

(۱) تتبع رخص: مسائل شرعیہ میں مذاہب اربعہ میں سے ہر مذہب میں سے سہولتیں اور آسانیاں چھانٹ کر انہی کو اختیار کر لینا۔

(۲) تلفیق بین المسائل: مذاہب اربعہ کے مسائل کو اس طرح خلط ملط کر دینا کہ ان کے ممیزات وخصائص مٹ کر ایک نیا مذہب اور نئی فقہ بن جائے۔

اسلامی قوانین میں اجتہاد وعقل کا مقام
اور جدید مسائل میں اجتہاد کا طریق کار

تحریر: حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ: مولانا محمد یوسف لدھیانوی

”زیرنظر مقالہ: ”موقف التشریع الاسلامی من الاجتهاد ومنصب العقل فی الدین“ کے عنوان سے ”ادارہ تحقیقات اسلامی“ راولپنڈی کی بین الاقوامی کانفرنس (۱۱/ ۱۲/ ۱۳) ذی القعدہ ۱۳۸۷ھ کے لئے لکھا گیا تھا، مقالہ چونکہ تاخیر سے تیار ہوا تھا اس لئے وہاں پڑھا نہیں گیا البتہ اس کا خلاصہ زبانی بیان کر دیا گیا تھا اس لئے اس کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے“۔ (مترجم)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه المجاهدين للدين، وعلى الفقهاء المجتهدين والعلماء الراسخين الى يوم الدين، أما بعد:

فهذه كلمة موجزة فى موضع الاجتهاد ولست أريد بسط القول فيما يتعلق بالموضوع من لفظ الاجتهاد ومعانيه وحكمه وركنه وشرطه واقسامه، واقامة الحجة على المنكرين وما الى ذلك من ابحاث واسعة الارجاء، فقد تدفقت بها كتب علماء اصول الفقه من ائمة المذاهب، فلم يغادروا صغيرة ولاكبيرة الا احصوها و نقحوها بتحقيق و تخريج من اقدم عصور الاسلام الى منتهى عصور العلم، ولا ريب انها ثروة عظيمة للامة الاسلامية، لايستغنى عنها من يدعى البحث والتفقه او يدعى حل المشاكل العصرية.

فمن عهد الامام ابى حنيفة وصاحبه الامام قاضى القضاة ابى يوسف ثم الامام الشافعى ثم الطحاوى ثم الجصاص الرازى ثم ابى زيد الدبوسى ثم الفخر البزدوى والغزالى ثم وثم الى عهد الرازى والآمدى الى عهد الامير الكاتب الاتقانى وابن الهمام الحنفى ظهرت فى المكتبة الاسلامية العلمية الفقهية ما تندهش له العقول.

و انما احاول ان الفت انظار اهل العلم اولى التحقيق الى دعائم الاجتهاد فى المسائل الحاضرة والمشاكل الحديثة، فقد احدثت المدنية الحاضرة مسائل جديدة نرى

فيها امورًا نحتاج الى تطبيقها على قواعد الشريعة المحمدية والفقه الاسلامى.

ولاريب ان الدين الاسلامى خاتم اديان العالم كفيل بكل مايحدث الى يوم القيامة ، فالكتاب والسنة وما يدورى حولهما كل ذلك ينابيع فياضة ينبع منهاحل الحوادث ، فمذاهب الصحابة ومن بعدهم من التابعين ثم ائمة الدين رضوان الله عليهم انهم اجتهدوا وقاسوا على الاصول التى ثبتت احكامها بالنص واجتهدوا لتعديه حكم النصوص الى الفروع والحوادث والنوازل ، فهكذا اصبح الاجتهاد والقياس مدركًا من مدارك الشرع وبه اتسعت دائرة التفقه فى الدين ، ولسنا ممن يضيق هذه الدائرة او ان نسد هذه المنابع الفائضة فى دين الله ، فدلائل الكتاب والسنة والعقل قائمة على توسيع هذه الدائرة فى كل عصر من عصور الاسلام.

منها :قوله تعالىٰ: ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِى الْاَبْصَارِ﴾. [الحشر:٢]

ومنها:﴿ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ﴾ [آل عمران:١٣]

ولا ريب ان الاعتبار هو رد حكم الشيىء الى نظيره ومنه يسمى الاصل الذى يرد اليه النظائر عبرة.

ومنها : ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ [النساء:٨٣]

وليس الاستنباط الا استخراج المعنى من المنصوص بالرأى ، كما يقوله السرخسى فى الاصول.

ومنها قوله:﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ﴾[النساء:٥٩]

ويقول السرخسى:

”فلا يجوز ان يقال المراد هو الرجوع الى الكتاب والسنة ، لانه علق ذلك بالمنازعة والامر بالعمل بالكتاب والسنة غير متعلق بشرط المنازعة ، ولان المنازعة بين المؤمنين فى احكام الشرع قلما تقع فيما فيه نص من كتاب اوسنة ، فعرفنا ان المراد به المنازعة فيما ليس فى عينه نص ، وان المراد هو الامر بالرد الى الكتاب والسنة بطريق التأمل فيما هو مثل ذلك الشيء من المنصوص، وانما تعرف هذه المماثلة باعمال الراى وطلب المعنى فيه“.(اصول السرخسى ج:٢ص:١٢٩)

والاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن الصحابة فى حكم الاجتهاد والمقايسة والاعتبار فى غاية الكثرة ، وقد استوفى منها قدرًا صالحًا السرخسى

فى اصوله ، و ابن عبد البر فى جامع بيان العلم ، والحافظ ابن القيم فى اعلام الموقعين وغيرهم من الاعلام . ونحن نكتفى بحديث معاذ فى السنن رواه الائمة وتلقاه بالقبول الامة جمعاء.

و يقول الا مام الغزالى فى المستصفى:

"حديث تلقته الامة بالقبول و لم يظهر احد فيه طعنا او انكارا وما كان كذلك ، فلا يقدح فيه كونه مرسلا، بل لا يجب فيه البحث عن اسناده وهذا كقوله لا وصية لوارث ولا تنكح المراة على عمتها ، فلا يتوارث اهل الملتين ، وغير ذلك مماعملت به الامة كافة ، الا انه نص فى اصل الاجتهاد و لعله فى تحقيق المناط وتعيين المصلحة فيما علق اصله بالمصلحة فلا يتناول القياس الابعمرمه". (المستصفى للغزالى ص:٩٤)

غير انه طال البحث من طائفة وكثرت التساؤل عن سنده فناتى بصفوة تحقيق ولبابه للبحاثة المحقق الامام الكوثرى فى تقو ية اسناده على اصولهم. (مقالات كوثرى ص:٦٠الى٦٤)

والحديث هذا قد اخرجه ابوداؤد والترمذى والدارمى عن معاذ بن جبل بالفاظ مختلفة.

"انه لما بعثه النبى صلى الله عليه وسلم الى اليمن سأله قائلا كيف تقضى؟ قال اقضى بما فى كتاب الله ، قال فان لم يكن فى كتاب الله ، قال فبسنة رسول الله ، قال فان لم يكن فى سنة رسول الله ، قال اجتهد رأى و لا آلو ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضاه رسول الله".(١)

وهذا الحديث رواه عن اصحاب معاذ ، الحارث بن عمرو الثقفى وليس هو بمجهول العين حيث ان شعبة يقول عنه : انه ابن اخ المغيرة بن شعبة ، ولا بمجهول الوصف من حيث انه من كبار التابعين فى طبقة شيوخ ابى عون الثقفى المتوفى سنة١١٦ھ.

ولم يثبت فيه جرح مفسر فيكفى بعدالته وقبول روايته ولم يبق حاجة الى ثبوت نقل توثيقه عن اهل طبقته ، والتابعون كلهم مشهود لهم بالخير ، عدول مالم يثبت فيهم

---

(١) سنن ابى داؤد، باب الاجتهادفى الرأى فى القضاة ص:٥٥، ط:نورمحمد.

سنن الترمذى ، باب ماجاء فى القاضى كيف يقضى ج:١ ص:١٥٩.

سنن دارمى ص:٣٣باب الفتيا و ما فيه من الشدة.

جرح مؤثر، وجرح مفسر ، واما الصحابة فكلهم عدول ، لايوثرفيهم الجرح اصلاً مع ان الحارث هذا ذكره ابن حبان فی الثقات.

و لا مجال لتضعيف الحديث بتفرد ابن عون عن الحارث ، لان ردّ الحديث بتفرد راوٍ غير مجروح ليس من اصول اهل الحق و ابوعون هذا يروی عنه امثال الاعمش و ابی اسحاق و مسعر و شعبة والثوری وابی حنيفة وغيرهم وهو من رجال الصحيحين وتوثيقه موضع اجماع بين اهل النقد.

وروی عنه هذا الحديث ابو اسحاق الشيبانی وشعبة بن الحجاج وعن ابی اسحاق ابو معاوية الضرير وعن شعبه يحيیٰ بن سعيد القطان و عثمان بن عمر العبدی و علی بن الجعد ومحمد بن جعفر وعبد الرحمٰن ابن المهدی و ابو داؤد الطيالسی و غيرهم ، و عنهم من لا يحصون كثرةً حتی تلقت فقهاء التابعين الحديث بالقبول.

ومحاولة توهين الحديث بانه روی عن اصحاب معاذ من اهل الحمص عن معاذ ، واصحاب معاذ مجاهيل محاولة فاسدة.

اما اولّا : فاصحاب معاذ معروفون بالدين والثقة ولا يمكن لاحد ان يثبت جرحاً فی احد اصحاب معاذ نصاً.

و اما ثانيا : فذكر الاصحاب بدون ذكر احد منهم يدل علی مبلغ شهرة الحديث من جهة الرواية كما يقوله القاضی ابو بكر ابن العربی(١)وغيره ، فالبخاری فی صحيحه (٢) فی حديث عروة البارقی يروی : سمعت الحی يتحدثون عن عروة ولم ينزل الرواية عن الصحة ، وقال مالك فی القسامة (٣) انه اخبره رجال من كبراء قومه ، وايضا فی الصحيح (٤) عن الزهری:حدثنی رجال عن ابی هريرة (من صلی علی جنازة فله قيراط).

و اما ثالثًا : فقد وقع فی لفظ شعبة فی تاريخ ابن ابی خيثمه [بحواله مقالات كوثری ص٦٢] قال سمعت الحارث ابن عمروابن اخی المغيرة بن شعبة يحدث عن اصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم عن معاذبن جبل ومثله عند ابن عبد البر فی

---

(١)شرح ترمذی لابن عربی ج:٦ ص:٧٣مطبوعه مصر

(٢) بحواله شرح ترمذی لابن عربی ج:٦ ص:٧٣مطبوعه مصر

(٣)المؤطاللامام مالك،باب القسامة ص:٦٨٠ مطبوعه نورمحمد

(٤) صحيح مسلم ج:١ ص٣٧٠ رشيديه دهلی

"جامع بيان العلم"(١) فإذن اصحاب معاذ هم اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم عدول.

اما رابعاً : فيقول الخطيب البغدادى فى "الفقيه والمتفقه"(بحواله مقالات الكوثرى ص ٦٣) وقول الحارث ابن عمرو : عن اناس من اصحاب معاذ يدل على شهرة الحديث و كثرة رواته ، و قد عرف فضل معاذ و زهده وقد قيل : ان عبادة ابن نسى رواه عن عبد الرحمن ابن غنم عن معاذ ، و هذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة على ان اهل العلم قد تقبلوه واحتجوا به ، فوقفنا بذلك على صحة الحديث عندهم و بالجملة الحديث صحيح ثابت عند فقهاء المحدثين الجامعين بين الفقه والحديث وربما يبلغ حد التواتر المعنوى مع ضم القرائن المحتفة و بقية الروايات المؤيدة، انتهى ملخصاً.

ومن اجود الادلة فى حجية الاجتهاد فى النوازل ماروواه النسائى فى سننه فى باب الحكم باتفاق اهل العلم: عن عبد الله ابن مسعود فى اثر طويل وفيه:

"فان جاء امر ليس فى كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون ، فان جاءه امر ليس فى كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم ولا قضى به الصالحون فليجتهد رايه ولا يقول : انى اخاف ، انى اخاف ، فان الحلال بين والحرام بين وبين ذلك امور مشتبهات فدع ما يريبك الى مالا يريبك.(٢)"، قال ابو عبد الرحمن (النسائى) هذا الحديث حديث جيد جيد ، ومثله عن عمر رضى الله عنه.

[سنن نسائى ج:٢ص:٢٦٤. سنن دارمى ص:٣٤]

و اما ضرورة الاجتهاد من جهة العقل فهو ظاهر جدا فيقول الامام السرخسى :

"ما من حادثة الا وفيها حكم الله تعالىٰ من تحليل وتحريم اوايجاب اواسقاط، و معلوم ان كل حادثة لا يوجد فيها نص ، فالنصوص محدودة متناهية ولا نهاية لما يقع من حوادث الى قيام الساعة وفى تسميته حادثة اشارة الى انه لا نص فيها فان ما فيه النص يكون اصلا معهودا الى آخر ما قال". [اصول السرخسى ج:٢ص:١٣٩]

وبالجملة : حوادث العالم تجرى مستمرة وتحدث مسائل ونوازل فلا بد ان نحل تلك الحوادث النازلة بضوء من الكتاب والسنة واجماع الامة ومن تراث الائمة من غير عمه وضلال وعجز و فشل.

---

(١) جامع بيان العلم وفضله ومايبنغى فى روايته وحمله،لابن عبدالبر ج:٢ص:٥٥ مطبوعه منيريه

(٢) سنن مجتبى للنسائى ج:٢ص:٢٦٤، طبع نورمحمد. سنن دارمى ص:٣٣، ط: نظامى كانپور

وتاريخ التشريع الاسلامی وتكميل ادوار الفقه وتدوين الكتب فی النوازل والاجناس فی كل عصر من عصور العلم حجة مقطوعة علی فتح باب الاجتهاد فی المسائل الغير المنصوصة فی الكتاب والسنة ، كما تعامل به الامة وتوارثت فی القرون فلا داعی لمزيد الحث فی جواز الاجتهاد ، فان الله سبحانه وتعالیٰ قد خلق العقل وجعله مدارا فی الانسان لحمل الامانة الالٰهية وحث علی التدبر فيه و استعماله فی البصائر والعبر.

و يقول الا مام الفخر البزدوی فی اصوله:

"انه نور فی بدن الآدمی مثل الشمس فی ملكوت الارض تضیء به الطريق الذی مبدأه من حيث تنقطع اليه اثر الحواس ثم هو عاجز بنفسه ، واذا وضح لنا الطريق كان الدرك للقلب بفهمه ، كشمس الملكوت الظاهر اذا بزغت وبدا شعاعها ووضع الطريق كان العين مدركة بشعاعها". [كشف الاسرار علی اصول البزدوی ج:٤ ص:٢٣٢]

وبالجمله :هو نور تتجلی به ظلمات الاوهام ونور تشرق به علل الاحكام وقد اثنی الله سبحانه فی التنزيل العزيز علی العقل فی كثير من الآيات القرآنية، فقال عزّ وجلّ:

١ -﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ [الرعد:٤]

٢ -﴿فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا﴾ [الحج:٤٦]

٣ -﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ [الروم:٢٨]

٤ -﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة:١٧١]

٥ -﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ [يونس:١١٠]

٦ -﴿وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ [العنكبوت:٤٣]

٧ -﴿اَفَلا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ [محمد:٢٤]

٨ -﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [الرعد:١٩]

٨ -﴿لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی﴾ [طه:٤٤]

٩ -﴿وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ﴾ [المومن:١٣]

١٠ -﴿وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [ابراهيم:٥٢]

١١ -﴿وَ يَضْرِبُ اللهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ [ابراهيم:٢٥]

وليكن أمام الباحث انه نور وهّاج لكن له دائرة خاصة لا يمكن ان يتعداها و حيث ينتهی طيران العقل يبتدأمن هناك طور من وراء طور العقل ، وهو طور الوحی

الا لٰهى وطورالنبوة الالٰهية. فلا ريب ان العقل يقصر من مدارك الوحى وكفاه فخرًا بان يدرك ما اثبته الوحى والنبوة وبلغ الى ادراك حقائق الوحى بنوره الثاقب وادرك حكمها العالية ومصالحها الغامضة وعللها الخفية. وثبت من ذلك ان الكتاب والسنة والشرائع الالٰهية والاحكام المنصوصة لا غنى للعقل عن الخضوع امامها والقيام بين يديها بادب و وقار وانقياد وتسليم واذا لم يصل الى دركها اعترف امامها بقصوره.

وعلى كل حال تقديم العقل فى كل شىء مع وجود نص الوحى تجاسرقبيح و تاخيره عن كل شىء مع عدم وجود النص قصور و عجز. فالامر بين الامرين و هذا هو الصراط المستقيم.

و لكن من المهم الى الغاية ان نشير الى نقاط ينجلى منها هذاالموضوع فى وضوح:

الاولى: علم القرآن والسنة واجماع الامة والوقوف على مؤلفات الفقه الاسلامى ومعرفة العلوم التى يحتاج اليها فى فهم القرآن والسنة خصوصاً بثلج الصدر بعلم اصول الفقه الاسلامى حيث لا مندوحة عنه.

الثانية: الفهم الثاقب والذكاء البالغ مع التقى والخشية الالٰهية والاخلاص لدين الله.

الثالثة: العناية بالاجتهاد الشورىٰ حيث يشكل وجود رجال افذاذ فى تلك الصفات فيجبر ذلك الوهن من رأى فردى شخصى بآراء جماعة تجتمع فيها هذه الصفات مجموعة فيهم وان لم تجتمع فى فرد واحد منهم حيث ان الحديث النبوى ارشد الامة الى ان يشاوروا الفقهاء والعابدين من ان يقضوا برأى فرد كما ثبت ذلك فى حديث رواه الطبرانى عن على وعن ابن عباس، وابوحنيفة الامام مع كونه فقيه الامة لم يستبد بنفسه بل كون جماعة لهذا الغرض من اربعين من كبراء الكبراء كما يذكره الموفق فى مناقب ابى حنيفة.

الرابعة: اذا صادفنا حلًا للنازلة فى احد من مذاهب الائمة المتبوعين ولا يكون ذلك الحل من جملة شذوذ اوخروج عن الاجماع، نختاره لكى لا نضطر الى اجتهاد جديد او الخروج عن المذاهب.

الخامسة: ان المذهب السائد فى هذه البلاد مذهب الامام ابى حنيفة فلا داعى لان نخرج عن اتباعه بدون الجاء شديد واضطرار اكيد، و ان نشوّش راى العامة من غير أى جدوىٰ.

السادسة : ان المسائل المنصوصة المقطوعة فوق دائرة الاجتهاد فى كل عهد، وان دائرة الاجتهاد فى غير المنصوصة وفى غير المسائل الاجماعية فاستخراج علة او مصلحة او حكمة وجعلها مدارا للحكم ، بحيث يجعل المنصوص غيرمعمول به او يكون خارقا للاجماع ، هذا مما لامساغ له و يكاد يقرب من الحاد او تحريف و قد ارتكبه كثير من الناس اما من جهل وعناد. [حجة الله البالغة، باب الفرق بين المصالح والشرائع]

السابعة : ان عهد الخلافة الراشدة وخصوصاً عهد الشيخين ابى بكر و عمر رضى الله عنهما لا يمكن لان يجعل نظيرا فى بعض المسائل و الاجتهاد الجديد ، فان منصب الخلافة فوق منصب الاجتهاد و اتباعه مامور به من الشارع عليه الصلاة والسلام.

الثامنه : ان يجتنب عن تلفيق الاقوال فى المذاهب وتتبع الرخص عند الائمة الا فى بعض المسائل عند الاضطرار فان ذلك يرادف الانخلاع عن الدين.

التاسعة : ان القوانين الجارية فى البلاد الغيرالاسلامية المتبعة فى الحضارة الجديدة التى تناف روح الاسلام لا يجتهد فى تطبيقها فى البلاد الاسلامية ، سواء بسواء و يعتذر بالاضطرار اليها مع مخالفتها المقطوعات الاسلامية ، بل يجتهد فى تطبيق حلها بما نجد بدلا عنها فى الاسلام وذلك مثل مسئلة ربا البنوك والتامين والوكالات التجارية وغيرها فان فى الاسلام ابوابا من الشركة القراض والكفالة مافيه غنى عن اتخاذها قدوة واسوة.

وان المشكلة فيها قد احدثها تطبيق فروع غيراسلامية على اصول اسلامية ، فيظن بالاسلام انه لا يمكن ان يساير نظام العالم الحديث ، وليكن امام الباحث ان الاصول الاسلامية منبعها العلم الصحيح المحبط الى قيام الساعة والقدرة الازليه الكاملة لا تعجز عن شىء فجاءت من لدن عليم خبير ومن هو على كل شىء قدير.

العاشرة : ان يفرق فرقا واضحا جليا بين الالجاء والاضطرار وبين الترف والترفه ورغبة ، توفيرالاموال واتخاذ الثروة ، ومن الظلم العظيم ان لو سوّى بين رجل جائع لا يجد ما يسد به خلته وجوعه وبين رجل يتدفق بيته بانواع من النعيم و لا يسد نهمته شىء ، فذاك اضطرار وهذا سرف وتبذير ، وسوء الفهم يعمل المضحكات بل المبكيات، ورحم الله من انصف!

هذه اشارات موجزة فى موقف التشريع الاسلامى من الاجتهاد ، اكتفيت فيها بالاجمال دون الخوض فى غمار التفصيلات حرصاً على الوقت ، ولا شك ان الموضوع يحتاج الى بسطٍ شافٍ نظرا الى اهميته ولكن ما لا يدرك كله لا يترك كله ، ودمع من عوراء

غنيمة باردة ، وجهد المقل دموعه، فكان الا مر كما قال قائلهم:

جهد المتيم اشواق فيظهر ها
دمع على صفحات الخدينحدر

والله سبحانه ولى التو فيق وهو حسبنا ونعم الو كيل

یہ ''اجتہاد'' کے موضوع پر مختصر سا مقالہ ہے میں (اس وقت) موضوع سے متعلقہ تمام مباحث پر مفصل بحث کا ارادہ نہیں رکھتا، مثلاً اجتہاد کی لغوی تحقیق، اجتہاد کے معانی، حکم، ارکان، شرائط، اقسام، حجیت اجتہاد پر دلائل اور اس قسم کی اور طویل بحثیں جن سے تمام ائمہ مذاہب کے اصول فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، چنانچہ ان اکابر نے کسی چھوٹی بڑی بحث کو نہیں چھوڑا جس کی کماحقہ تحقیق و تنقیح نہ کر ڈالی ہو، یہ سلسلہ اسلام کے قدیم دور سے لے کر علمی دور کے آخری سرے تک جاری رہا ہے، بلاشبہ یہ امت اسلامیہ کی مایہ فخر دولت ہے جس سے نہ بحث و تفقہ کا طالب علم مستغنی ہے، نہ عصری مسائل کے حل کا مدعی اس سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلمیذ رشید قاضی القضاۃ ابو یوسف کے دور سے، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام طحاوی، جصاص رازی، ابوزید دبوسی، فخر بزدوی، امام غزالی کے دور سے، امام رازی اور آمدی کے دور تک اور ان کے دور سے امیر کاتب اتقانی اور ابن ہمام حنفی کے دور تک اسلامی کتب خانے میں (اصول فقہ پر) اتنا بڑا ذخیرہ وجود پذیر ہوا جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

آج کی فرصت میں میرے پیش نظر صرف یہ ہے کہ محققین اہل علم کی توجہ مسائل حاضرہ اور جدید مشکلات میں اجتہاد کے اہم اصولوں کی طرف مبذول کراؤں، کیونکہ نئے تمدن نے نئے مسائل کو جنم دیا ہے اور ان میں بہت سی چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جنہیں قواعد شرعیہ اور فقہ اسلامی کے مطابق ڈھالنا ہماری پہلی ضرورت ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ دین اسلام تمام ادیان عالم کے لئے خاتم اور قیامت تک کی ضرورتوں کا کفیل ہے، چنانچہ کتاب وسنت اور ان سے متعلقہ علوم وہ فیاض چشمے ہیں جن سے حل مسائل کے سوتے ابلتے ہیں، پھر صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا طریق کار ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے، ان حضرات نے اجتہاد کیا اور جن اصول کے احکام نص سے ثابت تھے ان پر (غیر منصوص) کو قیاس کیا اور نصوص کے حکم کو فروع وحوادث کی طرف متعدی کرنے کے لئے اجتہاد سے کام لیا، اس طرح اجتہاد و قیاس اصول شرعیہ میں سے ایک اصول قرار پایا، جس سے تفقہ فی الدین کا دائرہ وسیع ہوا، ہم اس حق میں نہیں کہ اس دائرے کو تنگ کر دیا جائے، یا دین خداوندی کے ان فیاض چشموں کو بند کر دیا جائے، کیونکہ کتاب وسنت اور عقل کے دلائل سے ثابت ہے کہ یہ دائرہ ہر دور میں وسیع رہے گا۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم عبرت لو، اے عقل مندو۔

نیز ارشاد ہے: بے شک اس میں عبرت ہے بصیرت والوں کے لئے۔

اور ظاہر ہے کہ کسی شئ کے حکم کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کا نام اعتبار ہے، اسی لئے جس اصل کی طرف نظائر کو لوٹایا جائے اسے ''عبرۃ'' کہا جاتا ہے۔

نیز ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے کر دیتے تو ان میں جو لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کو خود ہی جان لیتے۔

اور استنباط کے معنی ہیں۔ جیسا کہ سرخسی نے لکھا ہے:

''اجتہاد کے ذریعہ حکم منصوص کی علت دریافت کرنا''۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر تم کسی امر میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ۔

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ و رسول کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ یہاں ''رد'' کو منازعت پر معلق کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنا اس شرط پر معلق نہیں، نیز جن احکام شرعیہ پر کتاب وسنت کے نصوص موجود ہوں ان میں اہل ایمان کے نزاع کی صورت مشکل ہی سے پیش آ سکتی ہے، اس سے واضح ہوا کہ یہاں مراد وہ منازعت ہے جو ایسے واقعہ میں پیش آئے جس کے لئے کتاب وسنت کا صریح حکم موجود نہ ہو اور ''رد'' سے مراد یہ ہے کہ جس حادثہ میں نزاع واقع ہو غور و فکر سے کتاب وسنت کے منصوص احکام میں اس کی نظیر تلاش کی جائے اور یہ مماثلت اجتہاد کے ذریعہ علت حکم کی دریافت ہی سے معلوم ہو سکتی ہے''۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی احادیث، اجتہاد، قیاس اور اعتبار کے سلسلہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں ان کی ایک اچھی مقدار امام سرخسی نے اصول میں امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اور حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور دوسرے اکابر نے جمع کر دی ہے۔ ہم یہاں حدیث معاذؓ کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں، جو سنن میں موجود ہے، ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور تمام امت نے اسے قبول کیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المستصفیٰ میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اور کسی نے اس میں طعن یا انکار کا اظہار نہیں کیا، اس لئے اس کا مرسل ہونا قادح نہیں بلکہ اس کی سند کی تفتیش بھی ضروری نہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جن پر پوری امت عمل پیرا ہے، مثلاً وارث کے لئے وصیت نہیں، کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے، دو ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے وغیرہ (کہ اس عملی تواتر کے بعد ان کی اسناد کی بحث غیر ضروری ہو جاتی ہے) البتہ یہ حدیث (معاذ رضی اللہ عنہ) اصل اجتہاد میں نص ہے اور شاید یہ ''تحقیق

مناط'' اور ''تعیینِ مصلحت'' کے بارے میں ہے، جہاں کہ اصل کا حکم مصلحت پر معلق ہو اس لئے یہ قیاس کو صرف اپنے عموم کی بنا پر شامل ہوگی۔

مگر چونکہ بعض لوگوں نے اسے طویل بحث کا نشانہ بنایا اور اس کی اسناد کا سوال اٹھایا ہے اس لئے ہم یہاں امام کوثری کی تحقیق کا خلاصہ اور لب لباب پیش کرتے ہیں جو اصول حدیث کے قواعد کے مطابق انہوں نے اس کی قوت سند کے بارے میں فرمائی ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے مختلف الفاظ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا: فیصلہ کیسے کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق، فرمایا: اگر اس کا صریح حکم کتاب اللہ میں نہ ہو؟ عرض کیا تو سنت رسول کے مطابق، فرمایا: اگر سنت رسول میں بھی نہ ہو؟ عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور وفکر میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے فرستادۂ رسول اللہ (ﷺ) کو رسول اللہ (ﷺ) کے پسندیدہ طریق کی توفیق دی''۔

اس حدیث کو اصحاب معاذ رضی اللہ عنہ سے حارث بن عمرو ثقفی نے روایت کیا ہے اور حارث نہ تو مجہول العین ہے، چنانچہ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں اور نہ وہ مجہول الوصف ہے، کیونکہ وہ کبار تابعین میں ابوعون ثقفی (م ۱۱۶ھ) کے طبقہ شیوخ میں ہے اور ان کے بارے میں کوئی جرح مفسر ثابت نہیں، اس لئے ان کی ثقاہت اور قبول روایت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد ان کے اہل طبقہ سے نقل توثیق کی حاجت نہیں رہ جاتی، اور تمام تابعین کے حق میں خیر کی شہادت دی گئی ہے وہ سب ثقہ اور عادل ہیں جب تک کہ ان میں جرح مؤثر اور جرح مفسر ثابت نہ ہو اور صحابہ سب عادل ہیں ان میں کسی قسم کی جرح بھی مؤثر نہیں، علاوہ بریں حارث کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ حدیث اس وجہ سے بھی ضعیف نہیں قرار دی جاسکتی کہ ابن عون، حارث سے اس کی روایت میں متفرد ہیں، اس لئے کہ ثقہ راوی کے تفرد کی وجہ سے حدیث کو رد کردینا اہل حق کا اصول نہیں اور ابن عون، امام اعمش، ابواسحٰق، مسعر، شعبہ، ثوری اور ابوحنیفہ جیسے اکابر کے استاذ، صحیحین کے راوی اور باتفاق اہل نقد ثقہ ہیں۔

ابن عون سے اس حدیث کو ابواسحاق، شیبانی اور شعبہ بن حجاج نے روایت کیا ہے اور ابواسحاق سے ابو معاویہ ضریر نے اور شعبہ سے یحییٰ بن سعید قطان، عثمان بن عمر عبدی، علی بن جعد، محمد بن جعفر، عبدالرحمان بن مہدی اور ابوداؤد طیالسی وغیرہم نے روایت کیا ہے اور ان حضرات سے بے شمار لوگوں نے روایت کیا یہاں تک کہ فقہاء تابعین نے اس حدیث کو بالاتفاق قبول کیا۔

اور اس حدیث کو اس وجہ سے رد کر دینا کہ یہ اصحاب معاذؓ سے مروی ہے اور وہ مجہول ہیں چند وجوہ سے غلط ہے:

اولاً: اس لئے کہ اصحاب معاذ دین وثقاہت میں معروف ہیں اور ناممکن ہے کہ کوئی شخص اصحاب معاذ میں سے کسی ایک کے حق میں بھی جرح ثابت کر سکے۔ (اور ثقہ کا مبہم ہونا مضر نہیں)

ثانیاً: اس لئے کہ اصحاب معاذ کا بلاتعیین ذکر اس امر کی دلیل ہے کہ روایت کے اعتبار سے یہ حدیث حد شہرت کو پہنچی ہوئی تھی، جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہا ہے، چنانچہ امام بخاری نے عروہ بارقی کی حدیث کی سند اس طرح نقل کی ہے: میں نے قبیلہ کے لوگوں کو عروہ سے روایت کرتے سنا ہے' اس کے باوجود یہ روایت درجہ صحت سے نہیں گری، اور امام مالک نے قسامۃ میں سند یوں بیان کی ہے: ''اسے اس کی قوم کے بڑے لوگوں میں سے چند مردوں نے خبر دی'' نیز صحیح مسلم میں زہری سے یوں روایت ہے کہ: مجھ سے چند مردوں نے بروایت ابوہریرہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ: ''جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کے لئے ایک قیراط ہے''۔

ثالثاً: اس لئے کہ تاریخ ابن ابی خیثمہ میں بروایت شعبہ یہ لفظ ہیں: ''میں نے مغیرہ بن شعبہ کے بھتیجے حارث بن عمرو سے سنا: وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ کی یہ حدیث بیان کرتے تھے''۔ حافظ ابن عبدالبر نے بھی جامع بیان العلم میں اسی طرح روایت نقل کی ہے، اندریں صورت اصحاب معاذ رضی اللہ عنہم سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سب عادل ہیں۔

رابعاً: اس لئے کہ خطیب بغدادی ''الفقیہ والمتفقہ'' میں لکھتے ہیں:

''حارث بن عمرو کا ''عن اناس من اصحاب معاذ'' کہنا شہرت حدیث اور کثرت رواۃ کی دلیل ہے اور حضرت معاذ کا فضل وزہد معروف ہے (ان کے اصحاب بھی معمولی درجہ کے لوگ نہیں ہوں گے) اور کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی نے اسے بروایت عبدالرحمن ابن غنم حضرت معاذ سے روایت کیا ہے اور یہ سند متصل ہے اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں، علاوہ بریں اہل علم نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک درجہ صحت رکھتی ہے۔''

حاصل یہ کہ فقہاء محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اگر اس کے ساتھ خارجی قرائن اور تائیدی روایات کو بھی ملا لیا جائے تو یہ قریباً تواتر معنوی کا درجہ رکھتی ہے، امام کوثری کی تحقیق کا خلاصہ ختم ہوا۔

اور جدید مسائل میں حجیت اجتہاد کی عمدہ ترین دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی نے سنن میں ''باب الحکم باتفاق اهل العلم'' کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طویل اثر میں روایت کیا ہے کہ:

''پس اگر ایسا معاملہ پیش آئے جس کا صریح حکم نہ کتاب اللہ میں ہو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ فرمایا ہو تو وہ فیصلہ کرے جو سلف صالحین نے کیا ہو اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو نہ کتاب اللہ میں ہو نہ

سلف نے تو اپنی بصیرت سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں، کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور حلال وحرام کے مابین بعض چیزیں مشتبہ ہیں اس لئے اس پہلو کو چھوڑ دو جو کھٹک پیدا کرے اور وہ پہلو اختیار کر و جس میں کھٹک نہ ہو''۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت عمدہ ہے اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

اور عقلی حیثیت سے اجتہاد کی ضرورت بالکل واضح ہے، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کوئی حادثہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حلت یا حرمت، وجوب یا عدم وجوب، کا حکم نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ہر حادثہ میں نص صریح نہیں ہوگی کیونکہ نصوص محدود ومتناہی ہیں جبکہ قیامت تک کے حوادث غیر متناہی، اور حادثہ کا نام حادثہ رکھنے میں اس طرح اشارہ ہے کہ اس میں نص نہیں ہوگی ورنہ جس پر نص صریح موجود ہو وہ اصل معہود ہوا''۔

حاصل یہ کہ زندگی رواں دواں ہے اور وہ اپنے جلو میں بہت سے نئے مسائل کو لاتی ہے اس لئے ہمارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ہم کتاب وسنت، اجماع امت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کا حل اس طرح تلاش کریں کہ نہ تو کجروی اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکیں، نہ بزدلی سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔

تشریع اسلامی کی تاریخ فقہی دور کی تکمیل اور ہر زمانے میں جدید مسائل پر کتابوں کی تصنیف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کے نصوص موجود نہیں ان میں اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، چنانچہ امت اسی اصول پر کاربند رہی ہے اس لئے جوازِ اجتہاد پر مزید بحث کی ضرورت نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے، انسان میں امانت الہیہ کی برداشت کا مدار اسی پر رکھا ہے اور ''بصائر وعبر'' میں غور وتدبیر کی بار بار دعوت دی ہے۔

امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں:

''عقل بدن انسان میں ایک نور ہے جیسا کہ زمینی عالم میں آفتاب، اس سے وہ راہیں کھلتی ہیں جہاں حواس ظاہری کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، پھر یہ بذات خود راہنما نہیں بلکہ اس کا کام صرف راستے کا اجاگر کر دینا ہے، راستہ واضح ہو جانے کے بعد اس کا ادراک قلب اپنے نور فہم سے کرے گا، جس طرح طلوع آفتاب سے راستہ کھل جاتا ہے مگر راستہ نظر آنے کے لئے تنہا سورج کی روشنی کافی نہیں بلکہ چشم بینا کی بھی ضرورت ہے''۔

بہرحال عقل ایک نور ہے ایسا نور! جس سے اوہام کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، ایسا نور! جس سے عللِ احکام کی راہیں اجاگر ہو جاتی ہیں، حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں عقل کی مدح وتوصیف فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

(آیات شریفہ کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ کا ہے)

ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان کو جو غور کرتے ہیں۔

جو ان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے۔

یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں، ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔

بہرے گونگے اور اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے۔

اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔

کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں، یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔

سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے۔

شاید وہ سوچے یا ڈرے۔

اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو۔

اور تا سمجھیں عقل والے۔

اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے تا کہ وہ فکر کریں۔

یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ بلاشبہ عقل نورِ فروزاں ہے، مگر اس کے لئے ایک خاص دائرہ ہے، جس سے آگے قدم بڑھانا اس کے لئے ممکن نہیں اور جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے وہاں سے عقل سے بالاتر دائرہ شروع ہوتا ہے اور وہ وحی الٰہی اور نبوت الٰہیہ کا دائرہ ہے۔ لاریب کہ عقل ان امور کا ادراک نہیں کر سکتی جو وحی کی آنکھ سے نظر آتے ہیں، عقل کے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ وہ وحی کے بیان کردہ حقائق کا ٹھیک ٹھیک ادراک کر لے، اور اپنے نورِ خداداد سے ان حقائق کی بلند حکمتوں، گہری مصلحتوں اور باریک اسرار و علل کا سراغ لگانے میں وہ کامیاب ہو جائے۔

اس سے واضح ہوا کتاب و سنت، شرائع الٰہیہ اور احکام منصوصہ کے سامنے سر جھکانے اور ادب و وقار اور تسلیم و انقیاد کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا ہونے کے سوا عقل کو کوئی چارہ نہیں اور اگر حقائق وحی تک اس کی رسائی نہ ہو سکے تو اسے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کرنا ہوگا۔

مختصر یہ کہ نصوص وحی کے ہوتے ہوئی بھی عقل کو ہر چیز میں مقدم رکھنا بڑی گھناؤنی جسارت ہے اور نصوص وحی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے کام نہ لینا نری حماقت اور کوتاہی ہے، صحیح راستہ ان دونوں کے بیچ سے ہو کر گزرتا ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔

البتہ یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ ہمارے لئے بے حد ضروری ہے جن سے موضوع کھل کر

روشن ہو جائے۔

اوّل: اجتہاد کے لئے قرآن و حدیث اور اجماع امت کا علم وفقہ اسلامی کی کتابوں سے واقفیت اور فہم کتاب و سنت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان میں مہارت ازبس ضروری ہے، خصوصاً علم اصول فقہ میں کامل بصیرت ہونی چاہیے کہ اس کے بغیر ہم ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔

دوم: بالغ نظری اور دقیقہ رسی کے ساتھ تقویٰ، خشیت الٰہیہ اور دین خداوندی کے ساتھ کامل اخلاص۔

سوم: شورائی اجتہاد کا اہتمام، چونکہ ایسے یکتا اشخاص کا وجود جو ان مجتہدانہ صفات میں کامل ہوں، بے حد مشکل ہے، اس لئے شخصی رائے کی کمی کو ایسی جماعت کی آراء سے پورا کیا جانا چاہیے جن میں فرداً فرداً نہ سہی مگر مجموعی حیثیت سے یہ تمام صفات کامل طور سے جمع ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جدید مسائل میں انفرادی رائے کے بجائے فقہاء و عابدین سے مشورہ کیا جائے۔ امام طبرانی نے یہ حدیث حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقیہ الامت ہونے کے باوجود انفرادی اجتہاد نہیں کیا بلکہ اس مقصد کے لئے ایسے چالیس افراد کی جماعت تشکیل کی جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ یکتائے زمانہ تھا جیسا کہ الموفق نے مناقب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں ذکر کیا ہے۔

چہارم: جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل مذاہب اربعہ میں سے کسی میں موجود ہو بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ اجتہادِ جدید اور مذاہب مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔

پنجم: چونکہ ہمارے ملک میں حنفی مسلک رائج ہے اس لئے بدون شدید اضطرار کے بلاوجہ اس سے نکلنا اور رائے عامہ کو خواہ مخواہ پریشان کرنا غیر معقول ہوگا۔

ششم: جن مسائل میں نصوص قطعیہ موجود ہوں وہ ہر دور میں دائرہ اجتہاد سے خارج ہیں، اجتہاد صرف ان مسائل تک محدود ہے جو نہ منصوص ہوں نہ اجماعی، اس لئے اس کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، مصلحت یا حکمت تراش کر اسے ایسے طور پر مدارِ حکم قرار دے دیا جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماع امت کا باطل ہونا لازم آئے، یہ طرزِ عمل تقریباً الحاد و تحریف سے جاملتا ہے اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی بناء پر اس کے مرتکب ہیں۔

ہفتم: مسائل جدیدہ میں اجتہاد کے لئے خلافت راشدہ خصوصاً خلافت شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نظیر بنانا ناممکن ہے، کیونکہ خلافت راشدہ کا مقام منصب اجتہاد سے بالاتر ہے اور خلافت راشدہ کے فیصلوں کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے امت کو دیا گیا ہے۔

ہشتم: مذاہب مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔

نہم: جدید تمدن کی بدولت غیر اسلامی ممالک میں بیشتر ایسے قوانین رائج ہیں جو روحِ اسلام کے منافی اور قطعیات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں، انہیں اضطرار کے بہانے سے اسلامی معاشرے میں جوں کا توں فٹ نہ کیا جائے، بلکہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اسلام میں اس کا جو بدل موجود ہے اسے اختیار کیا جائے۔ مثلاً بینک کا سود، بیمہ اور کمیشن ایجنسی کا مسئلہ ہے کہ اسلام میں اس کا بدل شرکت، قراض اور کفالت وغیرہ کی صورت میں موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے ان حرام کے ارتکاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشکال کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو ان میں رتی بھر تبدیلی کئے بغیر اسلامی اصول پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور جب وہ فٹ نہیں ہوتے تو گمان کر لیا جاتا ہے کہ اسلام معاذ اللہ جدید دور کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ یاد رہے! کہ اصول اسلامیہ کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے جس کا علم صحیح قیامت تک کے حوادث کو محیط ہے اور جس کی قدرت ازلیہ کاملہ کسی چیز سے عاجز نہیں کیونکہ یہ شریعت اس ذات کی طرف سے آئی ہے جو علیم و خبیر بھی ہے اور ہر چیز پر قادر بھی۔

دہم: الجاء و اضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان جو نمایاں فرق ہے اسے ملحوظ رکھنا چاہیے، ایک بھوکا ننگا فاقہ کش ہے، جسے قوت لایموت بھی میسر نہیں اور ایک وہ امیر کبیر ہے جس کا گھر طرح طرح کے اسباب تنعم سے پٹا پڑا ہے، مگر اس کی حرص کی جہنم کو صبر نہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ دونوں کا حکم یکساں قرار دیا جائے، پہلی صورت اضطرار کی ہے (جس میں سدرمق تک مردار کھانے کی بھی اجازت ہے) اور دوسری اسراف و تبذیر کی (جس کے لئے مجبوری کا بہانہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے) اور بدفہمی (اس طرح کے) مضحکہ خیز لطیفوں بلکہ ماتم انگیز حادثوں کو جنم کر دیا کرتی ہے۔

حق تعالیٰ رحم فرمائے اس پر جو انصاف سے کام لے۔

’’اسلامی قوانین میں اجتہاد کے مقام‘‘ پر یہ چند مختصر اشارے عرض کئے گئے ہیں جن میں تنگی وقت کے پیش نظر تفصیلات کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موضوع کی اہمیت شرح وبسط کی متقاضی تھی تاہم جس چیز کا پورا ادراک ممکن نہ ہو اسے بالکلیہ چھوڑ دینا بھی زیب نہیں، کانی آنکھ کا رونا بھی صد غنیمت ہے اور نادار کی کل کائنات اس کے چند آنسو ہوتے ہیں، میرا حال وہی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:

عاشق کی جمع پونجی وہ سوزِ دروں ہے جس کی غمازی رخسار پر بہتے ہوئے چند آنسو کیا کرتے ہیں۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل

[محرم الحرام ۱۳۸۸ھ]

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا تحریری بیان

جو آپ نے ''مجمع البحوث الاسلامیہ ازہر'' کی تیسری کانفرنس میں پیش کیا

کلمة الوفود

الازهر:

"مجمع البحوث الاسلاميه المؤتمر الثالث"

كلمة :لمحمد يوسف البنورى الوفد الباكستانى

السكرتارية الفنية

الحمد لله و اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ﷺ وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهديه وهداه، اما بعد:

السيد الرئيس والسادة الاجلة!

لاشك ان ادارة الازهر الشريف قديما وحديثاً مما يستحق كل اجلال وتقدير و اعجاب من الامة الاسلامية خصوصاً فى اهل العلم، بانها ادارة وحيدة قامت بخدمة الدين والعلم فى حل المشاكل العلمية الدينية التى انشاتها المدينة الجديدة والحضارات الحديثة او الاستشراق الاورباوى.

ومن مفاخر الازهر انه قد قام فى كل دور من ادوار الاسلام بما يقتضيه مصالح العصر وقام امام كل الحاد وتحريف سدا منيعا وحصنا حصينا، فذب عن الاسلام و حوذة الدين الحنيف كل حملة شعواء وفتنة شنعاء، فاصبح قدوةً و اسوة فى العالم طوال القرون ومنارة النور الوهاج يستضيء بها السائدون فى العصور المختلفة.

وهذه منة جزيلة يستحق ان يشكرها المسلمون فى حنايا ضلوعهم وطوايا قلوبهم، ومما يسرنا ان الكلمات الثلاث التى القيت فى حفلة المؤتمر صباحاً:

(١) للاستاذ الاكبر(٢) وسيادة الامين العام لمجمع البحوث الاسلامية (٣) و السيد نائب الرئيس حسين الشافعى، قد اتفقت على حل جميع المشكلات الدينية والعلمية بضوء القرآن الكريم والسنة النبوية والّا يشوه وجهها بتحريف والحاد و تاويل يتبرأ عنه روح الاسلام وجوهر الدين، كما اصبح هو ديدن كثير من ارباب الاقلام، فرجائى من القائمين بالامر ان يكون هذا اساسا عملياً لحل المسائل و المعضلات، لكى يتلقى بالقبول فى بلاد الاسلام باذعان وانقياد وترحيب ولكى لا

يكون حلّا على صفحات القراطيس بل على صفحات القلوب.

ولا ريب انها ستكون خدمة نبيلة جالبة للرحمة الالٰهية مماثلة لما اختطته عقول سلفنا الصالحين من الائمة المجتهدين ومن بعد هم افذاذ اهل العلم والدين.

وبالجملة :الرجاء الاكيد ان تقدم حلول هذه المشاكل كافة للناس نا صعة الجبين مرضاةً لرب العالمين.

وآمالنا معقودة بمؤتمرات مجمع البحوث الاسلامية بان تقوم بواجبها بكل كفاءة وديانة وهى احق بها و اهلها.

والخطط المرسومة والقرارات والتوصيات فى المؤتمرين السابقين لمجمع البحوث الاسلامية تجعلنا مطمئنين للخُطوات المتقدمة الى الامام ونرجو ان تكون له مزايا ومفاخر فى هذا الصدد بحيث لا يبارىٰ ولا تجارى.

ووجود كبار العلماء فى الازهر وعلى راسهم الامام الاكبر شيخ الازهر فى مجمع البحوث الاسلامية كفيل بانجاح هذا الآمال المعقودة والاعمال المنشودة لكى تكون انوارًا ثاقبةً فى دياجى هذه المادية القائمة.

ثم لى رجاء ان:

الاول : ان يخصص مجمع البحوث و يكون لجنة خاصة للاشراف على التاليف الصادرة فى جوهر الدين وحقائق الاسلام فى الجمهورية المتحدة ، وان يرد على كل ما يستحق الرد من الخروج فى جوهر الدين او الشذوذ عن معتقد اهل الحق وان يلقموا احجارًا فى افواه اولئك التابعين وراء كل ناعق ، لكى تتم اعماله القيمة فى كل ناحية ذباً عن حريم الشريعة المحمدية وبذلك يحي شعار الازهر القديم فى ربوع الدنيا مرةً اخرىٰ.

والثانى : ان فرع الارشاد والوعظ الدينى بالازهر ان يتسع نطاقه عملياً فى كل قطر من اقطار البلاد للارشاد الدينى وتربية العامة الذين اصبحت صلتهم بالدين فى غاية الوهن وان ينتخبوا علماء صالحين متبرعين بالخدمة والخروج الى القرىٰ و الضواحى للنصح والتبليغ والتربية من غير ان تكون لهم رواتب سامية بدل هذه الخدمة و يصرفوا على رحلاتهم واسفارهم نفقات خاصة من عند انفسهم.

وقد قام فى بلاد الهند والباكستان على هذا الطراز جماعات للدعوة قد نشروا الدعوة الاسلامية عمليا ويمثلون حياةً اسلامية خالصة فى حلهم وترحالهم ، فحصل

بذلك خير كثير و بر كات فى كل ناحية.

والله سبحانه ولى كل تو فيق ونعمة وهو حسبناونعم الو كيل.

جناب صدر اور جلیل القدر حضرات علماء!

اس میں شک نہیں کہ ازہر کا ادارہ ہمیشہ سے اور آج بھی پوری امت اسلامیہ خصوصاً اہل علم کے احترام، قدردانی اور سپاس و تحسین کا مستحق ہے اس لئے کہ یہ وہ منفرد ادارہ ہے جس نے ہمیشہ ان تمام تر علمی اور دینی مشکلات کو حل کر کے جو جدید تمدن، جدید تہذیب اور یورپین (فتنہ) استشراق کی پیداوار ہیں، علم اور دین کی خدمت بطریق احسن انجام دی ہے۔

ازہر کے لائق فخر کارناموں میں شاندار کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ اسلام کے ہر دور میں (دینی اور علمی) مصالح وقت کے تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کیا ہے اور ہر کجروی، انحراف اور دینی تحریف کے سیلاب کو روکنے کے لئے مضبوط بند اور لادینی کی یورشوں کے مقابلہ کے لئے محکم قلعہ بن کر سامنے آیا ہے اور اسلام اور حریم دین توحید کی جانب سے ہر اندھا دھند حملے اور بدترین فتنہ کا مکمل دفاع کیا ہے، اسی بناء پر ازہر تمام عالم اسلامی کے لئے، قرناً بعد قرنٍ، لائق اقتداء نمونہ اور مختلف ادوار میں علمی اور دینی قائدین کے لئے روشنی کا منارہ (سرچ لائٹ) بنا رہا ہے کہ اس کی روشنی میں عمائدین اپنے اپنے ملک میں دینی قیادت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔

یہ وہ احسان عظیم ہے جس کی بنا پر ازہر اس کا مستحق ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمان اپنے دلوں کی گہرائیوں اور سینوں کی پہنائیوں میں ازہر کے شکر و سپاس کے جذبات محسوس کریں۔

ہمارے لئے انتہائی مسرت کا موجب یہ امر ہے کہ صبح موتمر کے اجلاس میں جو تینوں بیان پڑھے گئے:

(۱) استاذ بزرگ شیخ ازہر کا بیان (۲) مجمع البحوث کے عمید عمومی (ڈائریکٹر جنرل) کا بیان (۳) نائب صدر جمہوریہ متحدہ مصر جناب حسین شافعی کا بیان، وہ اس پر متفق ہیں کہ تمام دینی اور علمی مشکل اور پیچیدہ مسائل خالص قرآن عظیم اور سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی روشنی میں حل کئے جائیں گے، بغیر کسی قطع برید، کجراہی و انحراف کے اور بغیر کسی ایسی تاویل کے جو اسلام کی روح اور اساسِ دین کے منافی ہو، جیسا کہ یہ طریق کار اس زمانہ میں بہت سے آزاد اہل قلم مصنفین و مؤلفین کا شیوہ بن گیا ہے، لہٰذا مجھے (مجمع البحوث کے) ارباب اختیار سے کامل توقع ہے کہ مسائل حاضرہ اور مشکلات عہد جدید کے حل کرنے کی لئے یہی اساس عملی طور پر کار فرما رہے گی، تا کہ (اس معیار پر کئے ہوئے) یہ حل تمام عالم اسلام میں یقین و اطمینان، تسلیم و انقیاد اور سپاس و تحسین کے ساتھ قبول عام حاصل کریں اور تا کہ یہ حل زینت صفحاتِ کتب بننے کے بجائے صفحات قلوب پر ثبت ہو کر بقاء و دوام حاصل کریں۔

اور اس میں تو شک ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ شاندار (دینی اور علمی) خدمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب

ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اور ان کے بعد آنے والے یگانہ روزگار علماء امت اور ارباب دین کی فہم وفراست کے اسوۂ اور طریق کار کے مماثل ومشابہ بھی ہوگی۔

بہرحال قوی امید ہے کہ یہ روشن اور تابناک حل (نہ صرف مصر کے لئے بلکہ) تمام عالم اسلام کے لئے پیش کئے جائیں گے اور رب العالمین کی رضا کا وسیلہ ہوں گے۔

اور ہماری تو تمامتر امیدیں مجمع البحوث الاسلامیہ کی ان کانفرنسوں سے وابستہ ہیں کہ وہ پوری اہلیت وصلاحیت اور دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کریں گی اس لئے کہ وہی اس کی اہل ہیں اور وہی اس کی مستحق ہیں۔

مجمع البحوث کی سابقہ دو موتمروں کے رسمی طریق کار اور تجاویز وسفارشات ہمیں اس کے آئندہ اٹھنے والے قدموں کے بارے میں کلی طور پر مطمئن کرتی ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ وہ اس (دینی وعلمی خدمت کی انجام دہی کے) معاملہ میں ایسی امتیازی خصوصیات اور لائق فخر کارناموں کی مالک ہوگی جن کا نہ مقابلہ کیا جاسکے گا اور نہ انکار۔

مجمع البحوث میں ازہر کے کبار علماء اور ان کے سربراہ شیخ ازہر کا وجودِ مسعود ہماری ان امیدوں کے پورا ہونے اور شاندار کارناموں کے انجام پانے کی بہت بڑی ضمانت ہے، تاکہ اس سیاہ رُو مادیت کی تاریکیوں کے دور میں وہ مشعل راہ بن سکیں۔

علاوہ ازیں میں مجمع البحوث سے دو امر کی درخواست کرتا ہوں:

اوّل: یہ کہ مجمع البحوث جمہوریہ متحدہ مصر میں دین کے اساسی موضوعات اور اسلامی حقائق پر لکھی اور شائع کی جانے والی کتابوں پر خصوصی نگرانی کی غرض سے ایک مخصوص نگران کمیٹی کی تشکیل کرے، یہ نگران کمیٹی ان تمام تصنیفات وتالیفات کی دندان شکن تردید کرے جو اساس دین سے بغاوت یا اہل حق کے مسلمہ معتقدات سے انحراف پر مشتمل ہوں اور ان اہل قلم کا منہ بند کردے جنہوں نے ہر نیا نعرہ لگانے والے کی آواز پر لبیک کہنا اپنا شعار بنالیا ہے، تاکہ ہر پہلو سے مجمع البحوث کے قابل قدر کارنامے شریعت محمدیہ کے دفاع کے باب میں کامل ومکمل ہوجائیں اور اس طریق پر ازہر کا شعار (امتیازی نشان) دنیا کے تمام آباد خطوں میں نئی زندگی حاصل کرے۔

ثانی: میں درخواست کرتا ہوں کہ ازہر کے شعبہ وعظ وتبلیغ کے حلقہ کی عملی طور پر ملک کے ہر ہر حصہ میں مزید توسیع کی جائے اور دینی وعظ وتبلیغ اور عوام کی دینی تربیت کا جال گوشہ گوشہ میں بچھا دیا جائے اس لئے کہ اس زمانہ میں عوام کا دین سے تعلق اور وابستگی انتہا درجہ مضمحل ہوچکی ہے۔ (ملک گیر تبلیغ دین کی شدید ضرورت ہے) اور اس تبلیغ ودینی تربیت کے لئے لوجہ اللہ کام کرنے والے ایسے اعلماء کا انتخاب کیا جائے جو بغیر کسی معاوضہ (تنخواہ) کے بستی بستی اور گاؤں گاؤں گشت کرکے محض رضاء الٰہی کے لئے وعظ وتبلیغ اور مسلمانوں کی دینی تربیت کا فرض انجادم دیں اور نہ صرف یہ کہ اس خدمت دین کا کوئی معاوضہ نہ لیں بلکہ آمد ورفت اور سفر کے اخراجات بھی خود ہی برداشت کریں۔

ہندوستان وپاکستان میں اسی طرز کی ایک ملک گیر تبلیغی جماعتوں کا نظام قائم ہے، یہ جماعتیں نہ صرف

ملک میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی اپنے سفر وحضر میں عملی طور پر خالص اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کررہی ہیں اور دین کی دعوت پہنچا رہی ہیں اور اس بابرکت تبلیغی تحریک سے ملک کے ہر حصہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ اور نفع پہنچ رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی ہر توفیق ونعمت عطا فرمانے والے ہیں وہی ہمارے لئے کافی ہیں اور بہت اچھے کارساز ہیں

کتبہ

محمد یوسف البنوری ۱۹۶۶ء-۸-۱۰

افادات حمادیہ

سر زمین سندھ میں حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی ان اکابر امت میں سے تھے کہ ان کے کمالات کو یا تو کسی نے صحیح طور پر پہچانا نہیں یا صحیح فائدہ نہیں اٹھایا، وہ پیر ومرشد تھے لیکن متبع سنت، وہ حکیم بھی تھے لیکن نہایت حاذق، وہ عالم بھی تھے لیکن نہایت محقق، وہ زاہد تھے جن کی زہد کی نظیر میں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی نہ سنی، وہ عارف تھے تصوف کے رموز واسرار اور ان کے لطائف واذکار کے دانائے راز تھے، ان کی یہ خصوصیت تو ایک مقالے کی محتاج ہیں، دو چار ملاقاتوں میں ان کی زندگی کے ایسے گوشے نظر آئے کہ حیرت ہوئی، ان مختصر مجالس اور مختصر قیام میں چند باتیں سنی تھیں، جن کی حلاوت ولذت سے اب تک سرشار ہوں، ان افادات کو اپنی یادداشت میں کچھ عرصے کے بعد قلم بند کرلیا تھا، جی چاہا کہ "بینات" کے ناظرین اور اہل علم حضرات کو بھی اس لذت میں شریک کروں، کاش ان کے علمی ملفوظات اور مجالس کی جواہرات قلم بند ہوتے تو آج تصوف کے علمی خزانے میں بیش بہا جواہرات کا اضافہ ہوتا:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

فائدہ : ﴿اولئك الذين انعم الله عليهم﴾ الآية:

الانبياء هم الذين جعل الله سبحانه وتعالىٰ قلوبهم موارد الوحی الالٰهی ، ينزل عليها الوحی ، والصديقون هم الذين جعل الله قلو بهم اوعيةً للوحی فتحفظ الوحی، والشهداء هم الذين يغدون بمهجهم وامو الهم لحفظ الوحی ، والصالحون هم الذين يعملون بمقتضى الوحی الالٰهی ، فاحق هؤلاء بالعمل الذين اختارهم منازل وموارد لوحيه واعرفهم بحقائقه ، ثم الذين قلوبهم اوعية بطبيعتها لحفظه فلا يضيع الوحی الالٰهی هناك ابدًا ، ثم الشهداء ثم الصالحون هذا ما استفدته من العارف السندی مولانا الشيخ حماد الله السندی.

و يقول الشاه عبد العزيز الحجة الدهلوى فى فتح العزيز : النبى من تاثر بنور القدس الالٰهى من جهة القوة النظرية العلمية فيتجلى له الاشياء وحقا ئقها من غير ان يقع فيها اشتباه ، ومن جهة القوة العملية بحيث تحصل له ملكة تصدر منها الاعمال الصالحة بغاية المحبة والرضاء وتنفرمن اعمال الشر بطبيعته ثم اذا تم كمال قواه البدنية واستوفى عقله التجربى ونضج يبعث الى هداية الخلق و يؤيد بالمعجزات الالٰهية و بالآيات العقلية.

ثم بين تلك الآيات العقلية من اخلاقه الكريمة وعلومه الصادقة والبيان الواضح والحجة الواضحة وتاثر الخلق بانوار صحبته وما الى ذالك.وهذه الآيات يستدل بها اهل الفضل والكمال من الخواص كما ان المعجزات يستدل بها العامة.

والصديق يقارب النبى فى قوته النظرية دون العملية.

والشهيد من يثلج صدره باجابة النبى و يشاهد قلبه عياناً ذلك بحيث يستعد لكل تضحيةٍ من نفسه وما له بكل سهولة ، فهو يشبه النبى فى قوته العملية.

والصالح من لم يبلغ فى قوته اليه غير انه يتابع النبى فى حياته من اجتناب المعاصى والاتصاف بالعقائد الطاهرة وما الى ذلك ، و يطلق الولى فى العرف عليه وان كان يشمل هولاء الثلاثة والقدرالمشترك بين الاربعة بان الله يحبهم و يضع لهم القبول فى الارض و يتكفل (رزقهم) ومعاشهم بامتياز من عامة الناس و يكون همتهم عالية لا يرضون بحطام الدنيا ، وتكون قلوبهم مستنيرةً ينجلى لهم الاشياء ماتقصر عنها عقول الناس.انتهى ملخصاً(۱)

ارشادِ خداوندی ہے! جوحکم مانے اللہ کے اوراس کے رسول کا پس یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہوا، یعنی نبی، صدیق، شہیداور صالحین۔

انبیاء (علیہم السلام) وہ حضرات ہیں جن کے قلوب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی الٰہی کا محل بنایا کہ ان پر

---

(۱) یہاں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی پیش نظر رہے تو مناسب ہے وہ فرماتے ہیں:

''اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے کمالات عملی میں سے نہیں، الغرض کمالات ذوی العقول کل دو کمالوں میں منحصر ہیں، ایک کمال علمی دوسرا کمال عملی اور بنائے مدح کل انہیں دو باتوں پر ہے، چنانچہ کلام اللہ میں چار فرقوں کی تعریف کرتے ہیں: نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، جن میں سے انبیاء کو تو منبع العلوم اور فاعل اور صدیقین کو مجمع العلوم اور قابل سمجھئے اور شہداء کو منبع العمل اور فاعل اور صالحین کو مجمع العمل اور قابل خیال فرمایئے......'' (تحذیر الناس صفحہ ۵)

اس کے بعد حضرت نے تفصیل سے اس متن کی شرح کی ہے، یہ پوری بحث دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ (مدیر)

وحی نازل ہوتی ہے۔

صدیق: وہ حضرات ہیں جن کے قلوب کو حق جل شانہٗ نے خازن وحی بنایا وہ وحی کو محفوظ کرتے ہیں۔

شہید: وہ حضرات ہیں جو حریم وحی کی پاسبانی کے لئے جان و مال قربان کرتے ہیں۔

صالحین: وہ حضرات ہیں جو منشاء وحی کی تعمیل کے لئے ہر آن حاضر رہتے ہیں۔

پس جن حضرات (انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام) کو اللہ پاک نے اپنی وحی کا محل ومورو بنانے کے لئے منتخب فرمایا وہ وحی کے حقائق ومعارف کے علم اور اس کی تعمیل میں سب سے آگے ہیں ان کے نقش قدم پر وہ حضرات ہیں جو فطرۃً خازن وحی ہیں، ان حضرات کے ہوتے وحی الٰہی کے (علماً یا عملاً) ضائع ہوجانے کا احتمال نہیں، ان کے بعد شہداء کا پھر صالحین کا درجہ ہے۔ یہ تو عارف سندھی مولانا حماد اللہؒ کا افادہ ہے۔

اور شاہ عبد العزیز دہلوی (نور اللہ مرقدہٗ) ''فتح العزیز'' میں فرماتے ہیں:

نبی وہ ہوتا ہے جس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں قدسِ الٰہی کے نور سے منور ہوں، چنانچہ اس کی قوت نظریہ کے اعتبار سے ان کے سامنے تمام اشیاء کے اصل حقائق روشن ہوجاتے ہیں۔

اور ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہتا اور قوت عملیہ کے اعتبار سے اسے ایسا فطری ملکہ حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ کمال محبت ورضا کے ساتھ اعمال صالحہ پر قادر ہوتا ہے اور برے اعمال سے اسے طبعاً نفرت ہوتی ہے، پھر جب اس کی بدنی قوتیں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں اور عقلِ تجربی پوری طرح کامل و پختہ ہوجاتی ہے تو اسے مخلوق کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے اور خدائی معجزات اور عقلی دلائل وآیات اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل عقلیہ کی تفصیل بیان کی ہے، یعنی نبی کے اخلاق کریمہ، علومِ صادقہ، بیان واضح، حجۃ قاطعہ مخلوق کا اس کی صحبت سے اثر پذیر ہونا وغیرہ۔ خواص اہل فضل وکمال ان آیات سے نبی کی نبوت پر اسی طرح استدلال کرتے ہیں جس طرح کہ عوام حسی معجزات سے۔

صدیق: وہ ہوتا ہے جو قوت نظریہ میں نبی کے ہمرنگ ہو مگر قوت عملیہ میں نہیں۔

شہید: وہ ہوتا ہے جو نبی کی ہر بات ثلج صدر (قلبی اطمینان) سے قبول کرتا ہے اور اس کا قلب آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ ہر قسم کی جانی ومالی قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ یہ گویا قوت عملیہ میں نبی کے ہمرنگ ہوتا ہے۔

صالح: وہ ہوتا ہے جو اپنی دونوں قوتوں میں نبی (سے ہمرنگی) تک نہیں پہنچ پاتا، تاہم وہ اپنی زندگی کے تمام لمحات میں نبی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ عقائد واخلاق میں بھی، اعمال وعبادت میں بھی اور گناہوں سے بچنے میں بھی۔ عرف عام میں اسی کو ''ولی'' کہتے ہیں، اگرچہ ''ولی'' کا مفہوم پہلی تین قسموں کو بھی شامل ہے۔

اور ان چاروں قسم کے حضرات کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے، ان

کی مقبولیت زمین میں پھیلا دی جاتی ہے، عام لوگوں سے کچھ نرالے انداز میں ان کے رزق ومعاش کی کفالت فرماتا ہے ان کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں، وہ دنیا کی متاع حقیر کو خاطر میں نہیں لاتے، ان کے قلوب روشن ہوتے ہیں، ان کے سامنے وہ حقائق روشن ہوتے ہیں جن سے عام انسانی عقلیں قاصر رہتی ہیں۔ اھ ملخصا

فائدہ : حسنات الابرار سیئات المقربین

الابرار هم الذين يعملون الصالحات ابتغاء لجنته ونعيمها وما اعد الله سبحانه لهم من الجنة الدائمة.

والمقربون هم الذين يريدون وجهه تعالىٰ وذاته العليا، بحيث فنيت شهواتهم و ارادتهم من دون كبريائه فوصلوا الىٰ درجة المحبة الذاتية، والابرار بقوافى درجة المحبة الصفاتية، ولم يرتقوا منها فكانهم يذكرونه ويحمدونه حصولًا لتلك النعماء الالهيه. كمثل رجل لهٗ ابنان، ابن يخدم اباه و يطعف عليه و يبره نظرًا الى حصول ما وعده ابوه من اعطاء صلة ووراثة، فيعلم انه يستحقة اذا برّ به ويحرم اذا عقه، فهذا اذا حصل له مراده فتر عطفه وبرّه أو ينتهى، أو اذا يئس منه وتيقن حرمانه لامر ينتهى عاطفته. وابن يخدم اباه محبةً مع شخصيته و ذاته دون ان يخطر بقلبه هذه الاغراض فان برّه وعطفه لا ينتهى ابدًا، سواء حصل له من خيرٍ او لم يحصل. فالاول فى درجة الابرار والثانى فى درجة المقربين. فلا شك ان حسنةً يقوم بها الابرار غرضاً لتلك الصلة الماديه سيئةٌ كبيرةٌ فى نظر المقربين الذين لا يريدون الا وجهه، ولا يشوب محبتهم شىء من الاغراض المادية، فاذن علاقة المقربين علاقة متينةٌ قوية لا انفصام لها، وعلاقة الابرار واهية على شرف السقوط عند حصول المقصود، وبالجلة ليس الفرق بين هولاء وهولاء الا من جهة النيات دون الاعمال، فهم متفقون فى ظواهرهم مختلفون فى بواطنهم و انما الاعمال بالنيات و انما لامرى ما نوى، والله اعلم.

ابرار: وہ حضرات ہیں جو جنت اور نعمائے جنت کے لئے اعمال صالحہ کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو پائیدار نعمتیں اور دائمی جنت تیار کر رکھی ہے اسے حاصل کر سکیں۔

مقربین: وہ ہیں جو صرف حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ذات کبریا کے سامنے ان کی خواہشیں اور ان کے ارادے مٹ چکے ہیں، پس مقربین محبتِ ذاتیہ کے مقام پر فائز ہو چکے ہیں اور ابرار ابھی محبت صفاتیہ کے مقام میں، اس سے اوپر نہیں گئے، یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا ذکر وحمد نعمتہائے خداوندی کے لئے کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک شخص کے دو بیٹے ہیں، ایک بیٹا باپ کی خدمت بھی کرتا ہے اس کی ضروریات بھی پوری کرتا ہے، اس کے ساتھ اظہار محبت بھی کرتا ہے مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ والد ماجد نے جس انعام یا وراثت کا اس

سے وعدہ کر رکھا ہے اسے حاصل کر سکے، اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے باپ کا مطیع وفرمانبردار ہوگا تو انعام ومیراث کا مستحق ہوگا اور عاق ہونے کی صورت میں محروم رہے گا، اس بیٹے کے بارے میں یہ توقع بے جا نہیں کہ جب اس کا مطلب پورا ہو جائے گا تو اس کی خدمت واطاعت میں فتور آ جائے گا یا یہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہو جائے گا، اسی طرح اگر وہ کسی وقت انعام سے مایوس ہو جائے اور اسے یقین آ جائے کہ وہ بہر حال محروم رہے گا تب بھی اس کی خدمت گذاری کا سارا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا بیٹا ہے جو اپنے باپ کی خدمت اس کی ذات وشخصیت سے محبت کی بنا پر کرتا ہے کسی اور غرض کا کبھی خیال تک اس کے دل میں نہیں آیا، اس بیٹے کو باپ کی طرف سے کوئی انعام ملے یا نہ ملے مگر اس کی خدمت واطاعت کا سلسلہ کبھی موقوف نہیں ہوگا، پہلا بیٹا ابرار کے درجہ میں ہے اور دوسرا مقربین کے درجہ میں، ظاہر ہے کہ ان مادی انعامات کے لئے ابرار جو نیکیاں کرتے ہیں وہ مقربین کی نظر میں بہت بڑی غلطیاں ہوں گی وہ تو صرف اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کی محبت ان اغراض مادیہ کی آمیزش کو گوارا نہیں کرتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کا تعلق ایسا مضبوط ہے کہ اس کے ٹوٹنے کا احتمال نہیں اور ابرار کا تعلق کمزور ہے، ہر دم خطرہ ہے کہ ان کا مقصود بر آ جائے تو یہ جاتا رہے، خلاصہ کلام یہ کہ اُن میں اور ان میں فرق ہے تو صرف نیت کا ہے عمل کا نہیں، ظاہر دونوں کا ایک جیسا ہے لیکن باطن الگ الگ، اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ واللہ اعلم۔ (۱)

---

(۱) یہاں مقصود صرف ان دونوں باتوں کے درمیان فرق بتانا ہے اور یہ کہ محبت ذاتیہ کا مرتبہ سب سے عالی ہے اور اس مرتبہ میں ارتداد کا خطرہ نہیں، مگر صفاتی محبت میں مرنے سے پہلے پہلے زوال کا خطرہ رہتا ہے، مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ جب تک محبت ذاتیہ کا مرتبہ حاصل نہ ہو سب کچھ بیکار ہے، بہت سے لوگ بعض بزرگوں کے حالات (مثلاً رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے واقعہ) سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جنت اور نعمت الٰہیہ کے حصول کے لئے یا اس کے عذاب اور جہنم سے بچنے کے لئے عبادت کرنا بے کار اور غلط ہے، حالانکہ اگر یہ خیال صحیح ہوتا تو قرآن وحدیث میں جگہ جگہ ثواب وعذاب اور وعدہ وعید کی کیا ضرورت تھی؟ سورۂ انبیاء میں بہت سے انبیاء کرام کا تذکرہ فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿انھم کانوا یسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغبا و رھبا وکانوا لنا خاشعین﴾ تحقیق یہ حضرات بھلائیوں میں جلدی کرتے تھے اور رغبت سے اور ڈرتے ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے مخلص متبعین مقام ذات کے ساتھ مقام صفات کو بھی جمع کر لیتے ہیں وہ عمل جنت ہی کے لئے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بار بار جنت اور نعمائے جنت کی دعائیں کرتے ہیں (جیسا کہ احادیث میں بکثرت وارد ہے) مگر جنت ان کو اس لئے مطلوب ہے کہ وہ محبوب حقیقی کی رحمت ورضوان کی جگہ ہے جو وہاں پہنچ جائے گا اس سے ہمیشہ ہمیشہ کی رضا ورحمت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ بس جنت خود مطلوب نہیں بلکہ اس لئے مطلوب ہے کہ رضائے الٰہی کا مظہر ہے، خدانخواستہ وہاں بھی رضائے الٰہی نصیب نہ ہو تو جنت، جنت نہیں بدترین دوزخ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقام حب ذاتی کا ہے تاہم جنت اور نعمائے جنت سے استغناء نہیں، واللہ اعلم۔ (مدیر)

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبد القادر دہلوی لکھتے ہیں: ''لوگ کہتے ہیں جو کوئی اللہ کو پکارے توقع سے یا ڈر سے وہ محب تحقیق نہیں، یہاں سے اس کی غلطی نکلی۔''

حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ امام العارفین مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: ''بھائی ہم تو احسانی عاشق ہیں''۔

درحقیقت محبت صفاتیہ ہی محبت ذاتیہ کا زینہ ہے، جب تک مقام صفات میں رسوخ نہ ہو، مقام ذات تک رسائی کیسے نصیب ہوسکتی ہے؟ اور ہم نالائقوں کو حق تعالیٰ کی صفات و احسانات کا بھی شعور نہیں ذاتی محبت کیا کریں گے۔

[شعبان ۱۳۹۰ھ - اکتوبر ۱۹۷۰ء]

افادات حمادیہ

فائدة : من باب المعرفة بالله:

قد بين السادة الصوفياء العرفاء للذكر اربع طبقات:

الاولى : الناسوت ، والثانية : الملكوت،

والثالثة : الجبروت، والرابعة : اللاهوت.

فالناسوت : ظهور البشر فى عالم الوجود ، والمرأ اذا ظهر فى هذه المرتبة فله قرينان : النفس والشيطان وايضا هو محفوف بالحوائج الطبيعية من النفقة والسكنى وغيرهما.

فالنفس تشتهى لذائذ الدنيا وشهواتها كما اشار اليه سبحانه وتعالى فى قوله :

﴿زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة﴾ [آل عمران:١٤]

والشيطان يزين لها تلك اللذائذ والشهوات والاعمال الفاسدة من الفسق والفجور كما بينه الله سبحانه وتعالى فى عدة آيات التنزيل :

﴿وإذ زين لهم الشيطان اعمالهم﴾ [الانفال:٤٨]

﴿وزين لهم الشيطان﴾ [النمل:٢٤]

والحاجات البشرية المرأ بطبيعته يشتهيها فهذه الامور كلها تستدعى ان تكون محبوبةً وتقع محبتها من المرأ بجذر قلبه وتستولى عليه ، فالذكر باسم الجلالة "الله" يكون القصد بان ينفى محبة هذه الامور و يثبت محبة الله جل ذكره . فاذا قال : "اللهُ الله" فكانه

يجيب النفس والشيطان بانى لاحب الا الله و لا محبة الا لله جل ذكرهٗ ، فيكرره و يقول "اللهُ الله" وهو الذكر فى مرتبة الناسوت.

ثم كانه يرتقى السالك الذاكر من هذه المرتبة الىٰ مرتبة الملكوت (مبالغة فى الملك بفتحتين) والملك لانفس هناك ولا شيطان ولا تلك الطبائع البشرية ، والحاجات الطبعية ومقصود الملائكة رضا الله جل ذكره ، فالذكر فى هذه المرتبة القصد فيها حصول رضا الله سبحانه وتعالىٰ ، فيقول "الله الله" ابتغاء لرضاه تعالىٰ.

ثم يرتقى منه الى مرتبة الجبروت وهى عبارة عن مرتبة صفات الله تبارك و تعالىٰ فيلاحظ فى هذه المرتبة صفاته العليا من جلال وكبرياءٍ وعظمةٍ واحسان و رافة و رحمةٍ و بالجملة فيراقب صفاته من جلال وجمال و يقول : "الله الله"، استغراقًا فى صفاته تعالىٰ جل وعلا.

ثم يرتقى من درجة الصفات و يلاحظ مرتبة اللاهوت (والتاء فيها زائدة مبالغة للنفى) كما فى قوله "لات" فكانه فى الاصل "لات هو" فنفى غير الله سبحانه بقوله "لات" ثم اثبت ذاته البحتة بقوله "هو" فكانه رعايةً للجبروت وقع هذا الترتيب فاخرت التاء.

ففى هذه المرتبة يراقب و يلاحظ ذاته العليا من غير ملاحظة الصفات ، بان ذاته تعالىٰ هو المقصود المطلوب دون ماعداه ، وانه من حيث هو هو مستحق لكل حمدٍ و ثناء فيقول الذاكر "الله الله" نظراً الى ذاته البحتة وانه هو المقصود الاعظم فهكذا ، يقول الذاكر : "الله الله" مرتين فى مرتبة الناسوت جوابا للنفس والشيطان ثم يقول : "الله الله" مرتين طلبا لرضاه وابتغاءً لما يرضاه دون ما عداه ، ثم يقول "الله الله" مرتين ملاحظةً لصفاته العلياء بانه يستحق الذكر من جهة هذه الكمالات ، ثم يقول : "الله الله" مرتين مراقبة لذاته العلياء فيذ كره بهذه النية فاذن يذكره اسم الجلالة ثمانى مرات. كل مرتين بنية مفردة ، وهكذا يختلف الملاحظة باختلاف النيات فى كل مرتبة.

وفى الشريعة له نظائر بان شيئا واحد يراد بنياتٍ متعددة ويختلف تاثيراته على مقتضى النيات والملاحظات . فمائة مرة فكذا حيث كل مرة تحوى ثمانى مرات من ذكر اسم الجلالة تكون سبحة واحدة تحوى ثمانى مائة مر ة من اسم الجلاة : "الله" فينبغى كل يوم للذاكر مائة مرة من الذ كر بهذه الكيفية.

(هذا ملخص استفدت من الشيخ العارف السندى رحمة الله عليه)

حضرات صوفیاء کرام (رحمہم اللہ) نے ذکر کے چار درجے بیان فرمائے ہیں: ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت۔

ناسوت: سے مراد ہے انسان کا عالم وجود میں ظاہر ہونا، آدمی جب اس مرتبہ میں ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفس وشیطان اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں نیز وہ خوراک، رہائش اور اس قسم کی دوسری ضروریات میں گھرا رہتا ہے۔

اب نفس دنیا کی لذائذ وشہوات پر لپکتا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:

''آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے محبت خواہشات کی یعنی عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر''۔

اور شیطان نفس کے لئے ان لذات وشہوات کو خوبصورت کر کے دکھاتا ہے، اور فسق وفجور اور اعمال بد کی ترغیب دیتا ہے۔

جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں بیان فرمایا، ایک جگہ ارشاد ہے:

''اور جب آراستہ کر دکھائے ان کو شیطان نے ان کے عمل'' نیز ارشاد ہے:

''پس آراستہ کیا ان کے لئے شیطان نے''۔

اور انسانی ضروریات کا تقاضہ خود آدمی کی طبیعت میں موجود ہے، پس یہ سب چیزیں محبوب بننا چاہتی ہیں اور ان کی محبت آدمی کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوا چاہتی ہے، پس حق تعالیٰ کے اسم گرامی ''اللہ'' کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ ان تمام امور کی محبت کی نفی کی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت کا اثبات کیا جائے، پس جب ذاکر ''اللہ اللہ'' کہتا ہے گویا وہ نفس وشیطان کو جواب دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا اور محبت اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی کا حق نہیں، چنانچہ غیر اللہ کی محبت کو مٹانے اور صرف اللہ جل شانہٗ کی محبت کو راسخ کرنے کے لئے وہ بار بار ''اللہ اللہ'' کا ورد کرتا ہے یہ مرتبہ ناسوت کا ذکر ہے۔

پھر سالک ذاکر اس مرتبہ سے ترقی کر کے مرتبہ ملکوت میں پہنچتا ہے (ملکوت ملک کا مبالغہ ہے) مرتبہ ملکیت میں نہ نفس ہے، نہ شیطان، نہ بشری طبائع ہیں، نہ طبعی حاجات۔ ملائکہ کا مقصود صرف اللہ جل شانہٗ کی رضا جوئی ہے اس لئے اس مرتبہ میں ذکر کا مقصد محض حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی ہے اور بس، پس اسی رضائے الٰہی کے لئے ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتا ہے۔

پھر یہاں سے مرتبہ جبروت میں ترقی پاتا ہے اور یہ عبارت ہے حق تبارک وتعالیٰ کے مرتبہ صفات سے، اس مرتبہ میں وہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات عالیہ، جلال، کبریائی، عظمت، احسان، شفقت، رحمہ وغیرہ کا ملاحظہ ومراقبہ کرتا ہے اور صفات میں مستغرق ہوکر ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتا ہے۔

پھر درجہ صفات سے ترقی کرتے ہوئے مرتبہ ''لاہوت'' کا ملاحظہ کرتا ہے (''لاھوت'' میں ''تا'' مبالغہ

نفی کے لئے زائد ہے) جیسے ''لات'' میں گویا ''لاہوت'' اصل میں ''لات ھو'' تھا ''لات'' سے غیر اللہ کی نفی کی گئی اور ''ھو'' سے حق تعالیٰ شانہ کی ذات بحت کا اثبات کیا گیا، غالباً جبروت کی مناسبت سے ''لات ھو'' میں ''تا'' کو موخر کر کے ''لاھوت'' بنالیا گیا۔ (۱)

بہر حال اس مرتبہ میں صرف حق تعالیٰ کی ذات عالیشان کا لحاظ ہوتا ہے، صفات کا بھی لحاظ نہیں ہوتا، ذاکر یہ تصور اور مراقبہ کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ہی مقصود و مطلوب ہے اس کے سوا کچھ مطلوب نہیں اور وہ بلا لحاظ کسی اور چیز کے اپنی ذات کی وجہ سے ہر حمد و ثنا کا مستحق ہے، پس محض ذات کا تصور باندھ کر وہ ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتا ہے کہ وہی مقصود اعظم ہے، پس ذاکر دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' مرتبہ ناسوت میں کہتا ہے، جس سے مقصود نفس و شیطان کو صاف صاف جواب دینا ہے، پھر دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' کہتا ہے جس سے مراد حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا اور مرضیات کا حصول ہے، پھر اس کی صفات عالیہ کو مدنظر رکھ کر دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' کہتا ہے، مطلب یہ کہ وہ ان کمالات کی وجہ سے ذکر و حمد کا مستحق ہے، پھر اس کی ذات عالی شان کا مراقبہ کرتے ہوئے دو مرتبہ ''اللہ اللہ'' کہتا ہے کہ ذات بحث ہی مقصود اعظم ہے، یہ اسم مبارک کا ذکر آٹھ مرتبہ ہوا اور ہر دو مرتبہ الگ نیت کے ساتھ ذکر کیا گیا، اسی طرح ہر مرتبہ میں نیتوں کے مختلف ہونے سے مقاصد مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور شریعت میں اس کے بہت سے نظائر ہیں کہ ایک ہی چیز میں مختلف نیتیں جمع کی جاسکتی ہیں اور ہر نیت کے مطابق اس کے الگ الگ اثرات ظاہر ہوتے ہیں، خواہ سو نیتیں جمع کر لی جائیں، اسی طرح جب اسم مبارک ''اللہ اللہ'' کا ایک بار ذکر مختلف نیتوں کے اعتبار سے آٹھ مرتبوں پر مشتمل ہوا تو ایک تسبیح اسم مبارک ''اللہ'' کے آٹھ سو مرتبہ ذکر کرنے کے قائم مقام ہوگی، لہٰذا ہر ذاکر کو چاہیے کہ سو مرتبہ یومیہ اسی کیفیت سے ذکر کیا کرے۔

(یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو مولانا حماد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنی)

فائده: تتعلق بالذكر على طريقة اهل المعرفة:

ينبغى للذاكر ان يذكر اسم الجلالة على ثلاثة تصورات:

اما اولًا : فيلاحظ ان الله سبحانه وتعالىٰ هو المحبوب الحقيقى لانه هو الخالق والرازق والمنعم لكل نعمة ، فمنه تعالىٰ الالطاف والنعم كلها ، فيتصور لن قلبه يحب الله سبحانه و يعلم انه المحبوب الحقيقى فيدعوا اسم الله سبحانه و يقول "الله الله".

واما ثانيا : فيلاحظ انه يخاطب الله سبحانه لانه مصدر كل كمال و جمال فيثبت لله تعالىٰ كل كمال و ينفى عن نفسه كل كمال وصفة ، فيراقب كمالاته تعالىٰ ثم يدعوه و يناديه كانه يخاطبه ، غير انه لا ياتى بحرف النداء وهو مراد فى ذهنه وتصوره ، فيقول :

---

(۱) یہ لفظی توجیہ نہایت ہی لطیف اور نادر ہے۔ (مدیر)

"الله الله الله". و هكذا يستمر.

وثالثاً : يتصور انه الموجود الحق وان كل من سواه كانه غير موجود ، لانه يزول و يفنى ولا يبقى ﴿كل شىء هالك الا وجهه﴾ فيدعو الله سبحانه على هذه المراقبة ، و يقول : "الله ، الله ، الله" و هكذا فيذكر الله سبحانه على هذه المراقبات والملاحظات الثلاث على هذا الترتيب وقتاً طويلا ، و يناسب ان يكون نحو ثمانية آلاف مرة ، وان لم يتسع وقته فعلى حسب وسعه و وقته ، و اقله سبع عشرة مرةً فى اليوم ، و يستوى الذكر الخفى من غير تلفظ اوبتلفظ خفى او جهرًا كما تقتضيه طبيعته ، هكذا ارشدنى اليه الشيخ العارف بالله مولانا حماد الله السندى الهاليجى من خلفاء الشيخ العارف تاج محمود الامروتى السندى القادرى طريقةً ومشرباً.

ذاکر کو چاہیے کہ اسم مبارک ''اللہ'' کے ذکر میں تین دھیان رکھا کرے۔

اوّل: یوں دھیان کرے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ محبوب حقیقی ہیں، وہی خالق، وہی رازق ہیں، وہی ہر نعمت عطا کرنے والے ہیں، ساری عنایتیں اور نعمتیں اسی کی جانب سے ہیں، اب یہ تصور کرے کہ اس کا دل اللہ سبحانہ سے محبت کرتا ہے اور اس بات کا یقین کرے کہ وہی محبوب حقیقی ہے یہ دھیان باندھ کر اللہ سبحانہ کے نام کو پکارے، اور کہے: ''اللہ اللہ''.

دوم: یہ دھیان کرے کہ وہ اللہ سبحانہ سے خطاب کا شرف حاصل کر رہا ہے، کیونکہ وہی ہر کمال و جمال کا مصدر ومنبع ہے، پس اللہ تعالیٰ شانہ کے لئے ہر کمال کو ثابت کرے اور اپنے سے ہر کمال وصفت کی نفی کرے، اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مراقبہ کرتے ہوئے اسے پکارے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کر رہا ہے، مگر حرف ندا لفظوں میں نہیں لاتا، البتہ اس کے ذہن وتصور میں ہے پس خطاب کے دھیان سے کہے: ''اللہ اللہ'' بس اسی طرح کہتا رہے۔

سوم: یہ تصور کرے کہ وہی موجود حقیقی ہے اور اس کے ماسوا جتنے ہیں وہ گویا وجود ہی نہیں رکھتے، کیونکہ زائل اور فانی ہیں ان کو بقا نہیں، ہر چیز مٹنے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، پس اللہ سبحانہ کو اس دھیان اور مراقبہ کے ساتھ پکارے اور کہے ''اللہ اللہ اللہ'' ان تینوں مراقبوں کے ساتھ علی الترتیب اللہ سبحانہ کا ذکر دیر تک کرتا رہے، مناسب ہے کہ تقریباً آٹھ ہزار مرتبہ ذکر کرے اور اگر وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو تو اپنی وسعت اور وقت کی گنجائش کے مطابق کر لیا کرے، مگر یومیہ سترہ مرتبہ سے کم نہ ہو خواہ ذکر خفی تلفظ کے بغیر ہو، خواہ آہستہ آواز سے، خواہ مناسب جہر سے، جیسا طبیعت چاہے کر لیا کرے۔ حضرت شیخ عارف باللہ مولانا حماد اللہ سندھی ہالیجوی نے مجھ سے اسی طرح فرمایا تھا آپ شیخ عارف باللہ مولانا تاج محمود امروٹی سندھی قادری کے خلیفہ تھے۔

[رمضان ۱۳۹۰ھ]

افکار ڈاکٹر فضل الرحمٰن

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے کچھ عرصہ خاموشی کے بعد پھر اپنا کام تیزی سے شروع کر دیا ہے، انہوں نے اللہ کی طرف سے قرآن کریم کے ابدی ہونے کے معنی یہ بتلائے کہ قران کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل ابدی ہیں، یعنی احکام خداوندی سارے تبدیل ہو سکتے ہیں، سنت نبویہ کے بارے میں یہ تحقیق فرمائی کہ اس عہد کے قانون رائج الوقت کا نام تھا، آج ہم نئے حالات کے تحت نئے قوانین وضع کر سکتے ہیں، احادیث افسانے ہیں اور ہر دور میں مولوی احادیث بناتے رہے اور سنت میں اضافے کرتے رہے، نمازوں کی تعداد پانچ سے انکار کیا، نصاب شہادت کو ختم کیا، بینک کے سود کو جائز قرار دیا اور بیئر کو حلال بتلایا گیا، شرح زکاۃ کو قابل تبدیلی بتلایا وغیرہ وغیرہ۔ ان تحقیقات اسلامیہ سے جب فراغت ہوئی تو اب حدود اللہ کی باری آئی، چنانچہ تازہ پرچہ ’’فکر ونظر‘‘ میں اس پر گل افشانی فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ’’حدود کی اصطلاح جرائم وسزا کے لئے فقہاء کی ایجاد کردہ ہے، قرآن کریم نے حدود کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا ہے، تمام حدود کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو شر سے محفوظ رکھا جائے، زنا، چوری ڈاکہ، کے بعد اگر تائب ہوجائے تو یہ تمام جرائم اس کے لئے معاف کر دیئے جائیں گے‘‘ الخ۔ یہ ہیں وہ تحقیقات اسلامیہ جن پر لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کیا جارہا ہے، ڈاکٹر صاحب اگر بالارادہ اور بقصد تحریف والحاد یہ سب کچھ نہیں کہہ رہے ہیں اور یہی حسن ظن بھی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ ان میں عربیت اور علوم دین کے صحیح فہم اور صحیح ذوق کا فقدان ہے، اگر ایک لفظ ایک لغوی عموم کے اعتبار سے قرآن میں ایک معنی میں استعمال ہوگیا تو شارع علیہ الصلوۃ والسلام کو گویا یہ حق حاصل ہی نہیں رہتا کہ کسی شرعی معنی میں اسی لفظ کو استعمال کر سکے، ڈاکٹر صاحب حکم اور حکمت میں آج تک فرق نہ کر سکے، ایک تو شرعی حکم ہے مثلاً نماز پڑھنا اور ایک اس کی حکمت ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد مقصود ہے، اب کوئی شخص آئے اور یہ کہہ دے کہ بس اللہ کی یاد مقصود ہے جس طرح کی جائے تو یہ کیسے صحیح ہوگا اور ’’چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد‘‘ اپنے ان خیالات کو اس انداز سے پیش فرمایا ہے کہ امام محمد بن الحسن شیبانی اور عزّالدین بن عبدالسلام اور تفتازانی، قرافی اور شاہ ولی اللہ بھی ان کے ہمنوا ہیں، فیا للاسف۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ ان اکابر پر اتہام لگایا ہے وہ اس تہمت سے بری ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم، ہمت وجرأت ہو تو دعویٰ کا اثبات کریں، ڈاکٹر صاحب نے میکگل یونیورسٹی میں اپنے استاذ محترم اسمتھ مستشرق کی نگرانی میں ایک کتاب تیار کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری اسی پر لی ہو، غالباً یہ مضامین اسی کتاب کے ابواب ہیں، جو تین سال سے ڈاکٹر صاحب اردو ترجمہ شائع کر کے اپنے شیخ کے خلف الرشید ہونے کا پورا حق ادا کرتے رہتے ہیں۔

جشن قرآن

مؤتمر عالم اسلامی کے سیکریٹری جناب مسٹر انعام اللہ خاں صاحب کی طرف سے ایک اعلان ''بینات'' میں بغرض اشاعت موصول ہوا ہے جو آج ہی کے شمارے میں کہیں درج ہوگا جس میں قرآن کریم کی چودہ سوسالہ ''سال گرہ'' منانے کی تجویز پیش کی ہے، شاید یہ تجویز ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ہے ہمیں تو اس موقع پر صحیح بخاری کی وہ حدیث یاد آتی ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ آیۂ کریمہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ٣] اگر ہماری توراۃ میں اس قسم کی آیت ہوتی تو اس کے نزول کے دن کو یادگار مناتے، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں تو اس دن کو دو عیدیں ہیں، جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن (١)۔ یعنی خود بخود یادگار رہیں ہمیں اس کے علاوہ یادگار منانے کی کیا ضرورت ہے، ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ نے ماہ رمضان کو قرآن کریم کا سال گرہ مقرر فرمایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں جبریل امین کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے اور جس سال وصال ہوا تو دو مرتبہ دور فرمایا، پھر تمام روئے زمین پر جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں تراویح میں ختم قرآن کریم ہوتا ہے اور جشن قرآن منایا جاتا ہے اور تقریباً اکثر مسلمان ماہ رمضان میں ختم قرآن کرتے ہیں اور بعض اربابِ توفیق تو متعدد ختم کرتے ہیں، یہ قدرتی اور فطری یادگار ہر حیثیت سے معنی خیز اور مؤثر و بابرکت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کی شکل دے دی ہے، لاکھوں مسلمان بچے روزانہ ناظرہ قرآن کریم اور حفظ قرآن کریم میں مکاتب و معاہد میں مشغول رہتے ہیں اور کروڑوں مسلمان فجر کی نماز اور جہری نمازوں میں قرآن کریم پڑھتے اور سنتے ہیں، روزانہ عالم اسلام میں ہزاروں قرآن کریم کے ختم ہوتے ہیں، کہیں حل مشکلات کے لئے، کہیں ایصال ثواب کے لئے، دنیاءِ اسلام کے گوشے گوشے میں قرآن کریم مطابع میں چھپتے ہیں۔ روئے زمین پر کوئی کتاب قرآن کریم سے زیادہ نہ پڑھی جاتی ہے، نہ زیادہ دیکھی جاتی ہے، الغرض یہ سب جشن قرآن نہیں تو اور کیا ہے؟ جس چیز کی ضرورت ہے وہ قرآن کریم پر عمل کرنا اور اس کے حقائق الٰہیہ سے عبرت و موعظت حاصل کر کے معرفت الٰہی کا ذریعہ بنانا ہے، اس کو قانون و دستور کی شکل دے کر دنیا کو نجات و سعادت دارین سے ہمکنار کرنا ہے، جس پر کہیں عمل نہیں ہو رہا ہے، وہ عمل بالقرآن ہے جو دین و دنیا کی عزت و مجد و سربلندی کا ذریعہ ہے، ضرورت ہے تو اس کی ہے کہ قرآن کریم کا قانون و آئین بنانے کی تدابیر پر غور و خوض ہو، اس پر عمل کرنے کے لئے مسلسل جد و جہد ہو، اس ''حبل اللہ المتین'' اور ''العروۃ الوثقی'' کو سختی سے تھامنے کی ضرورت ہے، یادگار منائیں تو اس کے لئے منائیں۔

درحقیقت جس قوم سے روح نکل جاتی ہے اور جو قوم بے عمل ہو جاتی ہے وہ یادگاروں کو سوچتی ہے ورنہ اگر

---

(١) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالى اليوم اكملت لكم دينكم ج: ٢ ص: ٦٦٢، ط: قديمي

مسلمان عامل بالقرآن ہوں تو ان کو یادگار بنانے کی کیا ضرورت ہے، ہر مسلمان زندہ یادگار ہے، سیرت کے جلسے ہوں یا میلاد کی محفلیں، یہ سال گرہیں یہ مظاہرے، بے عمل اور بے روح قوم کی نشانیاں ہیں، مؤتمر عالم اسلامی اگر کوئی جاندار چیز ہے تو چاہیے کہ اس ملک اور تمام ممالک اسلامیہ میں قرآن کریم کو آئین بنانے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرے نہ یہ کہ جگہ جگہ قدم قدم پر قرآن کریم کے حقائق ربانیہ اور احکام الہیہ میں الحاد وتحریف خود ساختہ تشریح کو روکنے کی کوشش کرے، سب سے بڑی ضرورت تو یہ ہے کہ قرآنی حکومت آخر تشکیل کی جائے اور دنیا کو ایک مرتبہ یہ باور کرایا جائے کہ ”لن یصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها“(۱) آج بھی قرآن کریم عہد قدیم کی یاد تازہ کر رہا ہے اور موجودہ معاشرہ اور دنیا کی قومیں جس تباہی و بربادی کے کنارے کھڑی ہیں ان کو نجات دلانے اور سربلندی عطا کرنے کے لئے قرآن کریم پکار رہا ہے۔

والله سبحانه ولی التوفیق والهدایة وهو حسبنا ونعم الوکیل وصلی الله
علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم.

عصر حاضر کے جدید مسائل کا حل

اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

”بینات“ کے چند مسلسل اعداد میں راقم الحروف نے علماء امت کی خدمت میں جو گذارش کی تھی اس کا حاصل یہ تھا کہ دین اسلام کامل ترین نظام حیات ہے، ہر عصر کے لئے صالح نظام ہے اور ہر مشکل کا علاج اس میں موجود ہے۔ قرآن کریم وسنت نبویہ دو ایسے سرچشمے ہیں جن کا آب حیات قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے حیات بخش ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے امراض کے لئے نسخہ شفا ہے، انہی دو چشموں سے اجماع امت اور قیاس فقہی کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ اور اس طرح سے کتاب وسنت یا قرآن وحدیث اور اجماع امت وقیاس سے فقہ اسلامی وجود میں آئی اور اسلامی قانون مدوّن ہوا ہے اور فقہاء امت کی مساعی مشکورہ سے ہزاروں لاکھوں مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب ہوگئے ہیں۔

فقہاء امت نے انہی اسلامی ماخذ کی روشنی میں ہر دور کے نئے مسائل کو حل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ابدی اور محکم ہے، ہر مرض کی دوا اس میں مل جاتی ہے، جس طرح ہمارے سلف صالحین نے اپنے اپنے زمانے میں جدید واقعات ومسائل کا حل تلاش کیا اور امت کی رہنمائی کی اور امت کو گمراہی سے بچایا ٹھیک اسی طرح آج یہ فریضہ عہد حاضر کے علماء کے ذمے عائد ہوتا ہے کہ جدید تمدن سے جو جدید صورت حال رونما

---

(۱) الریاض النضرة فی مناقب العشرة، الباب الثانی فی مناقب امیر المؤمنین ابی حفص عمر بن الخطاب ج: ۲ ص: ٤٠٢، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

ہوئی ہے اس کے پیش نظر مدون ومرتب ذخیرہ کی روشنی میں ان سے نئے مسائل کا حل معلوم کر کے جدید نسل کو گمراہی سے بچائیں اور ایک دفعہ پھر اس تاریخی حقیقت کو باور کرائیں کہ دین اسلام اور قانون اسلامی ہر زمانے کے لئے کافی وشافی ہے اور یہ کہ فقہاء اسلام کی کوششوں سے جو کچھ مرتب ہوا یہ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے، امت کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، اس خیال کے تجزیہ سے یہ بات نہایت واضح ہے کہ جو کچھ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں منصوص احکام شرعیہ آگئے ہیں، وہ امت کے لئے ہر حالت میں واجب الاطاعت ہیں اور ہمارے اجتہاد کے دائرے سے بالاتر ہیں اور اگر احادیث میں کچھ تعارض ہے یا قرآن کریم کی دلالت قطعی موجود نہیں ہے تو فقہاء امت اور محدثین کرام نے انہی مشکلات کے تصفیہ کے لئے اصول فقہ اور اصول حدیث کے علوم وفنون تدوین کئے ہیں اور وہ مسائل وابحاث دائرہ فقہ میں آجاتے ہیں، الغرض دین کے احکام تین قسم کے ہیں۔

① احکام مخصوصہ اتفاقیہ۔

② احکام اجتہادیہ اتفاقیہ۔

③ احکام اجتہادیہ خلافیہ۔

پہلی دو قسموں میں جدید اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، تیسری قسم میں بھی اجتہاد کی ضرورت نہیں سمجھتا البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر مذہب حنفی میں واقعی دشواری ہے اور امت محمدیہ واقعی تیسیر اور تسہیل کی محتاج ہے اور اعذار بھی صحیح وواقعی ہیں، محض وہمی وخیالی نہیں ہیں تو دوسرے مذاہب پر عمل کرنے اور فتوی دینے کی گنجائش ہوگی اور ضرورت کس درجہ میں ہے اور ہے بھی یا نہیں؟ یہ صرف علماء وفقہاء کی جماعت طے کرے گی۔

چوتھی قسم مسائل کی وہ ہے جو جدید تمدن نے پیدا کئے ہیں اور سابقہ فقہ اسلامی کے ذخیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، نہ نفیاً نہ اثباتاً، ان مسائل میں ان جدید تقاضوں کو پورا کرنا اور ان مشکلات کو حل کرنا دور حاضر کے علماء کا فریضہ ہے یعنی یہ کہ وہ ان مسائل کا قیاس واجتہاد سے قدیم ذخیرہ کی روشنی میں فیصلہ کریں، ان علماء میں حسب ذیل شرائط ہوں:

① اخلاص ② تقویٰ ③ قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں مہارت ووسعت

④ دقت نظر وذکاوت ⑤ جدید مشکلات کے سمجھنے کی اہلیت۔

ان صفات کے ساتھ شخصی فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ ان صفات پر متصف جماعت ہو اور ان کے فیصلہ سے مسائل حاضرہ حل کئے جائیں، بہر حال قران کریم حجت ہے، احادیث نبویہ اور سنت نبویہ دین کی اہم بنیاد ہے، تعامل علماء امت واجماع امت شرعی حجت ہیں، فقہاء کرام کے اجتہادی مسائل واجب العمل ہیں، ظاہر ہے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اجتہادِ جدید کی ضرورت ہے یعنی سارا دین اسلام کا قدیم ڈھانچہ بدل کر جدید ڈھانچہ تیار کیا جائے، یا منصوص اجماعی ومتفق علیہ مسائل کو از سر نو زیر بحث لایا جائے اور قانون اسلامی کے متفقہ مسائل سے

خلاصی کی راہ ڈھونڈ نکالیں اور یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ عصر حاضر کی خواہشات وتقاضے سابقہ کوششوں سے پورے نہیں ہوتے۔ اگر کوئی صاحب یہ خیال قائم کریں تو کتنا غلط اور غیر واقعی خیال ہوگا۔ سبحانك هذا بهتان عظيم. بہرحال میرا یہ منشا قطعاً نہیں کہ فیصلہ شدہ مسائل جو عہد نبوت سے آج تک مسلمہ ہیں اور امت محمدیہ ان پر عمل پیرا ہے خواہ قرآن کریم کی تصریحات سے ہیں یا احادیث نبویہ میں فیصلہ شدہ ہیں، یا فقہاء امت نے طے کر لئے ہیں، ان میں ترمیم کی گنجائش ہے یا تبدیل کا امکان! یہ سب فرق مراتب کے باوجود عملی حیثیت سے سب کے لئے واجب الاطاعت ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائریکٹر مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی نے اپنی تائید میں میرا جو حوالہ پیش کیا ہے مجھے اس پر تعجب ہے۔ ڈاکٹر صاحب بینک کے سود کو جائز قرار دیتے ہیں اور موجودہ معاشرے کے لئے بے حد ضروری خیال کرتے ہیں، حالانکہ سود کے جملہ اقسام کی حرمت دین اسلام کا مسلمہ قانون ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ علماء امت دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر کے ان کی تائید وتصدیق کر دیں گے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کے خیال کا دار ومدار ہی اس حقیقت پر ہے کہ انہوں نے حرمت ربا کی احادیث نبویہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے اور حضرت رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قرآن دانی اور منصب نبوت سے سراسر ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے، نیز قرآن فہمی کے لئے جن علوم عربیت اور علوم بلاغت اور اصول فقہ کے مسلمہ قواعد واصول کی ضرورت تھی یہ مضمون لکھ کر انہوں نے اپنی ناواقفیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، جس کی تفصیل وتحقیق ڈاکٹر صاحب ہی کی تعمیل حکم کے پیش نظر عنقریب پیش کی جائے گی اور ان کی جدید تحقیق کا تجزیہ کر کے دکھلایا جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب سنت نبویہ اور سنت جاہلیہ کے حدود بھی متعین نہ کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب احادیث نبویہ کو ایک حدیثی تحریک کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں جو بعد کی پیداوار ہے، وہ اس کی تشریعی حیثیت کے بالکل منکر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ''مجلہ فکر ونظر'' میں جو اپنے مضامین شائع فرما رہے ہیں۔ ان سے یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ ان کی اصول موضوعہ کے پیش نظر دین اسلامی کے اساسی مسائل سب زیر بحث آسکتے ہیں، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، شراب، زنا، سود سب میں تادیل وتحریف کر کے اچھا خاصا اسلام کا جدید ڈھانچہ تیار ہوسکتا ہے، اور شاید جدید معاشرے کے لئے یا اسلام کے جدید ایڈیشن کی تیاری کی تدبیر ہورہی ہے۔ قرآن کریم کے متن کی تشریح کے لئے اگر تعلیمات نبوت سے روشنی حاصل نہ کی جائے تو پورے کفر کا دوسرا نام اسلام ہوسکتا ہے، جیسا کہ آج تک ہر دور کے ملاحدہ، باطنیہ کرتے رہے، پھر مسٹر پرویز کرتے رہے اور یہی کام خاکسار تحریک کے بانی نے کیا۔ کیونکہ خاکسار تحریک کی بنیاد بھی اسی انکار حدیث پر تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت امیر کے مانتے تھے، نہ بحیثیت نبوت، اس لئے ان کے نزدیک وفات کے بعد پیغمبر کے اقوال واجب الاطاعت نہیں رہتے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

آنحضرتؐ اساسی طور پر بنی نوع انسان کے اخلاقی مصلح تھے، وقتاً فوقتاً کچھ انفرادی فیصلوں کو چھوڑ کر جن کی حیثیت محض ہنگامی واقعات کی ہوتی تھی، آپ نے اسلام کی ترقی کی لئے بہت ہی کم عام قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے الخ۔''

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے:

''آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جو وقت وفات تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جدوجہد میں مصروف اور اپنی قومی ریاست کی تنظیم میں مشغول رہے، ان کو اتنا وقت ہی نہ مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کے لئے قوانین مرتب فرماتے''۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے:

''کہ اوقات نماز اور ان کی جزئیات کے بارے میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت کے لئے کوئی غیر لچکدار اور جامد انداز نہیں چھوڑا، یعنی لچکدار انداز چھوڑا''۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تائید میں اپنے فہم کے مطابق موطا مالک کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں صراحۃً پانچ نمازیں آپ نے پڑھی ہیں، لیکن اس میں راوی نے پانچ اوقات کی تصریح نہیں کی حالانکہ دوسری روایات میں ان پانچ وقتوں کی تصریح بھی آ گئی ہے، جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی نگاہ نہیں پہنچی، بلکہ خود اسی روایت میں وقت الصلوۃ کا ذکر ہے، آگے خود موطا مالک ہی میں فجر، عصر، ظہر، مغرب، عشاء سب ہی اوقات کی احادیث موجود ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو:

''بعد ازاں حدیث میں جب کبھی نماز پر زور دیا جاتا ہے تو ''صلواۃ'' کے ساتھ **''علی میقاتها''** بھی شامل کر دیا جاتا ہے، یعنی نماز اپنے صحیح وقت میں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں کے لئے ایک معیاری وقت قائم کرنے کی مہم چلائی گئی۔'' (مجلہ فکر و نظر شمار نمبر: اجلد نمبر: ا)

دیکھا آپ نے کس صفائی کے ساتھ اب اعتراض فرمایا گیا کہ پانچ نمازیں بعد کی پیداوار ہیں، گویا نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں پانچ اوقات میں پڑھی ہیں، نہ حکم دیا ہے، اناللہ! جب ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات یہاں تک بے نقاب ہو کر آ گئیں تو آئندہ کیا توقع رکھی جا سکتی ہے:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ڈاکٹر صاحب نے ''مجلہ فکر و نظر'' کے تین اعداد و شمار میں تقریباً ستر صفحات کا جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ سب اسی انداز کا ہے، اس سے چند جملے بلا تبصرے کے پیش کئے گئے تا کہ ناظرین مفصل تبصرے کے انتظار میں

زیادہ زحمت نہ اٹھائیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کافی عرصہ قبل یہ ''بارود'' تیار کر رکھی تھی جواب دفعۃً موصوف نے چھوڑ دی، نہ معلوم ڈاکٹر صاحب کے بارود خانہ میں تباہ کاری کے اور کتنے سامان پنہاں ہیں، یہ تو محض بسم اللہ ہے، یہ ہے پاکستان کا مرکزی ادارہ تحقیقات اسلام! شاباش زندہ باد! ادارہ تحقیقات اسلام! ہم تو ایک پرویز کی ہی مرثیہ خوانی کر رہے تھے کیا معلوم تھا کہ: این خانہ ہمہ آفتاب است

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو صحیح اسلام اور اسلامی حقائق کی صحیح فہم عطا فرمائے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کوئی غیبی سامان فرمائے۔ وماذلك على الله بعزيز۔

[رجب ۱۳۸۳ھ-دسمبر ۱۹۶۳ء]

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی میں کی ہوئی علامہ بنوریؒ کی تقریر کی تلخیص

تمہید

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کا ماہانہ فکر ونظر جب سے شائع ہونا شروع ہوا ہے ادارے کے ڈائرکٹر فضل الرحمن صاحب کے قلم سے جو مضمون شائع ہوا تو محسوس ہوا کہ رسالے کے بنیادی مضامین میں انکار سنت کا فتنہ نئی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی بلکہ نہ صرف انکار سنت یا انکار حدیث کا فتنہ ہے بلکہ پورے دین اسلام کے بنیادی وجوہری مسائل کی بنیاد اکھاڑی جارہی ہے، اور فکر ونظر کے تین شماروں میں ۹۴ صفحات پر یہ مضمون پھیلا ہوا ہے، جن انگریزی مآخذ سے اس کا تانا بانا لیا گیا ہے اتفاق سے ہمارے کتب خانہ میں عربی زبان میں وہ سارا ذخیرہ موجود ہے، جس سے یہ اندازہ ہوا کہ ان نام نہاد تحقیقات میں مستشرقین کی تقلیدات ہی جلوہ گر ہیں، مدعی اسلام یا مدعی علم کی شان سے بہت ہی بعید معلوم ہوا کہ اس صفائی کے ساتھ دین اسلام کے اساسی مسائل بلکہ اساسی شعائر کی تحریف کی کوشش کی جائے، چنانچہ ''بینات'' کے شذور میں اس کا اجمالاً ذکر کیا **اور عزم** تھا کہ آئندہ چل کر اس کی تردید کی جائے گی۔

رفیق ادارہ جناب مولانا محمد ادریس صاحب نے اس طویل مضمون کا ایک خلاصہ نکالا اور ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ وہ بھی تصدیق کردیں کہ یہی خلاصہ ہے اور اس تصدیق کے بعد جو کچھ ہمیں لکھنا ہے لکھیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خلاصہ کو دیکھنے کے بعد خواہش کی کہ پہلے ایک ملاقات ہوجائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ اگلے روز ایک ملاقات طے پائی جس میں راقم الحروف اور ڈاکٹر صاحب کا تبادلہ خیالات ہوا

اور ''بینات'' کے ایڈیٹر مولانا محمد ادریس صاحب اور فکر ونظر کے ایڈیٹر فاطمی بھی موجود ہوں اس طرح مجھے دینی خیر خواہی کا براہ راست موقع ملا اور غنیمت سمجھا یہ مجلس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی، یہ ایک پرائیویٹ مجلس تھی اس کی تفصیلات شائع کرنے کی اس وقت حاجت نہیں، البتہ اتنا کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب سے جو سوالات کئے گئے اور ڈاکٹر صاحب نے جو جوابات دیئے اگر وہ جوابات موصوف کے دل کی صحیح ترجمانی ہے تو ان کی ذات کے متعلق تو شبہات ختم ہوجانے چاہئیں لیکن جہاں ان کی شخصیت کے بارے میں شبہات کا ازالہ ہوجاتا ہے ان کے مضامین کے بارے میں شبہات افسوسناک شکل اختیار کر لیتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ اطمینان دلایا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

الف: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کمال پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت پر یقین ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر ایمان لانے کے بعد یوم جزاء کا ہونا ضروری ہے۔

ب: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لفظ ومعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔

ج: قرآن مجید کے متعلق یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ربانیہ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کا جامہ پہنایا ہے۔

د: قرآن کریم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریح وبیان کا حق دیا ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان دین اسلام کا جز ہے۔

ہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات کا یہ حصہ دین میں محفوظ چلا آرہا ہے۔

و: آپ کے بیانات کا اکثر حصہ امت کے سامنے جو مدون شکل میں موجود ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں آگیا ہے البتہ جن احادیث میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں ان احادیث پر مجھے شبہ ہے کہ شاید بعد میں ملائی گئی ہیں (اس پر میں نے درمیان میں کہا کہ اگر ان احادیث کی صحیح توجیہات کی جائیں جن سے آپ کی تصدیق وتائید نکلے تو پھر آپ کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے فرمایا ہاں یہ ہوسکتا ہے)۔

ز: نبوت اللہ تعالیٰ کا ربانی عطیہ ہے کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں، یعنی وہبی منصب ہے کسبی چیز نہیں۔

ان واضح اسلامی حقائق کے اعتراف کرنے کے بعد میں نے کہا کہ اب تو مجھے آپ سے بہت مفصل واضح طور پر سوالات کرنے کا حق ہے اور آپ اب اس کے مکلف ہیں کہ مجھے قابل اطمینان جواب دیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ ادارے میں ایک لیکچر دیں جس میں ادارے کے سارے افراد موجود ہوں اور اپنے خیالات پیش کریں، میں نے اس خواہش کا احترام کی اور دعوت قبول کی اگلے روز مرکز ادارہ کے ہال کمرے میں اس خطاب کا انتظام کیا گیا اور تقریر کو ریکارڈ کرنے کا بھی انتظام کیا گیا۔

پھر روزنامہ ''ڈان'' انگریزی میں اور ماہنامہ ''فکر ونظر'' میں اس کا خلاصہ جس انداز سے پیش کیا گیا اس

میں غلط فہمی کی گنجائش تھی کہ میں نے ادارے کے ساتھ غیر مشروط تعاون کا اظہار کیا ہے اور ادارے کے موجودہ طرز عمل سے میں مطمئن ہوں بلکہ ماہنامہ ''بینات'' کے خلاصے سے بھی کسی قدر غلط فہمی کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس تقریر کا ریکارڈ ہم بھی ان سے حاصل کر کے اس کو شائع کریں تا کہ ناظرین کے سامنے تصویر کا صحیح رخ سامنے آئے اور غلط فہمی دور ہو، خطبہ کا موضوع یہ تھا:

ادارہ تحقیقات اسلامی کے اغراض ومقاصد کیا ہونے چاہئیں؟

نوٹ: تقریر چونکہ بہت طویل ہوگئی تھی جب اس کو ٹیپ ریکارڈ سے صفحات کاغذ پر اتارا تو تیس صفحات فل اسکیپ سائز سے متجاوز تھے اس لئے تلخیص ہی مناسب معلوم ہوئی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، أما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:٣]

جناب صدر ومعزز حضرات! مجھے اس وقت خوشی محسوس ہورہی ہے کہ آپ حضرات کے صدر محترم کی دعوت پر مجھے موقع مل رہا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کروں اور یہ حسن اتفاق ہے کہ ایک نجی واتفاقی ملاقات میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں آپ حضرات کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کروں، مجھے اس پر مسرت ہے کہ اس طرح مشافہۃً گفتگو کرنے سے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے اس حیثیت سے اس اجتماع کو نہ صرف مفید بلکہ مبارک سمجھتا ہوں اور نیک فال سمجھتا ہوں۔

حضرات! اس نازک دور میں دین جس انداز سے خدمت کا محتاج ہے وہ محتاج بیان نہیں، ضرورت ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے جو اہلیت اور موقع جس کو دیا ہے وہ دین کی خدمت کرے اور دین کو فائدہ پہنچائے، اگر ہم اس طرح خدمت کریں گے تو دین کی یہ عمارت ہماری متفقہ کوششوں سے ایک خوشنما عمارت بن جائے گی، جس کے ثمرات وبرکات سے آئندہ نسل مستفید ہوگی اور ان کی تربیت کے لئے ایک ایسا ذخیرہ مہیا ہوجائے گا جو ہماری آخرت کے لئے مفید ہوگا۔

علماء وجدید تعلیم یافتہ حضرات کے اجتماع سے دینی مسائل کا حل

سوء اتفاق سے علماء حضرات اور جدید تعلیم یافتہ حضرت کے درمیان اتنا وسیع خلیج حائل ہوگیا ہے کہ یہ خیال ہونے لگا کہ دونوں حضرات کا اجتماع ممکن ہی نہیں، یہ بالکل غلط ہے اور سوء تفاہم کا نتیجہ ہے۔ اگر اخلاص ہے اور مقصد صحیح ہے تو دونوں حضرات کے اجتماع ہی سے آج کل صحیح خدمت دین کا موقع مل سکتا ہے اور بہت سے

مسائل کا صحیح حل نکل آئے گا۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کی غرض و غایت

ادارۂ تحقیقات اسلامی اس ملک میں قائم ہوا ہے، اس کے اغراض و مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟ میں اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں، ظاہر ہے کہ غرض و غایت متعین ہونے کے بعد ہی منزل مقصود تک پہنچنا آسان ہوگا اور اس کے بعد ہی یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ جس راستہ کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط اور اس راستے کو طے کرنے کے لئے کس قسم کے رفقاء اور کن معاونین کی ضرورت ہے، الغرض غایت و غرض کے تعین کے بعد ہی رفقاءِ سفر کا انتخاب اور طریق کار کی تعیین سے منزل مقصود کی رہنمائی ہوگی۔

آیۃ کریمہ جو میں نے تلاوت کی ہے درحقیقت یہی موضوع سخن ہے، ٹھیک ایک ہزار تین سو چوہتر برس قبل ذی الحجہ کا مہینہ تھا، عرفہ کا دن تھا، جمعہ کا مبارک دن تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تئیسواں برس تھا اور آپ کی حیات مقدسہ کا تریسٹھواں سال تھا، عصر کا وقت تھا، عرفات کا میدان تھا، سامعین کا ایک عظیم الشان مجمع ایک لاکھ کے لگ بھگ تھا، ایسا مجمع کہ روئے زمین پر اتنا برگزیدہ مجمع کبھی جمع نہیں ہوا۔ آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے اور ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرما رہے تھے جو نہ صرف اسلامی تاریخ میں بلکہ نسل انسانی کی تاریخ میں انتہائی محیر العقول تھا، جو آج بھی کائنات کے صفحات پر وحی ربانی کے حروف سے لکھا ہوا ہے، نسلِ آدم کی جس آخری تربیت کے عظیم مقصد کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تھی اس کا آخری مرحلہ تھا اور جس نسل کے تزکیہ نفوس و تکمیل و تربیت کا بیڑا اٹھا چکے تھے آج اس کی تکمیل ہو رہی تھی، اس عظیم و جمیل موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور علیم و قدیر، عالم الغیب والشہادۃ کا خدائی اعلان ہوا کہ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو ہر طرح کا کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا، یعنی اب قیامت تک کے لئے یہی دین رہے گا اور یہی آخری نعمت تھی جو تمہیں دی گئی۔

آیۃ کریمہ لفظ ''دین'' کی تشریح

دین نام ہے اس طریق کار کا جو نسل انسانی کی تربیت و تزکیہ نفوس اور تعلق مع اللہ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک حق تعالیٰ نے آسمان سے بذریعہ وحی الٰہی سلسلہ جاری کیا ہے، حق تعالیٰ کی مرضیات کا ادراک عقل انسانی کے دائرہ سے بالاتر تھا، عقل کا دائرہ مشاہدات و مادیات و ظاہری کائنات تک محدود ہے، غیب و ماوراء الطبیعۃ کا دائرہ حیطۂ عقل سے باہر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کی رہنمائی کے لئے وحی و نبوت کا سلسلہ جاری فرما دیا، درحقیقت عقل کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کا دائرہ شروع ہوتا ہے۔

بہر حال مخلوق کا جو معاملہ خالق سے ہوگا اور خالق کی رہنمائی سے مخلوق کو ہوگا چاہے اس کا تعلق عقائد سے ہو، یا اعمال سے، اخلاق سے ہو یا معاملات سے، اس سب کا نام دین ہے، جو نظام نسل انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس کا نام دین ہے، اسی حقیقت کے لئے قرآن کریم نے یہ تعبیر کی ہے، تفصیل میں جانے کی حاجت نہیں۔

''اسلام'' کی تشریح

عربی لغت میں اسلام کے معنی ہیں سونپنا، سپرد کرنا یہاں یہ لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہوگیا اس نے اپنی جان و مال و وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا۔ جب بھی ان تین چیزوں میں سے کسی چیز کا مطالبہ ہو تو عذر نہ ہوگا، اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم میں متعدد آیتیں ہیں، ایک جامع ترین آیت حسب ذیل ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [التوبة:٢٤]

صاف اعلان ہوگیا کہ باپ بیٹے، بیویاں، قبیلہ، مال، تجارت، مکانات، ان سب چیزوں کی محبت اللہ ورسول کی محبت میں حائل نہیں ہونا چاہئے، بوقت ضرورت ان سب کو اللہ ورسول کے لئے چھوڑا جا سکتا ہے۔

اب یہ دین اسلام دین محمدی کا نام ہے، اس دین اسلام کو آخری نعمت کہا گیا ہے اور اس کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے، یہ عجیب وغریب آیۃ کریمہ ایک بشارت عظیمہ تھی جس کا اعلان ایسے عظیم الشان موقع پر کردیا گیا جس کی یاد ہر ہفتہ وہر سال تازہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط تھا، اس کے علم ازلی میں یہ بات موجود تھی کہ قیامت تک کے آنے والی نسلوں میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہونگی اور معاشرے کی اصلاح کس کس طرح ہوگی، اور حق تعالیٰ کی قدرت بھی کامل تھی کہ قیامت تک معاشرے میں پیدا ہونے والے امراض کے لئے ایک جامع ترین وکامل ترین نسخہ شفا اتارے۔ جب علم بھی محیط ہے اور قدرت بھی کامل ہے اس علم وقدرت کے مطابق دین اسلام کا نسخہ اس کائنات کے لئے تجویز ہوا اور نازل فرمایا، انسانی عقول وادراکات سے بالاتر چیز ہے، اس لئے نہ اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش، نہ ترمیم، نہ اضافہ، نہ کمی کی، پھر قابل غور ہے کہ جس ہستی نے انسان کی تخلیق کی ہو اس کی نفسیات سے زیادہ باخبر اور کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے قرآن کریم آخری ربانی پیغام ہدایت ہے جو نسل انسانی کو دی گئی اور حضرت خاتم الانبیا، آخری رسول ونبی ہیں جو قیامت تک کی امتوں ونسلوں کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں، اب نہ کوئی اور کتاب آنے کی اور نہ کوئی

رسول و نبی پس دین اسلام کامل ومکمل ہو چکا ہے اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سارے شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں، یہ نظام چند عقول کی پیداوار نہیں جن کا دائرہ محدود ہے بلکہ یہ نظام تو خالق العقول کی طرف سے آیا ہے۔

قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قران کریم نے جس طرح ارشادات وہدایات کا بیان فرمایا ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ ایک سمجھانے سکھانے والا بھی ساتھ ساتھ بھیجا جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ قرآن کی تعلیم، نسل انسانی کی تربیت وتزکیۂ نفوس وغیرہ ان کے فرائض ہیں، اور یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ جو وہ کہے اور جو سمجھائے اسے باور کرنا ہوگا اور وہ ہمارا نائب ہے، ان کا بیان ہر جہت سے معتبر ہے، اس کا بیان ہمارا بیان متصور ہوگا، قرآن کریم میں ایک سو کے قریب آیتیں ایسی ہیں جن سے یہ مضمون بالکل صاف ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی امکان باقی نہیں رہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو چھوڑ کر قرآن کریم پر ایمان باقی رہ سکتا ہے، اگر کاغذ کے صفحات پر اللہ تعالیٰ کا پیغام ثبت ہے تو کائنات کے صفحات پر حیات محمد کے کارنامے ثبت ہیں۔

دین اسلام کی علمی وعملی حفاظت

دین اسلام میں حق تعالیٰ کا منشا خداوندی پورا ہوگیا اور یہ قیامت تک محفوظ بھی ہونا چاہیے، اگر یہ محفوظ نہیں تو حق تعالیٰ کی حجت امتوں پر پوری نہ ہوگی، اس لئے ارشاد ہوا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] دیکھئے اگر ایک قانون کا مسودہ تیار ہوگیا، اس کے الفاظ بھی مرتب ومدون ومحفوظ ہوگئے، لیکن الفاظ ایسے ہیں کہ ہر شخص اس کا نیا مطلب نکال سکتا ہے اور اس طرح اس کا مفہوم ومقصد محفوظ نہ ہوسکا تو الفاظ کی حفاظت بے معنی ہے، اب تو ضرور یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے الفاظ ومقاصد سب محفوظ ہیں، قرآن کریم کے مقاصد کا یہ حصہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے، عملی زندگی سے، امت کے تعامل سے، احادیث نبویہ، سنت نبویہ سے پورے طور پر محفوظ ہوگیا، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج، ربا، خمر، زنا، کفر، اسلام، نکاح، طلاق، عدت، وغیرہ وغیرہ قرآنی اصطلاحات ہیں، تعلیمات نبویہ وتعامل محمدی نے ان کے مقاصد وان کی شکل وصورت سب کو محفوظ کر دیا ہے، کسی ملحد یا پرویزی خیال شخص کو تحریف کا موقع نہیں مل سکتا، بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ نہ صرف علمی اعتبار سے دین اسلام مامون ومحفوظ ہوگیا ہے بلکہ عملی اعتبار سے بھی قیامت تک محفوظ رہے گا اور امت محمدیہ میں ایک جماعت قیامت تک ایسی موجود رہے گی جو اپنی عملی زندگی سے قرآن وحدیث کے مطابق دین اسلام کے پورے خدوخال کی حفاظت کرے گی اور ان کو دیکھ کر دین اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کا موقع ملتا رہے گا۔ عہد نبوت کے بعد عہد خلافت راشدہ نے ہر طرح دین کی علمی وعملی حفاظت کی، ملوکیت کے ادوار میں بھی اسلام کی روح باقی رہی اور عاملین بالدین ہر دور میں موجود رہے، کسی دور میں بھی کسی زندیق وملحد کو یہ قدرت نہ ہوسکی کہ وہ دین کے شعائر اور

اساسی مسائل میں کوئی تحریف کرے اور وہ چل جائے اور امت غافل رہے، آج تک الحمدللہ دین اسلام کا پورا نقشہ صحیح وسالم شکل میں موجود ہے، فرق صرف تناسب کا ہے پہلے صحیح عمل کرنے والے بہت تھے اور اب تھوڑے ہیں، بہر حال موجودہ دور میں اسلامی تصنیفات، اسلامی ادارے، دینی مدارس، دینی انجمنیں یہ سب درحقیقت دین اسلام کی حفاظت کی قدرتی تدابیر ہیں، اس لئے صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کے ''ادارہ مرکز تحقیقات اسلام'' کا موضوع بھی یہی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری نعمت دین اسلام جس صورت میں آیا تھا ہم اس کی پوری حفاظت کریں، اگر آئندہ نسلوں کے لئے ہم نے اس نعمت کی حفاظت کی اور ہمارے ذریعہ سے یہ نعمت محفوظ ہوجائے تو ہماری کتنی بڑی سعادت ہوگی اور ہمارا منصب کتنا اونچا ہوگا، اگر ہماری حکومت کے ذمہ پاکستان کے باشندگان کی جان ومال وآبرو کی حفاظت فرض ہے، ہماری سرزمین، ہماری سرحدوں کی حفاظت فرض ہے، حکومت اپنی فوج، پولیس اور اپنے وسائل کے ذریعے اربوں روپیہ اس پر خرچ کرتی ہے اور اس مادی نظام کی حفاظت کرتی ہے جس سے ہمارا مختصر محدود تعلق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے دین کی حفاظت نہ کرے جو ہمارا روحانی نظام ہے اور جس کے ذریعہ ہم غیر محدود ابدالآباد کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے، آپ کے ''ادارہ تحقیقات اسلام'' کا اصلی مقصد تو یہی ہونا چاہیے کہ وہ صحیح معنی میں "وانالہ لحافظون" کی عملی تفسیر بنے، اس طولانی تمہید کے بعد اب میں ان نقطوں کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو آپ کے ادارے کے لئے عملی خطوط ہوں۔

[ربیع الاول ١٣٨٤ھ]

''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامیہ'' کے بنیادی مقاصد کیا ہونے چاہئیں؟

ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے لئے دو اساسی اصول ہونے چاہئیں ① اسلامی عقائد اور ② اسلام کی حقانیت کے لئے عصر حاضر میں قدرت کاملہ نے جو سائنس کے ذریعہ تحقیقات کرائی ہیں ان سے اس مقصد کے لئے فائدہ اٹھایا جائے، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا کرشمہ ہے کہ معجزات نبوت ورسالت کا دور تو ختم ہوچکا تھا، نہ جدید نبوت کا ظہور ہوسکتا تھا نہ نبوت کے معجزات ظاہر ہوسکتے تھے، لیکن چونکہ اسلام کی دعوت حق قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے تھی اس لئے قدرت نے طبیعیات، کونیات اور نظام کائنات میں ایسے ایسے عجائبات ظاہر فرمادیئے جن سے ایک منصف حکیم وقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وکمالات کے اعتقاد پر مجبور ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کائنات کے محیر العقول نظام میں اس کے اقتدار وتدبیر وتصرف کے اسرار وغوامض معلوم کرلے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے اور قیامت کے روز انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

جدید علم کلام

درحقیقت جدید علم کلام نام ہی اس طریقہ فکر کا ہے کہ نظام کائنات کے حقائق سے اصول اسلام کی تائید و تصدیق کا سامان مہیا کیا جائے، قرآن کریم نے اسی انداز میں فکرِ انسانی کو دعوت غور و فکر دی ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند نے اپنی کتاب ''حجۃ الاسلام'' اور ''مباحثہ شاہجہان پور'' اور ''انتصار الاسلام'' اور ''قبلہ نما'' اور ''تقریر دلپذیر'' اور ''مکتوب قاسم العلوم'' میں اس جدید علم کلام کی بنیاد رکھی ہے اور سلطان عبد الحمید خاں کے عہد کے سب سے بڑے محقق عالم الشیخ حسین الجسر طرابلسی نے **"الرسالۃ الحمیدیۃ"** میں جدید علم کلام کی دعوت دی ہے اور ان کے صاحبزادے الشیخ عبد اللہ ندیم الجسر مفتی طرابلس نے **"قصۃ الایمان بین الفلسفۃ والعلم والقرآن"** میں اسی موضوع کو اختیار کیا ہے(۱)، میرا یہ مقصد نہیں کہ ایسے جدید نظریات جو اَب تک زیر بحث ہیں اور قطعیت کے درجہ تک نہیں پہنچے ہیں ان پر ایمان لاکر قرآنی حقائق اور اسلامی اصول وعقائد میں فوراً تاویل کر کے تحریف کا راستہ نکالا جائے، بلکہ سائنس کے قطعی اصول وتحقیقات کی روشنی میں دین اسلامی کے قطعی حقائق کی تصدیق کا راستہ نکالا جائے ورنہ یہ تو الحاد کا طریقہ کار ہوگا، اسلام وحقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں، جیسے آج کل بہت سے مدعیٔ تحقیق غیر شعوری طور پر اس الحاد میں مبتلا ہو چکے ہیں یہ بحث تفصیل کی محتاج ہے یہاں اشارہ کافی ہوگا۔

غرض پہلا بنیادی نقطہ یہ ہونا چاہئے کہ سائنس اور طبیعیات کی تحقیقات کی صحیح معلومات کے ذریعہ اصول اسلام کی تصدیق وتائید کے دلائل فراہم کئے جائیں، سائنس کا یہ ذخیرہ یورپ کی زبانوں کے علاوہ عربی زبان میں بھی بہت کافی منتقل ہو چکا ہے اور عربی زبان بھی اس غرض کے لئے غنی زبان ہے، تین چار تو مستقل انسائیکلو پیڈیا عربی میں تالیف ہو چکی ہیں اور شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہو کہ عربی زبان میں اس پر مواد نہ ملتا ہو، چاہے مستقل تصنیف ہو یا ترجمہ ہو چکا ہو۔

عہد نبوت کے چند واقعات اور سائنس

عہد نبوت میں بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں جو درحقیقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تھے، ملاحدہ تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ ان واقعات کو عقل یا درایت یا فلسفہ کی رُو سے خلاف سمجھتے تھے لیکن آج سائنس کی ترقیات نے نہ صرف ان کا امکان ثابت کر دیا ہے بلکہ حقائق بن کر وہ دنیا کی نگاہوں میں آ گئے ہیں لیکن وہ معجزات اس لئے تھے کہ اسباب کے بغیر وجود میں آئے تھے اور عقل انسانی کی ترقی کے بعد جب

---

(۱) مثالوں کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے۔

اسباب کے دائرے میں آ گئے تو اب معجزات نہ رہے۔

مثلاً عرفات کی وادی میں ایک لاکھ کے مجمع میں آپ اپنی معتاد آواز میں خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں ہر شخص سن رہا ہے کسی کو کوئی دقت محسوس نہیں ہورہی ہے، یا اس سے بھی عجیب تر ایک واقعہ ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے، آپ جانتے ہیں کہ منیٰ کی وادی تقریباً آٹھ مربع میل ہوگی، آٹھ مربع میل میں ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع منتشر طور پر اپنے اپنے خیموں میں موجود ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیام گاہ خیمہ میں (جہاں آج کل مسجد بنائی گئی ہے اور مسجد خیف کے نام سے مشہور ہے) خطبہ ارشاد فرمارہے ہیں، سب صحابہ پوری وادی میں پھیلے ہوئے اپنے اپنے خیموں میں پوری آواز سن رہے ہیں، حالانکہ نہ بجلی ہے، نہ لاؤڈ اسپیکر ہے، نہ ریڈیو اسٹیشن ہے، یہ سب کچھ بغیر ان اسباب و آلات کے ہورہا ہے۔ سنن ابی داؤد کی حدیث میں الفاظ یہ ہیں:

"خطبنا رسول الله ﷺ ونحن بمنى ففتحت اسماعنا حتى كنا نسمع ما يقول ونحن في منازلنا فطفق يعلمهم مناسكهم حتى بلغ الجمار، الخ.(١)

آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حج کے مسائل تھے، رمی جمار تک مسائل بیان فرمائے ہم منیٰ میں اپنی اپنی قیام گاہوں میں یہ خطبہ سنتے تھے ہمیں ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آج ہماری قوت سماع بڑھادی گئی ہے۔

بہرحال یہ تو نبوت کا معجزہ تھا کہ بغیر ظاہری آلات و تدبیر کے اتنا بڑا مجمع جو میلوں میں پھیلا ہوا تھا اور اپنی جگہ مشغول تھا آپ کی آواز سن رہا تھا، موجودہ ریڈیو کے نظام نے اسباب کے درجہ میں اب یہ ترقی کرلی ہے کہ جہاں چاہیں اپنی آواز پہنچادیں۔

ایک اور بنیادی عقیدہ کا حل

قدیم فلاسفہ آواز کو عرض کہتے تھے اور یہ نظریہ تھا کہ عرض وجود میں آنے کے بعد فنا ہوجاتا ہے، اس نظریہ کی بنیاد پر اسلامی عقیدہ کہ انسانی آوازیں سب محفوظ ہیں اور قیامت میں اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے سنوادیں گے، کمزور ایمان لوگوں کا یہ عقیدہ متزلزل ہونے لگا تھا، جدید سائنس نے یہ عقدہ بھی حل کردیا کہ یہ سارے اعراض خواہ اصوات ہوں یا حرکات، وجود میں آنے کے بعد سب باقی رہتی ہیں، کوئی چیز فنا نہیں ہوتی، غرض قدیم بطلیموسی اور فیثاغورس اور ارسطو کی تحقیقات نے اسلام کے عقائد کو متزلزل کردیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کردی، جدید فلسفہ نے آکر اس فلسفہ کے بہت سے نظریات و مسائل کو غلط ثابت کردیا، اس طرح اسلامی عقائد کا راستہ صاف ہوگیا بلکہ اس کی تصدیق و تائید ہوگئی ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾[الاحزاب:٢٥] [فرق

---

(١) سنن ابی داؤد، كتاب المناسك، باب مايذكر الامام فی خطبته بمنیٰ ج:١ ص:٢٧٠، ط: حقانيه

صرف اتنا ہے کہ انسان مخصوص آلات و وسائل کے ذریعے ان آوازوں کو محفوظ کرتا ہے اور رب العالمین خالق اسباب کے لئے ساری کائنات کے صفحات ریکارڈنگ کے وسائل ہیں، جلّت قدرته۔

عذاب قبر کے مسئلہ کا حل اور اس کی مثال

اسلامی عقائد میں ایک مسئلہ عذاب قبر کا ہے کہ انسان پر موت طاری ہونے کے بعد اور روح جدا ہونے کے بعد تکلیف و راحت کا احساس و شعور و ادراک باقی رہ سکتا ہے، اس مسئلہ سے زیادہ بعید از عقل اور کوئی مسئلہ بظاہر نہ ہوگا، لیکن جدید فلاسفہ کی تحقیقات نے اس بعید عن القیاس مسئلہ کو بھی اتنا صاف کر دیا ہے کہ عقل حیران ہے، مسمریزم اور علم الارواح کی تحقیقات و واقعات نے اس مشکل کے حل کا راستہ بھی نکال دیا ہے، ڈاکٹر فرید وجدی مصری نے اپنی کتاب ''دائرۃ المعارف'' (انسائیکلوپیڈیا) ج:۱ ص:۳۰۷ میں ایک فرانسیسی ماہر مسمریزم اور اس پر بیچودیلزم ''کولونیل دردشاس'' کا (جو پیرس کے انجینئرنگ کالج کا پرنسپل تھا) ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک شخص پر مسمریزم کا عمل توجہ کیا اور اتفاق سے توجہ زیادہ دے دی، یہاں تک کہ معمول کی حرکت وغیرہ ختم سی ہوگئی جواب دینا بند ہوگیا اور اس کو بہت تشویش ہوئی کہ شاید مرگیا، فوراً ایک دوسرے شخص پر عمل توجہ کیا تاکہ اس کے ذریعے سابق معمول کی حالت معلوم کرسکے، دوسرے معمول نے بتلایا کہ اس کی روح کچھ فاصلے پر بیٹھی ہے اور بدن سے نکل گئی آنا نہیں چاہتی، وہ عامل اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کے بالکل قریب پہنچ گیا، اس وقت دوسرے معمول نے کہا کہ اس وقت آپ کا ہاتھ اس کی پنڈلی پر ہے، کولونیل نے ایک نشتر ہاتھ میں لے کر اس طرف ہوا میں لگایا فوراً اس معمول کی ٹانگ سے اسی جگہ سے خون نکل آیا حالانکہ درمیان میں فاصلہ بھی تھا۔

اس واقعہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے کتنا اہم ہے کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی اس کا ایک قسم کا تعلق بدن سے رہتا ہے، نیز روح کے تاثر سے بدن متاثر ہوتا ہے، برزخی دور کے لئے اس سے زیادہ واضح مثال کیا ہوسکتی ہے، دیکھا آپ نے کہ کس طرح ایک غامض و دقیق مسئلہ کے لئے موجودہ جدید تحقیقات سے امداد مل گئی، الغرض حق تعالیٰ کے وجود و صفات کمال کے لئے موجودہ سائنس اور جدید معلومات سے کافی دلائل و شواہد مل سکتے ہیں۔ میرا مقصد جدید علم کلام سے اس قسم کی تحقیقات ہیں جن سے اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے، ہمارے استاذ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی نے ایک کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' لکھی ہے، جس میں قدیم و جدید طبعیات و الٰہیات سے دلائل و براہین قائم کئے ہیں، لیکن وہ کتاب عربی نظم میں ہے اور بہت دقیق و مشکل ہے، اس میں ایک شعر اس مضمون کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جو معجزات دیئے ہیں درحقیقت وہ اس بات کی تمہید ہے کہ آئندہ نسل انسانی اسباب کے درجہ میں پہنچ کر یہ ترقیات کرے گی، گویا انبیاء کرام کے معجزات مادی و تمدنی ترقیات کا پیش خیمہ ہیں، فرماتے ہیں:

وقد قيل ان المعجزات تقدم
بما يرتقي فيه الخليقة في مدى

عصر حاضر میں اس طرح ہم اسلام کی بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

نیز قدیم متکلمین کے بعض نظریات جو فلسفہ ارسطو کے خلاف تھے یا اشاعرہ کے بعض مسائل جو معتزلہ کے خلاف تھے، آج نئی تحقیقات نے ان کی تصدیق کردی اور ایک مستمر نزاع وجدال کا سلسلہ جو عرصہ سے جاری تھا آج مشاہدات کی روشنی میں حل ہوگیا، حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا واقعہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کا مسئلہ، جدید ترقیات وسائنس کے کارناموں نے اس کا امکان پیدا کردیا ہے، امکان کے بغیر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا قطعی ہونا ایک مومن کے لئے کافی ہے۔

متکلمین نے تو لکھا تھا کہ روح انسانی کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ طرح کا ہوتا ہے:

① بحالت جنین، جبکہ شکم مادر میں ہو ② ولادت کے بعد، بحالت بیداری ③ بحالت نیند ④ موت کے بعد برزخی دور میں ⑤ مرنے کے بعد کی زندگی، جیسا کہ حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں اور ان کے علاوہ دیگر محققین نے لکھا ہے۔ نمبر ۴ تعلق کے اثبات کے لئے سابق فرانس کے عالم مسمریزم کے واقعہ نے بات صاف کردی۔

کسوف شمس (سورج گرہن) کے بارے میں قدیم سے یہ سوال چلا آیا ہے کہ یہ حسابی معاملہ ہے، کائنات میں یہ واقعہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے، جب کرہ قمر زمین وسورج کے درمیان حائل ہوتا ہے، یہ صورت نمایاں ہوتی ہے، اب احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پریشان ہوتے تھے نماز پڑھا کرتے تھے، نماز پڑھنے کا حکم دیا کرتے، خیرات وصدقات کا حکم دیا کرتے، اور اس نازک وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، دعا وزاری میں مشغول ہونے کا حکم دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ، اس کی کیا وجہ ہے؟ لیکن جدید طبعیات کے نظام نے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ یہ وقت نظام عالم کی لئے خطرناک وقت ہوتا ہے، سورج میں جاذبیت کا نظم ہے اور زمین میں بھی کشش موجود ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ چاند کا کرہ درمیان میں زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے۔ الغرض یہ وقت انتہائی خطرناک ہوتا ہے، ایسے وقت پریشانی کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ایک فطری تقاضا ہے اور بالکل قرین عقل ہے، اسی لئے تو نیوٹن کہتا ہے کہ کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں، یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے، اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے، کوئی خدائی ہاتھ ہو جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے اپنے مدارات پر قائم رکھے سکے، کوئی طبعی سبب ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ کر بند کردیا ہے کہ وہ سورج کے گرد چکر لگاتے رہیں اور معین مدارات پر ایک خاص جہت میں حرکت کریں اور کبھی اس کے خلاف نہ ہو، میں تو سمجھ رہا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ ان سائنسدانوں پر اپنی حجت پوری کر رہا ہے تاکہ قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکیں کہ عقل ان باتوں کو باور نہیں کر سکتی تھی اور معجزات کا دور گذر چکا تھا، انبیاء کا زمانہ ختم ہو چکا تھا، گویا اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنے علمی معجزے ان ہی سائنسدانوں کے ذریعہ دکھلائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت قاہرہ اور سلطان قاہر کا مشاہدہ کریں، انکار کی مجال باقی نہ رہے، الغرض وقت کا ایک اہم کارنامہ یہ ہوگا کہ جدید تحقیقات ونظریات سے اسلام کے اساسی عقائد ومسائل کے لئے دلائل وشواہد فراہم کی جائیں، نہ یہ کہ اسلام کے عقائد کی بیخ کنی جدید نظریات سے کی جائے یا کسی سائنسدان نے کچھ کہہ دیا اس سے قبل کہ اس کی تحقیق کی جائے یا وہ پایہ ثبوت کو پہنچے اسلامی عقائد میں تحریف وتاویل وانکار کے راستے تلاش کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن حقائق وکونیات کو بیان فرمایا ہے وہ قطعی ویقینی ہیں، چاہیں ہم انہیں سمجھیں یا نہ سمجھیں، اللہ کے کلام کی حقانیت کی تائید وتصدیق انسانی عقول وادراکات سے بالاتر ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ نئی نسل جو جدید سائنس پر ایمان لاکر قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف ہو رہی ہے ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کوئی سامان مہیا کیا جائے، خلاصہ یہ کہ ایک کام تو یہ ہوگا کہ ''ادارہ تحقیقات اسلامیہ'' اس انداز سے دین اسلام کی خدمت کا ارادہ کرے اور اپنے مقاصد میں اس کو شامل کرے اور تحقیقات اسلامیہ کا یہ ایک اصولی شعبہ ہوگا۔

فقہ اسلامی کی جدید تدوین

دوسرا مقصد یا دوسرا شعبہ فقہ اسلامی کی تدوین جدید ہے۔ فقہ علم شریعت کا وہ علم ہی جس کا تعلق ہماری زندگی کے ہر شعبے سے ہے، خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات، عقود ہوں یا معاہدات، حدود ہوں یا تعزیرات، جدید تمدن وتہذیب نے زندگی کے ہر شعبے میں نئے نئے مسائل پیدا کردیئے ہیں، علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبویہ اور احادیث نبویہ اور فقہاء امت کی مدون کردہ فقہ کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کریں، عبادات سے میری مراد وہ جدید مسائل ہیں جو نماز، روزہ، حج تقریباً ہر بات میں نئے نئے سوالات کے ساتھ پیدا ہو گئے ہیں، نماز ایک شخص اپنے صحیح وقت میں پڑھ لیتا ہے اور جیٹ طیارے میں ایک ایسے ملک میں پہنچ جاتا ہے کہ ابھی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا کیا یہ نماز دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ نماز کا وقت آگیا ہوائی جہاز میں سفر ہو رہا ہے، جہاں ہوائی جہاز پہنچے گا یا اترے گا نماز قضا ہو چکی ہوگی، یہ نماز ہوائی جہاز میں پڑھی جائے گی یا قضا کی جائے گی؟ عید کی نماز حجاز میں پڑھ لی پاکستان آکر ابھی ماہ رمضان باقی ہے، یا مثلاً کسی ملک میں ماہ رمضان شروع ہو چکا ہے وہاں کے حساب سے روزہ شروع ہو گیا ہے دوسرے ملک میں پہنچا جہاں دو دن بعد روزہ شروع ہوتا ہے اگر سابق ملک کا اتباع کرے گا تو ۲۸/روزے ہوں گے اور اگر آخری ملک کا اتباع کرے گا تو ۳۲روزے رکھنے ہوں گے؟ یا حج کے بارے میں مثلاً میقات سے احرام باندھنا ہوتا ہے، صحیح میقات

کی محاذات کا تعین مشکل، اور محاذات کا مسئلہ ''ہوا'' میں مختلف مواقیت سے ہوسکتا ہے، یا کوئی شخص گلوکوز کا انجکشن لیتا ہے یا اور کوئی ایسا انجکشن جس سے بھوک و پیاس ختم ہوجائے کیا یہ انجکشن مفسد صوم ہوگا یا حرام یا مکروہ یا موجب کفارہ؟ وغیرہ وغیرہ، الغرض زندگی کے ہر شعبے میں حتی کہ عبادات تک میں نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اس قسم کی خدمت کے لئے ممتاز علماء دین اور صالح ومتقی حضرات کی مشترکہ جدوجہد ہی سے کوئی قابل قبول وقابل اطمینان صورت نکل سکے گی اگر نااہلوں کو یہ انتظام سونپا گیا تو یہ دین کی تخریب ہوگی نہ کہ تعمیر۔

مقصد یہ نہیں ہے کہ جدید معاشرے میں جدید تمدن نے جو صورت حال پیدا کردی ہے اس کی خواہشات کی تسکین کے لئے نصوص قطعیہ کے مفاد میں ترمیم کی جائے اور فیصلہ شدہ متفقہ مسائل پر جدید اجتہاد کے نام سے عملی جراحی شروع کی جائے۔ زنا وشراب، سود وقمار، رقص وسرود، عریانی وبے حیائی وغیرہ وغیرہ کے لئے نصوص قطعیہ میں تحریف کرکے دین اسلام کے مسخ کرنے کی کوشش کی جائے (۱)، بلکہ اسلام تو ایک کامل ترین نظام زندگی ہے جو اپنے خاص اصول پر ایک معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں اللہ ورسول کی اطاعت اس کا سرمایہ سعادت ونجات ہو، آخرت پر اس کا ایمان ہو، حرص وبخل، رذالت وبے حیائی سے پاک ہو، خدائے تعالیٰ سے ایسا تعلق ہو کہ مخلوق خدا پر رحم کرے، ایک مسلمان کی جان اور اس کا مال وآبرو اس سے محفوظ ہو، جدید خدافراموش تمدن کے ہاتھوں اور آبرو باختہ انسانوں کے قوانین کے ذریعہ جو مہلک نظام وجود میں آچکا ہے اگر آپ چاہیں کہ ان دونوں بالکل متضاد نظاموں میں کوئی درمیانی راستہ نکالیں تو:

این خیال است ومحال است وجنوں

سابق شعبہ جس کا تعلق ایمانیات واصول دین سے ہوگا اس شعبہ کا یہ فرض ہوگا کہ اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل وبراہین سے اسلام کی برتری ثابت کرے اور نظام اسلام کے صالح ثمرات سے دنیا کو آگاہ کرے اور جدید مہلک نظام کے تباہ کن اثرات کو دنیا پر واضح کرے، صحیح پاؤں کے لئے ایک قالب یا ایک سانچہ جو بنایا گیا اگر ٹیڑھا پاؤں اس میں فٹ نہ ہو تو سانچہ کا کیا قصور؟ آپ چاہیں کہ ماڈرن اسلام کا کوئی نسخہ ایسا تجویز کرلیں کہ خواہشات نفس کا جدید نظام اس میں سما جائے تو اسلام کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی کیا ہوگی؟ الغرض جدید تدوین سے میری مراد یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ومذہب ہے جس میں نسل انسانی کے فطری صحیح تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے، اگر فقہ اسلامی کے اجتہادی قوانین جن کا تعلق مخصوص عہد کے عرف سے ہو اور قرآن وسنت کی رہنمائی وہاں نہ ہو یا ایسے مسائل ہوں کہ نسل انسانی بغیر ان کے زندہ نہ رہ سکے اور سابق فقہ میں اس کا فیصلہ نہ ہوا ہو تو قرآن وسنت

---

(۱) جیسا کہ ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور) سے رقص وسرود اور مردوں کے لئے سونے اور ریشم کے استعمال کے جواز پر قرآنی مفاہیم کو مسخ کرکے کتابیں شائع کی گئی ہیں۔

کے اصول کے پیش نظر اور فقہ اسلامی کی روح کی روشنی میں آپ فیصلہ کریں اور اس کا حل ڈھونڈنے کی [illegible]
تجارت و خرید و فروخت، اجتماعی زندگی کے لئے ایسا ضروری شعبہ ہے کہ کوئی حکومت یا دولت بغیر اس کے چل نہیں
سکتی اور ظاہر ہے کہ آج کے دور میں کوئی ملک دنیا کے ملکوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا، درآمد و برآمد کے بغیر کوئی
ملک زندہ نہیں رہ سکتا، باہر کی دنیا میں غیر اسلامی زندگی رائج ہے جس کی بنیاد سود اور بیمہ پر ہے [illegible]
نظام آج کل نہیں چل سکتا ہے، تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ایسا نظام تجارت سوچیں اور ایسا بینک قائم کریں [illegible]
کے چل سکے، چاہے وہ مضاربت کے اصول پر ہو یا شرکت کے قانون پر ہو، نہ یہ کہ ہم یہ انداز فکر اپنا
بینکنگ کے سود کو جائز ٹھہرائیں کہ یہ وہ سود نہیں جس کو اسلام نے حرام کیا ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ درحقیقت بینک کا
سود ہی وہ بڑی لعنت ہے جس پر سرمایہ داری کی ساری عمارت کھڑی ہے، اور یہی لعنت ہے جو اپنے ردعمل کے طور پر
اشتمالیت و اشتراکیت کا سبب بن رہی ہے، کیپیٹل ازم ہی کے ردعمل سے دنیا میں کمیونزم کی بنیاد پڑ جاتی ہے، دنیا
میں یہ طبقاتی تفاوت کہ ایک انسان نان شبینہ کے لئے محتاج رہے اور دوسرا کروڑوں کا مالک بن بیٹھے اگر یہ
سودی کاروبار نہیں تو اور کیا ہے۔

سرمایہ داریت میں فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی و غم خواری کا جذبہ یکسر ختم ہو جاتا ہے [illegible]
کے دل میں بے رحمی و قساوت پیدا ہو جاتی ہے، انسانی اخلاق کی جگہ بہیمانہ زندگی جنم لیتی ہے، اس کی وجہ سے پوری
قوم اور ملک و ملت کے سرمایہ و دولت پر چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہو جاتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے اتنا شدید
اعلان فرمایا کہ اگر تم سود کو نہ چھوڑو گے تو تم سے اللہ اور رسول اعلان جنگ کرتے ہیں، گویا سودخور تو [illegible]
وار بن جاتی ہے، سودخور اور سرمایہ دار کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ دو حریص ایسے ہیں جن کا
کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا علم کا حریص اور مال کا حریص، آج اگر قرض حسنہ کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل ہو اور سودی
نظام کو ختم کیا جائے تو کمیونزم و اشتمالیت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

الغرض جدید تدوین فقہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ موجودہ نظام تجارت کو سود سے کیسے پاک کیا جائے، نہ
یہ کہ سود ہی کو جائز کیا جائے، اسلام کا منشا یہ ہے کہ دنیا کے سارے مادی نظام کی بنیاد روحانی نظام پر قائم ہو، جس میں
اخلاق اور انسانی ہمدردی کی روح کارفرما ہو، اگر روحانی رابطہ اس مادی نظام سے کٹ گیا تو سراسر فساد پیدا ہوگا، لہٰذا
اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے دو بنیادی مقاصد ہونے چاہئیں۔ دین اسلام کے اصولی نظام کی حفاظت اور [illegible]
نظام کی جدید تشکیل، ہر مقصد کے لئے صحیح موزوں افراد کا انتخاب کرنا ہوگا، ورنہ نااہلوں کو کام سپرد کرنے کے نتائج
ظاہر ہیں۔ مصر کے مجمع البحوث الاسلامیہ میں جس طرح قدیم و جدید علماء کے اشتراک عمل سے کام ہو رہا ہے ہمیں بھی
اسی انداز سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہمارے ملک میں دینی تعلیمات سے بالکل بے خبر رہتا
ہے اس لئے کہ ہماری تعلیم کی بنیاد دین پر نہیں، مصر و شام ان بلاد میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ آٹھ سال تک جس تعلیم سے

بہرہ ور ہوتا ہے اس کی بنیاد دین اسلام پر ہے، اس لئے وہ دینی معلومات اور اسلامی تعلیمات سے بڑی حد تک باخبر رہتا ہے، آئندہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جا کر البتہ کسی شعبے کو اختیار کر لیتا ہے، لیکن دینی معلومات سے بقدر ضرورت واقفیت ہوتی ہے، افسوس کہ ہمارے ملک میں اب تک جو نظام تعلیم رائج ہے وہ بالکل اس سے مختلف ہے، اس لئے ہمارے قدیم طرز کے علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں قدر مشترک مفقود ہے جس کی وجہ سے اختلاف کی خلیج زیادہ وسیع ہوگئی ہے۔

بہرحال ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کی جدید تدوین کے ذریعہ جو قرآن وسنت اور حضرت حق جل ذکرہٗ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق صالحین کے موروثہ اثاثہ کی روشنی میں کی جائے، جدید پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے فیصلہ کر دینا چاہیے تا کہ دین اسلام کا مضبوط اور حسین وجمیل قلعہ قیامت تک اعداء اور اغیار کے حملوں سے محفوظ رہے، مشکل سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم یورپ کے جدید معاشی واقتصادی نظام اور معاشرتی نظام کو پہلے ہی سے اپنا لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ جوں کا توں یہ پورا نظام اسلام کے اندر فٹ ہو جائے یہ کیسے ممکن ہے، اس لئے کہ جس معاشرے کی بنیاد میں نہ عفت ہو، نہ عصمت، نہ حیا ہو نہ شرم، نہ حلال وحرام کی تمیز ہو، مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہو، کلبوں اور سینماؤں کی دنیا ہو، شراب وقمار کا مشغلہ زندگی کا جزء لاینفک بن چکا ہو، سودی کاروبار تجارت کا جزء ہو، اس کا اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے کیا جوڑ لگ سکتا ہے جہاں حیاء کو ایمان کا جزء بتلایا گیا ہو، غضِ بصر کا حکم ہو، شہوانی زندگی پر پابندی ہو، زنا وشراب پر درّے لگنے کا حکم ہو، یا سنگسار کرنے کا قانون ہو، پردہ اور حجاب کا حکم ہو، مرد وعورت کے اختلاط کی ممانعت ہو، شہوت کی نگاہ کو مسموم تیر سے تشبیہ دی گئی ہو، الغرض جس معاشرے کے کمالات وتمدن کے طریقے وہاں جرائم ہوں، تعزیرات وحدود اس پر لگائے گئے ہوں دونوں میں کیسے مصالحت ہوسکتی ہے؟ اس لئے خدائے تعالیٰ کی اس آخری نعمت دین اسلام کے صالح نظام کی حفاظت جو امت کے ذمہ فرض ہے اگر آپ کا ادارہ جس کو مالی ومادی ہر طرح کے وسائل حاصل ہیں یہ خدمت انجام دے سکے تو دنیا میں بھی اس کی عزت ہوگی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کی خلعت سے سرفرازی ہوگی، نیز اس کی ضرورت ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی موجودہ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے بھی قدم اٹھائے۔

اور میٹرک تک تعلیمی نظام میں تعلیمات اسلام کا اتنا حصہ آجائے کہ اگر آگے چل کر تعلیم دین نہ حاصل کر سکے تو تب بھی سچا وپکا مسلمان رہ سکے ہ اس ادارے کے ڈائریکٹر کا پہلا فرض یہ ہے کہ صحیح مقاصد متعین کرنے کے بعد ادارے میں صالح ومتقی، باکمال اشخاص وافراد کا تقرر کرے، جن میں ان مقاصد کی تکمیل کی پوری اہلیت اور جذبہ ہو، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری کرم فرما حکومت نے ایک اعلیٰ ترین خدمت اور اونچے منصب کے لئے مشاورتی کونسل قائم کردی، لیکن جن افراد کا انتخاب اس میں کیا گیا ہے ان میں سے اکثر اس کی اہلیت سے عاری ہیں، بلکہ بعض تو وہ افراد ہیں کہ اسلامی نظام کے ساتھ ان کا علاقہ ورابطہ وہی ہے جو مستشرقین اعداء اسلام کا اسلام

کے ساتھ ہے، موجودہ وقت کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ارباب حکومت اور علماء امت میں کوئی رابطہ نہیں ہے، بلکہ جانبین میں بے اعتمادی بلکہ بداعتمادی کے خیالات جاگزیں ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلام کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ یہ فتنہ ختم ہوجائے نہ یہ کہ اس کی پرورش ہوتی رہے۔

آج دنیا اسلام کے محاسن سے فائدہ اٹھا رہی ہے لیکن مسلمان اس نعمت سے محروم ہوتے جاتے ہیں، یورپ والے اسلام کی ظاہری خوبیوں کی بدولت دنیا کی عزت ووجاہت سے متمتع ہورہے ہیں، راست بازی، راست گوئی، معاملات کی صفائی، اجتماعی روح، انسانی ہمدردی وغیرہ وغیرہ جو اسلام کی تعلیمات تھیں، آج دنیا کی حیثیت سے یورپ والے اپنارہے ہیں، اگر مسلمان اسلامی روح وجوہر کے ساتھ ان پر عمل کریں تو دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی ان کے ہمکنار ہوگی، مسلمان ان باتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اور آخرت کے تصور سے عمل کرتا ہے، غیر مسلم صرف دنیا کی حیثیت سے عمل کرتا ہے، ظاہری صورت اگرچہ ملتی جلتی ہے لیکن حقیقت میں بڑا فرق ہے حدیث میں آتا ہے:

"لا يبقى بيت و بر ولا مدر الا ادخله الله الاسلام بعز عزيز وذل ذليل"(١)

یعنی کوئی آبادی متمدن وغیر متمدن ایسی نہیں رہے گی جہاں اسلام نہ پہنچے خواہ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں۔

ہمارے حضرت شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر دنیا کے مذاہب اپنے اپنے مذاہب کی اصلاح پر مجبور ہوں گے اور اسلام کے بہت سے محاسن اپنا لیں گے، اس وقت کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ نئی نسل کو اسلام سے روشناس کرائیں اور اسلام کے محاسن ان کے سامنے لائیں، تاکہ اسلام سے ان کو محبت وتعلق پیدا ہوجائے، انہی مقاصد کے پیش نظر پاکستان کے حصول کی کوشش کی گئی تھی لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان اپنے نصب العین سے کتنا دور ہوتا چلا گیا، ہماری سب کی مشترکہ کوشش ہونی چاہیے کہ ملک دنیاوی قوت وشوکت کے ساتھ معنوی وروحانی طاقت سے بہرہ ور ہو، اور ظاہر وباطن ہر طرح پاکستان کی یہ خوشنما عمارت "تسر الناظرين" کا مصداق بن جائے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتنوں کا بڑا نازک دور ہے، اگر ذرا اخلاص سے کام کیا جائے تو بہت زیادہ ثمرات ظاہر ہوں گے، افسوس کہ مسلمانوں میں آج اخلاص، عزم، دیانت، امانت، تندہی، محنت وجفاکشی جیسی بہترین خصوصیات جو مسلمانوں کے امتیازی نشان تھے ختم ہورہے ہیں، ان اخلاق کی جگہ نفاق، خودغرضی، خیانت، بے ہمتی، راحت طلبی، تن آسانی جیسے مہلک امراض پیدا ہوگئے ہیں، اگر آپ کا یہ ادارہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کام کرے تو ہم ہر قسم کے تعاون کے لئے آمادہ ہیں، یہی تو ہماری زندگی کا نصب العین ہے اور اگر خدانخواستہ یہ ادارہ اسلام کی بیخ کنی کرے تو ہم تعاون تو کیا جو کچھ اس کے خلاف کرسکیں گے کریں گے، سپاہی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ جس مقصد کے

---

(١) مشكوة المصابيح، كتاب الايمان، الفصل الثالث ص: ١٦، ط: قديمی

لئے اس کا تعین ہو وہ وہ اپنی جان قربان کردے، ایک خادم دین کے سامنے دین و مذہب جان و مال سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے، بہر حال اس دین کی حفاظت ہمارا نصب العین ہے، اس نصب العین کی حفاظت کی خاطر ہم ہر قربانی کے لئے تیار ہیں:

''ہر چہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم''

ہم بوریہ نشینوں کی مختصر زندگی ہے اس کے لئے زیادہ فکر کی ضرورت نہیں، جس وقت آپ کا ماہنامہ ''فکر و نظر'' وجود میں آیا مضامین دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی کہ خدا خیر کرے کہ ایک نیا فتنہ اور ظاہر ہوا ہے لیکن آج کی ان مجلسوں سے کچھ توقع ہوگئی ہے کہ شاید رخ صحیح ہو سکے۔

یہ چند باتیں تھیں جو صفائی کے ساتھ ''الدين النصيحة'' کے پیش نظر آپ حضرات سے عرض کر دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں و اعمال دونوں کی اصلاح فرما کر اپنی مرضیات کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

اس تقریر کے ختم کے بعد جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ ہم کوشش کریں گے کہ موزوں افراد کا انتخاب کریں اور دراصل یہ کام علماء کا ہے کہ وہ فقہ اسلامی کی تدوین کریں اور جدید معاشرے کو بتائیں کہ یہ کام اس طرح چل سکے گا (۱)، اور انشاء اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں فرق نہیں پائیں گے۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ]

چند حقائق اور توجہ طلب باتیں

① ہر طبیعت، ہر مزاج، ہر عقل، ہر فکر کے لئے قدرت ازلیہ نے ایک محدود و معین معیار مقرر فرما دیا ہے، ہر چیز کی پرواز اسی حد تک ہوگی جو قدرت الٰہیہ نے ازل سے اس کے لئے ٹھیک ٹھیک اندازہ کے مطابق تجویز فرما دی۔ ذلك تقدير العزيز العليم۔

علی ہذا ہر فن اور ہر علم کا ایک خصوصی اثر ہے، پھر اس علم و فن کی کثرت و مزاولت اور استمرار کے ساتھ اس کے مطالعہ درس و تدریس کا بھی ایک خاص اثر ہے، اسی طرح ماحول کے اثرات، تربیت کے اثرات، معاشرت کے اثرات بھی مستقل خصائص رکھتے ہیں۔

ان گوناگوں عوامل کے ہوتے بہت مشکل ہے کہ ایک انسان جس کی طبیعت میں تاثر و انفعال کا خاصہ قدرت نے خلقۃً رکھا ہوا ہے بالکلیہ اپنے معاشرہ اور ماحول کے اثرات سے محفوظ رہ سکے، ہاں کبھی کبھی قدرت الٰہیہ

---

(۱) مقصد تو یہی ہے کہ آپ کا ادارہ اس مقصد کے لئے جید علماء کا انتخاب کرے اور یہ کام اپنی نگرانی میں ان سے کرائے، حضرات علماء کے پیش نظر تو عرصہ سے یہ کام ہے ہی لیکن وسائل کے نہ ہونے سے وہ اب تک اس کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں۔

لمحی قسم کی غیر معمولی اور خارق العادہ مثالی ہستیوں کو پیدا فرما کر ارادہ الٰہی کے "فوق کل شیئ" ہونے کا اظہار فرماتی رہی ہے، اسی کا نام قدرت الٰہی کا معجزہ ہوتا ہے، اسی نظامِ اسباب وعادت کی جانب اشارہ کرنے کے لئے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اذ سمعتم بجبل زال عن مکانه فصدقوه واذا سمعتم برجل زال عن خلقه فلا تصدقوه".(۱)

اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو یہ ممکن ہے اس کی تصدیق کر سکتے ہو اور اگر تم سنو کہ کوئی شخص اپنی فطرت سے ہٹ گیا تو یہ ناممکن ہے اس کی تصدیق مت کرو۔

② اگر آپ چاہیں کہ مادرزاد نابینا کو سرخ وسفید، کالے پیلے، مختلف قسم کے رنگ والوان کے باہمی امتیازات سمجھا دیں اور وہ سمجھ لے تو یہ ناممکن ہے، اس میں اس تمیز کی اہلیت ہی نہیں، اگر آپ چاہیں کہ "اخشم" جس کی قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) مفقود ہو، کو بدبو، خوشبو اور گلاب، کیوڑہ، خس کی خوشبو کا فرق سمجھا دیں تو یہ ناممکن ہے، علی ہذا القیاس۔

③ اگر یہ حقائق یقینی ہیں اور درست ہیں تو بتلایئے کہ کیا اس کا امکان ہے کہ جو شخص نعمت ایمان سے، اہل ایمان کی صحبت سے، ماحول سے، معاشرہ سے بالکل محروم ہے، آپ اس کو حلاوت ایمان سے آشنا کرا سکیں؟ جو شخص مومن نہیں آپ اس کو کیسے سمجھا اور باور کرا سکتے ہیں کہ ایک مومن کامل کو سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی عقیدت ہوتی ہے اور کیسی محبت اور کیسا قلبی تعلق ہوتا ہے اور کس درجہ کا والہانہ عشق، جو شخص ایمان سے محروم ہو، ایمانی معاشرت سے محروم ہو، اسلامی تہذیب وتمدن سے عاری ہو، اسلامی طرز فکر سے بے مایہ ہو، علوم نبوت کی تعلیم وتعلم کی اسے ہوا تک نہ لگی ہو، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور مزاولت اس کو میسر نہ آئی ہو، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال سے بے خبر ہو، نہ اصل حاملین حدیث، صحابہ وتابعین کی زندگی اور نفسیات سے واقف ہو، نہ ان کی فوق العادہ حرص حفاظت حدیث اور قوت حفظ سے، بھلا وہ محروم وبے بہرہ انسان کیا اندازہ لگا سکتا ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ کیوں کر محفوظ ہوا؟ اور سنت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کس طرح سینہ بسینہ منتقل ہوئی؟ پھر جس کی نیت بھی صحیح نہ ہو، نگاہ بھی کج ہو، شکوک وشبہات اور اوہام وخیالات فاسدہ سے ذہن بھی ماؤف ہو چکا ہو، کیا اس کا امکان ہے کہ وہ محدثانہ علوم، محدثانہ ذوق، محدثانہ بصیرت کا صحیح ادراک کر سکے؟ اور نیت کی خرابی تو ایسی تباہ کن بنیاد ہے کہ اس پر قائم شدہ تحقیق ونظریات کی پوری عمارت کے ایک دم گر جانے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے، عداوت وعناد تو جحود وانکار سے بھی زیادہ خطرناک اور لاعلاج مرض بلکہ روگ ہیں، یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ جانے کے بعد ﴿طُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ [المنافقون: ۳] کی مہر لگ جاتی ہے اور

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، ومن حدیث ابی الدرداء عویمرؓ ج: ٦ ص ٤٤٣: ط: عالم الکتب بیروت

﴿خَتَمَ اللهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾[البقرۃ:۷] کی مہر لگ جاتی ہے اور پھر ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾[الاعراف:۱۷۹] ان کا طرۂ امتیاز بن جاتا ہے۔

مستشرقین نے آج تک جو علوم اسلامیہ پر ریسرچ کی ہے اور کرتے رہتے ہیں، خواہ وہ جدید ہوں، یا قدیم، گولڈزیھر ہو یا شاخت، آربری ہو یا ولسن، ان سب کے متعلق یہی فطری اور نفسیاتی حقائق ہیں جن کو پیش نظر رکھ ان کی تحقیقات پڑھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ہماری نسل کے مفکرین و محققین جو انہی مستشرقین اور یورپین مصنفین کی گودوں میں پلے ہوئے اور انہی کی زیر تعلیم و تربیت طرزِ تفکر و تحقیق سیکھے ہوئے اور ان ہی کی ریزہ چینی اور زلہ ربائی سے ان کے دماغوں اور ذہنوں کی نشوونما ہوئی ہے۔ مزید برآں گراں قدر وظائف لے کر ان کے رہین منت بھی رہ چکے ہیں، ان سے حدیث و سنت رسول اللہ کے متعلق کسی کلمہ حق اور کلمہ خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ یہ مستشرقین اور انگریز مصنفین جن کے رگ و ریشہ میں اسلام سے عداوت و کینہ اور جذبہ انتقام پیوست ہو چکا ہے، انتہاء درجہ زیرک و چالاک واقع ہوئے ہیں، ان کا واحد مقصد مسلمانوں کی نئی نسلوں کو لادینی کا شکار بنانا ہے، اس لئے اسلام اور مسلمانوں کے انتہائی ہمدرد اور خیر خواہ بن کر ان کے ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں اور ان سے رہنمائی کے نام سے رہزنی پر مسلمانوں سے ہدیہ تشکر و امتنان بھی وصول کرتے ہیں، استغفر الله العلی العظیم۔

حدیث کے بعد قرآن

یادش بخیر ہمارے دوست ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائرکٹر ''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی'' کی ایک اور جدید تحقیق بھی سامنے آ گئی اب سے کچھ دن پہلے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۹۰ صفحات کا ایک طویل مقالہ تصور سنت اور تحریک حدیث کے عنوان سے سپرد قلم فرمایا تھا، جس کا مقصد تقریباً انکار حدیث تھا، ہم اس پر کچھ لکھنے کی فکر میں تھے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ اطمینان دلا کر ہمیں خاموش کرنے کی سعی کی کہ اس میں کچھ حصے میرے منشا کے خلاف ترجمہ ہو گئے ہیں، عنقریب ان کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، آپ انتظار کریں ''المؤ من غر کریم'' (مسلمان شریف اور بھولا بھالا ہوا کرتا ہے) ہم خاموش ہو کر چشم براہ تھے کہ کب اس کی وضاحت ہوتی ہے ہم نے سوچا کہ بمصداق ''وکفی الله المؤمنین القتال'' خود ڈاکٹر صاحب اپنی غلطیوں اور خامیوں کی تردید فرما دیں تو اچھا ہے، لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب اپنے حلقہ احباب و رفقاء کو یہ یقین دلاتے رہے کہ دیکھئے مولوی صاحبان سب خاموش ہیں، فانا للہ!

آخر مجبور ہو کر اور بسم اللہ کہہ کر ہم نے مقالہ تصور سنت و تحریک حدیث پر قلم اٹھانا چاہا تھا کہ ماہ اکتوبر ۱۹۶۴ء کے ماہنامہ ''فکر و نظر'' میں ایک نیا شگوفہ سامنے آیا، عنوان تو ہے ''قرآن کی ابدیت'' لیکن معنون

(ماحصل) ہے قرآن کی عدم ابدیت، ''برعکس نام زنگی نہند کافور'' مثل مشہور ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

''درحقیقت ابدیت ان علل وغایات کو حاصل ہے جو قرآنی احکام کی تہہ میں ہیں اور جو ہمیشہ قرآن سے صراحۃً یا کنایۃً یا سیاقاً اخذ کئے جاسکتے ہیں''۔

فرمایئے! اب پرویز صاحب اور ڈاکٹر صاحب میں کیا فرق رہا؟ پھر یہ باہمی ''جنگ زرگری'' کیوں ہے؟

بطور مثال زکاۃ کو مالی ٹیکس اور نصاب شہادت میں عورت کو مرد کے مساوی قرار دے کر ڈاکٹر صاحب قرآن کی قطعی نصوص میں ترمیم فرماتے اور اس کو عین منشاء قرآن بتلاتے ہیں۔ پرویز صاحب نماز، روزہ کو اسی لائن میں شمار کر چکے، یعنی ترمیم و تنسیخ کا تختۂ مشق بنا چکے ہیں آخر ''تشابهت قلوبهم''قاتلهم الله انى يؤفكون'' کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔

گویا اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمانے کے وقت ان حضرت کو مشورہ میں شریک کرلیا تھا اور اپنا منشا بتلا دیا تھا کہ ان احکام کی علت غائی و مصلحت یہ ہے، نیز ان احکام کی یہ محض ظاہری صورت ہے ان کی روح وہ ہوگی جو تم بیان کرو گے، نیز یہ ہنگامی اور وقتی احکام ہیں، اس عبوری دور کے لئے ہیں، آگے چل کر ہر دور میں عصری تقاضوں کے مطابق ان کی تعبیر و تشریح کا تمہیں اختیار ہے۔ علت و غایت کو سامنے رکھ کر مصالح وقت اور ظروف و احوال کے مقتضیٰ کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہے گی۔ العياذ بالله، استغفر الله العظيم۔

کیا قرامطہ اور باطنیہ نے اپنے اپنے دور میں یہی کچھ نہیں کہا تھا اور یہی کچھ نہیں کیا تھا؟ اس ماء مہین سے پیدا شدہ مضغۂ لحم کی یہ پرواز ''تفو برتو اے چرخ گرداں تفو'' عالم الغیب اور احکم الحاکمین کے علم و حکمت کو اپنی بے مایہ و کثیف عقل کے پیمانہ سے ناپتا ہے! نصوص صریحہ، قرآن کی علل و غایات کی خود تعیین کرتا ہے اور ان کو قطعی اور ابدی قرار دے کر صریح نصوص و احکام خداوندی پر خط ترمیم و تنسیخ کھینچتا ہے؟ اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس کو عین منشاء الٰہی بتلاتا ہے۔ ''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است'' کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔

یہ عقل و خرد کے فقیر تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اور اس کا علم تمام کائنات پر محیط ہے، ازل سے ابد تک کے انسانی تقاضے اور بدلتے ہوئے حالات و ظروف سب اس کے سامنے ہیں، پھر وہی خالق ہے وہی مدبر، مخلوق کی گوناگوں اور متنوع و متجدد حاجات و ضروریات کو اس سے زیادہ کون جان سکتا ہے اور اس سے بہتر ان کی تدبیر کون کرسکتا ہے؟ قدرت بھی اس کی کامل ہے، اختیار بھی تام ہے، حسب مصلحت تدبیر و تصرف سے بھی کوئی مانع نہیں، ان حقائق پر ایمان رکھنے کے بعد کیسے کوئی جرأت کرسکتا ہے کہ ان نصوص صریحہ پر بدلے ہوئے حالات و ظروف کا نام لے کر خط تنسیخ پھیرے اور ساتھ ہی ان کی علل و غایات پر عمل کرنے کا مدعی بلکہ علمبردار بھی ہو۔

اور پھر یہ ظروف و احوال اور ان پر مبنی علل و غایات تو ہمیشہ بدلتی رہیں گی آج پرویز صاحب اور ڈاکٹر

صاحب نے یہ علت وغایت بتلائی ہے کل کوئی اور نئے پرویز اور جدید ڈائرکٹر صاحب اور کوئی علت وغایت بتلائیں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ آیات قرآنیہ اور نصوص ربانیہ بازیچہ اطفال بن کر رہ جائیں گی؟

یہ علم وبصیرت سے تہی دامن مساکین اتنا بھی نہیں جانتے کہ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج خالص عبادات ہیں، بذات خود مطلوب ہیں، اصل مقصد اللہ جل ذکرہٗ کی عبادت وعبودیت ہے، یہی اصل روح عبادت ہے اور یہی ان احکام کی علت وغایت ہے، شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی جو صورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر فرمادی ہے اس میں سرمو ترمیم وتنسیخ اور تغیر وتبدل کی مطلق مجال نہیں، عبد (بندہ) کا کام معبود کی اطاعت وفرمان برداری ہے، بندہ کو جس طرح حکم ملا ہے آقا کی اطاعت ہوبہو اسی طرح کرنی ہوگی، بندہ اس کی علت وغایت سمجھنے کا نہ مامور ہے نہ مکلف، نہ اس کی عقل کی رسائی وہاں تک ممکن ہے، نہ ہی وہ اس کا مجاز ہے کہ اس کے مماثل یا اس سے بہتر کوئی اور صوت اپنی عقل وفہم سے تجویز کرے۔

یاد رکھئے! کسی عبادت کا قلب وقالب جسم وروح، ظاہر وصورت ومعنی سب حضرت حق جل وعلا کی طرف سے تجویز ومتعین کردیئے گئے ہیں، ان جاہلوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ علت کسے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جن کو یہ علت کہہ رہے ہیں وہ علت ہیں بھی یا نہیں؟ زیادہ سے زیادہ ان کو حکمت ومنفعت کہا جاسکتا ہے اور حکمت ومنفعت بھی وہ جس کو اپنی عقل نارسا سے دریافت کرسکا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے، یہی اس کی علت غائیہ ہے، نہ یہ کہ نماز نظم وضبط کا عادی بنانے کے لئے ایک ورزش وریاضت ہے، لہٰذا انسان کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے اور جس طرح چاہے اور ہر دور میں جو وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق اس کی صورت تبدیل کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس عبادت میں یہ منفعت بھی رکھدی گئی ہے جو انسان نے اپنی عقل کے مطابق سمجھی ہے۔

اسی طرح روزہ اللہ تعالیٰ کی ایک بدنی عبادت ہے مخصوص زمانہ میں معین وقت تک کے لئے ان مفطرات ومفسدات سے انسان کو منع کردیا جاتا ہے جو اس کے طبعی تقاضے ہیں، اسی پابندی میں اس کی آزمائش ہے اور یہی مطاوب ہے اور یہی روزہ کی علت غائیہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بالارادہ اور عمداً ایک ماشہ کی مقدار بھی کوئی چیز کھالی تو روزہ ٹوٹ گیا اور وہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا، کفارہ بھی لازم آئے گا اور توبہ بھی کرنی ہوگی، تب جاکر اس جرم کی اخروی سزا جہنم سے بچنے کی توقع ہوسکتی ہے، یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ اس نے عمداً خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر بھول چوک سے پیٹ بھر کر بھی کھالے گا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہ شخص روزہ دار رہے گا، صرف اس لئے کہ اس نے عمداً خدا کی نافرمانی نہیں کی اور یہ جو شکم سیر ہوکر کھایا ہے یہ منجانب اللہ ضیافت خاصہ اور مرحمت الٰہیہ تصور کی جائے گی، جبکہ پہلی صورت میں ایک ماشہ غذا بھی اللہ کے غضب کا موجب تھی یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ مدار فرمان برداری اور نافرمانی ہے، نہ کوئی مصلحت پیش نظر ہے نہ کوئی علت معتبر ہے۔

اسی طرح زکاۃ اللہ جل شانہٗ کی ایک مالی عبادت ہے، اس کی شرح نصاب اور اموال زکاۃ خود شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر فرما دیئے ہیں، مصارف زکاۃ اور مستحقین بھی متعین کر دیئے ہیں، اس کی علت محض عبادت اور تعمیل حکم ہے اور بس یہ کہ اس سے فقراء کی حاجات پوری ہوتی ہیں، یہ اس امت پر محض اللہ تعالیٰ کی مرحمت و مکرمت ہے ورنہ امم سابقہ میں زکاۃ اور صدقات سے انتفاع قطعاً ممنوع تھا، اس کو منفعت و حکمت تو کہہ سکتے ہیں علت ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال زکاۃ محض ایک عبادت ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان لوگوں سے جنہوں نے زکاۃ کو ایک مالی ٹیکس سمجھ کر ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، جہاد کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ''جو شخص بھی نماز اور زکاۃ میں تفریق کرے گا، یعنی نماز کو تو عبادت سمجھے گا اور زکوٰۃ کو عبادت نہ سمجھے گا تو میں اس سے ضرور جنگ کروں گا''، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے تو کچھ مخالفت کی لیکن جلد ہی حقیقت حال سمجھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اتفاق کر لیا اور مانعین زکاۃ سے قتال اور جنگ کرنے پر تمام صحابہ کا اتفاق اور اجماع ہو گیا(۱)، اگر زکاۃ کی علت صرف حکومتی ٹیکس ادا کرنا تھا تو وہ تو کہتے تھے کہ ''اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو ہمارے قبائلی سردار اور حکمران ہوں گے ہم ان کو زکاۃ ادا کریں گے'' علاوہ ازیں تیرہ سو سال سے امت برابر زکاۃ و صدقات کو ایک مالی عبادت سمجھ کر شریعت کے مقرر کردہ طریق پر ادا کرتی چلی آ رہی ہے، اگر یہ مالی ٹیکس ہوتا تو ظاہر ہے کہ ہر حکومت اپنے اپنے عہد میں اپنی صوابدید کے مطابق اس کی شرح مقرر کرتی اور حسب مصلحت اپنی ضروریات اور سرکاری مصارف میں صرف کرتی، نہ شرح زکاۃ محدود و متعین ہوتی اور نہ مصارف و مستحقین کی تحدید و تعیین ہوتی، لیکن آج تک پورے اسلامی دور میں دنیا کے تمام ممالک اسلامیہ میں کسی بھی حکومت و حکمران بلکہ کسی بھی مدعی اسلام نے یہ جرأت نہیں کی کہ زکاۃ کو ایک مالی ٹیکس کہہ کر اس کی شرح یا اموال زکاۃ میں تغیر و تبدل کا نام تک لے بلکہ حاکم و محکوم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ اموال میں سے مقررہ شرح کے مطابق اغنیاء سے زکاۃ لیتے اور فقراء کو دیتے چلے آتے ہیں۔

کیا موجودہ حکومتوں کا پیٹ دور حاضر کے ان جاں گسل اور خون آشام گوناگوں ٹیکسوں سے نہیں بھرتا، جن کے بارِ گراں سے قومیں کراہ رہی ہیں اور ان کی صلاحیتیں اور اہلیتیں ختم اور فنا ہو رہی ہیں اور اس ظلم و جور سے بچنے کے لیے غیر قانونی تدبیروں کے اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ کسی طرح ان ٹیکسوں کی گراں بار شرح سے بچ سکیں اور مضطرانہ جد و جہد میں ضمیر، دین و دیانت اور اخلاق کی حدود سے تجاوز کر کے تباہ ہو رہے ہیں، کیا یہ کافی نہیں ہے کہ اب زکاۃ و صدقات جو محض فقراء اور یتامیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں ان کو بھی ٹیکس قرار دے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ ج:۱ ص:۱۸۸، ط: قدیمی

کر شرح بڑھانے اور من مانے طریق پر خرچ کرنے کی غرض سے اپنے ایجنٹوں سے فتوے حاصل کر کے ضروریات دین میں تاویل وتحریف کی جارہی ہے، تاکہ حکمرانوں اور ارا کین وافسران حکومت کی ہوس رانیوں اور غیر اخلاقی عیش کوشیوں کی تکمیل اور حرص وآز کے جہنم کو بھرنے کا سامان کیا جائے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح حج اللہ جل جلالہٗ کی ایک مخصوص عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاصہ کے مرکز قدیم بیت اللہ کی عاشقانہ زیارت اور مشتاقانہ طواف وسعی، برکات وسعادت اور رحمت ورضوان الٰہی کے خصوصی روحانی فیوض کے حصول کا ذریعہ ہیں، ان مشاہد مقدسہ میں حاضری اور اس طرز کی والہانہ عبادات دلوں کے تزکیہ، روحوں کے تجلیہ اور ورع وتقویٰ کے حصول کے وسائل اور عبدیت کے کامل ترین مظاہر ہیں اور یہی اظہار عبدیت حج کی علت غائیہ ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کے ذریعہ اور دوسرے انفرادی واجتماعی فوائد ومنافع بھی حاصل ہوجاتے ہیں، ایک مقدس خطہ زمین پر ہر سال تمام ممالک اسلامیہ وغیرہ اسلامیہ کے مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بے مثل عظیم اجتماع سے گوناگوں دنیاوی منافع بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کہنا کہ اسلام میں حج درحقیقت ان عرب اور غیر عرب اقوام کی جو بیت اللہ کی عظمت کی قائل ہیں ایک ''سالانہ کانفرنس'' کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور یہی اسلامیانِ عالم کا سالانہ اجتماع حج کی علت غائیہ ہے صریح کفر ہے، العیاذ باللہ۔

قرآن حکیم تو تمام نوع انسانی کو خطاب کر کے اعلان کر رہا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ [آل عمران:٩٧]

لوگوں پر محض اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے جو سفر کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

اور اللہ جل شانہٗ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمارہے ہیں:

﴿وَ اَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ [الحج:٢٧]

اے ابراہیم! تم لوگوں میں حج کا اعلان تو کردو، لوگ پاپیادہ اور ہر نحیف ولاغر اونٹنی پر سوار، دور دراز وادیوں کے سفر طے کر کے ضرور آئیں گے۔

اسی لئے اس مقدس ترین عبادت کو ملت ابراہیمی اور دین محمدی کے شعائر میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اگر باوجود استطاعت کوئی حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے، چاہے نصرانی مرے، اللہ جل شانہٗ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں''۔(۱)

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء من التغلیظ فی ترک الحج ج:۱ ص:۱۰۰، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی کی تائید میں فرمادیا:

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران:۹۷]

اور جو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کو تو تمام جہان والوں کی بھی پرواہ نہیں۔

اگر ان خرد باختہ ملحدوں کے قول کے مطابق حج صرف مسلمانانِ عالم کی ایک سالانہ کانفرنس ہوتی تو حکومتوں کو اختیار ہوتا جہاں چاہتیں یہ اجتماع کراتیں، پھر اس وادی غیر ذی زرع کی کیا ضرورت تھی، اور کیوں پابندی ہوتی، کہیں وادئ کشمیر، یا سوئزرلینڈ جیسی سرزمین میں اس کا انعقاد ہوا کرتا، استغفر الله العلی العظیم۔

پس واضح اور قطعی طور پر سمجھ لیجئے کہ نماز عبادت ہے، ورزش ہرگز نہیں، روزہ عبادت ہے، حفظان صحت کی تدبیر ہرگز نہیں، زکاۃ عبادت ہے مالی ٹیکس ہرگز نہیں، حج عبادت ہے سالانہ کانفرنس ہرگز نہیں، ان چار عبادتوں پر دین اسلام کی عمارت اسی طرح قائم ہے جیسے کلمہ شہادت پر اور یہ پانچوں بناء اسلام کے اساسی ارکان ہیں، خاتم انبیاء سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے:

"بنی الا سلام علی خمس (۱) شھا دة ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ (۲) واقام الصلاة (۳) وایتاء الزکاة (٤) وصوم رمضان (٥) وحج البیت"(۱)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ① اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ② نماز قائم کرنا ③ زکاۃ کو ادا کرنا ④ رمضان کے روزے رکھنا ⑤ بیت اللہ کا حج کرنا۔

جس طرح کلمہ شہادت یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح نماز، روزہ، زکاۃ اور حج، بعینہ اس متواتر شرعی صورت میں جس پر امت چودہ سو سال سے عمل کرتی چلی آ رہی ہے کی فرضیت پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عباداتِ عظمیٰ سمجھنا بھی فرض ہے، ان عبادات محضہ کو اللہ تعالیٰ کی محض عبادت نہ سمجھنا بھی کفر ہے، جس طرح سرے سے ان کا انکار کرنا کفر ہے، یہی حکم ان تمام نصوص قطعیہ اور ضروریات دین کا ہے جن پر چودہ سو سال سے امت کا اجماع ہے اور علی التواتر امت ان کو مانتی اور ان پر عمل کرتی چلی آ رہی ہے، یہ دین کے وہ قطعی احکام ہیں جن میں انکار اور تاویل دونوں کفر ہیں، جس طرح نماز کو ورزش کہنا کفر ہے، حج کو کانفرنس کہنا کفر ہے، ٹھیک اسی طرح زکاۃ کو ٹیکس کہنا اور ایک عورت کی شہادت کو ایک مرد کے برابر کہنا بھی کفر ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس ج:۱ ص:٦، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام ج:۱ ص: ۳۲، ط؛ قدیمی

افسوس ہے کہ ان ڈاکٹروں اور ڈائرکٹروں کو نہ تو علماء دین سے علم دین حاصل کرنا نصیب ہوا، اور نہ صالحین ومتقین کی صحبت نصیب ہوئی، علم دین اگر سیکھا تو یورپین معلمین اور مستشرقین سے، اور وہ بھی دار الکفر اور کافرانہ ماحول میں اور صحبت نصیب بھی ہوئی تو کافروں اور اعداء ایمان واسلام کی، اور اعداء بھی ایسے شاطر اور فرزانہ جو دشمنی کریں دوستی کی شکل میں، ان عوامل ومحرکات کے نرغہ میں دار الکفر کی معاشرت اور کفار کی صحبت کے اثرات سے اسلامی فطرت کا مسخ ہو جانا لازمی اور لابدی امر ہے، سچ فرمایا اصدق القائلین صلی اللہ علیہ وسلم نے:

”کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یهودانه او ینصرانه اویمجسانه“(۱)

ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اور یہ تو ہمارا حسن ظن ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ نیت ہی فاسد ہو چکی ہے، صرف علوم دینیہ سے جہل ہی نہیں ہے، بلکہ عمدًا دین میں تاویلیں اور تحریفیں کر کے اس کی بیخ کنی کا بیڑہ اٹھا چکے ہیں، ایمان ودیانت کے متاع گراں مایہ کی نعمت ہی سے محروم ہو چکے ہیں۔

چونکہ عوام میں ہر دلعزیزی مطلوب ہے، اس لئے کہ مسلمان بن کر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتے ہیں اور قرآن وحدیث کا نام لئے بغیر رائے عامہ کو اپنے لئے ہموار نہیں کر سکتے، اسلامی معاشرہ میں، اسلامی ملک میں صاف وصریح نصوص قرآنیہ کا انکار کرنے کی جرأت وہمت نہیں ہے، اس لئے چور دروازہ سے داخل ہو کر اور ابدیت قرآن کا نعرہ لا کر تاویلات وتحریفات کی راہ سے نصوص قرآن کی ابدیت کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، درحقیقت یہ جدید ملاحدہ خواہ مستشرقین ہوں، خواہ ان کے چیلے مستغربین، ان سب کی کوشش یہی رہی کہ الحاد فی الدین اور تحریف دین کے نت نئے طریقے نکالیں اور ضروریات دین میں تشکیک وارتیاب کی راہ سے ارکانِ دین وایمان کی عظمت وعقیدت مسلمانوں کے دلوں سے ختم کریں اور اس پرفریب طریق پر اسلام اور مسلمانوں سے انتقام لے کر اپنے دلوں کو ٹھنڈا کریں، اس لئے ہم مجبور ہیں کہ اس پوشیدہ وپنہاں الحاد وزندقہ کا تار وپود بکھیر دیں اور ان مدعیان علم وعقل کے سامنے ان کے علم وعقل کا آئینہ رکھ دیں کہ دیکھو اس میں اپنے جہل کی مکروہ وقابلِ نفریں صورت۔

وباللہ التوفیق

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

[دسمبر ۱۹۶۴ء- رجب ۱۳۸۴ھ]

”بینات“ کے گذشتہ شمارے میں ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائرکٹر ”مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی“ کی بعض آراء پر تبصرہ کیا گیا تھا کہ زکاۃ مالی عبادت ہے، حکومت کا ٹیکس نہیں، عبادت کی کمیت وکیفیت کی تحدید سے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین ج:۱ ص:۱۸۵، ط: قدیمی.
الصحیح لمسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة ج:۲ ص:۲۳۶، ط: قدیمی

عقل انسانی قاصر ہے، زیادہ سے زیادہ بعض نکات یا بعض جہات یا بعض منافع تک رسائی ہو جاتی ہے، لیکن وہ بھی حرف آخر نہیں ہوسکتا اس سلسلہ میں مزید تنبیہ کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

یہ بات تو صاف ہوگئی تھی کہ زکاۃ حکومت کے مصارف پورے کرنے کے لئے نہیں بلکہ فقراء و مساکین کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے، ممکن ہے کسی کو یہ خیال گذرے کہ اب موجودہ شرح اڑھائی فیصد اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہوگی، اس لئے یہ بات پیش نظر رہے کہ زکاۃ صرف آمدنی پر نہیں بلکہ سرمایہ پر واجب ہے، اس حیثیت سے اموال کی شرح بہت بڑھ جاتی ہے، مثلاً پاکستانی بینکوں کے پاس تین ارب سرمایہ ہے جس سے وہ کاروبار چلا رہے ہیں، اب تین ارب کے مالکوں کو تین ارب ہی کی زکاۃ نکالنی ہوگی، نہ یہ کہ جو آمدنی مالکان کو ہوگی صرف اس کی زکاۃ نکالنی ہوگی، پھر کارخانوں میں تیار شدہ اربوں کا مال تجارت جو جمع ہوگا اس سب پر زکاۃ ہوگی، نہ صرف یہ کہ کارخانوں سے جو فروخت شدہ مال کی رقم ہے صرف اس پر زکاۃ واجب ہوگی، پھر شخصی طور پر گھروں میں تجوریوں میں، مضاربت شرکت وغیرہ کے ذریعہ جہاں بھی جو سرمایہ لگا ہوگا اس سب پر زکاۃ آئے گی، پھر گھروں میں جو زیورات کی شکل میں یا سونے چاندی کے برتنوں کی صورت میں جو سرمایہ ہوگا اس سب کی زکاۃ دینی ہوگی، مثلاً اگر قوم کی سالانہ آمدنی ایک ارب روپیہ ہے تو زکاۃ اڑھائی کروڑ ہوگی، لیکن کل سرمایہ جو بینکوں میں جمع ہے، یا کارخانوں میں بشکل مالی تجارت موجود ہے، یا دکانوں میں جو مال موجود ہے، یا گھر میں زیورات ہیں ان سب کی جتنی مالیت ہے اس سب پر زکوۃ واجب ہوگی، دیکھئے اس طرح سرمایہ اور آمدنی کی تناسب میں کتنا بڑا تفاوت ہو گیا، اگر آمدنی ایک ارب ہے تو سرمایہ دس ارب ہوگا، اور دس ارب کی زکاۃ پچیس کروڑ ہوگی، اسی لئے یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اگر صحیح شرعی طریقے سے زکاۃ ادا کی جائے تو ناممکن ہے کہ دنیا میں فقیر کا نام بھی باقی رہے، اس لئے جب زکاۃ کے بارے میں یہ خیال آئے کہ شاید اس زمانے میں یہ شرح کافی نہ ہوگی تو اس وقت فوق الذکر مدت اور ان کے فرق کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے، پھر زکاۃ جو فقراء کا حق ہے وہ صرف نقد سرمایہ اور اموال تجارت ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ زرعی پیداوار کی آمدنی میں بھی عشر یا نصف عشر (دسواں یا بیسواں) حصہ ادا کیا جاتا ہے، ان سب کو ملا کر زکاۃ کی شرح ممکن ہے کہ کروڑوں سے متجاوز ہو کر اربوں کو پہنچ جائے، اس لئے اسلام نے جو شرح مقرر فرمائی ہے وہ ہر دور میں کافی ہے اور اس طرح یہ صالح ترین نظام ہر دور میں جامع ترین نظام رہے گا، سرمایہ و دولت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے ملکیت تبدیل ہوتی رہتی ہے، لیکن تبدیل ملکیت سے زکاۃ پر اثر نہیں پڑتا، تعجب تو اس پر ہے کہ یہ حضرات جن کا فن ہے کہ ان حقائق پر غور کریں وہ ایسی سطحی باتیں کیسے کرتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دین کی عداوت میں عقلی صلاحیتیں بھی جواب دے چکی ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ارباب انصاف کو حق سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

[شعبان ۱۳۸۴ھ۔ جنوری ۱۹۶۵ء]

عصر حاضر کے جدید مسائل اور علماء کے فرائض

''بینات'' جلد: ۲ شمارہ: ۳، ۴ میں عصر حاضر کے مسائل کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا کہ عہد حاضر کے علماء امت کے ذمہ جو اہم فریضہ عائد ہوتا ہے وہ جدید مسائل کی عقدہ کشائی ہے، غنیمت ہے ابھی تک خال خال علم فقہ کے علماء و ماہرین کچھ موجود ہیں، ضرورت ہے کہ ان کی حیات میں جدید مسائل کا حل تلاش کرلیا جائے، تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اس بارگراں سے سبکدوش ہوں اور حدیث نبوی "اتخذ الناس رؤوسا جهالاً فافتوا بغير علم فضلو واضلوا"(۱) (ایسا زمانہ آئے گا کہ جاہل ارباب فتویٰ ہوں گے، بغیر علم کے فتوے صادر کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ بنائیں گے) کے مصداق نہ بنیں، جس وقت یہ خیال آیا تھا اور بینات میں علماء امت کے سامنے لحہ فکریہ پیش کیا تھا، ٹھیک اسی وقت ہندوستان کے ارباب علم وفضل کے حلقہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث تھا۔ چنانچہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ندوۃ العلماء میں ایک علمی مجلس کی تشکیل وجود میں آچکی ہے، اور کام بھی شروع ہوگیا ہے اس لئے شعبہ تصنیف وتالیف نے ان سے بھی رابطہ قائم کرلیا ہے۔ انشورنس (بیمہ) کے مسائل سے مجلس نے افتتاح کیا ہے اور ایک سوالنامہ شائع کیا ہے، سوالنامے سے قبل بطور تمہید بیمہ کی حقیقت اور اس کی قسمیں تفصیل سے بیان کی ہیں، تاکہ علماء کو سوال کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل ہوجائے، تاکہ علی وجہ البصیرت اس کی روشنی میں علمی وفقہی مسائل پر غور کر کے حل پیش کرسکیں، ہم ان حضرات کے ممنون ہیں کہ ان کی توجہ سے منقح سوالنامہ سامنے آگیا، اب بینات کے پڑھنے والے اہل علم حضرات بھی اس مسئلہ کا حل پیش کرسکیں گے، اس لئے تمہید وسوالات دونوں شائع کئے جارہے ہیں اور جو جواب بینات کی طرف سے ہوگا آئندہ شمارہ میں وہ بھی شائع کیا جائے گا، واللہ الموفق۔

سوالنامہ متعلق انشورنس

(۱) بیمہ کی حقیقت

بیمہ انگریزی لفظ ''Insure'' (انشور) کا ترجمہ ہے، جس کے معنی لغت میں یقین دہانی کے ہیں، چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کردیتی ہے اس لئے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں، یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی (جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم ج: ۱ ص: ۲۰، ط: قديمی۔
الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه ج: ۲ ص: ۳۴۰، ط: قديمی

ہوتی ہیں) بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پسماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے، اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فی صد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے، گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربا یا سود نہیں، بلکہ بونس یعنی منافع ہے۔

(۲) کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دے کر ان سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے، یا کسی تجارت میں لگا کر یا کوئی جائداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے، اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بصورت سود یا منافع حاصل کرتے رہتے ہیں اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ دار کو ایک حصہ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کسی درجہ میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہوتا ہو، لیکن اصل مقصود وہی ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے، مگر اس کی بحث بے ضرورت ہے، اس لئے کہ نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، بیمہ کرانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے اس کے علاوہ اس کے پسماندگان کو امداد و رعایت حاصل ہو یا ناگہانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

(۳) بیمہ کی تین قسمیں ہیں:

(الف) زندگی کا بیمہ (ب) املاک کا بیمہ (ج) ذمہ داری کا بیمہ۔

الف: زندگی کا بیمہ

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے، ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال کے لئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے، جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے، تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے، اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع مزید رقم کے جس کو بونس (Bunus) کہتے ہیں یکمشت ادا کرتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مرجائے خواہ طبعی موت سے یا کسی حادثے دغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس

ماندگان کو حسب تفصیل مذکورہ پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے، گو اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے اس شکل میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے، مگر شرح منافع کم ہوتی ہے، زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہے لیکن اب تو انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہو گیا ہے، مثلاً ہاتھوں کا بیمہ، سر کا بیمہ، ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ، اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی یا کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے، اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں، البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائم مقام صرف ایک حصہ جسم کی صحت یا اس کے ناکارہ ہونے کو قرار دیا جاتا ہے۔

ب: املاک کا بیمہ

عمارت، کارخانہ، موٹر، جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمہ کا رواج اب عام ہو گیا ہے اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالاقساط ادا کرتا ہے اور کمپنی ایک مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہو جائے، مثلاً کارخانہ میں آگ لگ جائے یا جہاز غرق ہو جائے یا موٹر کسی حادثے میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اس رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

ج: ذمہ داریوں کا بیمہ

ناسمجھ بچے کی تعلیم، شادی وغیرہ کا بیمہ بھی ہوتا ہے، کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے، رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

(۴) بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے، لیکن اگر بیمہ دار (حسب قواعد وشرائط) کچھ اقساط ادا کرنے کے بعد مزید رقم کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور واپس نہیں ملتی لیکن اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری کرائے، بقایا اقساط نہ ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت اقساط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

(۵) بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کر دیتی ہے۔

(۶) بیمہ دار ۲رسال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا مجاز ہو جاتا ہے۔

(۷) ہندوستان میں زندگی کے بیمہ کے متعلق حکومت نے ایک قانون بنایا ہے جس کی رو سے بیمہ کی یہ قسم نجی کمپنیوں کے ہاتھ سے نکل کر خود حکومت کے ہاتھ میں آ گئی ہے، اور اب کسی نجی کمپنی کے بجائے یہ معاملہ بیمہ دار اور حکومت کے درمیان ہوتا ہے، بظاہر حالات سے ایسا نظر آتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ پورا کاروبار نیشنلائز کر لیا جائے گا اور نجی کمپنیاں ختم کر کے حکومت خود یہ معاملہ کرے گی۔

خلاصہ

بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جا چکی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ مکرر پیش کیا جاتا ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے، جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے، حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربا کے ساتھ غرر بھی پایا جاتا ہے۔

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں، بینک بھی یہی کرتے ہیں، البتہ اس میں شرح سود مختلف حالات و شرائط کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بیمہ کے مصالح اور مفاسد

دنیاوی نقطہ نظر سے بیمہ پالیسی خریدنے میں کیا مصلحتیں ہیں اور کیا مفاسد ہیں؟ ان کا تذکرہ درج ذیل ہے تاکہ حضرات اہل علم ان پر نظر فرما کر فیصلہ فرما سکیں، اس لئے یہاں صرف انہیں دنیاوی مصالح و مفاسد کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو فی نفسہٖ کسی نہ کسی درجہ میں شرعاً بھی معتد بہ ہیں، جو مصالح و مفاسد شرعاً غیر معتد بہ ہیں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، مثلاً ایسی دنیاوی مصلحت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کہ اس طرح خریدار کو سود ملتا ہے اور اس کی اصل رقم میں بغیر محنت اضافہ ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ مصلحت شرعاً غیر معتد بہ ہے بلکہ مصلحت کے بجائے مفسدہ ہے، اسی طرح اس مفسدہ کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ قلیل آمدنی والے افراد جب پالیسی خریدنے کے لئے کچھ رقم پس انداز کریں گے تو تحسینات میں کمی کرنے پر مجبور ہونگے اور بعض جائز لذتوں سے محروم رہیں گے، اس لئے کہ شرعاً یہ مفسدہ غیر معتد بہ ہے۔

مصالح: ناگہانی حادثات کی صورت میں بیمہ دار تباہی و بربادی سے بچ جاتا ہے مثلاً:

① ہندو مسلم فساد میں بہت سے مسلمانوں کے رخانے خاک سیاہ اور تباہ و برباد کر دیئے گئے، جن لوگوں

نے اپنے کارخانوں کا بیمہ کرالیا تھا وہ تباہی سے بچ گئے اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا، لیکن جنہوں نے اپنے کارخانوں کا بیمہ نہیں کرایا تھا وہ پورے طور پر برباد ہوگئے اور پنپ نہ سکے، دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

نوٹ: فسادات ہندوستان کا روزمرہ معمول بن چکے ہیں اور انکا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔

② اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں، اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پا جائیں تو ان کے پسماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں، اپنی قلیل آمدنی میں عموماً وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے جو ان کے پسماندگان کے کام آسکے، ایسی حالت میں اگر وہ بیمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو انہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی ہے، دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے ان کے پسماندگان کو مل جاتی ہے جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے۔

تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے اس لئے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پا جائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہوجاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

③ اگر اولاد ناہنجار ہو تو باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتتی ہے اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائیداد واملاک پر قابض ہوجاتی ہے۔

اگر شوہر بیمہ کی پالیسی خرید کر اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دے دے تو یہ رقم بیوہ کو بے خرخشہ مل جاتی ہے۔

اگر اولاد کے درمیان تحاسد وتباغض ہو یا بعض بچے چھوٹے ہوں اور دوسری اولاد سے خطرہ ہو کہ ان کے حقوق کو غصب کر لیں گے تو بھی ان کے نام سے بیمہ پالیسی خرید لینا مفید ہوسکتا ہے۔

④ چونکہ کمپنیاں عموماً اہل ہنود کی ہیں اس لئے بیمہ پالیسی خریدنا فساد کی تباہ کاریوں کو روکنے کا بھی ایک ذریعہ ہوسکتا ہے، اس لئے کہ فسادی یہ معلوم کر کے کہ مسلمان کی بیمہ شدہ مملوکہ شئ کو نقصان پہنچانا خود ہندوؤں کو نقصان پہچانا ہے، شاید اس نقصان پہنچانے سے باز رہیں اس طرح ممکن ہے کہ کسی درجہ میں یہ حفاظت جان کا ذریعہ بھی بن جائے۔

نوٹ: اب سے دو چار صدی پیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے، اوّل تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشینوں کے رواج کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے، دوسرے بکثرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے جہاں بیت المال بڑے حد تک ان حوادث کے نتائج سے پناہ دیتا تھا، تیسرے مصارف زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا، چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا سرد نہیں ہوا تھا جتنا آج ہوگیا ہے، پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکاۃ وصدقات کا رواج یہ سب امور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا

کرتے تھے، اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے، آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے، سو میں ایک کی تباہ حالی دور کرنا آسان ہے مگر سو میں ۲۵ ر کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔

مفاسد: واضح رہے کہ یہاں صرف دنیاوی مفاسد کا تذکرہ مقصود ہے، جن کی طرف بعض اوقات بعض اہل علم کی نظر نہیں جاتی، دینی مفاسد سے چونکہ ہر صاحب علم واقف ہے اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا:

① ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مورث کو (جو کہ بیمہ دار تھا) قتل کروادیا۔

② اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمہ دار نے دھوکہ دے کر اپنی دکان یا اپنے مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کردی اور اس کا بیمہ کرادیا اور کچھ عرصہ کے بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شے کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کے لئے اس شیٔ کو مخفی طریقہ سے خود تلف کردیا، مثلاً آگ لگادی یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا، اس قسم کے واقعات کی تعداد اگرچہ قلیل ہے مگر نہ تو بعید از قیاس ہے اور نہ النادر کالمعدوم کہے جاسکتے ہیں۔

③ تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آجاتی ہے، آدمی اسے بہت بے دردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے، نوجوان اولاد کو اگر باپ کے بعد بیمہ کی رقم بغیر محنت وکوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بے دریغ صرف کرے گی، اسراف وتبذیر کی عادت فی نفسہ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس وتباہی کا پیش خیمہ بھی ہے، جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

④ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بیمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش پیش ہوسکتا ہے، سود کی رقم اس کی دولت میں اور اضافہ کرے گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ دار کو مزید ترقی ہوگی۔

ان تمہیدی امور کے عرض کرنے کے بعد حضرات علماء کرام سے درخواست ہے کہ ''انشورنس'' کے متعلق مندرجہ بالا حقیقت اور اس کے مصالح ومفاسد کو پیش نظر رکھ کر شریعت مقدسہ اسلامیہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں استدعا یہ ہے کہ براہ کرم جوابات مدلل ومفصل عنایت فرمائیں۔

سوالات

① انشورنس کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے، جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے شریعت کا اصطلاحی ربا ہے یا نہیں؟

② اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربا ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اگر نکل سکتی ہے تو کیا؟

③ زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

④ معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے وقت معین سے پہلے تلف ہوجائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی جبکہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے، اس معاملہ کو قمار کے حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی ہے؟

⑤ اگر یہ قمار یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

⑥ اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے؟

⑦ جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

⑧ اگر کوئی مسلمان کسی دار الحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو، تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

⑨ اس صورت میں جبکہ انشورنس کا کاروبار خود حکومت کر رہی ہو اور اس صورت میں جبکہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

⑩ اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ربا کے حدود سے خارج ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے۔

⑪ فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن:

(الف) سود کی کل رقم بصورت ٹیکس و چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

(ب) ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے، مگر وہ لا پرواہی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کوئی جگہ پل یا رستہ بنوانا، کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا، کنواں کھدانا یا نل لگوانا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے مگر عام طور پر رعایا ان کے

بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے، مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا وغیرہ۔

تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی اور اسے ربا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

نوٹ: مندرجہ بالا تینوں صورتوں (الف، ب، ج) کے احکام میں اگر فرق ہے تو اسے واضح فرمایا جائے۔

⑫ بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے، تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح وحاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر:

(الف) اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے اگر ہوسکتا ہے تو کیا ہے؟ یا

(ب) انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے جو اسے معصیت کے دائرے سے خارج کردے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہوسکتی ہے تو کیا ہے؟

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنو

[شعبان ۱۳۸۴ھ - جنوری ۱۹۶۵ء]

عصر حاضر کا خطرناک فتنہ

① وقت کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ علمی ودینی دقیق ترین مباحث اور اساسی اصول پر طبع آزمائی فرما رہے ہیں بے علم وبے دین گریجویٹ حضرات، جن کی عملی زندگی اس تعبیر کا بین ثبوت ہے، اللہ جل شانہ کا یہ دین جس کے حاملین ہر دور میں صلحاء امت اور علماء وفقہاء کی خداترس جماعت رہی ہے، آج بے علم وبے عمل خداناشناس بیرسٹروں کے لئے تختہ مشق بنا ہوا ہے اور دین اسلام کے حقائق اور شرائط الٰہیہ ہر کس وناکس کے لئے بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں، اس سے بڑھ کر قیامت کبریٰ کی اور کیا علامت ہوگی؟ صادق مصدوق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اتخذ الناس رؤوسا جهالًا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا و اضلوا"(۱)

لوگ (آخر زمانہ میں) جاہلوں کو سردار (دینی پیشوا) بنالیں گے، پس ان سے دینی مسائل دریافت کئے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم ج: ۱ ص: ۲۰، ط: قديمي.
الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه ج: ۲ ص: ۳۴۰، ط: قديمي

جائیں گے تو وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

امانت الٰہیہ اس بری طرح ضائع ہو رہی ہے کہ جس مسلمان کے دل میں ذرا بھی خوف خدا ہو وہ اس صورت حال کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔

② اس سے بھی بڑھ کر فتنہ یہ ہے کہ انہی نااہلوں کو اہل سمجھا جا رہا ہے اور اسی گروہ کو اسلامی موضوعات پر تحقیقات کی خدمت تفویض کی جارہی ہے اور ملک وملت کا لاکھوں روپیہ اسی نام نہاد اسلامی تحقیقات پر بے دریغ خرچ کیا جارہا ہے۔

درحقیقت ریسرچ کے نام سے اسلام کا پوسٹ مارٹم اور تعمیر کے نام سے دین کی تخریب ہورہی ہے اور تحقیقات کے نام سے علانیہ تحریفات کی جارہی ہیں، جہاں انگریزی زبان وادب میں بیرونی ممالک یا اندرون ملک کی کوئی ڈگری کسی کے ہاتھ آئی اور گریجویٹ ہونے کا ٹھپہ لگ گیا اور تھوڑا بہت لکھنے کا سلیقہ آگیا، کچھ انگریزی اردو ادب اور انشاء پردازی کی مشق کے مواقع میسر آگئے، بس سارے شرائط اجتھاد فی الدین پورے ہوگئے اور اسلامی موضوعات پر برائے نام دو چار مقالے یا رسالے لکھ دیے اور بن گئے تجدد پسند محقق ومجتہد، اور اگر کسی کافر مستشرق کی تربیت بھی حاصل ہوگئی اور استشراقی انداز فکر کے تحت الحاد وتحریف کا جدید زاویۂ نگاہ اور مشق نگارش بھی نصیب ہوگئی تو پھر معراج فضل وکمال حاصل ہوگئی۔

③ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو خدا ترس خادمانِ دین اس ظلم وعدوان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں ان کو قدامت پسندی، رجعت پسندی اور جمود کے طعنے دے کر ہدف ملامت بنایا جاتا ہے اور قوم کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور نئی نسل کے دلوں سے ان کی دینی عظمت ودیانت کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کا جدید شاہکار

④ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کا جدید شاہکار ”اجماع اور باب اجتہاد“ نامی جدید کتاب شائع ہوئی ہے، یہ کمال فاروقی صاحب کی تالیف ہے جن کا تعارف وزارت اطلاعات ونشریات کی طرف سے شائع شدہ کتابچہ پاکستان میں اسلامی عائلی قانون میں حسب ذیل الفاظ میں کرایا گیا ہے، یہی کمال فاروقی صاحب کا مبلغ علم ہے۔

مصنف (کمال فاروقی) نے کیلیفورنیا یونیورسٹی سے خصوصی تعلیمات میں گریجویشن کیا، پھر لندن کے مڈل ٹمپل سے بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی، اب کمال فاروقی صاحب کراچی بار میں وکالت کررہے ہیں، نیز وہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کے قانونی مشیر ہیں۔

گویا اب ادارہ تحقیقات اسلامی نے کتاب وسنت کے بعد اجماع واجتہاد پر بھی عمل جراحی اور طبع

آزمائی شروع کردی ہے، شریعت محمدیہ کے چار ستون تھے: کتاب وسنت، اجماع وقیاس (اجتہاد)۔

تجدد پسند طبقہ(۱) مجبور ہے کہ ان چار بنیادی اصطلاحوں کی ایسی تعبیر وتشریح کرے کہ دین کی گرفت ڈھیلی ہوجائے تاکہ وہ من مانی کارروائی، ترمیم وتصریف کرسکے اور عوام کو یہ باور کراسکے کہ دین کے انہی اصول اربعہ پر ہمارا ابھی عمل ہے، یعنی ہماری تعمیر نو ان اساسی اصول دین سے باہر نہیں ہے۔

⑤ ظاہر ہے کہ علوم دینیہ میں قرآن وحدیث یعنی اللہ اور رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے علماء امت نے روز اول سے جن لابدی اور ضروری علوم وفنون کو مدون کیا ہے، ان میں دقیق علم، علم اصول حدیث، علم اصول فقہ ہیں، اجماع واجتہاد کا تعلق اس موخر الذکر علم سے ہے اور پھر اجماع واجتہاد تو اس علم کا نہایت دقیق اور غامض حصہ ہے، خصوصاً قیاس واجتہاد کے مباحث تو اتنے غامض دقیق ہیں کہ قیاس واجتہاد کے مدارک ومراتب سمجھنے کے لئے تمام علماء امت میں بھی ہر دور کے اندر چند افراد سے زیادہ نہ ملیں گے۔ ائمہ مجتہدین کے بعد علماء حنفیہ میں امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوبکر جصاص، ابوزید دبوسی، سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، قدماء میں سے ممتاز گذرے ہیں اور متاخرین میں امیر عمید الدین کاتب اتقانی (صاحب کتاب الشامل) شیخ ابن ہمام اور عبد العزیز بخاری (صاحب کشف الاسرار) ممتاز شخصیتیں ہیں۔ غرض اسلام کے ہر دور میں اس موضوع پر قلم اٹھانے والے علماء امت کے وہی افراد ہوئے ہیں جو علوم قرآن وحدیث اور جملہ علوم اسلامیہ میں انتہائی حذاقت ومہارت کے ساتھ ہی ساتھ اذکیاء امت میں بھی شمار ہوئے ہیں اور صلاح وتقوی، زہد وعبادت میں بھی فخر روزگار سمجھے گئے ہیں۔

مذہب حنفی اور شورائیت

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت نے بھی جب سب سے پہلے استنباط احکام شرعیہ یعنی اجتہاد کا بیڑہ اٹھایا تو اپنے وقت کے کبار محدثین اور ازکیا وصالحین، عارفین وزاہدین کے چالیس افراد کی منتخب روزگار جماعت انتخاب فرمائی اور ان کے تعاون ومشورہ سے تحقیق مسائل فقہیہ کا کام شروع کیا ① قاضی ابویوسف ② محمد بن الحسن الشیبانی ③ زفر بن الہذیل ④ اسد بن عمرو ⑤ یوسف بن خالد السمتی ⑥ نوح بن ابی مریم ⑦ وکیع ⑧ حمزہ زیات ⑨ یحیٰ بن زکریا ⑩ عافیۃ ازدی ⑪ حفص بن غیاث ⑫ حبان ⑬ مندل ⑭ قاسم بن معن ⑮ فضیل بن عیاض ⑯ داؤد طائی جیسے اکابر علماء امت اس مجلس شوری میں شامل تھے، حافظ حدیث ابن ابی العوام کے الفاظ میں یہ ''کبراء الکبراء'' بڑوں کے بڑوں کا مجمع تھا۔

یہی وجہ ہی کہ حنفی مذہب کو قبول عند اللہ اور قبول عند الناس اس درجہ حاصل ہوا ہے کہ بقیہ تینوں مذہبوں کو مل کر بھی یہ درجہ قبول نصیب نہ ہوسکا، ظاہر ہے کہ ایک شورائی اور اجتماعی مذہب تھا جس پر اکابر امت نے مل کر سالہا

---

(۱) ''نیا اسلام'' پسند کرنے والا گروہ جس کا خصوصی نعرہ ''اسلام کی تعمیر نو'' (نیوکنسٹرکشن New constretion of islam) ہے۔

سال تک غور وخوض کیا تھا اس کی بالمقابل بقیہ مذاہب ثلاثہ انفرادی اور شخصی مذاہب کی حیثیت رکھتے تھے۔

⑥ اب خیال فرمایئے کہ اتنا اہم اور اعلیٰ وارفع موضوع ہو اور اس پر اس دور جدید میں قلم اٹھانے والے کون حضرات ہوں؟ وہ گریجویٹ اور بیرسٹر جنہوں نے قرآن وحدیث اور علوم فقہیہ تو ایک طرف، عربی زبان کے مبادی الف، ب، صرف ونحو بھی کسی عربی مدرسہ کے طالب علم کو چند ماہ معاوضہ (ٹیوشن فیس) دے کر سیکھے ہوں اور ہر موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے آیات واحادیث اور فقہی عبارتوں کے حوالے تنخواہ دار مولویوں سے نکلوا کر ان میں سائنٹیفک ریسرچ یعنی من مانی مسخ وتحریف کرتے ہوں۔ بتلایئے اس سے بڑھ کر امانت الٰہیہ کے ضائع ہونے کی لرزہ خیز اور روح فرسا کوئی مثال ہوسکتی ہے؟

عہد حاضر کی جاہلیت کا شاہکار

⑦ پھر یہ عہد حاضر کی جاہلیت کا شاہکار واقعی کوئی مبسوط تالیف یا تحقیقی مقالہ ہے؟ جی نہیں چند صفحات کا مجموعہ ہے جس میں مصنف نے ایک دو عالموں سے اجماع وقیاس پر ایک مکتوب کے ذریعہ چند سوالات کئے ہیں اور ان کے مختصر سے جوابات پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھ کر کوشش فرمائی ہے کہ اجماع کا دائرہ کار اتنا وسیع کر دیں کہ دور حاضر کے عوام کا اجماع بھی سلف صالحین اور علماء عاملین کے اجماع کے قائم مقام ہو سکے اور اگر یہ خدمت ججوں کی کوئی قانون ساز جماعت انجام دے دے تو سبحان اللہ! پھر تو اس کے حجت ہونے میں شک وشبہ یا چون وچرا کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی، حالانکہ خود مولف کے لفظوں میں گذشتہ دس سالوں کے دوران میں انسانی علم، عمق اور وسعت کے اعتبار سے زبردست ترقی بھی کر چکا ہے۔

الغرض یہ تحقیقی مقالہ یا تالیف کیا ہے؟ چند بے معنی ومہمل تعبیرات، لغو استدلالات اور چند بے محل آیات کریمہ سے بے معنی استنباطات کا ایک مجموعہ ہے، فیا للاسف۔

ہمیں کمال صاحب کی نیت پر زیادہ بدگمانی نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہوں خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہو، لیکن کیا کریں جو تحقیق واستدلال ہمارے سامنے ہے اس میں تو کمال صاحب نے کمال ہی کر دکھایا ہے۔

آخر میں ہم قارئین کرام سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کوئی عربی دان مولوی جس نے عربی زبان وادب کی تحصیل ومزاولت میں ساری عمر گذاری ہو، صرف انگریزی ریڈرون پڑھ کر شکسپیئر کے ڈراموں پر تنقید اور اس کی فصاحت وبلاغت پر تبصرہ کرنے لگے تو اس سے بڑھ کر کوئی اور مضحکہ خیز حرکت ہوسکتی ہے؟

قومی اسمبلی میں وزیر قانون نے
اسلامی کونسل کی سفارشات کا اعلان کردیا

اسلامی مشاورتی کونسل کا قابل قدر کارنامہ: روزنامہ جنگ کراچی ۱۲؍جولائی ۶۵ء (سنڈے ایڈیشن) رقمطراز ہے:

’’راولپنڈی ۱۰؍جولائی (اپ پ؍پ پ ا) مرکزی وزیر قانون سید محمد ظفر نے آج قومی اسمبلی میں وقفہ سوالات کے دوران اعلان کیا کہ اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل اب مسلم عائلی قوانین کے آرڈیننس پر غور کر رہی ہے اور جلد ہی اپنی سفارشات پیش کردے گی، انہوں نے ڈاکٹر علیم الرضی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے شراب سود اور جوئے وغیرہ کے بارے میں کونسل کی رائے طلب کی تھی بعض مسائل پر کونسل سے مزید مشورہ طلب کیا گیا ہے، ایک ضمنی سوال کے جواب میں وزیر موصوف نے کہا کہ شراب کے مسئلہ پر کونسل کی رائے سے اس کے ایک رکن نے اختلاف کیا ہے اور اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا ہے کہ اگر شراب کے استعمال سے واقعی نشہ نہ ہو تو قرآن وسنت نے اس کی ممانعت نہیں کی ہے، اس لئے کہ صرف نشہ کی ممانعت کی ہے، اس اختلافی نوٹ پر ارکان قومی اسمبلی نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ مسلم لیگ کے سید اصغر علی شاہ نے کہا کہ اسلامی کونسل کے جس رکن نے اختلافی نوٹ لکھا ہے اس کا نام بتایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ اسے کونسل کی رکنیت سے کیوں محروم نہیں کیا گیا ہے؟ وزیر قانون نے نام بتانے سے انکار کردیا اور کہا کہ اس ایک رکن کے سوا باقی تمام ارکان نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قرآن اور سنت کی رو سے کسی بھی حالت میں شراب کا استعمال جائز نہیں، وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اسلامی کونسل نے بیئر کو بھی شراب قرار دیا ہے اور اس کے استعمال کو ناجائز کہا ہے، ہر قسم کے جوئے کو جس میں گھوڑ دوڑ بھی شامل ہے، کونسل نے اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے، پریس آرڈننس کے بارے میں کونسل نے کہا کہ دفعہ نہیں، جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، کونسل نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ اس میں ایسی کوئی قانون شریعت میں ترمیم کے بل کو منظور کرنے کی سفارش نہیں کی جاسکتی۔‘‘

اسلامی کونسل کی سفارشات

قومی اسمبلی میں مرکزی وزیر قانون سید محمد ظفر نے اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کی جن دس سفارشات کا اعلان کیا وہ درج ذیل ہیں:

① روزمرہ کی زندگی میں اسلامی قدروں پر عمل کرانے کی لئے محکمہ مذہبی امور قائم کیا جائے جو خاص طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق صلاۃ، تعظیم المساجد، زکاۃ اور بیت المال اور خدمت خلق وغیرہ کا انتظام کرے۔

② (الف) سرکاری اور عام تقریبات میں شراب پیش کرنے کی ممانعت کی جائے۔

(ب) افطار اور نماز کے وقت سرکاری محکموں، اسکولوں اور کالجوں وغیرہ کی طرف سے جلسے کرنے اور عصرانہ وغیرہ کو نماز کے اوقات میں جاری نہ رکھنے کا حکم دیا جائے۔

(ج) ماہ رمضان کے دوران سرکاری و عام تقریبات میں دوپہر کے کھانے کی دعوتوں اور چائے کی دعوتوں کے انتظامات پر پابندی لگائی جائے۔

③ الف: ایسی فلموں کی اجازت نہ دی جائے جن سے مذہبی جذبات مجروح ہوں، جن سے مملکت کی سلامتی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، جن میں اخلاقی پستی کا مظاہرہ کیا گیا ہو اور جو فحش ہوں۔

(ب) سنسر بورڈ میں ایسے افراد شامل کئے جائیں جو قومی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوں اور اسلامی نظریہ کو فروغ دینے کے اہل ہوں، ساتھ ہی ساتھ فحش ادب کی اشاعت اور فروخت پر پابندی لگائی جائے۔

④ ایسے نائٹ کلب چلانے کی اجازت نہ دی جائے جن میں عام شراب نوشی اور نیم عریاں رقص ہوتے ہوں۔

⑤ جو لوگ ملاوٹ کے مجرم پائے جائیں ان پر بھاری جرمانہ کیا جائے ان کی پوری املاک بھی ضبط کی جاسکتی ہیں اور عمر قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

⑥ بچوں کو اغوا کرنے والوں کو عمر قید کی سزا دی جائے۔

⑦ اسمگلنگ کی سزا دس سال قید رکھی جائے۔

⑧ مذہبی لٹریچر کی چھان بین کے لئے مرکزی سنسر بورڈ قائم کیا جائے اور لاہور و ڈھاکہ میں اس کی صوبائی شاخیں کھولی جائیں۔

⑨ ادب، فلم، اشتہارات، ریڈیو ٹیلیویژن پروگرام نقاشی، مجسمہ سازی، پینٹنگ، نائٹ کلب اور ثقافتی سرگرمیوں میں فحاشی اور عریانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے سخت پالیسی اختیار کی جائے۔

⑩ پبلک ہائی اسکولوں میں ایسی تعلیم دی جائے کہ طلباء قوم کی نظریاتی ضرورتیں پوری کرسکیں۔

مذکورہ بالا خبر انتہائی مسرت انگیز اور تنقید وتبصرہ سے بالاتر ہے، باقی جس رکن مشاورتی کونسل نے حرمت شراب کے مسئلہ پر اختلافی نوٹ لکھا ہے وہ بھی جانے پہچانے ہیں، انہی کی نگرانی میں بہت بڑا ادارہ تحقیقات اسلامی چل رہا ہے، کاش وہ اختلافی نوٹ میں ان آیات واحادیث کی نشاندہی بھی کردیتے جن پر ان کا اختلافی نوٹ مبنی ہے، ہمیں بھی غور کرنے کا موقعہ ملتا۔

بہرحال مشاورتی کونسل کو اور خصوصاً اس کے صدر محترم کو ہم مبارکباد دیتے ہیں کہ تین سال کے عرصہ میں ہی سہی پہلی حق کی آواز تو اٹھائی گئی۔ اب مرکزی اسمبلی کا فرض ہے کہ جلد از جلد ان سفارشات کو آئینی شکل

دے کر قانون سازی کی رسمی کارروائی پوری کردے اور حکومت بلا تاخیر ان قوانین کو نافذ کردے۔

ہم بار بار صاف طور پر یہ کہہ چکے ہیں کہ مرکزی اسمبلی کا منصب ملک کے قانون کو شریعت کے مطابق بنانے کے بارے میں صرف شرعی احکام کو رسمی قانون کی شکل دینا ہے اور بس، درحقیقت احکام شریعہ الٰہیہ ان کی قانون سازی کے دائرہ سے بالاتر ہیں، اسی طرح مشاورتی کونسل کا منصب یہ ہے کہ وہ صحیح احکام شرعیہ کی نشاندہی کرے اور قانون ساز اسمبلی کا فرض ہے کہ وہ ان کو قانونی شکل دے دے اور حکومت کا فرض یہ ہے کہ وہ ان کو نافذ کردے، نہ کسی کو ان میں ترمیم وتصرف کا حق ہے، نہ ان کی منظوری کے لئے کثرت وقلت رائے کا سوال ہے، قانون سازی کا دائرہ درحقیقت مملکت کے انتظامی امور اور اداری نظم ونسق تک محدود ہے۔

اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل سے ہم متوقع ہیں کہ وہ مملکت کے دستور جس کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی گئی ہے، کے تحت تدریجی طور پر مگر تیز رفتاری کے ساتھ پوری شریعت اسلامیہ کے ملک میں اجراء کے لئے عملی اقدامات کرے، چند مسائل کی سفارشات وہ بھی زمانہ دراز میں اور چند جزوی احکام کے نفاذ کے لئے محکمہ امور مذہبی کے قیام کا مطالبہ یہ سب ناتمام تصورات ہیں، یاد رکھئے ان چند جزوی ہدایات وسفارشات کر دینے سے آپ شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، ہماری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس سلامی مملکت کو پوری شریعت اسلامیہ کو جلد از جلد ملک کا قانون بنا کر نافذ کردینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس اسلامی مملکت کو دینی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی غرض ہر اعتبار سے مستحکم ترین مملکت بنادیں اور اس وقت جبکہ بیشتر ممالک اسلامیہ آج قانون الٰہی کو چھوڑ کر فوضویت وانتشار، اختلال واضطراب اور فقدان استحکام کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں، ہماری حکومت پاکستان اسلامی شریعت کا ملک میں اجراء کرکے اسلامی دنیا میں سیادت وقیادت کی علمبردار بنے، صدر مملکت سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنی خداداد جرأت وقابلیت سے جس طرح ملک کے سیاسی استحکام اور اقتصادی ترقی کو اپنا نصیب العین بنا چکے ہیں اور اس میں شب وروز خاطر خواہ کامیابیاں وکامرانیاں حاصل کررہے ہیں، اسی طرح شریعت الٰہیہ کے نفاذ واجراء کو بھی اپنا مقصد حیات بنا کر دنیا وآخرت کی دائمی سرخ روئی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کہ دوبارہ مسند صدارت پر ان کو جلوہ آرائی کا موقعہ نصیب فرمایا ہے، عملی شکریہ ادا کریں اور اللہ جل شانہٗ کی مزید نعمت ورحمت سے سرفراز ہوں، ﴿لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید﴾.

[ربیع الاول ۱۳۸۵ھ-اگست ۱۹۶۵ء]

انسانیت کی نجات اور فلاح وبہبود کا راستہ

ابھی حال ہی میں صدر محترم نے اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے اراکین کو شرف ملاقات بخش

ہے اور کچھ ہدایات بھی فرمائی ہیں (بحوالہ روزنامہ جنگ ۲۵ رمئی ٦٦ء)

ہمارا حسن ظن یہ ہی ہے کہ صدر محترم بغیر نام لئے ڈاکٹر فضل الرحمن کو جو کونسل کے اجلاس سے صرف دو روز پہلے پریس کو ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ بیان دے چکے ہیں اور اس میں اپنے غیر اسلامی نظریات کا اعلان کر چکے ہیں اور ان جیسے لوگوں کو اپنے خاص انداز میں نصیحت فرمانا چاہتے ہیں، ارشاد ہے ''ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسلامی نظریات سے مستقل رہنمائی حاصل کرنی چاہیے''۔

اسلامی تعلیمات نے عقل اور علم کو بہت بلند مرتبہ عطا کیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انسانیت کو اسلام سے جو راہنمائی ہوئی ہے اس کے لئے عقل و علم سے دلائل فراہم کئے جائیں۔

بالکل بجا ارشاد فرمایا روزمرہ کی زندگی میں مستقل طور پر راہنمائی کا منصب صرف آسمانی تعلیمات اور اسلامی نظریات ہی کو حاصل ہے، انسانی عقل اور تدبر و تفکر کا کام یہ ہے کہ وہ ان خداوندی تعلیمات اور اسلامی نظریات کو عام انسانی فہم سے قریب تر بنانے کی غرض سے ان کی تائید و تصدیق علم و حکمت اور سائنس کی نو بنو تحقیقات و اکتشافات کی روشنی میں اس طرح کرے کہ وحی الٰہی پر ایمان و بصیرت میں برابر اضافہ ہوتا رہے اور یقین و طمانیت جس کی روزہ مرہ کی زندگی میں نشاط کار اور یقین محکم پیدا کرنے کے لئے شدید ضرورت ہے، برابر بڑھتا رہے۔

یہی ماہنامہ بینات شروع سے ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے رفقاء کار کو سمجھانے اور باور کرانے کی کوشش کرتا رہا ہے کہ:

مذہب اسلام کے قطعی احکام میں قطع و برید اور تاویلات و تحریفات کرتے رہنے کے بجائے اسلام کی حقانیت کے دلائل و براہین علوم جدیدہ اور سائنسی تحقیقات کے ذریعہ مہیا کیجئے (ملاحظہ فرمایئے ادارہ تحقیقات اسلامی میں راقم السطور کی تقریر ماہنامہ بینات بابت ماہ ربیع الثانی ۸۴ھ)۔

اس کے بعد صدر محترم فرماتے ہیں کہ:

''اگر جدید زندگی کے مسائل کے حل کے لئے مذہب اور سائنس کے امتزاج سے ایک نیا فلسفہ تیار کیا جائے تو اسلامی تصور حیات کو زیادہ بہتر طور پر پیش کیا جا سکتا ہے''۔

نہ معلوم صدر محترم نے کس انداز میں یہ بات فرمائی ہے اور پریس میں کس انداز سے آئی ہے؟ لیکن جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کے اعتبار سے ہم سمجھتے ہیں کہ سابق الذکر ارشاد کے ساتھ اس کا جوڑ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ مذہب کا دائرہ عبادات، معاملات اور اخلاقیات کی تعلیمات سے نیز معاشرہ کی اصلاح و بہبود اور نظام معیشت کے قوانین کی تعیین و تجدید سے ہے، سائنس کا دائرہ اس سے بالکل الگ ہے، وہ کائناتی نظام میں حق تعالیٰ کے جو لامحدود قدرتی خزانے اور قدرتی وسائل کے ذخیرے چھپے ہوئے ہیں اور اب تک وہ انسان کی نگاہ سے اوجھل رہے ہیں، سائنس شب و روز ان کی تلاش و جستجو میں منہمک اور ان کو منظر عام پر لانے اور انسان کے لئے

قابل انتفاع بنانے میں مصروف ہے۔

اب رہا ان کا استعمال اور ان سے کام لینا یہ خود انسان کا کام ہے، مذہب اسی استعمال اور انتفاع میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کو انسانیت کی فلاح و ترقی میں استعمال کرنے کے طریقے متعین کرتا ہے اور انہی اکتشافات و ایجادات کے انسانیت کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بننے کے راستوں کی نشاندہی کرتا ہے اور ان راستوں میں ان خزائنِ قدرت کے استعمال کرنے کے ان خطرناک عواقب و نتائج سے جو ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار انسان کی نظر سے اوجھل رہتے ہیں، ڈراتا اور خبردار کرتا ہے، الغرض قدرت کے خزائن کو مذہب نسل انسانی کے لئے رحمت الٰہی بناتا ہے اور وحی الٰہی کی تعلیمات قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتی ہیں۔

اسی لئے روز مرہ کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کی مستقل رہنمائی کی اشد ضرورت ہے، جیسا کہ صدر محترم نے اپنی مذکورہ بالا صدارتی ہدایات میں اراکین مشاورتی کونسل کو تنبیہ فرمائی ہے۔

چنانچہ نہ صرف تجربہ بلکہ بالکل فی الوقت مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جب بھی اس اسیر ہوا و ہوس انسان نے ان قدرتی وسائل اور سائنس کے دریافت کردہ قدرتی ذخائر کو استعمال کرنے میں مذہب سے بغاوت کی ہے یہ دنیا انسانوں کے لئے جہنم بن گئی ہے۔

دنیا کی قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ ہی نہیں بلکہ موجودہ دور میں یورپین ممالک اور اقوام کے فلسفہ زندگی اور نظام معیشت اور تباہ کن فلسفہ حیات، جدید تہذیب و تمدن کی شکل میں جنم دیا ہے، جس کے مہلک نتائج آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ظاہر ہو رہے ہیں، نسل انسانی شدید ترین اخلاقی و اقتصادی تباہی میں گرفتار ہو کر کراہ رہی ہے، سکون و اطمینان مفقود ہو چکا ہے، دنیا دو گروپوں میں تقسیم ہو کر سائنسی ایجادات کے اسلحہ سے مسلح ہو کر ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے، سرد جنگ پورے عروج پر پہنچی ہوئی ہے ہر فریق اور اس کے حلیف زیادہ سے زیادہ خطرناک اور جہاں سوز ایٹمی اسلحہ تیار کرنے میں رات دن مصروف ہیں، حکومتوں اور قوموں کے تمام تر مالی وسائل اور پیداوار انسانیت کی فلاح و بہبود میں اور معیار زندگی کو بہتر بنانے میں صرف ہونے کے بجائے متوقع یا ممکنہ حملوں کے دفاع کی تیاریوں میں یا کمزور اقوام کی آزادیوں کو سلب کرنے میں صرف ہو رہے ہیں، طاقت ور اور ترقی یافتہ ممالک نے کیپٹل ازم یا کمیونزم کا ایسا تباہ کن اقتصادی اور سیاسی جال پھیلایا ہوا ہے کہ پست اور کمزور اقوام کے لئے ان میں سے کسی ایک میں پھنس کر شکار ہونا ناگزیر ہو گیا ہے، تو نو آزاد اور کمزور ممالک کے لئے ناطرفدار رہ کر اپنے مالی وسائل اور پیداوار کو صرف اپنی فلاح و بہبود پر صرف کرنا ناممکن ہو گیا ہے اور یہ سب کچھ مذہب اور وحی الٰہی کی تعلیمات سے بغاوت کا لازمی نتیجہ ہے۔

دوسری طرف اسی مذہب سے بغاوت نے ایک ایسی تباہ کن تہذیب و معاشرت کو جنم دیا ہے جس میں تمام اخلاقی قدریں، پرسکون عائلی زندگی کے فطری پاکیزہ رجحانات اور جان و مال اور عزت و آبرو کا امن کلی طور پر

تباہ ہو چکا ہے، جدید سائنس کی دریافت کردہ ایجادات واختراعات، عریانی، فحاشی بے لگام شہوت رانی کوفروغ دینے میں صرف ہو رہی ہیں، نو بنو امن سوز جرائم تازہ بتازہ جنسی بے راہ روی کے کارنامے اس قدر عام ہو گئے ہیں کہ ان ممالک کا سنجیدہ طبقہ ششدر اور حیران ہے کہ اپنی اس تہذیب وتمدن کی تباہ کاریوں کا مقابلہ یا روک تھام کس طرح کرے، کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ اخبارات کے صفحات اس تباہ کن گندی تہذیب کی تباہ کاری کی داستانوں سے خالی ہوتے ہوں، لیکن درحقیقت سائنس اور اس کی نو بنو ایجادات واختراعات اور جدید اکتشافات ہرگز اس تباہ کن جہان سوزی اور بے راہ روی کے ذمہ دار نہیں، سائنس اور اس کی ایجادات ہرگز انسان کو اس تباہ کاری، جہاں سوزی اور ہلاکت آفرینی کا درس یا ترغیب وتحریض ہرگز نہیں دیتیں، سائنس تو صرف حق تعالیٰ کے پیدا کردہ ان مخفی خزانوں ذخیروں اور طاقتوں کو جو اب تک انسان کی نگاہ سے اوجھل تھے، منظر عام پر لاتی ہے اور انسان کے سپرد کر دیتی ہے وہ خود گونگی بہری اور بے جان وبے حس ہے وہ کسی ذی عقل وذی ہوش مخلوق کی رہنمائی کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔

اب اگر ان نو دریافت شدہ قدرتی خزانوں اور ذخیروں کو ذی عقل وذی ہوش انسان مذہب یعنی وحی الٰہی کی راہنمائی میں استعمال کرتا اور ان سے نفع اٹھاتا ہے تو یہی ذخیرے اور خزانے نسل انسانی کے لئے خزائن رحمت بن جاتے ہیں اور اگر یہ خودسر اور ہوا پرست انسان مذہب اور تعلیمات وحی ونبوت سے بغاوت وسرتابی اختیار کرتا ہے تو یہی خزائن وذخائر قدرت نسل انسانی کے لئے قہر وغضب الٰہی کا سامان بن کر نسل انسانی کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔

اگر مذہب اور سائنس کے امتزاج سے صدر محترم کی مراد یہی مذہب کی رہنمائی اور بالادستی ہے تو ''چشم ما روشن دل ما شاد'' کیا عمدہ بات ہے اور کتنی اچھی نصیحت ہے، اس امتزاج نے اسلام کے عہد عروج میں جو اسلامی تصور حیات پیش کیا ہے اس کے آثار وبرکات کی تعریف میں نہ صرف مسلمان مؤرخین بلکہ یورپین مورخین بھی رطب اللسان ہیں اور اسلامی تہذیب وتمدن کے موضوع پر انہوں نے مستقل تصانیف لکھی ہیں۔

اور اگر خدا نا کردہ صدر محترم کی مراد یورپ وامریکہ کا خالص ہوا وہوس اور خود غرضی وخود پرستی کی اساس پر قائم شدہ مغربی تمدن اور نظام معیشت ومعاشرت ہے تو ہم بصد احترام صدر محترم سے عرض کریں گے کہ موجودہ مغربی تہذیب وتمدن نہ سائنس ہے اور نہ ہی اس کو سائنس کا تقاضہ کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں کہ مذہب اور سائنس دو بالکل علیحدہ اور مختلف الجنس چیزیں ہیں اور دو مختلف الجنس چیزوں کے اختلاط وامتزاج سے کسی نئے فلسفہ کے تیار کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

باقی رہی مغربی تہذیب وتمدن اور نظام معیشت تو اس کی ہلاکت آفرینیوں سے تو یورپین اقوام بھی پناہ مانگ رہی ہیں، سائنس کی ترقی کے ذریعہ انسان نے ان تباہ کاریوں کو اس درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ تمام آباد دنیا قطعی

اور یقینی ہلاکت کے کنارے پر کھڑی ہے۔

صدر محترم! آپ بچشم خود دیکھ رہے ہیں کہ سود و قمار کی بنیادوں پر قائم شدہ اقتصادی و تجارتی نظام شہوت رانی اور جنسی اختلاط و بے راہ روی کے آغوش میں پروان چڑھنے اور پرورش پانے والا معاشرہ، اخلاقی انارکی اور نو بنو جرائم کی جنم دینے والی سوسائٹی، انسانیت کش بہیمانہ رجحانات پیدا کرنے والی تعلیم و تربیت، سب اس بے لگام مغربی تہذیب کے برکات و ثمرات ہیں جنھوں نے انسانیت کی تمام تر مقدس قدروں کو یکسر پامال کر کے رکھ دیا ہے۔

اس لحاظ سے اس جدید تہذیب اور جدید سائنسی ترقیات کے دور میں تو مذہب کی بالادستی اور کنٹرول کی ضرورت ہزار درجہ پہلے سے زائد بڑھ گئی ہے، اگر سابق غیر متمدن عہد میں ایک شخص تیر و تفنگ سے ایک آدمی کو ہلاک کر سکتا تھا تو آج اسی ایک شخص کے صرف ایک بٹن دبا دینے سے کروڑوں انسان ہلاک ہوتے ہیں۔

ان حالات میں انسانیت کی نجات اور فلاح و بہبود کا راستہ اگر ہے تو وہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے روز مرہ کی زندگی میں مذہب یعنی وحی الٰہی اور تعلیمات نبوت کی بالادستی اور مستقل رہنمائی۔

اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذاہب عالم میں کامل ترین اور جامع ترین مذہب صرف اسلام ہے، اس لئے اب انسانیت کی نجات کا راستہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ انفرادی ہوں، خواہ اجتماعی صرف اسلام کی فرمانبرداری میں مضمر ہے، وحی ربانی کی یہ دعوت آج بھی نسل انسانی کو متنبہ اور خبردار کر رہی ہے:

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾

[آل عمران:۸۵]

جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کسی بھی دین کو اختیار کرے گا وہ دین ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا اور وہ آخرت میں (آخرکار) خسارہ میں پڑنے والوں میں شامل ہوگا۔

اور اعلام عام کر رہی:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَ
لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل:۹۷]

جو شخص بھی مرد ہو یا عورت نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ (خدا رسول پر) ایمان رکھتا ہو، ہم یقیناً اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو ضرور دیں گے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اور مسلمان حکمرانوں کو دین اسلام کو سمجھنے کی اور اس پر پورے طور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

هذا، وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه صفوة البرية سيد نا محمد وآله
واصحابه و بارك وسلم. [جون ۱۹۶۶ء۔ صفر ۱۳۸۶ھ]

فرضیت زکاۃ اور اس کی قطعیت

کون نہیں جانتا کہ زکاۃ بھی عبادت ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج عبادات ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ یہ چاروں اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، کلمہ شہادت کے ساتھ مل کر یہ پانچ ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور ان کی فرضیت کا عقیدہ دین اسلام کا متوارث اور متواتر عقیدہ ہے جو عہد نبوت سے آج تک مسلسل چلا آرہا ہے، جس کی تصدیق میں قرآن عظیم کی صدہا آیات اور سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ ولسلام) کی متواتر احادیث موجود ہیں۔ غرض کتاب وسنت اور اجماع وتوارث ہر دلیل و برہان سے زکاۃ کی فرضیت اور اس کا عبادت ہونا ثابت ہے۔ مکتب کا بچہ اور دار العلوم کا استاد اس عقیدہ کو یکساں طور پر جانتے اور مانتے ہیں۔

جس طرح نماز کی رکعتیں اور ان کی تحدید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ٹھیک اسی طرح زکاۃ کی شرح نقود یعنی سونا چاندی ہوں یا جاندار اموال یعنی مویشی ہوں یا زرعی پیداوار ہو سب کی شرح ادائیگی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلی آرہی ہے۔ زکاۃ وصدقات کے مصارف اور مستحقین خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعین فرمادیئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق صَرف اور تقسیم کرکے قولاً وعملاً واضح فرمادیا ہے۔ زکاۃ اور اس کی شرح ان احکام شرعیہ میں سے ہیں کہ عہد نبوت میں ہی ان کے تحفظ کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ نہ صرف خلفاء راشدین کو بلکہ تحصیل ووصول صدقات کے لئے جو عمال بھی مقرر ہوتے تھے ان کو یہ احکام لکھوا کر حوالہ کردیئے جاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زکاۃ کی شرح اور مصارف کی تفصیلات کو کسی کے اجتہاد اور قیاس ورائے پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے تعیین فرما کر ان کی قطعیت پر آخری مہر ثبت کردی، قیامت تک کے لئے کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ اس شرح میں ترمیم وتبدیل کرسکے۔

عہد صدیقی میں جب عرب کے چند مسلمان قبائل نے یہ خیال کرکے زکاۃ دینے سے انکار کیا کہ زکاۃ کی حیثیت سرکاری ٹیکس کی ہے، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو امیر امت اور سربراہ مملکت تھے دنیا سے رخصت ہوگئے تو اس ٹیکس (زکوۃ) کی ادائیگی بھی ختم ہوگئی اب زکاۃ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

تو اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کے مجمع میں فرمایا:

"واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ"

خدا کی قسم میں ہر اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا۔

نیز فرمایا:

"واللہ لو منعونی عقالا کانوا یودونها الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لقا تلتهم". (۱)

خدا کی قسم! اگر وہ مانعین زکاۃ ایک زکاۃ کا اونٹ باندھنے کی رسی بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے ضرور جنگ کروں گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کا مضمون بھی یہی ہے، جو صحیحین میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"ان رسول الله ﷺ قال امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله، و يقيموا الصلاة و يؤتوا الزكاة، فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دمائهم وحسابهم على الله". (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ اس پر عمل کرنے لگیں گے تب وہ مجھ سے (میری دست برد سے) اپنی جان اور مال کو محفوظ کر سکیں گے (مسلمان ہوجائیں گے اور ان کی جان و مال محفوظ ہوجائے گا) باقی ان (کے دلوں) کا حساب (کہ وہ دل سے مسلمان ہوئے یا نہیں) اللہ کے سپرد ہے۔

بینات ماہ رجب وشعبان کے شماروں میں اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان ہر دو فیصلوں کو تمام صحابہ کرام نے متفق الکلمہ قبول کرلیا امت کا یہ سب سے پہلا اور سب سے قوی اجماع ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد پیش آنے والے حادثہ نازلہ میں منعقد ہوا اور آج تک امت مسلمہ میں مسلّم چلا آرہا ہے، پہلا فیصلہ زکاۃ کے عبادت اور رکن اسلام ہونے کی قطعی دلیل ہے اور دوسرا فیصلہ شرح زکاۃ کے محدود ومتعین ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہی حقیقت تھی کہ جس طرح نماز عبادت ہے اسی طرح زکوۃ بھی عبادت ہے، وہ بدنی عبادت ہے اور یہ مالی عبادت ہے، قرآن کریم نے بھی واضح طور پر اعلان کیا ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ [التوبة: ۵]

پس اگر وہ (کفر وشرک سے) توبہ کرلیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، اسلام قبول کرلیں تو ان

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الزكوة، باب وجوب الزكوة ج: ۱ ص: ۱۸۸، ط: قديمی

(۲) صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم ج: ۱ ص: ۸، ط: قديمی. الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لااله الاالله... ج: ۱ ص: ۳۷، ط: قديمی

کا رستہ چھوڑ دو قتل و غارت سے ہاتھ روک لو۔

ڈائرکٹر (سربراہ) ادارہ تحقیقات اسلامی ڈاکٹر فضل الرحمن نے ادارے کے ترجمان ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ اکتوبر ۶۴ء میں نصوص قرآن میں قطع برید اور تحریف کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے ابدیت قرآن کے عنوان سے جو تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے اس میں تصریح فرماتے ہیں کہ:

''معاشرہ کی ضروریات کے لئے موجودہ شرح زکاۃ کافی نہیں حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے''۔

اور اسی رسالہ کے ایک اور محقق اور قلمی معاون ڈاکٹر رفیع اللہ نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی تائید میں فکر و نظر بابت ماہ نومبر ۶۵ء میں اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا اس میں وہ فرماتے ہیں:

''معیشت کی تبدیلیوں کی وجہ سے اس نصاب (زکاۃ) میں کچھ خامیاں پیدا ہوگئی ہیں اس لئے اس پر ایک تحقیقی نظر ڈالنا ضروری ہے''۔

پھر اپنی خانہ ساز تحقیق و تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

''اب اوسط نصاب زکوٰۃ ۲۹۳۹؍ روپے ہونا چاہیے اور آج کل کے ماہرین معاشیات کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ اس سے کم آمدنی والے لوگ ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں''۔

یہ تو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی اندرون خانہ تحقیقات سے متعلق چند سطریں ہیں، ۲۱ مئی ۶۶ء کو راولپنڈی میں اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس شروع ہونے سے دو دن پہلے ڈاکٹر صاحب موصوف پی پی اے کے نمائندے کو خصوصی انٹرویو دیتے ہیں کہ:

① قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکاۃ ہے۔

② یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے نہ صرف مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی پر صرف کیا جائے بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات بھی پوری کی جائیں، انہوں نے کہا: زمانہ قدیم میں مسلم مملکت کی ضروریات اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھیں جتنی آج کے زمانہ میں ہیں، جدید مملکت کے لئے معمولی شرح پر زکاۃ کا حصول بالکل بیکار ہے اور حاصل شدہ رقم سے اس کی مالی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں، اس لئے ڈاکٹر فضل الرحمن نے زور دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر شرح میں اضافہ کے ساتھ زکاۃ عائد کرنی کی ضرورت ہے۔''

اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس منعقد ہونے سے صرف دو دن پہلے ڈاکٹر فضل الرحمن جیسے رکن کونسل کے اس انٹرویو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یا کونسل کے ایجنڈے پر یہ مسئلہ موجود ہے ورنہ خود ڈاکٹر صاحب کونسل کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کرنے والے ہیں، چنانچہ پی پی اے کا نمائندہ اس عنوان سے یہ خبر دیتا ہے:

''اسلامی مشاورتی کونسل کے آئندہ اجلاس راولپنڈی میں تجویز پیش کی جائے گی کہ ملک کے بھاری

ترقیاتی اخراجات پورے کرنے کے لئے زکاۃ کی مقررہ شرعی شرح میں اضافہ کر کے وصول کی جائے''۔

پی پی اے کی اس خبر اور ڈاکٹر فضل الرحمن کے اس انٹرویو سے ملک میں سخت اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور ایک ہلچل مچ گئی، ملک کے ہر طبقہ کی جانب سے شدید مخالفت برہمی اور غیظ وغضب کا اظہار ہونے لگا تو ڈاکٹر صاحب کو تو یہ کہتے بنی کہ: (۱)

''یہ میرے ذاتی نظریات ہیں اسلامی مشاورتی کونسل اور اس کے ہونے والے اجلاس کی کارروائی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔'' (۲)

اور اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے چیئرمین علامہ علاء الدین صدیقی کو یہ تردیدی بیان دینا پڑا:

''کونسل میں زیر بحث مسائل سے متعلق امور پر ڈاکٹر فضل الرحمن کے ذاتی نظریات کو مشاورتی کونسل کی کارروائیوں سے خلط ملط کرنا غیر ضروری ناجائز اور نامناسب ہے''۔

یہ خلط ملط کرنے کا موقعہ خود ڈاکٹر فضل الرحمن نے عمدًا کونسل کے اجلاس شروع ہونے سے صرف دو دن پہلے انٹرویو دے کر پیدا کیا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسے غیر اسلامی نظریات کا نہ صرف مالک بلکہ ان کا پرچار کرنے والا شخص اسلامی مشاورتی کونسل کا رکن کیسے نامزد کیا گیا اور ایسے غیر ذمہ دار، غیر محتاط اور غیر اسلامی نظریات کا اعلان کرنے والے شخص کو کونسل کی رکنیت سے کیوں نہیں الگ کیا جاتا؟

ڈاکٹر فضل الرحمن کے متضاد بیانات یا قلابازیاں

پھر ایک طرف اندرون ملک ان کی سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی حمایت وسرپرستی کا یہ عالم ہے کہ اسی انٹرویو میں وہ فرماتے ہیں:

''ترقیاتی مقاصد کے لئے سرمایہ پر سود لگانا مذہب کی اسپرٹ کے منافی نہیں اور اس کا جواز موجود ہے''۔

نہ صرف یہ بلکہ وہ تین سال سے ماہنامہ فکر ونظر میں پورا زور قلم تجارتی سود کے جواز پر صرف کر رہے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں اور دوسری طرف وہ بیرون ملک امریکی پرنسٹن یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی مذاہب کانفرنس میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے کس جسارت کے ساتھ

---

(۱) درحقیقت ڈاکٹر فضل الرحمن عہد حاضر کے نہایت ''زیرک'' محقق ہیں وہ مشاورتی کونسل کے اجلاس سے صرف دو دن پہلے یہ انٹرویو دے کر قوم کی اسلامی حمیت اور غیرت ایمانی کا جائزہ لینا چاہتے تھے کہ مسلسل تین سال سے ماہنامہ فکر ونظر کے ذریعہ وہ جس الحاد کی تخم ریزی کر رہے ہیں وہ بیج پھولنے پھلنے کے قابل ہوا ہے یا سوخت ہو گیا۔ الحمدللہ! ابھی پاکستان کے مسلمانوں میں اتنی اسلامی حمیت ہے کہ وہ اسلام کی شہ رگوں پر کار روزنی کرنے والوں کی چھری کو کند کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ۱۲ مدیر

(۲) صحیح اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں، تصحیح از مدیر بینات، نوٹ! انجام کراچی مورخہ ۷ جون ۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب کا ایک وضاحتی بیان نظر سے گذرا آئندہ اشاعت میں اس کا جواب پیش کیا جائے گا۔

کمیونزم کی پرزور تائید کرتے ہیں، ارشاد ہے:

''بعض خصوصی سماجی حالات میں بیسوی صدی کا کامیاب مذہب کمیونزم ہے اس کی تردید نہیں کی جاسکتی''۔

دیکھئے کس قدر شاندار تضاد ہے، طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ کمیونزم کیپٹیل ازم (سرمایہ داری) کا سخت ترین مخالف اور سرسخت دشمن ہے مگر ڈاکٹر صاحب ہیں کہ ساری عمر سرمایہ داری کی علمبرداری کرنے اور اسی کے زیر سایہ پرورش پانے کے باوجود نہایت شدومد کے ساتھ کمیونزم کو بیسویں صدی کا کامیاب مذہب قرار دے رہے ہیں۔

ایک اور عجیب تضاد

پھر ایک طرف تو وہ اندرون ملک برابر تین سال سے اسلام کی تعمیر نو میں اپنا زور قلم صرف کررہے ہیں اور اسلام کی منصوص اور قطعی احکام کو موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لئے نو بنو تاویلیں اور تحریفیں کررہے ہیں اور اس مذکورہ بالا انٹرویو میں اسی مسئلہ سود پر علماء اسلام کو مذہبی لیڈر کے لفظ سے یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہوں نے کہا کہ'' اس سوال (مسئلہ سود) پر مذہبی لیڈروں نے غلط تاویل کی ہے، کیونکہ قرآن سود چارج کرنے کے سوال پر خاموش ہے''۔

اور علماء اسلام ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں مذہبی لیڈروں پر وہ جدید حالات میں اسلام کی تاویل نہ کرنے کی وجہ سے عوام کے ساتھ غداری کرنے کا الزام لگاتے ہیں:'' ارشاد ہے انہوں نے کہا کہ:'' مذہبی لیڈروں نے جدید حالات میں اسلام کی تاویل پیش نہ کرکے عوام کے ساتھ غداری کی ہے''۔

دوسری طرف وہ مذکورہ بالا کانفرنس میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے گوہرافشانی فرماتے ہیں:

''انہوں نے کہا کہ: موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لئے اسلام کی تاویل سے نفسیاتی نقصان پہنچا ہے، یہ مسلمانوں کے لئے خطرناک صورت حال ہے کیونکہ اگر وہ اپنی سوسائٹی کو جدید بنالیں جیسا کہ آج کل ہورہا ہے تو اسلام بحیثیت ایک سماجی طاقت کے ختم ہوجائے گا حالانکہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ انفرادی زندگی ہی میں نہیں بلکہ معاشرتی زندگی میں بھی ایک طاقت ہے''۔

اب آپ ہی بتلایئے غدار کون ہے؟ مذہبی لیڈر یا ہمارے یہ لامذہبی لیڈر؟ موجودہ زمانہ کے لئے اسلام کی تاویل نہ کرنے والے یا تاویل کرنے والے؟ یہ ہیں ہمارے واحد اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے سربراہ (ڈائریکٹر) اور واحد اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے رکن رکین کے متضاد افکار اور پراگندہ خیالات نہیں بلکہ منافقانہ دسیسہ کاریاں اور قلابازیاں۔

آپ اندرون ملک تجارتی سود اور ترقیاتی قرضوں پر سود لینے دینے کو جائز اور حلال کہہ کر سرمایہ کاری اور

سودی کاروبار کی یعنی سرمایہ داری کی بنیاد پر قائم نظام معیشت کی تائید اور ہمت افزائی فرماتے ہیں اور بیرون ملک پاکستان کے مندوب کی حیثیت سے بیسویں صدی کا کامیاب مذہب کمیونزم کو بتلاتے ہیں جو کیپٹیل ازم (سرمایہ داری کا) شدید ترین مخالف اور دشمن ہے۔

ایک ہی سانس میں کمیونزم کو بیسویں صدی کا کامیاب مذہب قرار دے کر کمیونزم کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنا اور دوسری طرف باصرار تمام تجارتی سود کو حلال اور سودی کاروبار کو جائز قرار دے کر سرمایہ داری کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنا ہمارے اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے سربراہ اور اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کے رکن رکین کا ایسا شاندار تضاد ہے کہ اس بیسویں صدی میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اور سنئے! چین سے خراج تحسین حاصل کرنے کی غرض سے اسی مذاہب کی کانفرنس میں ہمارے یہ پاکستانی مندوب فرماتے ہیں (پی پی، اے کا نمائندہ لکھتا ہے) مغربی ممالک اور امریکہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ عوامی جمہوریہ چین کو سمجھنے کی کوشش کریں جس کی آبادی ۷۰ کروڑ کے قریب ہے اور جہاں انسانوں کی بہت بڑی تعداد کو سماجی برائیوں سے نجات دلانے اور نیا سماجی اقتصادی نظام قائم کرنے کی زبردست کوشش کی جا رہی ہے، یہ بات ڈاکٹر فضل الرحمن نے بتائی جو پاکستانی مندوب کی حیثیت سے امریکی پرنسٹن یونیورسٹی کے زیر اہتمام مذاہب کی کانفرنس میں شریک ہوئے۔

کیا چین کی دوستی کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان اسلام کو چھوڑ کر کمیونزم کی ہمنوائی اختیار کرے؟ آج تو مارکس کے ملک میں بھی مارکسزم (کمیونزم) ختم ہو رہا ہے، کمیونزم تو درحقیقت ایک سیاسی حربہ ہے جو سرمایہ پرست قوموں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ سرمایہ پرست قوموں کے سود خوری کی بنیاد پر قائم شدہ نظام معیشت کا ردعمل ہے جو دنیا کی دوسری خصوصاً ایشیائی اقوام کا خون چوس رہا ہے، کیا ہمارے یہ لامذہبی لیڈر۔ ڈاکٹر فضل الرحمن۔ اسلام کے نظام معیشت کو ناقص قرار دے کر مذہبی لیڈروں۔ علماء اسلام۔ کو اس پر غداری کا طعنہ دیتے ہیں کہ وہ اسلام کو کمیونزم کی صورت میں پیش کیوں نہیں کرتے۔ فانا للہ!!

گویا ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کی روشنی میں اسلام، علماء اسلام اور حکومت پاکستان سب ہی عوام سے غداری کے مجرم ہیں کہ نہ وقت کے تقاضہ کو سمجھ رہے ہیں اور نہ پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مانا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کے ذاتی نظریات ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے متضاد اور غیر اسلامی نظریات کے نہ صرف مالک بلکہ بانگ دہل اندرون ملک اور بیرون ملک اعلان و اشاعت کرنے والے شخص کو ایک لمحہ کے لئے بھی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا سربراہ، اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل کا رکن باقی رکھا جا سکتا ہے؟ اور کیا اگر کسی دوسرے ادارہ کا سربراہ ملک کے باہر منعقد ہونے والی کسی کانفرنس میں اس طرح کا رسوا کن اور خود حکومت اور قوم کو مجرم گرداننے والا بیان دیتا تو کیا حکومت فوراً اس کو معزول نہ کر دیتی اور اس مجرمانہ بیان پر اس کو سزا نہ دیتی؟

ہم نہیں سمجھتے کہ ڈاکٹر فضل الرحمن ایسے نادان ہیں کہ وہ ایسے متضاد بیانات دیں جن کے تضاد کو ایک طفل مکتب بھی محسوس کرسکتا ہے وہ تو نہ صرف میکگل یونیورسٹی کے فاضل ہیں بلکہ برسوں میکگل یونیورسٹی اور دوسری یونی ورسٹیوں میں پروفیسر بھی رہے ہیں اور اپنے شفیق استاد مشہور مستشرق ڈاکٹر اسمتھ کے شاگرد رشید ہیں، وہ درحقیقت طے شدہ منصوبہ کے تحت اسلامی تحقیقاتی ادارہ پاکستان کے سربراہ بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ اپنے استاد ڈاکٹر اسمتھ اور دوسرے مستشرقین کی نیابت کریں۔ حکومت پاکستان غیر شعوری طور پر اس دسیسہ کاری کا شکار ہوگئی ہے لیکن اب تو ڈاکٹر صاحب کی حقیقت پاکستان کے ہر مسلمان پر عیاں ہوچکی ہے اب تو حکومت کا فرض ہے کہ ان کو نہ صرف ان کے غیر اسلامی نظریات کی بنا پر بلکہ غیر ممالک میں ان رسوا کن بیانات کی بنا پر فوراً ان عہدوں سے معزول کرکے ان کے خلاف محکمانہ کرروائی کرے اس لئے کہ ان کے یہ بیانات اسلام، علماء اسلام اور دستور پاکستان کے ساتھ غداری کے مرادف ہیں۔

اس وقت پوری قوم کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ''اسلامی تحقیقاتی ادارہ'' پر جو ملک کا لاکھوں روپے سالانہ سرمایہ صرف ہورہا ہے وہ نہ صرف ضائع جارہا ہے بلکہ اسلام کی بیخ کنی پر صرف ہورہا ہے اور متفقہ مطالبہ ہے کہ اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل اور اسلامی تحقیقاتی ادارہ کو جلد از جلد ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے ہمنوا قلمی معاونین سے پاک کردیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یہ بیان صرف اپنی مملکت خداداد پاکستان کے مفاد کے پیش نظر ہے اور محض دینی ذمہ واری کے احساس پر مبنی ہے، خدا شاہد ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ہمیں کوئی ذاتی عداوت نہیں بلکہ ہم نے تو ایک ڈیڑھ سال تک ان سے برادرانہ تعلقات بھی محض دین کی خاطر قائم رکھے اور ڈاکٹر صاحب کو کافی موقع دیا کہ وہ ملک وملت کی صحیح خدمات انجام دیں تو ہم بھی ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہیں اور خود ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر ادارہ تحقیقات اسلامیہ میں جاکر تقریر اور تبادلہ خیالات بھی کیا اور اپنے بے لوث جذبات کے اظہار میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن جب بالکل مایوسی ہوگئی تو اظہار حق کا فریضہ تو ہر چیز پر مقدم ہے اس لئے آج تین سال بعد یہ آواز اٹھانی پڑی ہے۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

[صفر ۱۳۸۶ھ - جون ۱۹۶۶ء]

عصر حاضر میں اسلام کی بے چارگی
اور اس کے خلاف دشمنوں کی سازش

(۱) انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس میں تمام اسلامی حقائق کو مسخ کیا جارہا ہے اور باطنیت والحاد کا جو فتنہ ہزار برس پہلے ظہور پذیر ہوچکا تھا آج تمام عالم میں پھیل گیا ہے اور جو بیج

پورے ایک ہزار برس پہلے بویا گیا تھا آج اس کے برگ وبار کے شباب کا دور ہے۔ اس وقت چونکہ عام مسلمانوں میں دین کا شغف، یقین کا رسوخ اور ایمان کی پختگی پائی جاتی تھی اس لئے یہ امکان نہ تھا کہ جدعوام کے ایمان کو ختم کیا جاسکے۔ پھر علماء امت میں ایسے اساطین اسلام موجود تھے جو ان کے زندقہ والحاد کے تاروپود بکھیر کے رکھ دیا کرتے تھے، ابوبکر باقلانی، امام الحرمین، امام غزالی، امام ابوحامد اسفرائینی، امام ابوالمظفر اسفرائینی، امام فورک جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے آسمان علم وتحقیق کے درخشاں ستارے تھے۔ بلکہ امام ابومنصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری سے لے کر عزالدین بن عبدالسلام اور حافظ ابن تیمیہ تک بزرگوں نے اسلام عقائد کی حیرت انگیز حفاظت فرمائی، جن کے قلم نے اسلامی حقائق کی حفاظت میں وہ کام کیا جو سلاطین اسلام کی تلوار نہ کرسکی، نیز ان محققین امت کو سلاطین اسلام کی سرپرستی بھی میسر تھی اور اسی ظل خداوندی کے سایہ عاطفت میں اعداء دین کی سرکوبی کرتے رہے۔ آج ظاہر ہے کہ نہ تو وہ محققین ہیں جو دین حق کی حفاظت کے لئے بے نیام تلوار تھے نہ وہ سلاطین اسلام ہیں جو حفظ دین کی خاطر میدان شہادت کے لئے تابانہ انداز میں سربکف تھے:

’’آں قدح بشکست وآں ساقی نماند‘‘

اور ان ملاحدہ نے آج میدان کو خالی دیکھ کر اور فضا کو سازگار سمجھ کر وہ شگوفے کھلانے شروع کردیئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، تحریف دین کا نام تحقیق اسلام ہے، الحاد فی الدین کا نام اظہار حقیقت ہے، حقائق دین کو اس طرح پامال ہوتا دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے، کیا کیا جائے ’’از ماست کہ برماست‘‘ اسلام کی غربت وبیچارگی کا یہ دور انتہائی حسرت ناک بھی ہے اور عبرت ناک بھی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور انتہائی تعجب ہے کہ بغیر سمجھے غزالی، ابن رشد، ابن مسکویہ وغیرہ کے نام لے کر ناظرین کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس میدان کے شہسوار ہیں تاکہ عوام یہ خیال کرنے لگیں کہ واقعی جو کچھ گوہر افشانی کر رہے ہیں اس کی بھی کوئی قیمت ہے، حالانکہ غور سے دیکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ جو کچھ فرما رہے ہیں محض نام ہیں۔ ما لهم بذلك من علم ان هم الا يخرصون (ان کو کچھ بھی علم نہیں ہے صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہیں)۔

قرآن کریم اللہ کا کلام اور وحی ہے

(۲) امت محمدیہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرح قدیم غیر مخلوق اور غیر حادث ہے، معتزلہ کا فرقہ جو اہل حق کے نزدیک حق سے بعید ہے انہوں نے فلسفہ یونان سے تاثر کی بنا پر کچھ موشگافیاں کیں اور تمام اہل سنت سے علیحدہ راستہ اختیار کیا وہ خالص علمی وکلامی بحث ہے جو ان صفحات کے لئے موزوں نہیں، قرآن کریم اور تمام کتب الٰہیہ کی تصریحات کے مطابق حضرت جبرئیل امین جو بارگاہ قدس کے مقرب ترین فرشتہ ہیں، وحی قرآنی کو محفوظ طریقے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارتے تھے جس کے

کلمات والفاظ میں حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ذرا تصرف کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

قرآن کریم میں اس انزال وتنزیل کی تعبیرات کی کوئی حد نہیں، ذیل میں اس بحر محیط کے چند موتی ملاحظہ ہوں:

(١) ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴾ [الشعراء:١٩٣تا١٩٥]

(٢) ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [البقرة:٩٧]

(٣) ﴿اٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ [النساء:١٣٦]

(٤) ﴿اَللهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾ [الزمر:٢٣]

(٥) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [البقرة:٢٣]

(٦) ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ [الفرقان:١]

(٧) ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴾ [الدهر:٢٣]

(٨) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ [النحل:٨٩]

(٩) ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل:٤٤]

(١٠) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ [الكهف:١]

(١١) ﴿وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾ [الانعام:١٥٥]

(١٢) ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [القدر:١]

(١٣) ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرة:١٨٥]

(١٤) ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [السجدة:٢]

(١٥) ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعرا:١٩٢]

(١٦) ﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ [محمد:٢]

① اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ منجملہ ڈرانے والے کے ہوں۔

② آپ یہ کہئے کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (ہوا کرے) اس نے تو قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے۔

③ تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے

رسول پر نازل فرمائی۔

④ اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔

⑤ اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندہ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو۔

⑥ بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

⑦ ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

⑧ اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنیوالا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت ہے۔

⑨ اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں وہ آپ ان سے ظاہر کردیں۔

⑩ تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی۔

⑪ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کی اتباع کرو۔

⑫ بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔

⑬ ماہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے۔

⑭ یہ نازل ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

⑮ اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔

⑯ اور ایمان لائے اس پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے اور حق ہے ان کے رب کی جانب سے ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآن کریم کی ان آیات کریمہ سے حسب ذیل حقائق خوب واضح ہو جاتے ہیں:

قرآن مجید حق تعالیٰ نے اتارا، جبرئیل امین کے ذریعہ اتارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا، ماہ رمضان میں اتارا، شب قدر میں اتارا، کس نے اتارا؟ کس کے ذریعہ سے اتارا؟ اس کا نام کیا ہے؟ اس کا لقب کیا ہے؟ کس پر اتارا؟ اس کا نام کیا ہے؟ کس ماہ اتارا؟ کس رات اتارا؟ کس مقصد کے لئے اتارا؟ وغیرہ۔ ان آیات مقدسہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ تمام تفصیلات موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں ان ہی کی تفصیلات موجود ہیں جنہیں ملحدین افسانہ کا نام دے کر بے وزن کرنا چاہتے ہیں۔ ان حقائق قرآنیہ کی روشنی میں تمام امت اسلامیہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور محفوظ ترین طریقے پر بواسطہ جبرئیل

امین اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ کے سینے میں اتارا اور آپ ﷺ نے اسی طرح بغیر ذرہ بھر تغیر کے امت تک پہنچا دیا یہ امت محمدیہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں کتنی بڑی جہالت کی بات ہے جو یہ کہے کہ قرآن کریم کا چشمہ پیغمبر کے سینے سے پھوٹ کر بہا، جبریل کوئی خارجی شئی نہیں، وحی کے لئے خارجیت نہیں، اس کے سوتے قلب مبارک سے نکلے اور قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو (معاذ اللہ) بایں معنی جیسے شاعروں کو کہا جاتا ہے تلامیذ الرحمن اور سچ تو یہ ہے کہ کفار و مستشرقین نے جو کچھ زہر اگلا تھا انہی کی ترجمانی کی جارہی ہے اور اسی قے کو چاٹا جارہا ہے، لیکن جمہور امت کے خوف سے کوشش یہ کی گئی کہ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھنسا کر اگر کچھ ایسی تعبیر کی جائے کہ گریز کا رستہ کچھ باقی رہے اور ساری لغویات وخرافات کے بعد یہ کہا جاسکے کہ جی ہاں اللہ کا کلام بھی ہے اور رسول کا کلام بھی ہے، پھر اس کی تاویل کی جائے اور چاہتے ہیں کہ اس کفر صریح کو الفاظ وتعبیرات کے پردوں میں چھپا کر پیش کریں اور یہ اللہ کے کلام کی تشریح کرنے والے مزید راندہ جرأت کر کے اسی کو غزالی اور شاہ ولی اللہ کا عقیدہ بتلاتے ہیں۔ لیکن ایمانی بصیرت سے محرومی کی وجہ سے عقل وفہم کا حال یہ ہے کہ عام وحی الٰہی نبوت اور نزول وحی کی کیفیات کی جو تشریحات یا تعبیرات ان بزرگوں سے منقول ہیں اس کو وحی قرآنی پر محمول کرتے چلے جاتے ہیں، سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ سب کچھ ایمانی بصیرت اور ایمانی نور سے محرومی کا نتیجہ ہے یا پھر ان حقائق الٰہیہ سے جہل عظیم کا ثمرہ ہے۔

خدارا! انصاف کیجئے کہ تمام قرآن اور تمام وحی کو پیغمبر کا اخلاقی تجربہ اور توسیع ذات بتلایا جائے کیا یہ صریح گمراہی نہیں اور ادب واحترام کے لہجے میں ایسی تعبیر کی جاتی ہے کہ عوام متاثر ہوں اور یہ خیال کریں کہ ان لکھنے والوں کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول کا بڑا احترام ہے، لیکن حقائق بین نگاہیں محسوس کرتی ہیں کہ اللہ دین اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ارشادات کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور اپنے سلف مستشرقین کی دلی آرزوؤں کو پورا کر کے وہ کام انجام دے رہے ہیں جو ان سے نہ ہوسکا۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے لئے اہل حضرات کون ہیں؟

یہ سطریں زیر قلم تھیں کہ یہ معلوم ہوا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر جو ان لغویات کے علمبردار تھے عوام کے احتجاج پر اپنے منصب سے برطرف کر دیئے گئے لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی رہنمائی میں ماہنامہ فکر ونظر اور اسلام وغیرہ کتابوں کے ذریعہ جو بیج ڈالا گیا ہے اس کا کیا کیا جائے گا؟

اب تک جتنا لٹریچر ظہور میں آیا ہے وہ ''غرق مئے ناب اولیٰ'' کا مصداق ہے جب تک اس کو دریا برد نہ کیا جائے اس وقت تک کیا اطمینان ہے کہ پھر بھی کچھ نہیں ہوگا اور ان تحریفات والحاد پر اس وقت تک جو پاکستان کے خزانے سے لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا ہے اس کا کیا تدارک کیا جائے گا؟ اور جو اپنے ہم خیال اسٹاف کو اپنے ارد

گرد جمع کیا تھا اس کا کیا حشر ہوگا؟ ضرورت اس کی ہے کہ یہ ادارہ امین ہاتھوں میں دیا جائے اور اس کی علمی و دینی معاونت کے لئے علماء امت میں سے معتمد ترین افراد کا انتخاب کیا جائے جن کے علم وتقوی پر جمہور امت کو اعتماد ہو اور وہ شرعی احکام ومسائل معلوم کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

اور یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان تحقیقات کے لئے دائرہ عمل متعین کیا جائے اور دین کے مسلمات کو زیر بحث لانے کی اجازت نہ دی جائے۔

جب تک یہ روک تھام نہ ہوگی اس وقت تک قابل اطمینان صورت ملک میں پیدا نہ ہوگی۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق

[رجب ۱۳۸۸ھ]

ادارہ تحقیقات اسلامی اور ڈاکٹر معصومی

مقام مسرت ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کا رخ بدل رہا ہے اور بجائے جدید استشراق، قدیم عہد سلف لے رہا ہے اور جناب ڈاکٹر معصومی صاحب کی سرپرستی میں اونچے پیمانے پر علمی و دینی تحقیق کا حق ادا ہو رہا ہے، ادارے کا جدید شاہ کار امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' کی طباعت اور اس کا ایڈٹ کرنا ہے، جس پر آئندہ اشاعت میں ایک مختصر بصیرت افروز مقالہ انشاء اللہ ناظرین کے سامنے آئے گا، مدت سے یہی تمنا تھی کہ ادارہ کے اساسی مقاصد اسی قسم کے ہونے چاہیئے تھے، خدا کرے استقامت نصیب ہو اور ملک وملت کے لاکھوں روپے صحیح دینی وعلمی مقاصد پر خرچ ہوں اور قدیم اسلام میں مستشرقین کے جدید اسلام کا پیوند لگانے کی کوشش نہ ہو، جدید علم کلام اور فقہ اسلامی کی صحیح خدمت ہو تاکہ اللہ تعالی اور اس کی مخلوق دونوں بیک وقت راضی ہوں۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق لکل خیر

[جمادی الاولی ۱۳۹۲ھ۔ جولائی ۱۹۷۲ء]

نزول قرآن کریم کا چہاردہ صد سالہ جشن

ادارہ تحقیقات اسلامی راولپنڈی کی طرف سے امسال ماہ فروری ۱۹۶۸ء میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں ممالک اسلامیہ اور عربیہ کی ممتاز شخصیتیں شامل ہوئیں، مندوبین میں السید محمد امین الحسینی الفلسطینی، مصر کے الاستاذ احمد حسن الباقوری مدیر الازہر، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کے ڈائرکٹر الاستاذ ڈاکٹر حب اللہ، الشیخ منصور محجوب لیبیا کے قاضی القضاۃ اور ہیئت کبار علماء کے مستشار، شام کے مفتی الشیخ احمد کفتارو، عراق کے الاستاذ جواد علی، ترکی کے ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان، ایران کے ڈاکٹر بدیع الزمان فیروز، مراکش

کے شیخ عبدالرحمن وکالی قائدین افواج کے مذہبی رہنما، تاشقند کے مفتی ضیاء الدین المعروف بابا خانوف وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اندرون ملک مشرقی ومغربی پاکستان کے مشاہیر اہل علم کو بھی دعوت دی گئی تھی بلکہ سنی شیعہ وغیرہ تمام طبقات کے نمائندے بلائے گئے تھے تمام مندوبین کے قیام کا انتظام ادارے کی طرف سے راولپنڈی کے سب سے بڑے ہوٹل ''انٹرکانٹی نینٹل'' میں کیا گیا تھا۔

مورخہ ۳؍ اکتوبر ۶۷ء کو ادارے کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی جانب سے راقم الحروف کو دعوت نامہ ملا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی قرآن کریم کے نزول بابرکت کے چہاردہ صد سالہ جشن کی تقریب سعید پر پاکستان اور تمام ممالک اسلامیہ کے اہل علم وفکر کی موتمر منعقد کر رہا ہے اور حکومت پاکستان نے اس کی سرپرستی منظور کر لی ہے، کانفرنس کا پروگرام آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ اس کانفرنس میں شرکت ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنے علم ودانش اور بصیرت دینی سے کانفرنس کے مندوبین اور ان کے ذریعہ تمام عالم اسلام کو مستفیض فرمائیں گے، آپ سے درخواست ہے کہ کانفرنس کے انعقاد کے دوران ادارہ تحقیقات اسلامی کو میزبانی کا شرف بخشیں، آپ کے سفر کے اخراجات بھی ادارے کے ذمہ ہوں گے اس دعوت کی شرکت کے شرف قبول سے جلد سے جلد مطلع فرمائیں وقت تھوڑا کام بہت ہے، آپ کی اعانت کے لئے ہم سب آپ کے ممنون ہوں گے۔

راقم الحروف نے جواب میں عرض کیا کہ دعوت منظور ہے بشرطیکہ حسب ذیل تین شرائط منظور فرمائیں:

① ممالک اسلامیہ کے مندوبین کے اسماء گرامی سے مطلع فرمائیں۔

② مؤتمر کے موضوعات میں سے مجھے کسی ایک موضوع پر مقالہ پیش کرنے کا حق دیا جائے۔

③ مقالات پر مناقشہ وتنقید کا حق حاصل ہو۔

جواباً ڈاکٹر صاحب نے تینوں شرطوں کو منظور فرمایا اور تحریر فرمایا کہ ''مجھے اور موتمر کی مجلس انتظامیہ کو بہت مسرت ہے کہ آپ نے موتمر میں شرکت کی دعوت قبول فرمائی۔''

۱۰؍ فروری کو انٹرکانٹی نینٹل کے ہال میں بڑے پیمانے پر اجلاس کا افتتاح ہوا مندوبین کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ کے سفراء بھی موجود تھے عام شرکت کے لئے دعوت نامے جاری کر دیئے گئے تھے۔

قرآن کریم کی تلاوت سے افتتاح ہوا اس کا افسوس رہا کہ افتتاحی تلاوت کے لئے نہایت ہی غیر معیاری قاری کا انتخاب ہوا تھا جس نے نہ صرف تجوید وحسن لہجہ ہی ساقط کر دیا تھا بلکہ قرآن کریم غلط بھی پڑھا اور [illegible] نے قرآن کریم نکال کر دیکھنے کے باوجود بھی غلطی کی اصلاح نہ کی حالانکہ عمدہ سے عمدہ قاری اس مجمع میں موجود تھے منتظمین کی اس فروگذاشت سے مجھے بے حد خفت ہوئی کہ باہر کے مندوبین کیا کہیں گے کہ اتنے اہم موقع پر ایسی غلط سلط تلاوت کی گئی۔

تلاوت قرآن کریم کے بعد پاکستان کے صدر محترم کا پیغام سنایا گیا اور اس کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمن

نے مصر، سوڈان، انڈونیشیا وغیرہ سے وصول شدہ پیغامات سنائے افتتاحی اجلاس انہی پیغامات پر ختم ہوا۔

۱۱رفروری کی صبح کو حضرت المفتی محمد امین الحسینی الفلسطینی کی صدارت میں ہوٹل کے بڑے ہال میں اجلاس شروع ہوا، تلاوت قرآن کریم اور ابتدائی کارروائی کے بعد مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری کے مقالہ سنانے کا نمبر تھا، لیکن موصوف نے فرمایا کہ میرا مقالہ گم ہوگیا چھپ نہیں سکا اور مجھے کچھ یاد بھی نہیں تاہم زبانی کچھ بیان دوں گا چنانچہ موصوف نے اجتہاد پر تقریر شروع کی زور دیا کہ اجتہاد باقی ہے بند نہیں ہوا اور عقل کی اہمیت پر تقریر کے دوران چند ساقط اور موضوع احادیث بھی سنائیں حالانکہ عقل وتدبر پر قرآن کریم واحادیث نبویہ صحیحہ کا ذخیرہ کافی تھا ان ہی سے استدلال کرتے تو بہت ہوتا، بہرحال تقریر کا یہ حصہ سکون سے سنا گیا موصوف نے اس کے بعد اجتہاد کے دائرے کو منصوصات قطعیہ تک وسیع کیا اور صاف فرمایا کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مقابلے میں بھی اجتہاد کا حق حاصل ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسا کیا، قرآن کریم نے مؤلفۃ القلوب کو بھی صدقات کا مصرف مقرر کیا، فاروق اعظمؓ نے اس کو ختم کیا۔ یک وقت تین طلاقوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق رجعی قرار دیا تھا فاروق اعظمؓ نے تین کو تین ہی رہنے دیا، جس طرح عمر فاروقؓ نے کیا آج ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ وقتی مصالح کے پیش نظر اجتہاد سے کام لے کر مسائل وقوانین کا فیصلہ کریں، موصوف کی تقریر کا یہ خلاصہ ہے۔

ظاہر ہے کہ تقریر کا یہ حصہ قطعاً تحقیق کے خلاف اور بڑی غلط فہمیوں پر مشتمل تھا اور قابل برداشت نہ تھا، راقم الحروف نے مجبور ہوکر صدر محترم کو مخاطب کیا کہ مقرر موضوع سے باہر ہوگیا ہے اور آپ چونکہ اردو نہیں سمجھتے اس لئے تنبیہ نہیں ہوا، براہ کرم اس کو روک دیں، چونکہ موصوف کی بات میرے نزدیک ناقابل برداشت تھی اس لئے طبعاً غصہ آنا چاہیے تھا چنانچہ شدید اور سخت لہجہ میں یہ احتجاج عربی زبان ہی میں کیا:

> "یاسیدی الرئیس! ارجوك ان تلجم هذا الخطیب فانه قد خرج عن موضوعه ووسع دائرة الاجتهاد الی النصوص القطعیة الصریحة ارجوکم ان تلجموه"

جناب صدر جلسہ! مقرر کو روکئے یہ اپنے موضوع سے نکل گئے ہیں اور انہوں نے نصوص صریحہ کو اجتہاد کے دائرے میں لانے کا دعویٰ کیا ہے اس لئے براہ کرم روک دیجئے۔

میرے احتجاج پر مشرقی پاکستان کے دو عالموں نے مندوبین میں سے کھڑے ہوکر احتجاج کیا، مفتی محمود صاحب نے صدر جلسہ سے تنقید کے حق کا مطالبہ کیا، مندوبین کے علاوہ ہال میں حاضرین [illegible] الغرض مقرر نے تقریر کو مختصر کرکے ختم کیا، سب سے پہلے ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی نے باجازت صدر عربی میں بہت عمدہ سلجھی ہوئی تقریر فرمائی کہ عقل کے دائرے کو جو شخص اتنا وسیع کرے کہ قرآن وحدیث کے صریح نصوص قطعیہ بھی اس کی زد میں آجائیں وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے، اس تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور عرب ممالک کے مندوبین بھی خوش ہو گئے اس کے بعد ڈاکٹر حب اللہ نے جو الازہر میں مجمع البحوث

الاسلامیہ کے ڈائرکٹر اور بڑے محقق عالم اور دینی تصلب وپختگی میں ممتاز ہیں، باجازت صدر نہایت عمدہ اور مؤثر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ افسوس کہ جناب مقرر نے جن احادیث سے عقل کی اہمیت بیان کی ہے، یہ احادیث بہت ہی ضعیف یا موضوعی ہیں اور عقل کا دائرہ شریعت کے اندر محدود ہے، عقل کو یہ آزادی کبھی نہیں دی گئی کہ شرائع الہیہ کے حدود سے باہر جائے، فلسفی عقل کے لئے شریعت میں کوئی جگہ نہیں، عملی عقل کا دائرہ وحی الٰہی کے دائرے میں ہے، باقی جو کچھ بقیہ تقریر کا حصہ تھا چونکہ وہ خالص اردو میں تھا اس لئے ڈاکٹر حب اللہ نہ سمجھ سکتے تھے، نہ اس کی تردید فرما سکے، آخر میں صدر محترم السید الحسینی نے تنقید کے لئے راقم الحروف کو دعوت دی، میں نے چاہا کہ عربی میں تقریر ہو لیکن اردو خواں حاضرین کا اصرار تھا کہ تقریر اردو میں ہوتا کہ ان کے پلے بھی کچھ پڑے، سابق دو تقریریں عربی میں تھیں میری تقریر وتنقید کا خلاصہ یہ تھا کہ:

میری تقریر ڈاکٹر حب اللہ صاحب کی تقریر ہی کا تکملہ ہے، امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو حکم شرعی قرآن وحدیث میں واضح طور پر آ گیا ہے نہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے نہ اس کی مخالفت کا امکان، اجتہاد کا دائرہ وہ حوادث وواقعات ہیں جہاں کتاب وسنت خاموش ہوں، جو جدید مسائل پیش آئیں ان میں قرآن وسنت نے اجتہاد کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کا حکم دیا ہے، ان مسائل میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا ان مسائل میں اجتہاد کو بند کرنا اسلام کو بدنام کرنا ہے، البتہ اجتہاد کے لئے اہلیت اجتہاد کی ضرورت ہوگی اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں کہ جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ بھی اجتہاد کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث میں جدید اجتہاد کے لئے بھی ایک فیصلہ کن ارشاد موجود ہے وہ حدیث حافظ نورالدین ہیثمی نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں بحوالہ معجم کبیر ومعجم اوسط طبرانی بروایت حضرت علی وحضرت ابن عباس نقل کی ہے، حضرت علیؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

> ''عن علی رضی اللہ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ، اذا نزل بنا امر لم یکن فیہ بیان لا امر و لا نہی فما تامرنا فیہ ؟ قال: شاوروا الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ، وفی روایۃ ولا تقضوا فیہ برای خاصۃ''. (۱)

---

(۱) یہ حدیث راقم الحروف کو ۱۳۴۶ھ سے یاد تھی، پہلی مرتبہ تو زبانی حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے سنی تھی، ایک دفعہ دار العلوم دیوبند میں مرحوم مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی ایک خاص وفد میں تشریف لائے تھے، موصوف نے حضرت شیخ سے جدید مسائل وحوادث کے بارے میں سوال کیا، حضرت شیخ نے فوراً برجستہ یہ حدیث بلفظہ سنادی، ہیثمی کی روایت بھی نقل فرمائی، یاد تو اسی رات ہوگئی تھی اور بعد میں اپنی یادداشت میں لکھ لی تھی، حضرت شیخ کی وفات کے بعد حافظ نور الدین ہیثمی کی یہ کتاب مصر سے چھپ کر آگئی تو پہلی جلد میں کتاب العلم میں یہ حدیث دوبارہ نظر سے گذری اور ایک ٹکڑا اس کتاب کا ہندوستان میں چھپا تھا اس میں بھی دیکھی، بہرحال یہ حدیث مجھے چالیس سال سے یاد تھی بعد میں الحمد للہ کہ میرے توسط سے اور ''بینات'' کے توسط سے بہت سے حضرات کو معلوم ہوئی، وللہ الحمد۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب ہمارے سامنے کوئی ایسا حادثہ پیش آئے جس کے بارے میں کوئی واضح حکم امر و نہی کا نہ ہو، اس کے متعلق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا: فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو اور اس میں شخصی رائے نافذ نہ کرو، ایک روایت میں یوں ہے کہ اس میں شخصی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

حافظ حدیث امام نورالدین ہیثمی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

ورجاله موثقون من اهل الصحيح(۱)

اسناد کے رواۃ سب ثقہ اور صحیح احادیث کے راوی ہیں۔

اس حدیث نبوی سے بات بالکل صاف ہوگئی اور حسب ذیل امور روشنی میں آ گئے:

(الف) جدید مسائل میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

(ب) جب جدید مسائل پیش آئیں تو سب سے پہلے قرآن و سنت کے بیانات کی طرف رجوع کیا جائے۔

(ج) اگر اس کے حکم سے قرآن و سنت دونوں خاموش ہیں کوئی صریح بیان نہیں ملتا تو اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کرنا چاہیے۔

(د) اجتہاد کے اصول دو ہیں:

① اجتہاد کرنے والے فقہاء ہوں جن کو دین کا فہم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

② شخصی اجتہاد سے گریز کیا جائے، بلکہ اجتماعی یا اجماعی اجتہاد کیا جائے، یعنی فقہاء و علماء مل کر غور کریں اور مسائل کا حل تلاش کریں، تنہا شخصی رائے قابل اعتماد نہیں۔

(ھ) اجتہاد کرنے والی جماعت، دینی فہم و تفقہ کے ساتھ صلاح و تقویٰ و خدا ترسی، کثرت عبادت سے متصف ہو۔

دیکھئے کتنی صفائی کے ساتھ جدید اجتہاد کے شرائط روشن ہوگئے اور اجتہاد کے لئے یہ سب بنیادی چیزیں ہیں اگر کسی میں تفقہ فی الدین کی اہلیت نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا اجتہاد بازیچہ اطفال قرار پائے گا، کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ گنجائش ہے کہ کسی انجینئر سے امراض کا علاج کرایا جائے یا کسی طبیب سے مکان کا نقشہ بنوایا جائے۔ جب یہ بات مسلم ہے کہ "كل فن له رجال" ہر فن کے لئے اپنے اپنے آدمی ہیں، تو اجتہاد کے لئے کیونکر اتنی آزادی دی جاسکتی ہے کہ ہر شخص کو اجتہاد کرنے کا حق ہے، جب دنیا کے ہر معمولی پیشہ کے لئے ماہر کی شرط لگائی جاتی ہے تو آخرت اور دین کے معاملے میں یہ شرط کیوں ساقط کردی جاتی ہے، حالانکہ دنیا تو محض عقل کے تابع ہے

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ج:۲ ص:۱۷۲، ط: دارالحرمین القاهرة.

مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۱۷، ط: دارالفکر بیروت

اور آخرت عقل کے ساتھ وحی الٰہی کی محتاج ہے۔

بہر حال اس صحیح حدیث کی روشنی میں جدید اجتہاد کا مسئلہ بالکل صاف ہوگیا اور ساتھ ہی ساتھ قرآن وسنت کی جامعیت کا بھی اندازہ ہوگیا، کوئی مرض ایسا نہیں کہ قرآن وسنت نے اس کی دوا تجویز نہ کردی ہو اور کوئی درد ایسا نہیں کہ شریعت اسلامیہ کے شفاخانے میں اس کا مرہم نہ موجود ہو۔

الحمد للہ میری اس مختصر تقریر کی تصور سے بالاتر قدر افزائی ہوئی اور سامعین کو فوق العادہ سکون ہوا، عربی ممالک کے مندوبین میں سے الشیخ عبدالرحمن وکالی مراکش ورباط کے مندوب نے اٹھ کر فرمایا:

یاشیخ! واللہ ان خطابك وهذا الحديث الذي ذكرته كان بلسماً لجروحنا

آپ کے اس بیان اور اس حدیث نے ہمارے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔

دوسرے دن اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا مقالہ بہت اہم تھا، اجلاس الاستاذ احمد حسن الباقوری (جمہوریہ مصر) کی صدارت میں شروع ہوا اور حضرت مفتی صاحب نے اپنا مقالہ اردو میں پڑھ کر سنایا جو تقسیم دولت اور اسلامی نظام معیشت پر تھا پسند کیا گیا بعد ازاں چائے کے وقفے کے بعد جناب مسعود چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف کا انگریزی میں مقالہ تھا جس میں قرآن کریم سے اشتراکیت یا سوشلزم کے اثبات کی کوشش کی گئی تھی اور علماء امت پر کچھ ناشائستہ انداز سے تنقید تھی، مقالہ انگریزی میں تھا مقالہ ختم کرنے کے بعد ہال میں شور اور غوغا آرائی ہوئی بلکہ اتنا شور ہوا کہ معاملہ قابو سے باہر ہوگیا آخر مولانا مفتی محمود صاحب نے استاذ باقوری سے تقریر کرنے کی اجازت لی کہ یہ ہنگامہ بغیر تردیدی تقریر کے خاموش نہیں ہوسکتا چنانچہ مفتی صاحب کی تقریر سے لوگوں کو تسلی ہوگئی اور اس روز کی مجلس بھی ختم ہوگئی۔

آخری دن ۱۳ رفروری ۱۹۶۸ء کو اختتامی اجلاس تھا خواجہ شہاب الدین وزیر مواصلات کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا، ابتدائی تلاوت قرآن کریم کے بعد وزیر قانون جناب ایس ایم ظفر صاحب نے سیمینار کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور معزز مندوبین کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا، تقریر انگریزی میں تھی، عربی ترجمہ ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب کررہے تھے اس روز کوئی اہم مقالہ نہ تھا آخر میں صدر محترم جناب خواجہ شہاب الدین صاحب نے ایک مبسوط مقالہ پڑھا، مقالہ اردو میں تھا اور جہاں تک اس کے پڑھنے کا تعلق تھا خواجہ صاحب نے بہت عمدہ خطیبانہ انداز سے پڑھا، اولاً سکون سے سنا گیا مقالہ کی روح یہ تھی کہ مسلمانوں کی پستی اور تنزل کا سبب سائنس سے ناواقفی ہے اور مغرب اور یورپ کی ترقی کا راز سربستہ سائنس سے فائدہ اٹھانے میں ہے اور قرآن کریم نے بھی اسی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء میں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جو ان سائنس کے علوم کو جانتے ہیں اور کائنات وکونیات سے واقف ہیں۔

ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی دعوت حق کو اسی بات میں منحصر کرنا اسلامی روح کے سراسر منافی ہے، قرآن تو

سب سے پہلے اصلاح نفوس وتزکیہ قلوب کی دعوت دیتا ہے، ایمان ویقین، توحید ورسالت اور مبدا ومعاد کا صحیح تصور پیش کرتا ہے، ہر ہر عمل پر محاسبہ آخرت اور جزا وسزا کا یقین دلوں میں اتارتا ہے، عقائد واعمال اور سیرت وکردار کی اصلاح کے ذریعہ انسانوں کو حیوانات کی صف سے نکال کر فرشتہ خصلت انسان بناتا ہے اور اس کے بعد دنیا کے ان وسائل سے صحیح فائدہ اٹھا کر خلق اللہ کی صحیح خدمت ان کے ذریعے کرانا چاہتا ہے اس طرح ان دنیوی وسائل کو ذاتی اقتدار اور ظلم واستبداد کا آلہ کار بننے سے بچاتا ہے۔

اہل فہم ودانش طبقہ کو خواجہ صاحب کے مقالہ سے اختلاف تھا لیکن ان کے منصب کا احترام کرتے ہوئے سکون سے سنتے رہے، لیکن ختم کے بعد نوجوان نسل سے برداشت نہ ہوسکا اور شور مچایا کہ خواجہ صاحب کے اس مقالہ پر تنقید کا موقع دیا جائے۔ بنوری یا مفتی محمود کو تردید کا وقت دیا جائے، چونکہ احتفال کی یہ آخری نشست تھی اور دیر کافی ہوچکی تھی اس لئے اجلاس تو منتشر ہوا لیکن شدید ہنگامہ ہوا خواجہ صاحب کو بھی عوام کی ناراضگی کا شدید احساس ہوا اور وہ جلد ہی چپکے سے تشریف لے گئے، راقم نے سب حضرات سے عرض کیا کہ آپ مطمئن رہیں اس کی صحیح تدبیر کی جائے گی، وقتی طور سے تردید اتنی مؤثر نہ ہوگی بلکہ جب یہ مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے شائع ہوگا تو اس کی تردید بھی ساتھ طبع ہوگی۔ اس صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے مرکزی وزیر قانون جناب محترم ایس ایم ظفر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کی قیام گاہ میں آکر ملنا چاہتا ہوں اور کچھ باتیں کرنی ہیں، چنانچہ وہ حسب وعدہ ٹھیک ۲/۱۲ بجے تشریف لائے اور قریباً ۴۵ منٹ بہت بے تکلفی سے مخلصانہ ماحول میں ان سب باتوں پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور الحمد للہ کہ موصوف کو ان باتوں سے بہت مطمئن پایا اور انہیں بہت دور سے پہچاننے اور قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا اور آئندہ کے لئے ان دینی موضوعات پر بھی تبادلہ خیال کرتے رہنے کا راستہ ہموار ہوگیا، مجھے خوشی ہوئی کہ وزیر موصوف کو میں نے ایک دردمند اور حساس دل رکھنے والا انسان محسوس کیا اور ان کے دل میں کام کرنے کے صحیح جذبہ اور تڑپ کا احساس ہوا اور ادارہ تحقیقات اسلامی سے ایک مرتبہ پھر یہ توقع ہوگئی کہ شاید وہ اس انداز سے کام کرسکے جس سے خالق ومخلوق دونوں راضی ہوں اور وقت کے تقاضوں کے مطابق صحیح قدم اٹھایا جاسکے۔ وزیر موصوف نے گفتگو کے بعد فرمایا کہ انشاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہوگی اس طرح یہ خصوصی مجلس اور عمومی اجلاس دونوں ختم ہوئے، رات کو تمام مندوبین کی دعوت شہرزاد ہوٹل اسلام آباد میں تھی، وزیر موصوف نے میرے مزید ٹھہرنے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن مجھے کراچی جلد پہنچنا ضروری تھا افسوس کہ اس خواہش کی تکمیل نہ کرسکا۔

رات کے اجتماع میں جناب ڈاکٹر حب اللہ کی بڑی اہم تقریر ہوئی جو سیمینار ہی میں ہونی چاہیے تھی چونکہ مجھے اس کا علم تھا کہ تقریر ہوگی اس لئے پہلے سے برادرم مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سے کہا تھا کہ ان کی تقریر ضبط کریں اس کا کچھ خلاصہ اسی شمارے میں دوسری جگہ ملے گا۔

یہ مجلس مذاکرات بہت ہی نافع ہوتی اگر وقت کم از کم ایک ہفتہ ہوتا اس میں شک نہیں کہ جناب وزیر قانون، ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اور بقیہ منتظمین نے بڑی عرق ریزی سے کام کیا تاہم یہ پہلا موقع تھا اس لئے بہت سی خامیاں رہ گئیں اور جتنی کامیابی کی توقع تھی وہ نہ ہوسکی، وقت بہت کم تھا تراجم کا انتظام تحریراً یا تقریراً نامکمل تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح خدمت علم، خدمت دین اور خدمت ملک کی توفیق عطا فرمائے تاکہ پاکستان کا علمی و دینی اور سیاسی وقار بڑھے، آمین۔

[ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ]

تفاسیر قرآن اور مسلمان قوم

آج کل یہ دیکھا گیا جو تحریک اسلام کی نام سے اٹھتی ہے اور جو شخص اسلام کا نام لے کر اٹھتا ہے، اس کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھ ڈالے۔ اس پچاس سال کے عرصہ میں اس ملک میں کتنی تحریکیں اٹھیں اور کتنی اب بھی موجود ہیں اور سب کا تختۂ مشق قرآن کریم ہے، کیا اچھا ہوتا ہے کہ اہل حق و اہل علم کی جو تفاسیر موجود ہیں انہی کو مشعل راہ بناتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے لیکن افسوس کہ وہ کس طرف جائیں اور کس کو صحیح سمجھیں۔ قرآن کریم حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ بلاشبہ جہاں اللہ تعالیٰ نے نصیحت و عبرت و عمل کے لئے آسان کر دیا ہے وہاں علوم و حقائق و معارف الٰہیہ کا وہ سمندر ناپیدا کنار ہے کہ جس کی تہہ تک پہنچنا کسی کی مجال نہیں ہے، اس لئے اکابر صحابہ جن کی زبان، اسلوب بیان اور اصطلاحیں تعبیر قرآن کریم نے اختیار کیں وہی اولین و بہترین مخاطب ہیں، ان کے سامنے اسباب نزول موجود ہیں ان کے سامنے وہ ماحول ہے جس میں قرآن نازل ہوا، ان کے سامنے وہ حیات مقدسہ ہے جو قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے، الغرض دنیا کی کوئی قوم اور کوئی دور ایسا نہیں کہ جو ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے، ان حالات و حیثیات کے ہوتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروقؓ سے لے کر تمام صحابہ کرام قرآن کی تفسیر کے اقدام سے گھبراتے تھے، ایک موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بلاشبہ حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اعلم الناس بالقرآن تھے، وہ فرماتے ہیں:

"اى سماء تظلنى واى ارض تقلنى اذا قلت فى كتاب الله برأيى"(۱)

یعنی اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کیونکر میں رہوں گا اگر قرآن کریم کی اپنی رائے سے تفسیر کروں۔

خلفاء راشدین کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہ بزرگ ہیں کہ حضرات

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، النوع السادس والثلاثون فی معرفة غریبه ج:۱ ص:۳۰٤، ط: بیروت. البرهان فی علوم القرآن للزرکشی، فی معرفة غریبة ج:۱ ص:۲۹۵، ط: دارالمعرفة بیروت. کنزالعمال، فصل فی حقوق القرآن ج:۲ ص:٤٤٥، ط: مؤسسة الرسالة بیروت

صحابہ اپنی مشکلات قرآن میں ان سے رجوع فرماتے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مجاہد نے جو کبار تابعین میں سے ہیں حضرت ابن عمرؓ سے تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا اور مشکلات حل فرمائیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے جس کو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں، اس لئے علماء امت اور ائمہ تفسیر نے پندرہ علموں کی مہارت قرآن سمجھنے کے لئے ضروری قرار دے دی ہے کہ جب تک ان علوم میں مہارت نہ ہو قرآن کریم کی تفسیر پر اس کو اقدام کرنا جائز ہی نہیں۔ لیکن افسوس کہ آج کل ہر شخص سمجھتا ہے کہ سب سے آسان کام یہی ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کا بیڑہ اٹھائیں پھر چاہے اسلام کا بیڑہ بھی غرق ہو جائے۔ اس سب کی نیتوں پر شبہ نہیں کرتا لیکن طرز عمل پر تنقید کرتا ہوں، یہ مانا کہ کہیں کہیں عمدہ بات اور بہتر توجیہ بھی کر لیتے ہیں لیکن کہیں اپنی رائے کی حریت اور علم کی کمی سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ ان کی تمام محنتوں پر پانی پھر جاتا ہے اور بسا اوقات وہ غلطی گمراہ کن اور خطرناک ہوتی ہے اور قطعی عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے، بطور مثال اس وقت ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور تفسیر قرآن

ہمارے ایک محترم نے سورۃ العصر کی تفسیر وتشریح میں حسب ذیل حقائق کا اظہار فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

الف: سورہ العصر میں نجات کی کم از کم چار شرائط بیان ہوئی ہیں اور ان سے کم پر نجات کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہاں کامیابی کی فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن کا تذکرہ نہیں بلکہ صرف آخری درجہ میں پاس ہونے کی شرح کا بیان ہو رہا ہے۔

ب: ایمان وعمل صالح، تواصی بالحق، تواصی بالصبر چاروں شرطیں لازمی ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ساقط نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے ذہنوں میں یہ بات غلط بیٹھ گئی ہے کہ ہر کلمہ گو کی نجات لازمی ہے گویا نجات کے لئے صرف ایمان اور اس کا بھی محض زبانی اقرار کافی ہے۔ (دیکھو انسان کا اصلی سرمایہ از: ڈاکٹر اسرار احمد خان، مطبوعہ ادارہ اشاعت علوم ملتان۔)

افسوس کہ اس وقت تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں صرف اجمالی واختصار سے چند باتیں عرض کرتا ہوں:

(ا) قرآن کریم اور احادیث نبویہ متواترہ اور اہل سنت والجماعت کی تصریحات ہیں کہ اصلی نجات یعنی کفر سے نجات جس کا نتیجہ خلود نار اور دوامی جہنم ہے، صرف ایمان پر ہے جو کلمہ شہادت میں ذکر ہے، بشرطیکہ دل وجان سے یہ عقیدہ ہو صرف زبانی اعتراف نہ ہو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ [النساء:٤٨]

یعنی بلاشبہ حق تعالیٰ شرک و کفر کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔

عمل صالح کو جزء ایمان ایسا ماننا کہ اس کے نہ ہونے سے نجات نہ ہو اور انسان کافر بن جائے، یہ مذہب خوارج کا ہے اور قریب اس کے معتزلہ کا مذہب ہے، بہر حال اس قسم کا نظریہ دور حاضر میں جناب مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں بہت زور و شور سے پیش کیا، شاید ہمارے محترم چونکہ ان کے رفیق کار تھے ان سے لیا گیا ہوگا اور مودودی صاحب سے پہلے غالباً مولانا فراہی صاحب مرحوم بھی اس قسم کی باتیں لکھ چکے ہیں، بہر حال کسی نے بھی کہا ہو یہ سراسر غلط ہے۔ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ پھر سورہ والعصر میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کو تیسرے درجہ کی کامیابی سمجھنا سراسر غلط ہے، وہ تو اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہوسکتا "وعملوا الصالحات" کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اسلام کی کوئی بات باقی نہیں رہی جو اس میں نہ آئی ہو۔

اس وقت تفصیل کا موقع نہیں ورنہ صاف صاف ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے جہاں ہمارے محترم سے غلطیاں ہوئی ہیں، دراصل باکمال اصحاب کی صحبت کے بغیر علم دین اور قرآن کریم کا فہم میسر نہیں آسکتا، اسی وجہ سے مودودی صاحب بھی ان خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوگئے کہ تعجب ہوتا ہے۔ نیز واضح ہو کہ ایمان یقین قلبی کا نام ہے محض زبانی اعتراف کا نام ایمان نہیں ہے، قلبی اعتقاد قطعی کے ساتھ زبانی اعتراف کی ضرورت ہے ورنہ محض زبانی اعتراف ہو اور دل میں اعتقاد نہ ہو یہ نفاق و زندقہ ہے اس کو ایمان کہنا ہی غلط ہے، اگر کوئی شخص دل میں تمام اسلامی عقائد کا یقین کامل رکھتا ہے لیکن اعمال صالحہ پر اس کی تقصیر ہے تو ابدی جہنم سے محفوظ ہوگیا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے معاف ہوجائے یا شفاعت سے معاف ہوجائے یا پھر سزا بقدر معاصی بھگتنے کے بعد نجات مل جائے، ایسی صورت میں مسلمان کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے اور کلمہ گو کے معنی یہ نہیں کہ محض زبانی اقرار ہو اور دل ایمان سے خالی ہو، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے اور انصاف نصیب فرمائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

[رمضان وشوال ۱۳۹۷ھ - ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۷ء]

"کتاب الزہد لابن المبارک" پر تبصرہ اور اس کا تعارف

حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ذخیرے کو محدثین امت نے آٹھ قسموں پر تقسیم کیا ① عقائد و توحید کی احادیث ② احکام شرعیہ ③ آداب و مکارم اخلاق ④ تفسیر قرآن ⑤ سیر و تاریخ ⑥ فتن و اشراط الساعۃ ⑦ مناقب و فضائل ⑧ زہد و رقاق، ان آٹھوں قسم کی احادیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث آخرت اور جنت کی نعمتوں کا شوق پیدا کریں اور ان سے دنیا اور دنیا کی نعمتوں کی طرف سے بے

رغبتی پیدا ہو، درحقیقت دنیا اور نعیم دنیا کی محبت ہی معاصی اور آخرت سے بے تعلقی کی بنیاد ہے۔ دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے، حضرت عبداللہ بن المبارک خراسانی کی یہ کتاب اسی سلسلہ کی مشہور ترین کتاب ہے اور شاید امت میں پہلی کتاب یہی ہو، بعضے ان کے معاصرین اور بعد کے کبار محدثین کی کتابیں بھی ہیں جن میں امام احمد بن حنبل کی ''کتاب الزہد'' معروف ومشہور ہے اور ملک عبدالعزیز بن سعود کی توجہ سے پہلی بار مکہ مکرمہ کے سرکاری پریس مطبعۃ ام القری میں ۱۳۵۷ء میں طبع ہو چکی ہے، اس طرح حافظ ابوبکر بیہقی کی بھی دو کتابیں اسی موضوع پر ہیں، الکبیر، الصغیر، الکبیر کا ایک عمدہ نسخہ راقم الحروف کے پاس بھی محفوظ موجود ہے، ہندو پاک کے بڑے محدث اور رجال حدیث کے محقق عالم اور امام العصر حضرت شیخ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ممتاز اور مایہ ناز تلمیذ حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی زیدت فیوضہ وبرکاتہٗ ہمارے بے حد شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے حضرت عبداللہ المبارک امام حدیث، فقیہ امت کی یہ کتاب الزھد آب وتاب سے شائع کرانے کی سعی فرمائی ہے۔ موصوف کے رشحاتِ قلم سے مجلس علمی کراچی وڈابھیل کے لئے مسند حمیدی کی تعلیقات ومقدمہ علمائے حدیث سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں اور عنقریب مجلس علمی کے لئے مصنف عبدالرزاق موصوف کے تحشیہ وتعلیقات ومقدمہ کے ساتھ جلوہ افروز ہونے والی ہے۔ مسند احمد پر محدث احمد شاکر مصری کے تحشیہ ومقدمات پر فاضلانہ ومحققانہ ومحدثانہ تنقید امت کے سامنے آ چکی ہے، عبداللہ بن المبارک خراسانی مروزیؒ امت محمدیہ کے ان افراد میں سے ہیں جن کے متعلق امام حدیث اسمٰعیل بن عیاش کا یہ جملہ بہت مشہور ہے:

> ''ما علی وجه الارض مثل عبد الله ابن المبارك ولا اعلم ان الله خلق خصلة من خصال الخير الا وقد جعلها الله فی عبد الله بن المبارك''۔(۱)

روئے زمین پر عبداللہ بن مبارک جیسا شخص نہیں اور اللہ تعالیٰ نے خیر کی جتنی خصلتیں پیدا کیں ہیں میرے علم کی حد تک وہ سب عبداللہ بن مبارک میں موجود ہیں۔

جس کو شارح بخاری کرمانیؒ، ابن الجوزی وخطیب بغدادی وغیرہ نے نقل کیا ہے، ان کی یہ قابل قدر کتاب موصوف کے نفیس مقدمہ وعمدہ ترین تعلیقات کے ساتھ امت کے سامنے آ رہی ہے۔ موصوف کی تحریرات کی خصوصیت ہے کہ فضول تطویل اور حشو سے پاک ہیں، مقدمہ یا تقدمہ نہایت عمدہ اور محققانہ ہے، کتاب کی افادیت کے لئے صاحب تعلیقات نے متعدد فہارس بنائی ہیں، فہرست ابواب، فہرست احادیث مرفوعہ، فہرست مراسیل، فہرست احادیث موقوفہ، فہرست آثار مقطوعہ، آخر کتاب میں استدراکات وتعقبات اور مفصل صحت نامہ۔ وقت کی اہم ضرورت اس کتاب سے پوری ہوگئی خدا کرے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو جائے تاکہ

---

(۱) تاریخ بغداد، ذکر من اسمه عبد الله واسم ابیه المبارك ج:۱۰ ص:۱۵۷، ط: دارالکتب العلمیة بیروت. البدایة والنهایة، سنة احدیٰ وثمانین ومأة، ج:۱۰ ص:۱۷۸، ط: مصر

عوام بھی براہ راست استفادہ کرسکیں۔

ملنے کا پتہ: مولانا محمد عثمان مکتبہ احیاء المعارف مشرقی اقبال روڈ، مالیگاؤں، ناسک، انڈیا۔

الابواب والتراجم پر تبصرہ

قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری شریف پہلی کتاب ہے کہ آج تک امت محمدیہ اس کی تشریح، تلخیص، ترجمہ وغیرہ میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کے جس معیار پر اس کو پہنچایا ہے کوئی کتاب بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتی، خطابی وابن بطال مغربی سے لے کر آج تک اس کی شروح کا سلسلہ جاری ہے اور کہا جاتا ہے کہ حافظ ابن حجر شافعی اور حافظ بدرالدین عینی حنفی نے مل کر اس کی شرح لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا کہ صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تشریح کا حق ابھی امت کے ذمہ باقی ہے، امام بخاری کے تراجم یعنی عنوانات ابواب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "فقه البخاری فی تراجمه" یعنی فقہی مسلک کی تحقیق اور دقت نظر امام کی انہی عنوانات میں جھلکتی ہے، اس لئے کبار محدثین اور اذکیاءِ محدثین نے ابواب وعنوانات کی مستقل شرحیں لکھی ہیں، حافظ حدیث امام ابوعبداللہ بن رشید السبتی کی کتاب "ترجمان التراجم" امام ناصرالدین احمد بن المنیر مالکی کی کتاب "المتواری علی تراجم البخاری" قاضی بدرالدین بن جماعہ کی تصنیف، الشیخ محمد بن منصور سجلماسی کی کتاب "فك اغراض البخاری المبهمة فی الجمع بین الحدیث والترجمة" وغیرہ وغیرہ اس سلسلہ کی مشہور تصانیف ہیں، آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کی کتاب بھی اسی موضوع پر بارہا طبع ہوئی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر طبع آزمائی فرمائی ہے، جب مالٹا میں اسارت کا زمانہ پورا کررہے تھے قرآن کریم کا ترجمہ وہیں مکمل فرمایا اور اس کے فوائد سورہ بقرہ، آل عمران، نساء کے مکمل فرمائے اور صحیح بخاری شریف کے ابواب وتراجم پر لکھنا شروع فرمادیا، ہمارے سامنے اس وقت جتنا ذخیرہ موجود ہے حضرت شیخ الہند کی یہ کتاب سب پر فوقیت رکھتی ہے، لیکن افسوس کہ کتاب بالکل ناتمام رہ گئی پوری نہ ہوسکی تاہم جس انداز سے موصوف نے ایک حصہ لکھا ہے اور چند کلی مقصد واشارات کے ذریعہ سے اغراض بخاری کی وضاحت فرمائی ہے وہ نہایت قابل قدر ہیں، عرصہ ہوا کہ یہ حصہ ایک مرتبہ دیوبند میں چھپ چکا تھا اور عرصہ سے مفقود تھا ہمارے محترم دوست مفتی اکبر علی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کی دوبارہ اشاعت فرمائی ہے اور اس عجالہ نافعہ کو دوبارہ عام کر دیا۔ مدرسین وطلباء بخاری پڑھنے پڑھانے والے امید ہے کہ اس کی پوری قدردانی کریں گے۔

پتہ: جناب مفتی اکبر علی صاحب، اشاعۃ القرآن بوائز سکینڈری اسکول بڑا میدان، کراچی نمبر ۱۸۔

[رجب ۱۳۸۷ھ]

تبصرہ بر رکن ایمان ترجمہ قرآن

از مولانا ابوالقاسم محمد عتیق بحر العلومی

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على سيدنا محمد المصطفى وآله وصحبه ماكفى وشفى.

امابعد! قرآن حکیم حق تعالیٰ کا آخری پیغام نجات ہے، قیامت تک کی آنے والے نسلوں کے لئے نسخہ شفاء ہے، الحمدللہ کہ امت مرحومہ نے ہر دور میں حتی المقدور عصری تقاضوں کے مطابق قرآنی خدمت کا حق ادا کیا، یوں تو قرآن کریم حق تعالیٰ کی کتاب ہے، مخلوق کے حیطہ قدرت سے اس کا حق ادا کرنا باہر ہے، وہ مخزن اسرار الٰہی ہے کہ زبان فیض ترجمان نبوت سے "لا تنقضي عجائبه" کی حقیقت کا انکشاف ہو چکا ہے، اس کے نہ لطائف ختم ہوں گے، نہ اسرار تک عقل کی رسائی ہو سکے گی، چونکہ وہ ایک ابدی پیغام حیات ونجات ہے، ہر قوم وملت اور ہر ملک ووطن کے باشندوں کے لئے چراغ راہ ہے اور تمام امت اس کی مخاطب ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کر دی ہے کہ ہر عہد میں عصری ذوق وتقاضے کے مطابق امت کو تفسیر وتشریح کی توفیق نصیب ہوئی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ گرامی مآثر محترم المقام مولانا ابوالقاسم محمد عتیق صاحب زیدت معالیہم نے ایک خاص انداز سے قرآنی خدمت انجام دی ہے:

① قرآن کریم کا اردو عمدہ با محاورہ واضح ترجمہ فرمایا اور جہاں تفہیم مقاصد کے لئے مزید توضیح کی ضرورت ہوئی تو قوسین میں کلمات کا اضافہ فرمایا تاکہ نفس ترجمہ سے مقصد کی تشریح ہو جائے اور تشنگی باقی نہ رہے۔

② حاشیہ پر ہر آیت کریمہ کا ایک عنوان مقرر فرمایا یہ بجائے خود ایک مستقل خدمت ہے۔

③ ہر آیت کریمہ کا مختصر عنوان الگ قائم فرمایا جو آیت کے موضوع کا کاشف ہے۔

④ جن آیات کریمہ سے حضرت رسالت پناہ فداہ ابی وامی ﷺ کی ذات گرامی یا کمالات نبوت میں کوئی وسوسہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اس کے ازالہ وتشفی کے لئے ایک مستقل عنوان کے ماتحت "التوضيح العجيب لآيات وردت في حق الحبيب" تالیف فرمائی جو ایک سو پچاس ایسی آیات کی تفسیر ہے۔

⑤ ترجمہ وحاشیہ کے تفسیری مضامین کے مآخذ علماء امت کی قابل اعتماد تفاسیر ہیں، جن کا حوالہ ہر مقام پر دیا گیا ہے۔

⑥ ترجمہ کا نام: "رکن ایمان ترجمہ قرآن" رکھا گیا۔

⑦ تمام اسماء ونام تاریخی ہیں جن سے مصنف کا استخراج تاریخ کا خصوصی ذوق معلوم ہوتا ہے۔

⑧ مصنف محترم حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ملا نظام الدین مرحوم

جن کے نام نامی سے درس نظامی معروف ومشہور ہے، ان کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں گویا مصنف ومترجم موصوف کو یہ ذوق ورثہ میں ملا ہے، بہر حال دور حاضر میں قرآن کریم کی عمدہ خدمت ہے جو انتہائی قابل قدر ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا موصوف کی خدمت عوام وخواص دونوں میں مقبول ہوگی اور حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں خلعت قبول سے سرفراز ہوگی۔

والله سبحانه ولی کل توفیق

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ/اگست ۱۹۷۰ء]

التقریظ والانتقاد

اختلاف الفقهاء للطحاوی رحمه الله

یا

”مختصر اختلاف الفقهاء للرازی رحمه الله“

بلاشبہ علوم دینیہ اور علوم اسلامیہ میں فقہ یا تفقہ فی الدین کو جو مقام حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے، صرف قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ اور صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث ہی اس کی مزیت اور اہمیت ثابت کرنے کے کافی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة: ۱۲۲]

سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان میں کا ایک حصہ (گروہ) تا کہ وہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا کہ وہ خبر پہنچاویں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ بھی بچتے رہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”ومن یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین“(۱)

(رواه البخاری ومسلم من حدیث معاویة والترمذی من حدیث ابن عباس وابن ماجه من حدیث ابی هریرة)

اللہ تعالیٰ جس کو خیر پہنچانا چاہتے ہیں اسے دین میں تفقہ اور سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین ج:۱ ص:۱۶، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الزکوة، باب النهی عن المسئلة ج:۱ ص:۳۳۳، ط: قدیمی. ایضاً کتاب الامارة، باب قوله ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق ج:۲ ص:۱۴۳، ط: قدیمی. سنن الترمذی، ابواب العلم عن رسول الله ﷺ، باب اذا اراد الله بعبد خیرا فقهه فی الدین ج:۲ ص: ۸۹، ط: فاروق کتب خانه ملتان. سنن ابن ماجه، المقدمة، فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص: ۲۰، ط: قدیمی

لیکن یہ علم جتنا اہم ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے اس لئے ہر اسلامی دور میں عام محدثین کی تعداد کے اعتبار سے فقہاء کی تعداد بہت کم رہی ہے، صحابہ کرام کے عہد مبارک سے لے کر قرونِ متوسطہ تک اسی تناسب سے یہ سلسلہ جاری رہا ظاہر ہے کہ دراصل تفقہ فی الدین یا فقہ کا تعلق فوق العادہ دماغی صلاحیتوں کے بعد انتہائی غور وفکر کی اہلیت سے ہوتا ہے، اسی لئے مفکرین اور ''ارباب رائی'' کی تعداد ہر دور میں کم ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے چونکہ انسانی عقول متفاوت پیدا کی ہیں چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات کو ہر عقل پا سکے، اس لئے اجتہادی مسائل میں اختلاف ناگزیر تھا، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کریمہ دینِ اسلام کے دو اساس ہیں، لیکن تمام مسائل دین کو دقیق وعمیق حکمت کی بنا پر ان کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا گیا اور امت کے فقہاء کو موقع دیا گیا کہ وہ خود غور وخوض کر کے ان مسائل کا استخراج واستنباط کریں اور اس اختلاف کو نہ صرف یہ کہ برداشت کیا گیا بلکہ قانونی مقام دیا گیا، اسی لئے عہد صحابہ اور عہد سلف ہی سے یہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کا سلسلہ جاری رہا۔ مسند احمد وسنن ابی داؤد وغیرہ میں ''حدیث معاذ'' اجتہاد وتفقہ فی الدین کی بنیادی حدیث ہے اور اسی بنیاد پر تمام فقہاء اسلام کا طرزِ عمل رہا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اگرچہ یہ کوشش کی کہ اپنے دور کے ممتاز محدثین اور ارباب فکر ونظر اور اصحاب ورع وتقوی کو ایک مرکز پر جمع کر کے فقہ کا شورائی نظام قائم کریں اور بقول موفق مکی اپنے عہد کے ممتاز چالیس ارباب حدیث واصحاب فقہ اور ارباب ورع وتقوی کی ایک جمعیت کی بنائی گئی تھی اور اس مجلس میں مہینوں بعض مسائل زیر بحث رہتے تھے لیکن اس کے باوجود بہت سے مسائل میں اتفاق نہ ہو پاتا تھا اور اختلاف باقی رہتا تھا تاہم ظاہر ہے کہ اس شورائی فقہی مذہب میں جو پختگی ہو سکتی تھی انفرادی مذاہب میں وہ پختگی نہیں پیدا ہو سکی۔

بہر حال مجتہد کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ قرآن وحدیث اس کے پیش نظر ہوں وہاں یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ اپنے سے پہلے عہد کے سلف صالحین کے اقوال وآراء بھی اس کے پیش نظر رہیں تاکہ ''رائی'' قائم کرنے میں پوری بصیرت میسر آ سکے اسی مقصد کے تحت امام ابوحنیفہ نے قضایا صحابہ پر ایک مستقل کتاب لکھی اور شاید ابو حنیفہ امت میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے صحابہ کے اقوال وآراء کو مدون فرمایا، کاش! اگر امت کو یہ جوہر گرانمایہ مل جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

غرض یہ کہ فقہاء امت کے اقوال وآراء وافکار امت مسلمہ کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں اس کی حفاظت بہت ضروری ہے یہ اہم ترین ترکہ ہوتا ہے جو امت کو اپنے اسلاف میں ملتا ہے اسی وجہ سے جن علماء امت نے اپنی تالیفات میں اس سرمایہ کو محفوظ فرمایا ہے ان کا امت پر بڑا احسان ہے ان نفوس قدسیہ میں چند حضرات حسب ذیل ہیں:

۱. امام محمد بن نصر المروزی المتوفی ۲۹٤ھ

۲. امام ابو بکر محمد بن المنذر المتوفی ۳۰۹ھ

٣. امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ٣١٠ھ

٤. ابو حنيفة نعمان بن محمد المغربی

٥. ابو بکر الطبری الحنفی

٦. امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی ٣٢١ھ

٧. امام محمد بن محمد الباهلی الشافعی ٣٢١ھ

٨. ابو يحيی زکریا الساجی.

یہ چند حضرات تو قدماء میں سے ہیں باقی قرن سادس میں قابل ذکر ابو المظفر یحیی بن محمد بن ہبیرۃ الحنبلی کی کتاب الاشراف ہے اور ابو علی الحسین النعمانی کی کتاب ہے۔

باقی وہ علماء و محدثین جنہوں نے اپنی ضخیم مؤلفات میں مذاہب ائمہ کے بیان کرنے کا التزام کیا ہے ان میں حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی ہیں جن کی کتاب "الاستذکار لمذاهب علماء الامصار" قابل قدر کتاب ہے، جس کی ایک جلد اس وقت "المجلس العلمی للشئون الاسلامية" مصر کی توجہ سے طبع ہوگئی ہے اور ہمارے پاس آگئی ہے۔ ابن رشد اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں اسی الاستذکار سے مذاہب نقل کرتے ہیں۔

امام نووی شافعی کی شرح المہذب امام ابن قدامۃ الموفق حنبلی کی کتاب "المغنی" امام بدر الدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری مطبوعات میں اور نخب الافکار شرح شرح معانی الآثار مخطوطات میں قابل ذکر کتابیں ہیں۔ متاخرین میں سے امام شعرانی اور عبد الرحمن دمشقی کی کتابیں مشہور ہیں، اس فن کی کتابوں کی مزاولت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سینکڑوں کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، ہندوستان کے علما میں سے قابل ذکر شخصیت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ہے جنہوں نے اپنی تفسیر مظہری میں تحقیق مذاہب اور ان کے ادلّہ کے بیان میں دادِ تحقیق حاصل کی ہے۔ جزاهم الله جميعاً خير مايجزى عباده المحسنين، بہر حال ان کتابوں کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد نے امام طحاوی کی کتاب اختلاف الفقہاء کا ایک قطعہ جو شائع کیا ہے یہ ادارہ کی قابل قدر خدمت ہے اور علمی کتب خانے میں قابل قدر اضافہ ہے، کاش ابتداء ہی سے ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کا رخ اس طرف ہوتا تو آج تک خاصہ بڑا علمی ذخیرہ جمع ہو جاتا اور اس وقت تک جو ایک کروڑ سے زیادہ روپیہ اس ادارہ پر خرچ ہو چکا ہے، اس کا قابل ذکر نتیجہ سامنے آجاتا اگر سابق ڈاکٹر اور ڈائرکٹر کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی تو ادارہ تحقیقات کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

جناب ڈاکٹر صغیر حسین صاحب معصومی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے اس کتاب کو حاصل کر کے بہت عرق ریزی سے اس کو آڈٹ کیا اور اس پر ایک قابل قدر بصیرت افروز مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود

ایک نہایت مفید مقالہ ہے، مقدمہ میں ائمہ اجتہاد کے اختلافات کی اہمیت اور تفقہ واجتہاد کے باب کی ضرورت واہمیت کو واضح فرمایا ہے اور فروعی اختلاف کی حکمت اور امت میں اس کے رحمت ہونے کی وضاحت فرمائی ہے اور یہ بالکل صحیح کہا ہے کہ اصول وعقائد میں اختلاف تو عذاب الٰہی ہے لیکن فروعی مسائل میں اختلاف بلاشبہ رحمت الٰہی ہے۔ الحمد للہ کہ راقم الحروف ہی کے قلم سے بینات کے صفحات پر اس موضوع پر ایک بصیرت افروز مضمون آ چکا ہے، بہرصورت کسی قلمی مخطوطہ کو طباعت کے لئے آراستہ کرنے اور مقدمات لکھ کر ان کو نافع سے نافع تر بنانے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اس کی حقیقت وہی شخص جانتا ہے جو ان صحراؤں کی بادہ پیمائی کر چکا ہو:

دربیاباں گر زشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

مقدمہ کے صفحہ ۱۲ر پر مروزی کا نام احمد بن نصر ذکر کیا ہے صحیح محمد بن نصر ہے۔

ڈاکٹر معصومی کی رائے سے اختلاف

جناب ڈاکٹر معصومی صاحب نے اس طبع شدہ حصہ کو امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ کی اصل کتاب کا ہی حصہ قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون حاجی خلیفہ اور محقق عصر شیخ محمد زاہد کوثری کی رائے سے اختلاف کیا ہے، صاحب کشف الظنون کی رائے یہ ہے کہ امام طحاوی نے ایک مبسوط کتاب ''اختلاف الفقہاء'' لکھی ہے جو ایک سو تیس جزء سے زائد میں ہے اور شیخ کوثری نے بھی الحاوی وغیرہ میں اسی کا ذکر کیا ہے اور قاہرہ میں کتاب کا جو حصہ موجود ہے وہ امام ابوبکر جصاص رازی کی کتاب کا حصہ ہے جو امام طحاوی کی کتاب کا اختصار ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ ان اجزاء سے حدیثی اجزاء مراد ہیں جو آج کل کے عرف کے مطابق دس بارہ جزء کا ایک مجلد بن جاتا ہے، گویا اس حساب سے امام طحاوی کی تالیف دس بارہ اجزاء (مجلدات) میں ہوگی، حاجی خلیفہ بہرحال اس فن کے امام ہیں مخطوطات پر جو ان کی نظر ہے اس کی وسعت سے کون انکار کر سکتا ہے، نیز شیخ کوثری بھی اس دور میں قابل حیرت وسیع النظر محقق ہوئے ہیں ان کی وسعت نظر اور تحقیقی نگاہ میں کلام کی گنجائش نہیں، نیز عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات کا اثبات کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا نافی ہے (اس کی نفی کرتا ہے) تو مثبت کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح ابن ندیم کا یا آخری دور میں خضری مصری کا یہ کہنا کہ طحاوی نے اپنی اس کتاب کا اہتمام نہیں کیا قابل اعتبار نہیں، علاوہ ازیں جو شخص بھی امام طحاوی کی تصانیف کی مزاولت کے نتیجہ میں ان کے انداز سے واقف ہو وہ غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ امام طحاوی کی اصل کتاب نہیں ہے، نیز ظاہر یہ ہے کہ طحاوی کی اصل کتاب اس لئے بھی طویل ہوگی کہ وہ اپنی تصانیف میں جو اخبار و آثار اور روایات پیش کرتے ہیں اپنی اسناد سے پیش کرتے ہیں، ان اسانید کو ہی اختصار کرنے والے نے حذف کیا ہوگا اور یہی عام طور سے ارباب اختصار کیا کرتے ہیں، ثبوت کے

لئے جامع بیان العلم جو حافظ ابن عبد البر کی کتاب ہے اس کی تلخیص دیکھ لیجئے۔

امام طحاوی کی مشکل الآثار کے اختصار کو اور اختصار کے اختصار کو دیکھ لیجئے، بہر حال یہ تو عام شواہد ہیں اور ذوقی اشیاء ہیں، معصومی صاحب نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جصاص کی تالیف میں کسی مترجم نے اس اختصار کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی مصنف کی تمام تالیفات کا استقصاء یا استیفاء کون کرتا ہے۔ اگر کوئی کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا اسی لئے عام طور پر یہ دلیل بہت کمزور سمجھی جاتی ہے کہ فلاں مصنف کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال راقم ایک ایسی دلیل پیش کرتا ہے کہ یقین ہے کہ معصومی صاحب بھی اس سے انکار نہ فرما سکیں گے، یہی کتاب جس کو خود معصومی صاحب نے آڈٹ کیا ہے اور تصحیح کی ہے اور تعلیقات تحریر فرمائی ہیں اسی میں ایک اتنی واضح دلیل مل گئی ہے کہ یہ کتاب ابو بکر جصاص کی ہے اور اصل کتاب کا اختصار ہے اصل کتاب یہ نہیں ہے: ملاحظہ فرمائیے مطبوعہ کتاب کے صفحہ (١٠١) کی عبارت یہ ہے:

فی الحلف بالامانة : "ذکر ابو جعفر عن اصحابنا فیمن حلف بامانة الله انها لیست بیمین".

ظاہر ہے کہ خود امام طحاوی کبھی ایسا نہیں فرما سکتے کہ "ذکر ابو جعفر عن اصحابنا"، بلکہ اگر یہ طحاوی کی عبارت ہوتی تو یوں ہوتی: "قال ابو جعفر : قال اصحابنا" آگے اور سنیے:

جصاص یہ لکھ کر اس پر تنقید فرماتے ہیں:

قال ابو بکر: ولیس کذلك الجواب فی الاصل هی یمین عندهم وقال الشافعی لیست بیمین اھ.

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو بکر کہتا ہے: امام طحاوی نے ائمہ احناف کی طرف جو بات منسوب کی ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ ''کتاب الاصل'' یعنی مبسوط امام محمد میں مذکور ہے کہ یہ قسم درست ہے اور شرعی یمین ہے، البتہ شافعی کے یہاں یمین نہیں ہے۔ ''کتاب الاصل'' مبسوط امام محمد کا دوسرا نام ہے اور کتب ظاہر روایت میں شمار ہے گویا جصاص نے اعتراض کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام طحاوی کی یہ نسبت ائمہ حنفیہ کی طرف درست نہیں کیونکہ مبسوط کے اندر اس کے خلاف بیان کیا ہے۔

یہ عبارت اور یہ تعبیر بالکل صاف دلیل ہے اس دعوے کی کہ یہ کتاب جو اختلاف الفقہاء کے نام سے طبع ہو رہی ہے یہ مختصر اختلاف الفقہاء ہے اور ابو بکر جصاص رازی کی تالیف ہے، طحاوی کی کتاب نہیں ہے، بظاہر معصومی صاحب کی نگاہ اس عبارت پر نہیں پڑی ورنہ کوئی امکان نہیں کہ اس عبارت کو دیکھ کر وہ صاحب کشف الظنون اور کوثری کے دعوے کی تردید فرماتے، بہر حال یہ تو ایک ضمنی بحث و تحقیق ہے جو قطعہ کتاب کا زیور طبع سے آراستہ ہو گیا ہے وہ بھی بڑی قابل قدر علمی خدمت ہے دوسرے اجزاء کا بے صبری سے انتظار ہے، کاش! یہ مختصر بھی

پوری مل جاتی تو ہمارا بڑا کام چل جاتا کیونکہ ہمارے سامنے مطبوعات کے ذخیرہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں کہ فقہاء بلاد سفیان ثوری، اوزاعی، حسن بن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کے اقوال و آراء کے ذکر کا التزام کرتی ہو، البتہ شیخ کوثری کا یہ فرمانا کہ: ''اس کتاب میں ائمہ اربعہ وغیرہ کے اقوال کا ذکر ہے'' تو ہم اس میں معصومی صاحب کے ساتھ ہیں کہ یہ سہوِ قلم ہے، امام احمد کے اقوال کا ذکر نہیں کیا گیا اور ممکن ہے کہ وجہ وہی ہو جو معصومی صاحب نے لکھ دی ہے، بہر حال ہمیں تو ان حضرات کے اقوال کی زیادہ ضرورت ہے جن کے مذاہب مدون نہیں ہوئے اور جن کے متبعین بھی دنیا سے اٹھ گئے ہیں، یعنی ثوری، اوزاعی، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ وغیرہ۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق

[رجب المرجب ۱۳۹۲ھ/ ستمبر ۱۹۷۲ء]

ماہنامہ ''فاران انگلستان'' کا اجراء

خوشی کی بات ہے کہ انگلستان میں مغرب کے افق سے ایک اردو دینی ماہنامہ ''فاران'' کا طلوع جناب موسیٰ سلیمان کرماڈی کی ادارت میں ہوا ہے، اس سے بڑھ کر مسرت کی بات یہ ہے کہ کاغذ، طباعت، حسن خط اور ساری ظاہری رعنائیوں کے ساتھ ساتھ ماشاء اللہ ہر طرح سے معنوی حسن و جمال کا مرقع ہے، خیالات کی پاکیزگی مضامین مندرجہ کے انتخاب سے نمایاں ہے، اگر معنویت کا یہی انداز باقی رہا تو کفرستانِ مغرب میں ان شاء اللہ تعالیٰ نورِ ایمان کا کوکبِ درخشاں ہوگا، اللہ تعالیٰ مزید تابانی نصیب فرمائے، آمین۔

وہاں کے مسلمانوں کو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

Manager faran monthly
109 Rutterwals (slaffs) u.k tel.wa 22936

قصیدہ مناجاتیہ

حضرت مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ نے یہ قصیدہ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ میں تحریر فرمایا تھا اور ربیع الاول ۱۳۹۴ھ میں بینات میں شامل اشاعت ہوا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کے عربی اشعار کا مجموعہ الحمد للہ قارئین کی خدمت میں "القصائد البنوریة" کے نام سے پیش کیا جاچکا ہے۔ (مختار)

الٰهی انَّ آثامی حوتنی   و ضلَّ مذاهبی و بکا هداها
الٰہی! میرے گناہ مجھ پر چاروں طرف سے محیط ہیں   مجھ سے راستے گم اور ان کے نشان اوجھل ہو گئے ہیں
فجهد النفس فی شرك الأمانی   و تضییع الشباب فی هواها
نفس کی تمام جدوجہد آرزوں کا جال پھیلانے میں مصروف ہے   اور جوانی اس کی خواہش میں ضائع ہو رہی ہے
و جهدی فی معاقرة الخطایا   و نفسی فی الهوی بلغت مداها
میری محنت خطا کاریوں میں کھپ رہی ہے   اور میرا نفس خواہشات کی حدنہایت کو پہنچ گیا ہے
أضعت العمر فی لعب و لهو   فیا لهفی علی نفسی و آها
میں نے ساری عمر کھیل تماشے میں اڑا دی   پس میرے نفس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے
صرفت العمر فی الآثام حتی   ضللت حائرا منها متاها
گناہوں میں عمر کھو چکا ہوں یہاں تک کہ   اب حیران و سرگرداں پھر رہا ہوں
و قد مزقت ثوبًا من تقاةٍ   یواری سوأتی عزًا و جاها
میرا لباس تقویٰ تار تار ہے   جو عزت و وجاہت سے میری ستر پوشی کرتا تھا
و انی قد غرقت فی ذنوب   فخلصنی الٰهی من بلاها
اور میں گناہوں میں مستغرق ہوں   الٰہی! مجھے ان کی بلا سے خلاصی عطا فرما
و قد ضیعت عمری فی الملاهی   و اشیاء اتتنی من هواها
میں نے ساری عمر ملاہی   اور خواہشات نفس کے پورا کرنے میں بسر کر دی
فکانت کلها اهواء نفس   بلیت بها فنفسی فی شجاها
یہ سب نفس کی خواہشات تھیں   جن میں میں مبتلا رہا پس میری جان سخت غم و اندوہ میں ہے
ملاذی ملجئی مولایَ ربّی   الٰهی فاحمنی نارًا لظاها
اے میری پناہ! اے ملجا! اے میرے مولا! اے میرے رب!   اے میرے معبود! مجھے آگ کے شعلے سے بچا لیجئے
نصیری ناصری و ملیك نفسی   رشیدی مرشدی هادی عماها
اے میرے ناصر و مددگار اور میری جان کے مالک!   اے مجھے ہدایت دینے والے تاریکیوں میں رہنمائی کرنے والے
الٰهی جئت اوّاهًا منیبًا   فأنزل منك من مزن حیاها
الٰہی! میں گڑگڑاتا اور توبہ کرتا ہوا تیرے دربار میں حاضر ہوں   مجھ پر اپنی رحمت کے بادلوں کی بارش نازل فرمائیے

فما عندی لعاقبتی مزاد
میرے پاس کوئی توشۂ آخرت نہیں
و عفوك يا الٰهی قد كفاها
الٰہی! اس کی جگہ تیرا عفو ہی کفایت کنندہ ہے

فأكرمنی بعفو من ذنوبی
میرے گناہوں کو معاف فرما کر مجھے ذلت سے بچا لیجئے
و رحم واسع هو مقتضاها
اور میرے گناہوں کی بقدر مجھ پر وسیع رحم فرمائیے

فان كان العباد بحار ذنب
اگر بندے گناہوں کے سمندر ہیں تو
فبحر العفو منك قد طواها
تیری عنایت کا سمندر ان کو پاٹنے کے لئے کافی ہے

و ان كان العبيد فی سقام
اور اگر بندے مختلف امراض میں گرفتار ہیں تو
فعندك يا الٰهی من دواها
الٰہی تیرے پاس ان کی دوا موجود ہے

الٰهی أنت ربی أنت حسبی
الٰہی آپ ہی میرے رب ہیں آپ ہی مجھے کافی ہیں
عليم بالنفوس و ما ثواها
دلوں سے اور دلوں کے پوشیدہ خیالات سے باخبر ہیں

الٰهی قد ترعوت رقودًا
الٰہی میں خواب غفلت میں پل کر جوان ہوا
فأيقظ نفس عبدك من كراها
پس اپنے بندے کو اس کی نیند سے چونکا دیجئے

و هذا شهر رمضان المبارك
اور یہ رمضان کا مبارک مہینہ ہے
فدعوات تجاب لمن دعاها
جس میں مانگنے والوں کو منہ مانگی مرادیں ملتی ہیں

فشهر فيه نور قد أتانا
یہی مہینہ ہے جس میں ہمارے پاس نور (قرآن مجید) آیا
و شهر فيه انوار نراها
اور اس مہینے میں ہم واضح انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں

فايام و ليلات كريمة
اس کے دن رات میں کرم ہی کرم ہے
فأسئل منك من كرم زهاها
میں آپ سے غایت کرم کا خواستگار ہوں

فنعم الشهر نعم الوقت ربی
میرے رب! یہ بہت خوب مہینہ، بہت ہی خوب وقت ہے
و أيام بليلات ضياها
اس کے دن اور راتیں باہم دگر متشابہ ہیں

غنی أنت ذو جود غزير
آپ غنی ہیں بے پایاں جود و احسان کے مالک ہیں
و نفسی اجدبت مما دهاها
اور میرا نفس اپنی آفات کی وجہ سے خشک بنجر ہے

فمنك الفيض ليس له نفاذ
پس آپ کی جانب سے نہ ختم ہونے والا فیض ہے
ومنك الجذب ليس لها دواها
اور اسکی جانب سے ایسا فاقہ ہے جسکی دوا اُسکے پاس نہیں

ومنك السح ليس له نهاءٌ
اور آپ کی جانب سے رحمت کا بے پناہ سیلاب ہے
و منها النشف ما منه غناها
اور اسکا کام اسے جذب کرنا ہے جسکے بغیر اسے چارہ نہیں

سألتك يالٰهی فی ليال
الٰہی میں نے تیرے سامنے دست سوال دراز کیا ہے راتوں میں
بخوف قد عرانی فی دجاها
ایسے خوف کیساتھ جو تاریکیوں میں مجھ پر ملا رہی ہے

أتيتك سائلا والنفس ترجو
میں بغرض سوال تیرے دربار میں حاضر ہوا اور دل میں امیدیں ہیں
و أنت المنعم الموفی مناها
اور آپ انعام کرنے اور دلی آرزوؤں کو پورا کرنے والے ہیں

فطنب فوقها فسطاط عفو
پس اس پر معافی کا خیمہ تان دیجئے
و قوض من خطایاها خباها
اور اس کی غلطیوں کے خیمے اکھاڑ دیجئے

ذنوبی ان عدت عدًّا وحصرًا
میرے گناہ اگرچہ حد شمار سے متجاوز ہیں
ففضلك یا الٰهی قد عداها
لیکن الٰہی تیرا فضل ان سے بھی متجاوز ہے

فعاملنی و جاملنی بفضل
پس درگزر فرما کر مجھ سے فضل کا ایسا معاملہ فرما دیجئے
کما انت له أهل الّها
جو آپ کی شایانِ شان ہو

واللّٰهم صل ثم سلم
اور اے اللہ! صلاۃ و سلام نازل فرمایئے
علی خیر البرایا مصطفاها
اس ذاتِ عالی پر جو تمام مخلوق سے بہتر اور برگزیدہ ہے

الی ما تذرف العین دموعًا
جب تک آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں
و ما وجلت قلوب من بکاها
اور جب تک رونے سے دل کانپتے رہیں

[ربیع الاول ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء]